

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۱ | بابہ ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء مطابقی صفر ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۱



حضرت مولانا غوث الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم

مدین

سالانہ
30/-

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فیچہ
3/-

سالانہ (شیرک) سعودی عرب کویت اور فلسطین و جنوبی و مشرقی افریقہ برطانیہ / 160/-
سری لنکا کے امریکہ کینیڈا اور ہندوستان میں بندہ ایڑ میں / 160/-
کینیڈا / 60/- ہندوستان / 40/-

پیش رویند آئینہ نشان اس بات کا گواہ ہے کہ آپ کا تعاون ختم ہو گیا

فہرست مضامین

نمبر شمارہ	نکارشہ	مضامین و نگار
۱	حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمن قاسمی
۲	امام اعظم ابو حنیفہؒ تدریس حدیث	مولانا عبدالقیوم حقانی استاذ دارالعلوم حقانیہ
۳	حدیث عہد رسول میں	مولانا محمد حنیف علی
۴	اطالعات و تعلقات	مولانا قاضی اظہر مبارکپوری
۵	لَا وَاللَّهِ	جناب بدیع الزمان صاحب پٹنہ
۶	مرزا غلام احمد قادیانی کی انگریز نوازی	مولانا امام علی دانش قاسمی
۷	جب ان کاغیزوں نے اعتراف کیا	عبدالملک فاروقی معلم دارالعلوم دیوبند
۸	محمد و الف تائی کی تعلیمات	اسٹریٹ محمد عمر خان گروسہ

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں کی ضروری گزارش

- ۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکراؤل فرسٹ سٹی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ کریں۔
- ۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالقاسم صاحب تمام کرم علی دارالتعمیر شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو وصولی دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔
- ۳۔ خسر علیہ حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے وقت ضروری نمبر ضرور لکھیں،

دہش سوم
(نمبر ضرور لکھیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

قرآن کریم انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات کی عطا کردہ آخری کتاب ہے جس میں اصولی طور پر دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جامع ترین ہدایات بیان کر دی گئیں ہیں جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے بالکل مناسب ہیں ان میں کسی ترمیم و تفسیح اور حذف و اضافہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ: "مَا فُوتِنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" اور "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ وَلَعَلَّ نَحْنُ لَهٗ عَوْبًا قِيَمًا" (۱۰۱) آیہ میں قرآن عظیم کی اسی جامعیت اور ہمہ گیری کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانیؒ، آخر اذکر آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

”اس کتاب میں کوئی طبعی ترمیمی بات نہیں، عبارت انتہائی سلیس و فصیح اسلوب نہایت مؤثر و سنگتہ، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے“ (فوائد عثمانی ص ۳۸)

یہ تغیر پذیر دنیا ہزار کر دہیں بدلے، تمدن و معاشرت اور انسانی مزاج و عادات میں لاکھ تبدیلیاں آجائیں، اقتصادیات و معاشیات کی قدس گو یکسر مختلف ہو جائیں، علم و تحقیق کے معیار خواہ کتنی بلند یوں پر پہنچ جائیں، زندگی کے تقاضے اور ضروریات کوئی بھی عجز اختیار کر لیں، قرآن حکیم اور کتاب مشین کی جامع اور ہمہ گیر ہدایات حیات انسانی کے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا حل پیش کرتی رہیں گی۔

اس بنا پر خداوند عالم نے اہل دانش کو قرآن میں اہل دانش اور تہذیبی بار بار دعوت دی ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے

(یہ) ایک کتاب ہے جو ہماری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ وہیمان کریں لوگ، اس کی آیات میں اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (سورہ ص)

لیکن تدریجی اس عام دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اس کے کلام میں کوئی شخص اپنے افکار و نظریات اور خیالات و رجحانات کو شامل کر دے، کیونکہ اس کی نادی اور چھوٹ کا انجام یہ ہوگا کہ یہ دستور الہی اور کتاب ہدایت انسانی افکار و رجحانات کا ایک دفتر ہو کر رہ جائیگی اس لئے حق جل جلالہ نے اپنے کلام کی تفسیر و تشریح کے لئے خود اپنے رسل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تاکہ تو
کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتاری ان
کے واسطے

یعنی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی آپ کو ایسی کتاب دیکر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیاء سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے، آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے معنایں خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور جملات کی تفصیل کر دیں، اس سے معلوم ہوگا کہ قرآن کا مطلب وہی ہے جو روایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو (نوائے عثمانی ۲۵۵)

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کر دی ہے جو تبیین کی دیکھ سکتی ہے چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کارنامہ نقل فرماتے ہیں کہ:-

قال من قال فالقرآن بوايه او
بما لا يعلمون ليتبوء معتدا
من الناس (اخرجه الترمذي والنسائي
وابن داود وقال ترمذي باصحة حسن)
جس شخص نے قرآن حکیم میں اپنی رائے سے
کوئی بات کہی یا ایسی بات کہی جس کا علم اسے
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے)
نہیں ہے تو اسے جہنم میں پاتا ہے جہاں نہ پائے جاتا،
قرآن وحدیث کی روشنی میں ائمہ مفسرین نے قرآن حکیم کی تفسیر کے لئے کچھ اصول و
ضوابط اور معیار مقرر کئے ہیں جو تفسیر اس ضابطے اور معیار کے مطابق ہوگی وہی محترم اور
مقبول ہوگی اور جو اس معیار و اصول سے منحرف اور ہٹ کر ہوگی وہ غیر محترم اور مردود سمجھی
جائے گی، ائمہ تفسیر کے اس ضابطے کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر کے مطابق یا کسی
مرفوع حدیث یا اقوال صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

(۲) سیاق و سباق سے ہم آہنگ ہو یعنی قرآن عظیم کی ان آیات سے مربوط ہو جو اس سے پہلے اور
بعد میں ہیں۔

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے موافق ہو۔

(۴) اصول شریعت اور دین کے ثابت شدہ ان بنیادی امور کے مطابق ہو جن پر ایمان و

اعتقاد لازم ہے

۱۷) مقاصد قرآن کے ماتحت ہو۔

لیکن قرآن و حدیث اور علماء حق کی ان تمام تر پیش بندیوں کے باوجود ہر جہد اور ہر ناز کے علماء سواد راہل ہوا قرآن پاک کے تراجم و تفسیر میں اپنے باطل عقائد و ماسد نظریات کو ٹھونس کر کتاب مبین کی روشن تعلیقات و ہدایات کو غبار آلود کرنے کی مذموم کوشش اور ناروا جہارت کرتے رہے ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بعض کم فہم مغرب زدوں اور اہل بدعت، دین بیزار کے آرد و تراجم اور تفسیریں تحریفات اور باطل تاویلات سے بھری ہوئی ہیں، بالخصوص حکومت برطانیہ کے ساختہ و پرداختہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو قرآن حکیم کی معنوی تحریف میں حد ہی کر دی ہے، بطور مثال کے جو دو میں کے اس دجال اکبر کی چند تحریفات یہاں نقل کی جا رہی ہیں

(۱) **وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّٰرَأْتُمْ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ** آیۃ کے ذیل میں لکھتا ہے

ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کس عبادت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پر گئی تھی بلکہ اس آیت میں غور کرنے سے صرت اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک بغاوت نے خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتا تھا سو اللہ نے تعالیٰ نے اصل مجرم کے بچونے کے لئے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے لاش پر لہت بہ لہت اس کی بوٹیاں ماریں اصل خونی آفتہ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو اس لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائیگا، اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں یہ بھی ہے کہ جادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مثلاً بھرت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے (ازالۃ الاوامر ۱۹۱۷ء)

(۲) اسی طرح یہ کاذب نامراد اپنے ظہور کی علامتوں کو بیان کرتے ہوئے بعض ان آیات کی جن میں قیامت کی ہونا کیوں کو بیان کیا گیا ہے ان کی معنوی تحریف کر کے کچھ سے کچھ ناپا ہے چنانچہ لکھتا ہے **حَصَانَتَانِ** ایک نئی سواری کا نکلنا ہے جو سحیح بوعود کی خاص نشانی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ **وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** یعنی آخری زادہ ہے جب اوشیاں بیکار ہو جائیں گی

حَصَانَتَانِ کلابوں اور نوشتوں کا بجزت شائع ہونا جیسا کہ آیت **وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِطَتْ** سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ باعث چھاپے کی کلوں کے جس قدر اس زمانے میں کثرت آجاتی کلابوں کی ہوتی ہے اس کی بیان کی ضرورت نہیں۔

ساتواں نشان کثرت سے نہریں جاری کئے جانا جیسا کہ آیت "وإذا البحار فجرت" سے ظاہر ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ اس زمانہ میں اس کثرت سے نہریں جاری ہوئی ہیں کہ جن کی کثرت سے دریا خشک ہوئے جاتے ہیں

نواں نشان زلزلوں کا متواتر آنا اور سخت ہونا ہے جیسا کہ آیت "وہزجت الارض فاجفة" تبیعہا الوادفة سے ظاہر ہے غیر معمولی زلزلے دنیا میں آرہے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ۱۹۵) (۳) وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بل أحياءٌ تحت لکھتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچائی پر رہے ہیں، اور یہ مراد لینا کہ جو کافروں کے مقابلہ میں لڑائی میں مارے گئے غلط اور ماسلمانہ خیال ہے، مراد یہ ہے کہ جیسے سچائی زندہ رہتی ہے اسی طرح سچے لوگ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں، یعنی وہ نجات پاتے ہیں، ان کو رنج و غم نہیں ہوگا، چونکہ انگریزوں کے اس خودکاشت نبی نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی میں اپنی اختراعی شریعت سے جہاد کو منسوخ کر دیا تھا اس لئے اسکے لئے مزدی تھا کہ اس آیت میں تحریف کرے۔

بعض اختصار صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے در نہ مرزا قادیانی کی تعانیف میں آیات قرآنیہ کی تحریف کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، مزدورت ہے کہ کوئی صاحب نظر عالم انہیں جمع کر کے شائع کرادے اور اس مردود تفسیر کے ساتھ ساتھ مقبول تفسیر بھی نقل کرے گا تا کہ اس منکرات انگیز فقرہ کے گرداب میں پھنسنے سے امت محفوظ رہے اور قرآن حکیم کی واضح اور روشن ہدایات پر اس ام تلبیس نے اپنے نفرتیات اور تحریفات کا جو پردہ ڈالنا چاہا ہے اسکے تار و پود کا لعین المنفوش ہو کر بکھر جائیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ "تدوین حدیث"

کتاب الآثار اور جامع المسانید

اسرار مولانا عبد القیوم حقانی رفیق موقر المصنفین استاذ دارالعلوم حقانہ
دیگر بہت سارے کمالات اور محاسن و فضائل کے ساتھ تدوین فقہ اسلامی اور اسکی
ترتیب و ترویج میں بھی امام اعظم ابو حنیفہ کو مدون اول ہونے کا شرف حاصل ہے۔
علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :-

من مناقب ابی حنیفۃ انہ انفراد
بہا انہ اول من دون الشریعۃ
ورقبہ ابوابہ
امام ابو حنیفہ کی ان بزرگیوں میں سے جن
میں وہ یگانہ ہیں ایک یہ ہے کہ ابو حنیفہ پہلے
شخص ہیں جنہوں نے شریعت کی ترتیب
و تدوین اور ترویج کا کام کیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ اس شرف میں بقول جلال الدین سیوطی صرف یگانہ ہی نہیں بلکہ
اندر و متبوع کے مقتدا بھی ہیں حتیٰ کہ امام مالک نے بھی اپنی "موطا" میں امام ابو حنیفہ
کی اقتدار کی ہے۔

شرفہ مالک فی ترتیب الموطا
پھر امام مالک نے "موطا" کی ترتیب میں
ابو حنیفہ کی اتباع کی۔

ادریہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جیسا کہ قاضی ابوالعباس نے بھی اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل عبد العزیز بن محمد درادردی روایت کی ہے کہ امام مالک، امام عظیم ابو حنیفہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

قال کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفہ امام مالک، امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے و ینتفع بہا لہ

حدیث میں امام ابو حنیفہ کی تصنیفات | امام اعظم ابو حنیفہ نے کوذکی مشہور علی درگاہ

میں تدریس اور تدریس فقہ کے علاوہ فقہ کے ابواب پر مشتمل حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی صحیح اور معمول بہ روایات سے انتساب کر کے مرتب کیا پھر اسے اپنے تلامذہ کے سامنے درس کی صورت میں پیش فرمایا۔ منتہی میں لائق تلامذہ اپنے شیوخ کی جن تعلیمات کو دوران سبق زید تحریر لے آتے تھے وہ تصانیف ان کے شیوخ، ان کی طرف منسوب ہوتی تھیں۔ جیسے ابن دقیق العید کی "احکام الاحکام" جس کو ان کے لائق شاگرد قاضی اسمعیل نے تحریر کیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے بھی اپنے لائق تلامذہ قاضی ابویوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد وغیرہ کے سامنے دورانِ درس جو احادیث بیان فرمائیں انھیں آپ کے تلامذہ حدیثاً اور اخبارنا کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لائے۔ آپ کے ان درسی افادات کا نام "کتاب الآثار" ہے جو دوسری صدی کے ربیع ثانی کی تالیف ہے

لہ مناقب ذہبی صلا ۱۱۱ صدر اول میں تمام علوم اور جہات فنون عربیہ کی تدریس و افادہ کا بھی طریقہ تھا۔ مشائخ و اساتذہ درس و اہل علم اور تقریر کرتے اور تلامذہ اپنے حفظ و یادداشت کے لئے اساتذہ کے امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور پھر یہ طریقہ بتدریج ترقی کرتا رہا حتیٰ کہ خود اساتذہ اور علماء فن اپنی مرویات کو بطور تصنیف مرتب کرنے لگے حدیث میں یہ طریقہ تمام علوم سے زیادہ مقبول ہوا اور محقق روایت کی مشہور اور اعلیٰ قسم پر

امام اعظم ابو حنیفہ سے پہلے عربیت نبوی کے بقعے مجموعہ اور صحیفے صحیح ابن کثیر کی ترتیب کیا نہیں تھی۔ کتاب الآثار اس دور کی پہلی تصنیف ہے جس میں بعد کے کتب والے محدثین کے لئے ترتیب و تہیہ کی شاہراہ قائم کر دی گئی۔

کتاب الآثار

حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح کتاب الآثار کے مادوں کے متعدد ہونے کی وجہ سے اس کے نسخے بھی متعدد ہونگے ہیں جیسے

امام اعظم ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کی روایت کرنے والے علامہ کی تعداد تو زیادہ ہے لیکن ان میں شہرت درج ذیل چار نسخوں کو حاصل ہوئی۔

- (۱) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۲) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف
 - (۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت امام حبان نیاد
- پھر ان چار نسخوں میں بھی سب سے زیادہ شہرت و قبولیت امام محمد کے صحابیت کرنے

رہتے تھے سو گذشتہ) قرار پایا۔ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں: «صواب اللہ عنہ کتابہ او من حفظہ او باعدادہ او بغير اعلامہ و هو اربع الاقسام انتظیم الانظار ح (۱) علامہ محمد بن عبدالحمید اس طریقہ کو تالیف و تصنیف اور تدوین میں سب سے اعلیٰ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: «حدیث حاصل کرنے کے طریقوں میں سب سے اعلیٰ طریقہ یا فقہ لغوی ترین طریقہ ہے کہ راوی شیخ کے الفاظ سے تمامہ شیخ کسی دستاویز سے نقل کرے یا روایت یا یادداشت سے۔ اعلام کہ ان حدیث میں فرقہ سے اونچا ہے۔ (۲) نقل سے جو اتنا صحیح و مستقیم»

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: «حدیث انتظیم اربع الاقسام حدیث اولیٰ علیہا غیر (۱) علامہ ابن کثیر نے اس قسم کے اطلاق کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کو امام الحدیث کہا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں حدیث کی ترتیب و تہیہ کی شاہراہ قائم کر دی گئی۔

نسوز کو ملی، حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مقررًا اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے
انما ہو کتاب الآثار التي رواها محمد بن الحسن عندہ بل
حسن روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الآثار کے رواد کے حالات پر دو کتابیں لکھی ہیں۔
پہلی تصنیف مستطاب الآثار کے رجال سے متعلق ہے جس کا نام «الانثار بمعرفۃ رواد
الانثار» ہے۔ دوسری تصنیف کا نام «تعمیل المنفعة بزوائد رجال اللہ علیہ السلام» ہے۔ اس میں
حافظ ابن حجر نے ان راویوں کے حالات لکھے ہیں جن سے ائمہ اربعہ نے اپنی اپنی تصانیف میں
حدیث نقل کی ہیں اور صحاح میں ان راویوں کے حوالے سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔ حافظ
سفاوی نے کتاب الآثار کے رجال پر ایک دوسری مستقل کتاب نشاندہی بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں:-
وللذین قاسم الحنفی رجال کل من الطحاوی والموطأ لمحمد بن الحسن والآثار و
مسند ابی حنیفۃ لابن المقرئ۔

چلی نے کشف الظنون میں کتاب الآثار پر حافظ
ابو جعفر طحاوی کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے۔ مشہور

ابو زہرہ مصری کی رائے

حق ابو زہرہ مصری نے کتاب الآثار کے متعلق لکھا ہے کہ:-

«یہ کتاب علی طور بدین درجہ سے مستحب ہے، اولاً یہ کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے مرویات
کا ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے استخراج مسند
میں احادیث کو یکے دلائل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دوم یہ کہ کتاب میں بتاتے
ہے کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں ہوا صحیح استدلال میں فتاویٰ صحابہ اور احادیث مرویہ کا

دلہ قبیل المنقذہ برجال الائمہ الاربۃ۔ ص ۱۱۶۔ یہ کتاب اب حیدرآباد سے چھپ چکی ہے اور
دستیاب ہے۔ ص ۱۱۶۔ الاصل المنقذہ ص ۱۱۶۔

کیا مقام تھا۔ سو ہم یہ کہ اس کتاب کے ذریعہ تابعین فقہ کے کوٹے کے خصوصاً اور فقہانے
عراق کے ممتاز فکوحی تک ہمارا رشتہ قائم ہو جاوے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا زماں و صحابہ اور کہاں رہا تابعین کا زماں
ہے۔ حدیث کے طرق اور سند میں ابھی تک پھیلاؤ اور

کتاب الآثار کا انتخاب

وسعت نہیں آتی تھی جو امام بخاری اور امام مسلم کے زمانے میں آگئی تھی اور ایک ایک حدیث
کے لئے ہزاروں طرق رونما ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود بھی امام ابوحنیفہ نے چالیس ہزار
احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر فرماتے ہیں: **بسم
الغضب ابوحنیفۃ الاثار من امر لعین** امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس
الف حدیث سے ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔

مشہور شارح حدیث ملا علی قاری لکھتے ہیں: **ان الاطام ذکر قضاہ فیہم نیناؤ
سببین الف حدیث**۔ یعنی بن نصر فرماتے ہیں:۔

”میں امام ابوحنیفہ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے اٹا ہوا تھا۔
میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسا ہے؟ فرمایا کہ یہ سب احادیث ہیں اور میں نے ان میں
سے تھوڑی حدیثیں بیان کی ہیں“۔

عجل القدر عملاً اور امام
بخاری کے شیخ امام عبداللہ

کتاب الآثار اور ابن مبارک کے مدحیہ اشعار

ابن مبارک نے امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں مدحیہ اشعار کہے ہیں اور ان کی کتاب الآثار کی
جلالت شان کا ذکر بھی کیا ہے۔
روى انا علی حاجب فیہما
کثیر من العصور من المذنب

کتاب ابوحنیفہ سے ساقب الموعود
کے نقود ابوہریرہ السک

فلمریک بالعراق لہ نظیر : ولا بالشراعتین ولا بکفرہ

ترجمہ :- انھوں نے آثار کو روایت کیا تو اتنی نیزی سے چلے جیسے ہندی سے شکاری پرک اڑتے ہوں۔ نہ تو عراق میں انکی نظیر تھی اور نہ کو ذمہ اور نہ مشرق و مغرب میں۔

کتب ابو حنیفہ کا مطالعہ اور ضرورت و اہمیت

امت مرحومہ کے
سواد اعظم کا اولین

مذہبی علمی سراپا امام ابو حنیفہ کی کتاب الآثار وغیرہ ہے جسے امت میں ملحق بالقبول کا شرف حاصل رہا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

من لم یظرفی کتب ابی حنیفۃ
لم یتبحر فی الفقہ

جو امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے بے نیاز رہے گا
اسے علم میں تبحر حاصل نہ ہوگا۔

شیخ الاسلام یزید بن ہارون نے ایک مرتبہ ایک استفسار کے جواب میں فرمایا :-
انظروا فیہا ان کنتم قویدون ان
تفقہوا ما فی ما رأیت احداً من الفقہاء
میں نے کسی بھی فقہ کو ان سے
بے نیاز نہیں دیکھا۔

ایک بار امام محمد بن احمد شریعی نے امام طحاوی سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے
ناموں (امام مزنی، جو امام شافعی کے بڑے تلامذہ سے ہیں) کے خلاف ابو حنیفہ کا
مذہب کیوں اختیار کیا؟ تو امام طحاوی نے فرمایا :-

”میں نے اپنے ناموں (امام مزنی) کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ امام ابو حنیفہ کے
کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں لہذا میں نے بھی انکے مذہب کو اختیار کر لیا۔“

کتاب الآثار کے شرح و تعلیقات اور محققان

حدیث کی دوسری
کتابوں کا طبع

کتاب الآثار کے ساتھ بھی محدثین نے بطور خاص اقتدار کیا ہے اور اسکی افادیت میں مزید اضافہ کرنے کے لئے مختلف انداز سے اس پر کام کیا ہے۔ چنانچہ ابو حنیفہ رو کا ہر مستاد کی مرویات کو یکجا کر کے اس کو سند ابی حنیفہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سند ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

پس نسبت ایسا سند بحضرت امام اعظم
ازیں باب است کہ مثلاً سند ابی بکر
از سند احمد بحضرت ابی بکر نہائیم
اس سند کو حضرت امام اعظم کی طرف
نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم سند ابوبکر
کو جو حضرت امام احمد کی مرتب کردہ ہے
حضرت ابوبکر کی طرف نسبت کریں۔

بوزہرہ نے امام ابو حنیفہ کے مسانید کی تعداد بالتفصیل ۱۵ بتائی ہے۔
مشہور عارف علامہ عبد الوہاب شعرائی نے مسانید امام اعظم کے مطالعہ کے بعد
ارشاد فرمایا کہ :-

الاکل حدیث وجدناہ فی مسانید
الامام الثلاثة فهو صحیح
امام اعظم ابو حنیفہ کے مسانید سے گانگی ہر
حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہے۔
مسانید امام اعظم پر مختلف حضرات نے کام کیا۔ علامہ صدر الدین موسیٰ (متوفی ۱۰۷۷ھ)
نے ترتیب شیوخ اور علامہ مسندی نے انہیں سنن اور ابواب کے طور پر مرتب کیا۔

مسانید امام اعظم کے مشروح میں حافظ زین الدین قاسم کی ضخیم شرح، حافظ ابو الیاس
السید علی کی شرح، التعلیقہ المنیذ علی مسند ابی حنیفہ، شرح طاعی قاری اور سید نظام
از محمد حسن اسرار علی سنبلی (متوفی ۱۳۷۷ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

امام ابوالوئید محمد بن محمود خوارزمی (متوفی ۳۹۷ھ) نے
تمام متفرق مسانید کو جامع المسانید کے نام سے یکجا کر کے

جامع المسانید

طعن فقیر بہت بڑا اہسان کیا ہے۔ خوارزمی نے جامع المسانید کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”میں نے شام میں بعض جاہلوں سے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں کے مقدار کے بارے میں ایسی حقیر مقدار کا ذکر سنا جس سے امام ابو حنیفہ کی تحقیر و تنقیص ہوتی تھی اور اسی بنا پر وہ امام صاحب کی طرف قلت حدیث کو منسوب کرتے تھے اور اس قلت حدیث کی دلیل میں وہ مسند شافعی اور مؤطا مالک کو پیش کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی ایسی مسند یا حدیث کی کتاب نہیں ہے وہ تو صرف چند حدیثیں ہی روایت کرتے تھے اس پر دینی غیرت و حمیت دامنگیر ہوئی تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ بڑے بڑے علماء حدیث نے امام ابو حنیفہ کی لکھائی ہوئی احادیث کو جو منفرد طور پر پندرہ مسندوں میں جمع کیا ہے انہیں ایک کتاب میں جمع کر دوں؛

ان جلیل القدر محدثین کے علاوہ امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ الملکی، ابو البقا سید مرتضیٰ زبیدی وغیرہ نے جامع المسانید کا اختصار مختلف ناموں سے کر کے مرویات ابی حنیفہ کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ بہر حال ماننے والوں نے تو مانا اور خوب مانا، زمانے والوں کے لئے آج بھی چیلنج ہے اور انشائاً اللہ جب بھی میدان تحقیق میں قدم رکھا جائے گا تو امام صاحب کی طرف اطالی کنالوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتیوں کی طرح بکھر کر نظر آئیں گی۔

علی بن حمد جوہری ابو حنیفہ کے بہت بڑے حافظ، امام بخاری اور امام ابو داؤد کے استاد ہیں اسے نقل کیا گیا ہے۔

قال علی بن حمد ابو حنیفہ اذا جاء بالحدیث جاء به مثل الدرر
ابو حنیفہ جب بھی حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ ایک آبدار موتی کی طرح ہوتی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

امام اعظم ابوحنیفہ اپنے معاصر محدثین اور تلامذہ حدیث میں حاکم مانے جاتے تھے۔ مگر بظاہر یہ

اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ جاننے والوں کو فریب دینے کے لئے عموماً وارد کیا جاتا ہے کہ امام بخاری نے تو اپنا صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے صرف ستر ہزار احادیث سے چالیس ہزار احادیث کا انتخاب کر کے "کتاب التاریخ" لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب حدیث میں قلیل بقاء ہیں اور حدیث کے ایک کثیر حصہ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔ معترضین کا یہی سبب بڑا ہتھیار ہے جس سے امام ابوحنیفہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ ایسا اشکال اور اعتراض وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں علم حدیث سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ علم حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کی قلت اور کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے محدثین کی اصطلاح میں سند اور سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی کفایت اور تعداد بدل جاتی ہے جبکہ نفس حدیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زائد نہیں ہے۔

احادیث صحیحہ کی تعداد

امام ابو جعفر محمد بن الحسین البیہقی نے کتاب التیز میں امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام یحییٰ،

امام عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد بن حنبل کا منفقہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

ان جملة الاحادیث المسندة عن
النبي صلى الله عليه وسلم يعين الصحیفة
بلا تكثر من اربعة الاف و اربع مائة
بلا شبر وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں انکی
تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

چنانچہ اباب صحاح نے بھی مذکورہ تعداد کے قریب قریب اپنا کتابوں میں احادیث

۱۔ حاکم، فن حدیث، کی اصطلاح میں وہ شخص کہلاتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ احادیث پر فتاویٰ سنداً و سترس ہو۔ ۲۔ توضیح الامکار ص ۹۳۔

کی تخریج کا ہے۔ چنانچہ ماضی اعرافی نے صحیح بخاری کے مکررات نکال کر احادیث کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ امام نووی نے بھی صحیح مسلم کی روایات کی تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ
 ومسلم باسقاط المكر ما نحو امر بحدیۃ الالف۔

امام زرکشی نے سنن ابداؤد کی احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو گنوائی ہے۔
 ابن ماجہ کے متعلق بھی علامہ ابوالحسن بن قطلان فرماتے ہیں عدتہ الالف حدیث۔
 اسی پر دوسری کتب حدیث کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا سن ولادت سنہ ۶۰ اور امام بخاری کا سن ولادت سنہ ۱۹۳ء ہے۔
 دونوں کے درمیان ۱۱ سال کا طویل وقفہ ہے۔ اس عرصہ میں ایک حدیث کو سیکڑوں بلکہ
 ہزاروں اشخاص نے روایت کیا ہوگا۔ اس لئے دونوں کے درمیان چھ لاکھ اور
 ستر ہزار کا بھرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے۔ اصل جہت کا نہیں۔

حدیث عہد رسول میں

اخذِ حدیث میں صحابہ کرام کو احتیاط

مولانا محمد حنیف علی

صحابہ کا بعض حدیثوں کے لئے دوراوی کا مطالبہ قبول حدیث کے لئے بطور شرط ضروری نہیں تھا بلکہ انہوں نے ایک ہی راوی کی بے شمار حدیثیں قبول بھی کی ہیں اور اسے معمول بہا بھی بنا لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوراوی کا اصرار انکی طرف سے غایت احتیاط، تحقیق اور بیداری کے لئے تھا۔ اسلئے کہ روایت دوراویوں کے بعد ہی صحیح ہوگی ایسا حدیثیں جنہیں خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ نے ایک راوی سے لی ہیں ان کی مجموعی تعداد ان روایتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ صحابہ نے دوراوی طلب کیا ہے۔ ہم آپکی خدمت میں چند روایات بطور مثال پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور عورت اپنے مقتول شوہر کی دیت میں وارث نہ ہوگی لیکن جب حضرت ضحاک بن سفیان نے یہ حدیث بتائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت میں وارث قرار دیا ہے تو فاروق اعظم نے اپنے قول سے رجوع فرمایا۔

۲۔ حضرت طاؤس سنی منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آدمی پر قسم ہے جس نے جنین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے اتنے میں حضرت حمل بن مالک ابن نابعہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا امیر المؤمنین میری دو باندیوں کا معاملہ تھا ایک نے دوسرے

کو خیر کی چوب (لکڑی) سے مار دیا جس سے اس کا جنین ساقط ہو گیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت میں ایک غلام واجب الادا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنکر فرمایا کہ میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ سنتا تو کچھ اور فیصلہ کرتا۔

۳۔ حضرت ابی عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے شام کا سفر کیا جب مقام سرخ پہنچے تو اسلامی لشکر یعنی حضرت عبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہو گئی انھوں نے بتایا امیر المومنین شام میں دبا پھیلی ہوئی ہے، ہاجرین، انصار اور قریش کے بزرگوں نے آپس میں مشورہ کیا ہے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ انکی رائے مختلف ہو گئی اتنے میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو اپنی کسی ضرورت سے غائب تھے آگئے اور فرمایا لوگو یہ احتمال کیا ہے میرے پاس اس مسئلہ کا حل اور علم ہے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پاک ارشاد سنا ہے اذ اسبغتم بہ بارص فلا تقدوا علیہ واذ اوقع بارصا وانتم بها خلا تخرجوا فواما امانہ۔ جب تم کسی علاقے میں دبا پھیل جانے کی اطلاع پاؤ تو وہاں مت جاؤ اور پھر دبا اس جگہ آجائے جہاں تم ہو تو نکل کر مت بھاگو۔ یہ سنکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام ساتھیوں کو حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اس خبر پر رجوع فرمایا۔

۴۔ حضرت علی ابن زین العابدین ناقل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے عرض کیا امیر المومنین قسم بخدا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے۔
"سنوا بہم سلة اهل الکتاب۔ ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کرو۔"

۵۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شرعی موزوں پر مسج کے سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی خبر کو قبول فرمایا اور اپنے صاحبزادے ابن عمر کو حکم دیا کہ اس پر تکبیر نہ کریں اور فرمایا صاحبزادے! حضرت سعد کوئی بھی حدیث تم سے نقل کریں تو اسے مت روکو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی موزوں پر مسج فرمایا ہے۔ بعض روایتوں میں

ہیکہ حضرت سعدؓ سے کوئی حدیث بیان کریں تو پھر دوسروں سے مت پوچھو۔ آپ کے یہ ارشاد خبر واحد کے قابل قبول ہونے کی واضح دلیل ہے حتیٰ کہ فاروق اعظم نے اپنے صاحبزادے کو بھی حضرت سعدؓ کی حدیث پر دوسروں سے پوچھنے کی بھی ممانعت فرمادی۔ اگر حضرت عمرؓ کے یہاں کسی روایت کے لئے دو راوی کا ہونا شرط ہوتا تو وہ صاحبزادے کو حکم دیتے کہ حضرت سعدؓ سے ایک راوی اور دریافت کر لو اور دوسروں سے دریافت کرنے کی ممانعت بھی نہیں کرتے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل عورت کو رحم کرنا چاہا لیکن جب معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”رفح القلم عن ثلاث عن النائم حتى يستيقظ وعن المجنون حتى اخاق وعن الصبي حتى يبلغ،، تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ سونے والا بیدار ہونے تک، دیوانہ ہوش میں آنے تک، بچہ بالغ ہونے تک،، تو اب رحم نہ کرنے کا حکم دیا۔ امیر المؤمنین نے حاطب کی باندی کو بھی رحم کرنا چاہا لیکن جب حضرت عثمان نے بتا دیا کہ نادان پر حد جاری نہیں ہوتی تو اس کو سلگسا کر کے سے باز آگئے۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انگلیوں کی دیت میں نفاذ حکم کے قائل تھے لیکن جب تمام انگلیوں کے نقصان پر یکساں دیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہو گیا تو اپنے قول سے رجوع فرمایا اور مسادات پر عمل پیرا رہے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے پڑوسی حضرت غنابان انصاری کے ساتھ باری باری پہنچنے کا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ اس واقعہ میں حضرت عمر فرماتے ہیں کہ کبھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کبھی میرے پڑوسی۔ جب میں آپ کے پاس ہوتا تو اس دن کی ساری حدیثیں اور خبریں پڑوسی کو آکر بتا دیتا اور جب وہ آپ کے یہاں پہنچتے تو اس دن کی تمام حدیثیں اور خبریں مجھے بتا دیتے۔ یہ واقعہ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس حقیقت کے لئے رکھلا اعتراف ہے کہ پڑوسی یا کسی اور کی خبر واحد قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ اور قباحت نہیں ہے۔

غرض ان تمام مثالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نے قبولیت حدیث کیلئے دو راوی کی شرط نہیں لگائی اور ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ انھوں نے خود بیان فرمادیا ہے کہ ان کا یہ اقدام بر بنائے احتیاط تھا اس لئے ہرگز نہیں تھا کہ دو سے کم راوی ہوں تو روایت نہ لی جائے اور جن روایتوں میں دو راوی کی قید ہے اس کی توجیہ بھی یہی کی جائے گی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف اور ان کا احتیاط بھی عمرت اس لئے تھا کہ ہر روایت راوی کی زبانی یاد ہو جائے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کسی روایت میں دو راوی کی قید نہیں لگائی ہے مگر اس عادت کے جسے امام ذہبیؒ نے نقل کیا ہے۔ لیکن ابن حزم نے اس پر حرج کرتے ہوئے اس روایت کو منقطع بتایا ہے جسے حضرت ابو بکر کے موقف کے لئے حدیث کے باب میں صحیح ترمذی نے بیان کیا جا سکتا اس لئے کہ خود ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سی خبر و احادیث قبول کیا ہے۔ ہم نے کچھ اوراق میں صدیق اکبر کا طریقہ کار اور ان کے موقف کو بتایا ہے لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ انھوں نے روایت کرنے والوں سے شہادت بھی طلب کی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کا ذکر ہے ابو بکر نے بلا شرط لے لیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کسی روایت کے لئے دو راوی کا مطالبہ نہیں فرمایا اور گذشتہ روایت میں وضو کے بعد تمام حاضرین سے شہادت حاصل کرنے کا جو ثبوت ملتا ہے یہ تو صرف پوری تاکید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت بتانے کے لئے تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود حضرت عثمان سے خبر واحد پر عمل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری کی بہن فریجہ بنت مالک سے حضرت عثمانؓ نے ان کے شوہر کی حدیث وفات دریافت کیا اور ان کی خبر پر فیصلہ کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں جو مذکور ہے کہ روایت کرنے سے پہلے وہ راوی سے قسم لیتے تھے یہ بھی ان کی کوئی مفرزہ عادیہ معمول نہیں تھا بلکہ وہ بھی بہت سی روایتیں بغیر قسم لے کر روایت کی تھیں اور حضرت علیؓ نے

ابو بکر صدیقؓ کی تمام روایات اسی طرح لیا ہے غور کیا جائے تو حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے موقف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ حضرت علی نے خود مذہبی کا حکم جانے کیلئے مقداد بن اسود کی روایات پر حلیہ بیان لئے بغیر اعتماد اور عمل کیا۔ بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلفاء اربعہ کے یہاں اخذ حدیث اور قبول لینے کے لئے کوئی خاص شرط نہیں تھی اور جن روایتوں سے مشہور ہوتا ہے وہ زبانی یاد کرنے کے ساتھ تحقیق و احتیاط کی ایک مناسب اور معقول تدبیر تھی مزید یہ کہ ان خلفاء نے عام طور پر دوسرے صحابہ سے بلا کسی شرط کے حدیثیں سنی بھی ہیں اور نقل بھی کی ہیں۔ بعینہ کے دور میں تابعین اور تبع تابعین نے بھی حدیث حاصل کرنے میں کسی طرح صحابہ سے

کم احتیاط اور اتمام نہیں کیا ہے۔ وہ اپنے دلوں کی تسکین کے لئے تحقیق و جستجو کے ساتھ احتیاط کی ہر تدبیر کر لیا کرتے تھے۔ بلاشبہ راویان اسلام کا تاریخ کا جسٹس بھی مطالعہ کیا اور حدیث حاصل کرنے والوں کی کیفیتوں کا جائزہ لیا ہے اسے تابعین کی بے مثال کاوشوں کا پورا علم ہے۔ انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث محفوظ شکل میں بعد میں آنے والوں تک پہنچی مان کے بھی چند نقوش و آثار قدرے تفصیل سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا آپ کو اکثر شک کیوں ہوتا ہے فرمایا شک یقین کے لئے رعبین ہے یعنی شک جائیگا تو یقین آئیگا مصر کے مشہور محدث حضرت زید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ جب تم حدیث سنو تو ہر پہلو سے خوب اچھی طرح غور کرو جیسے تم گمشدہ چیز کو تلاش کرتے ہو۔ اگر شناخت ہو جائے تو لے لو ورنہ چھوڑ دو۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے یہاں حدیث لینے کے لئے کوئی مخصوص شرط نہیں تھی اور نہ کسی تابعی سے یہ منقول ہے کہ اس شخص کو قبول کرنے کیلئے دو یا دو سے زیادہ کی شرط لگائی ہو بلکہ وہ عادل کے ساتھ حدیث لینے اور ادا کرنے کی شرط پاتے تو بعد شوق حدیث لے لیا کرتے تھے۔ اور کسی راوی کا عادل ہونا مشتبہ ہو تو اس شخص کو روایت کرنا اور لینا دونوں ترک

مطالعات و تعلیمات

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

جامع قیروان قیروان تونس کا مشہور تاریخی اسلامی شہر ہے جو قدیم کارتاج کے قریب آباد کیا گیا تھا۔ یہاں کی مشہور عالیشان مسجد جس کی بنیاد فاتح افریقہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی، اس کی تعمیر اعلیٰ دور سلطنت میں شروع ہوئی اور سلطان ابراہیم ثانی (۱۱۶۳ء تا ۱۱۸۰ء) کے عہد میں تکمیل کو پہنچی، اس مسجد کی تعمیر میں کارتاج کے کھنڈروں کے سنگ مرمر اور دیگر سامان سے مدد لی گئی، اس کے مینارے اموی اور شامی طرز کے پتھر کے تھے، بعد میں شمالی افریقہ میں یہی طرز تعمیر جاری رہا، مصر کے میناروں کی طرح ان کی شکل دائری نہیں تھی بلکہ عمودی تھی، اسی جامع قیروان کی وجہ سے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس کے بعد قیروان اسلامی دنیا کا مقدس شہر تصور کیا جانے لگا۔ اعلیٰوں کے دور سلطنت میں شمالی افریقہ کی زبان لاطینی کے بجائے عربی قرار پائی اور مقامی باشندوں کا مذہب عیسائیت کے بجائے اسلام بن گیا۔ اسی جامع قیروان کی درسگاہ کی وجہ سے قیروان اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا، یہاں سے ہر علم و فن کے بے شمار فضلاء زمانہ اور سرآمدگان روزگار پیدا ہوئے۔ رجال و فنکاروں کی کتابوں میں قیروانی علماء، محدثین، فقہاء، ادباء، شعراء کے درخشاں کارنامے سورج

کی طرح چمک رہے ہیں، اسی طرح عالم اسلام کی ایک ایک درسگاہ سے ہزاروں اربابِ فضل و کمال پیدا ہوئے، جن کے ناموں اور کارناموں کی برکات و حسنات سے آج تک مسلمان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بغداد، مدرسہ مستنصریہ بغداد، جامع ازہر قاہرہ، جامع زیتون قیروں، جامع قیروان اور اس طرح کے ہزاروں جوامع و مدارس عالم اسلام میں موجود تھے، اور ہر شہر مدرسہ اور ہر مسلمان طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد تابعین

رحمہم اللہ کا زمانہ خیر القرون تھا۔ ہر طرف صحابہ کی مقدس صورتیں اور پاک سیرتیں دین و ایمان کی روح کو تازہ کر رہی تھیں، جس طرف نظر اٹھتی تھی اسلام کی سچی تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی تھیں، ہر ہستی، ہر گھر اللہ اور اس کے رسول کے ذکر خیر سے گونج رہا تھا، ہر مجلس میں اسلامی زندگی برپا تھی، اس کے باوجود جب تابعین عظام صحابہ کرام کی عملی زندگی کو دیکھتے تو ان کے مقابلہ میں اپنے کو بالکل حقیر اور بے عمل پاتے تھے۔ اور ایسا سمجھتے تھے کہ ایمان و یقین اور عمل و کردار میں ہم میں اور ان میں وہی فرق ہے جو بادشاہ اور چور میں ہوتا ہے۔

مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی پر بے اختیار رو دیا کرتے تھے، آنسوؤں سے ڈاڑھی تر ہو جاتی تھی اور صحابہ کرام کی صحبتوں کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے۔

أَدْرُكُنَا قَوْمًا كُنَّا فِي جَنَابِهِمْ لَصُومًا
ہم نے ایسی جماعت کا زمانہ پایا ہے کہ
ہماری حیثیت ان کے پہلو میں چور کی تھی۔
(طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۱۱)

یعنی وہ حضرات علم و عمل کے بادشاہ تھے، اخلاق و کردار کے سلطان تھے، دین و دیانت کے شہر پار تھے، اور ہم ان کے سامنے اپنے علم و عمل اور دین و دیانت کے معاملہ میں اس درجہ پیچھے تھے کہ ہمیں ان کی صحبت میں سمندر چور ہونا پڑتا تھا اور چوروں کی طرح

ہم منہ چھپاتے پھرتے تھے۔

غور کرو یہ ان قدوسوں کے احساسات ہیں جن کی گرد پا کو ہم نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو صحابہ کرام کی دینا زندگی کے مقابلہ میں کس قدر بیچ سکتے تھے۔

اگر یہ حضرات آج ہمارا بد اعتقادوی، بد عملی اور سینہ زد روی کو دیکھیں تو ہمیں کیا کہیں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟

بجائی سے سورت جانے والی ریلوے لائن پر ایک اسٹیشن "سندان" ہے جو غالباً

سندان کی جامع مسجد

علاقہ گجرات کا پہلا اسٹیشن ہے اور بجائی سے قریب ہے اسی کو عربی میں "سندان" لکھتے ہیں یہاں دوسری صدی میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی سلطنت دولت ماہانہ سندان تھی۔ مشہور اسلامی جغرافیہ نویس یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ سندان ایک شہر ہے، اس کے اور جیور (بجائی) کے درمیان پندرہ مرحلہ کا فاصلہ ہے اور یہاں سے سمندر نصف فرسخ پر واقع ہے۔ (معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۱)

بلاذری نے لکھا ہے کہ بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان شہر کو فتح کیا اور اس پر قبضہ کر کے خلیفہ مامون کے پاس یہاں سے ہاتھی کا تختہ بھیجا اور اس سے خط و کتابت کی۔ سندان میں ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور خلیفہ مامون کے حق میں جمعہ کے خطبہ میں دعا کی۔ فضل بن ماہان کے انتقال پر اس کا بیٹا محمد بن فضل حکمراں ہوا اور شہر جنگی جہازوں کو لیکر سمندری ڈاکوؤں سے جنگ کی اور سوراشٹر کے ساحلی علاقہ پالی خانہ کر کے سندان واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا بھائی ماہان بن فضل حکومت پر قابض ہو گیا ہے اور خلیفہ معتصم سے خط و کتابت کر کے اپنا کام کر چکا ہے اور اس کے پاس ساگوان کی ایک لمبی چوڑی لکڑی تختہ میں بھیجی۔ آخر کار دونوں بھائیوں میں کشت و خون کی ہاری آئی، مقامی غیر مسلم باشندے ماہان بن فضل کے طرفدار تھے۔ اس برادر کشی کا نتیجہ

محمد بن فضل کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا، بلکہ اس کو قتل کے بعد سولی دیدی گئی۔

نشان الہند بعد غلبہ اعلیٰ اسنادان اس حادثہ کے بعد اہل ہند اسنادان پر قابض ہو گئے اور وہاں کی جامع مسجد کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا جس میں مسلمان جمعہ کی نماز پڑھتے

فیہ ویدعون للخلیفۃ۔ (نوح البلدان ص ۳۳)

پتھے اور خلیفہ کے حق میں دعا کرتے تھے۔

دو بھائیوں کی جنگ میں ہندوؤں نے ایک بھائی کا ساتھ دیکر اسنادان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ان کی جامع مسجد ان کے حوالہ کر کے عالم اسلام سے تعلق پیدا کرنے کی راہ باقی رکھی، یہ مقامی غیر مسلموں کی فرائض اور جو عملہ مندی کی بات تھی کہ مسلمانوں اور ان کی مسجد پر حرج نہیں آنے دیا، خدا ہی جہتر جانتا ہے کہ شمالی بمبئی کے علاقہ ہندسنادان میں کتنی بار برسر منبر اسلام کا نام بلند ہوا اور خلیفہ المسلمین کے لئے دعا کی گئی، کسی نے نہ مسجد ویران کی، نہ کسی نے مسلمانوں کو ستایا اور نہ ہی کسی نے خلیفہ اسلام کی طرف دیکھنے اور اس کے لئے دعا کرنے سے روکا۔ اس صورت میں جہاں مقامی غیر مسلموں کی رواداری، جو عملہ مندی اور شریفانہ برتاؤ کا ثبوت ہے وہیں مسلمانوں کے بلند کردار اور نیکی و شرافت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مسلمان اپنے دین پر صحیح طور سے قائم رہ کر دنیا کے ہر گوشہ میں امن و عافیت سے رہ سکتا ہے، دنیا اس کی قدر کرے گی اور اس کے وجود کو اپنے لئے رحمت قرار دے گی۔

یہاں کے راجہ ہاراجے اور انکی رعایا مسلمانوں کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے عقیدت و محبت میں اپنے لئے خیر و برکت سمجھتے تھے۔ ان کا حقیقہ تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کی وجہ سے راجوں ہمارا جوں کی عمریں دراز ہوتی ہیں اور ان کے ملک میں امن و امان رہتا ہے۔

مسلمان اگر اسلامی اخلاق و کردار کا مظاہرہ کریں تو آج کے ناگفتہ بہ حالات میں بھی

نہایت پرسکون، باعزت اور محترم زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

مسلمان اور ہندو راجے بہراج

علامہ سعودی، جو تھی صدی میں مشہور مؤرخ گذرے ہیں ان کی کتاب

”مروءۃ الذہب“ تاریخ عالم کا خلاصہ ہے۔ سعودی بہت بڑے سیاح بھی ہیں۔

ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا سفر کر چکے ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں سندھ، گجرات، کھبانت،

سویا پورہ، جمید، مخاند وغیرہ میں آپکے ہیں اور یہاں کے دلچسپ حالات مروءۃ الذہب

میں بیان کئے ہیں۔ چنانچہ علاقہ گجرات، جہاں شہر کے راجہ بلہرا (دلی بھی رہے) کے بارے

میں لکھتے ہیں کہ سندھ اور ہند کے ملکوں میں راجہ بلہرا کے علاوہ کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہے

جو مسلمانوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے۔ اس کی حکومت میں اسلام محفوظ

ہے۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور جوامع تازیوں سے ہر وقت بھری رہتی ہیں اور ان میں

بڑی رونق رہتی ہے۔ اس سلطنت کا ایک ایک راجہ چالیس اور پچاس سال بلکہ اس

سے زائد مدت تک حکومت کرتا ہے۔ اور باب سلطنت کا عقیدہ ہے کہ انکے راجاؤں کی

عمریں اس لئے طویل ہوتی ہیں کہ وہ عدل و انصاف کی رسم کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور

مسلمانوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کی طرح راجہ بلہرا کی فوجوں کو اس

کے سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اس کے پاس جنگی ہاتھی بھی ہیں (مروءۃ الذہب ج ۱ ص ۱۸۷)

ہندوستان کے عوام خواص پر کیا موقوف ہو؟ عہد سلطنت کے مسلمان جہاں گئے لوگوں

نے ان کو اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھا، کیونکہ ان کے اندر دین و دیانت اور

اخلاق و محبت کی اتنی کشش موجود تھی جو دنیا کے دل کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے کافی

تھی جب انکے اندر سے یہ متناطیسی قوت ختم ہو گئی تو مسلمان کے اندر دنیا کیلئے دل کشی باقی

نہیں رہی اس لئے اب لوگ کیوں اور کیسے ان سے برکت حاصل کریں؟ اب یہ خود زندگی

کی قدروں سے محروم ہو گئے ہیں، دوسروں کو زندگی کیا دیں گے؟

لَا وَاللَّاءِ

تسطط

جناب محمد بدیع الزماں صاحب ریٹائرڈ ایڈیٹیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پٹنہ

خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کے دلائل قرآن مجید میں طرح طرح سے لاتعداد
بار دیے گئے ہیں۔ اور مختلف عنوانات اور مختلف ناموں سے اس کلمہ طیبہ کا ذکر
فرمایا گیا ہے۔

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر لوگ انکار ہی پر
جے رہے۔“ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۱۰)

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دیں کہ یہ ہوش میں آئیں؛
(سورہ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

”ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے لوگوں کو سمجھایا کہ ہوش میں آئیں مگر وہ
حق سے اور زیادہ دور ہی بھاگے جا رہے ہیں۔ اے نبیؐ، ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ
دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی کوشش
کرتے۔“ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۵)

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا، مگر انسان بڑا ہی جھگڑا لو
واقع ہوا ہے۔“ (سورہ الکہف ۱۸۔ رکوع ۷)

پھر بھی چند ارشادات جو نفسِ مضمون کو اور بھی واضح طور پر ذہن نشین کراتے ہیں۔
ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

”تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اُس رحمن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اس حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو جو لوگ نقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے مُردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بیشمار نشانیاں ہیں (مگر وہ ذاتِ خداوندی پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آثار کے ہوتے ہوئے بھی) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا مسمر اور مُقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گردیدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گردیدگی ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

(وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ) کاشش، جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر انہیں سوچنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوچھ جلنے کے ساری طاقتیں اور سامنے اختیار اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بہت سوتے ہیں؟

(سورة البقرہ - ۲ - رکوع ۲۰)

”ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔ کہو، پھر تم بخشش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھو، ساتوں سالوں اور بخشش عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ

ہی کے لئے ہے، کہو، پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے؟ جو امر سخت ہے وہ ہم ان کے سامنے لے آئیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ (سورۃ المؤمن ۷۷۔ رکوع ۱)

”حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لاینبواہوں

کے لئے۔ اور تمہاری اپنی پیدائش میں، اور اُن حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے، بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین لانے والے ہیں۔ اور شب و روز کے فرق و اختلاف میں، اور اُس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو جلا اٹھاتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں۔ اب آخر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون کیا بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ (سورۃ الجاثیہ ۵۴۔ رکوع ۱)

”وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادرشاہ کا نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزرگ نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا، پاک ہے اللہ اُس شریک سے جو لوگ کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنائے والا اور اُس کو نافذ کرنے والا اور اُس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں، ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔“

(سورۃ المحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

”تم رحمن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی غفل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ ٹھک کر نامراد پلٹ آئیگی؟“

(سورۃ الملک ۴۷۔ رکوع ۱)

”اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اُسکے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوائے کوئی خدا نہیں ہے۔“ (سورۃ آل عمران: ۳۰-۳۱ رکوع ۲)

قرآن مجید کی ہر سورۃ کے ہر رکوع میں لا اِلهَ اِلَّا اللهُ پر ایمان لانے کے دلائل موجود ہیں جن میں چند آیات اور پریشانی کی جاچکی ہیں۔ پھر بھی سورۃ المل: ۲۷-۲۸ رکوع ۵ کے درج ذیل آیات میں دلائل کے استفہامیہ انداز بیان پر قربان جائیے۔ مگر یہ سننا حق کے دل و دماغ میں تازیلے لگاتے ہیں:-

”اے نبیؐ ان سے پوچھو اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں؟ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ وہ خوشنما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک ہے؟ نہیں) بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔“

”اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جلے قرار بنایا اور اُسکی اندر دریا رواں کئے اور اُس میں (پہاڑوں کی) مینیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے ساکن کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک ہے؟ نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔“

”کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اُس کی تکلیف رنج کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنا والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔“

”اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون پانی رکھنے آئے ہواؤں کو خوشخبری پھیر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا)

ہے؟ بہت بالا درجہ ہے اللہ اُس شکر سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
 « اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو
 آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی لان کاموں میں
 حصہ دار ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔

« ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ
 (تمہارے معبود تو یہ بھی) نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔»

کلمہ طیبہ کا اقرار باللسان ہی مومن کی پہچان نہیں بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدہ
 توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا اصل ایمان ہے جسے درج ذیل آیات میں « اُس پر ثابت قدم
 رہے » (ثُمَّ اسْتَقَامُوا) کہا گیا ہے۔

« جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اُس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن
 پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ « زُور و زعم کرو اور خوش ہو جاؤ،
 اُس جنت کی بشارت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے
 ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی۔» (سورۃ حٰسِم السجدہ۔ اہم رکوع ۴م)

ذیل میں کلمہ طیبہ کی مفہومیت اور اخادیت پر چند احادیث درج کی جا رہی ہیں:-

(۱) « حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی
 نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل شانہ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی
 وردِ تعلیم فرمادیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ « لا اِلٰهَ
 اِلَّا اللّٰهُ » کہا کرو۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری دنیا ہی کہتی ہے، ارشاد ہوا کہ « لا
 اِلَّا اللّٰهُ کہو »، عرض کیا۔ « میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا
 ہوں جو تجھی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ « اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک پلٹے
 میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لا اِلَّا اللّٰهُ کو رکھ دیا جائے تو لا اِلَّا اللّٰهُ
 والا پلٹا اُٹھک جائے گا۔»

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہوگا۔ حضور نے جواب ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سعادتمند اور نفع اٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے غلوں کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے۔

(۳) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص غلوں کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "حرام کاموں سے اس کو روک دے۔"

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد ہوا: "کلمہ لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔"

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت کے دروازے پر یہ لکھا ہوا ہے: "اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا اُعْذِبُ مَنْ قَالَهَا" میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو شخص اس کلمہ کو کہتا رہے میں اس کو عذاب نہیں کہتا۔ اس معنوں کو اقبال ہی کے درج ذیل شعر پر ختم کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔
کیونکہ یہ نفسِ مضمون سے مطابقت رکھتا ہے۔

نقی نسخی الکریم کے دل آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے لا اللہ الا اللہ کا
(بانگِ درا)

متنبی مرزا غلام احمد قادیانی کا انگریز نوازی

مولانا امام علی دانش قاسمی

اسلام کا بنیادی عقیدہ | حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو چکا ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے جس پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو شخص کسی ایسے مدعی نبوت پر ایمان رکھتا، اُسے نبی و رسول اور پیغمبر تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان باقی نہیں رہتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی | مرزا غلام احمد قادیانی نے برطانوی دور حکومت میں پہلے مہدی و مسیح موعود ہونے کا اور پھر ظلی و بردی نبی ہونے کا اور آخر کار مستقل طور پر منصب رسالت و نبوت پر فائز ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کی وجہ سے تمام علمائے حق نے قرآن و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی میں جب ہندوستانیوں کو ناکامی ہوئی اور

اسلام کے خلاف انگریزوں کی سازش

ملک پر برطانوی حکومت کا قبضہ مستحکم ہو گیا اُس وقت صلیب پرست عیسائیوں نے مسوخ و محرف عیسائی مذہب پھیلانے کی بھرپور کوشش کر ڈالی مگر مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور علمائے حق کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور مدافعتیہ جدوجہد کے نتیجے میں بفضل اللہ مسلمانوں کی اسلام سے پختہ وابستگی برقرار رہی۔ یہ دیکھ کر اسلام دشمن انگریزوں نے مکر و فریب کے نئے نئے جال بچھائے اور مسلمانوں کو ملحد اور بے دین بنانے اور ان کی اسلام سے وابستگی اور ایمان میں پھٹکی کو مٹانے اور مجاہد کا جذبہ ختم کرنے کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کر کے اسلام کی تحریف کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی شروع کر دی، مقصود یہ تھا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تشریح و تعبیر کو ٹھکرا کر اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے اور امت مسلمہ کا رشتہ مسلمانوں کے شاندار ماضی سے منقطع کر دیا جائے۔ قرآن و حدیث کی نئی نئی تشریحات و تعبیرات رائج کر کے قدیم فقہاء و محدثین و مفسرین سے امت مسلمہ کی نئی نسل کو بدظن کر دیا جائے۔ اس ناپاک مقصد میں انگریزوں کو ایک مددگار کا میاں ملی ہوئی اور امت کے داخلی فتنوں نے مسلمانوں کو نقصان عظیم پہنچایا۔ اسلام دشمن مغربی مستشرقین کی فتنہ انگیزی اور تخریب کاری کا سلسلہ آج تک قائم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی و فکری اعتبار سے جن کا رشتہ اسلام سے منقطع ہو چکا ہے وہ بھی اسلامی برادری میں شامل نہ کرنا براستین بنے ہوئے ہیں۔

انگریز قادیانی نبوت کے سرپرست تھے

قادیان کے مدعی نبوت کو بھی مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے برگشتہ کرنے کا بڑا ذریعہ سمجھے ہوئے انگریزوں نے تعاون دیا۔ مرزائی تحریک کی حمایت و سرپرستی برطانوی

حکومت کرتی رہی اور برطانیہ کی حمایت کا بدلہ بھی مدعی نبوتؑ اس طور پر ادا کیا کہ اپنی شریعت میں جہاد کو منسوخ قرار دیا تاکہ مسلمانوں کا جذبہ جہاد ختم ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لئے دشمنان اسلام کی غلامی قبول کئے رہیں۔ قادیانی مذہب میں برطانیہ کی اطاعت کو فرض کر دیا گیا اور انگریز کی مخالفت کرنے والوں کو ملعون و بدنام کرنے کی کوششیں پوری طرح کی گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی متعدد تصنیفات سے یہ باتیں عیاں ہوتی ہیں۔ چند حوالے بطور ثبوت پیش ہیں :-

«شہادۃ القرآن» جو خود مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ وہ نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کا پیش کردہ اور مرزا نسیم احمد ناظر دعوت و تبلیغ کا مصدقہ ہے۔

اس کتاب میں قرآنی آیات کی معنوی تخریف
قرآنی آیات میں معنوی تخریف کرتے ہوئے بزرگم خود مرزائے قادیان نے

اپنا مسیح موعود ہونا قرآن سے (العیاذ باللہ) ثابت کیلئے اور سورۃ الفطار، سورۃ انشعاق، سورۃ تکوید میں جن آیات میں قیامت کے ہولناک حالات اور خوفناک اقعہ کو بیان کیا گیا ہے ان تمام کے مطلب کو تبدیل کر کے مسیح موعود کے نزول کی علامات قرار دیا ہے مثلاً وَإِذَا الْوُجُوهُ سُجُودًا کا معنوم لکھا ہے :- وہمشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی (شہادۃ القرآن ص ۱۲) اور وَإِذَا السُّجُودُ انكسرت کے تحت لکھا ہے :- یعنی جب علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ (حوالہ بالا ص ۱۳) اور وَإِذَا الْكُوفُ أُمْسَتْ کا مطلب لکھا ہے :- یعنی ربانی علماء فوت ہو جائیں گے اور وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی ترجمانی یہ کی ہے :- یعنی اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائیں گے یہ چھاپے خاں اور ڈاکخانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی کثرت ہو جائے گی۔ (ص ۱۲) نقل کفر کفر نہ باشد پر یقین رکھتے ہوئے قرآن مجید کی

تحریر معنوی کے یہ چند نمونے پیش کئے گئے درند پوری کتاب اس قسم کی تلبیسا و تقریبات سے بھری ہوئی ہے۔ بزمِ خولیش مسیح موعود ہونا ثابت کر کے مرزائے قادیان نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا عنوان ہے "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق" پھر اس کا آغاز ان جملوں سے کیا ہے۔

انگریز کے خاندانی وفادار:

دریہ عاجز صاف اور منصف لفظوں میں گزارش کرتا ہے کہ باعوض اس کے گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم کے وقت سے آج تک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلیف سے بلکہ میرے رنگ دریشہ میں شکر گزاری اس گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔ (اصلت)

انگریز سے اپنے دہریہ خاندانی تعلقات اور باہمی احسان شناسی و شکر گزاری کا ذکر اخلاص و محبت سے بھر پور لفظوں میں کرنے کے بعد انگریز کے خلاف جہاد کرنے والوں کو دشنام دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے حرامی اور بدکار

"بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا کونسا ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر ادا کرنا عین فرض اور واجب ہے اس کے جہاد کیسا؟ میں سمجھتا ہوں کہ مسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے" (اصلت)

انگریز کی اطاعت فرض ہے

"سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کرنا دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے" (اصلت)

اسلام کے دو حصے ہیں۔ اول اللہ کے ایک معبود ہونے کا اقرار اور دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مکمل اعتقاد مگر مرزائی مذہب میں دوسرا کن انگریزی حکومت کی اطاعت ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کی عملی مدد

مدعی نبوت نے حکومت برطانیہ کی اطاعت کو اسلام کا دوسرا حصہ بھی قرار دیا اور عملی طور پر انگریز کی مدد کرتے رہے۔ ہر اپنا خاندانی رکارڈ بھی پیش کیا ہے۔ ضمیمہ کتاب کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا ہے:-

”۱۸۵۷ء کے مفسدہ میں جبکہ تیز لوگوں نے اپنی مسن گورنمنٹ کا مقابلہ کر کے ملک میں شور ڈال دیا تب میسر والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گروہ سے خرید کر اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کئے۔
مجاہدین آزادی جاہل و بدچلین تھے“

”۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلار اور بدچلین لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو با علم اور باتمیز تھا ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا۔“ (مسک)

جو شخص اپنے محسن انگریز کے مخالفین کو جاہل، بدچلین، بدکار، حرامی لکھے، کیا اسے ہندو سلیقہ مند بھی کہا جا سکتا ہے۔ نبی و رسول اور ہمدی و مسیح ہونا تو بڑی بات ہے۔

انگریز کا اعتنا

کتا ڈیو کے (سی) بیکشنز پنجاب کے مراسلہ کو نقل کیا گیا ہے جو یہ ہے:-

”مشفق مہربان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہ

آپ کا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور میں جناب میں گذرا۔ مرزا

غلام مرتضیٰ صاحب آپ کے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار پیش تھا ہم آپ کے خاندانی لحاظ سے اسکا طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کی جاتی تھی ہم کو کسی طرح موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پالنائی کا خیال رہے گا۔

المرقوم ۲۹ جون ۱۹۳۷ء الراقم فنانشل کمشنر پنجاب۔

انگریز کی خیر خواہی کے لئے قرآن و حدیث کا تاکید ہی حکم

ضمیر کتاب کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ان جملوں پر ختم کیا ہے :-
 "سو اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے پد چہ مشمول میں انگریزی کو رمنٹے کا شکر ادا کیا ہے وہ صحت سے اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔" (صفحہ ۱)

معاذ اللہ قرآن و حدیث پر کتنا بڑا بہتان ہے کہ ظالم و سرکش ملحد انگریز کی شکرت گواہی کو قرآن و حدیث کا حکم بتایا جائے۔

انگریز کے لئے مرزا کی دعا

ضمیر کے حاشیہ پر مرزائے قادیان کی یہ عبرتناک دعا بھی درج ہے :-
 "ہذب اور باہر گورنمنٹ نے ہم کو اس بات کے لئے دلی جوش بننا ایک ہم اکی دنیا دین کے دلی جوش سے مہبودی دسلائی چاہیں تاکہ ان کے گورے سفید منہ جس طرح دیا میں خوبصورت ہیں آنحضرت میں نورانی و منور ہوں۔"

مرزا غلام احمد قادیانی کی خود نوشتہ تحریروں سے لہذا روشن کیلئے صراحتاً واضح ہوتا ہے کہ قادیانی نبوت محمدی کی برطانوی حکومت کی حمایت حاصل تھی اور انگریز مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ رکھنے کیلئے اس قسم کی تحریکات کی سرپرستی مسلسل کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں اور ملک کے تمام دیگر باشندوں کو انگریزوں کے ملک سے چھپ جانے کے بعد انکی سرپرستی میں اٹھنے والے فتنوں کو سمجھ کر ان کے خلاف بھی سرگرم عمل رہنا چاہیے۔

جَبَّانِ كَا غِيروں نے اعتراف کیا۔

صحابہ کرام غیلمسلم مورخین کی نظر میں

عبد الملک فاروقی متعلم دارالعلوم دیوبند

حقائق اور واقعات کا انکار کرنا بہت مشکل ہے، خصوصاً کسی ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا انکار جس کا مشاہدہ ایک شخص نے نہیں، ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں نے اور ایک بار نہیں متعدد بار کیا ہو۔ اور جس کی صداقت و حقیقت کی گواہی ایک سچا اور ایک شہر کے لوگوں نے نہیں ایک عالم اور ساری کائنات نے مل کر دی ہو۔ یہ شان بے مثال اور یہ لازوال فوقیت مسلمانوں کے ان اکابر اور سلف کی اس مقدس اور خدا کی سب سے پیاری جماعت کو کیوں حاصل ہوئی؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہی حضرات آگے چل کر حضرت خاتم الانبیاء اشرف الرسل محبوب داور شفیق محشر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عینی شاہد اور گواہ عادل بنائے جانے والے تھے۔ اسی وجہ سے ان میں یہ عجوبہ روزگار خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اسی کی بدولت ان کی ذوات عالیہ کو حضرت حق جل مجدہ نے ایک جہان سے خارج و تحسین دلویا اور تہلکا دیا کہ جس نبی کے شاگرد ایسے باکمال اور جس رسول کے صحابی ایسے

عظیم النظیر اخلاق و صفات کے مالک ہوں، اُس رسول کی عظمت و جلال، اخلاق و عادات، صدق و دیانت کا کیا مرتبہ ہو گا؟

خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحبِ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخواء میں لکھا ہے کہ "جس وقت حضرت فاروق اعظمؓ کو بد نصیب ابو لؤلؤ نے شہید کیا ہے اور اس حادثہ جانگاہ کی اطلاع مدینہ منورہ سے نکل کر مالکِ اسلام میں پہنچی ہے تو ملک شام کا ایک پادری جس کے زیر اثر ایک عالیشان گرجا اور گرجے کے ساتھ کئی گاؤں معافی کے تھے بیخ کن کر دئے لگا اور مسلمانوں کے مجمع سے الگ ہو کر اپنی جماعت اور عیسائیوں کے گھروں پر پہنچ کر سب کو اطلاع دی کہ "آج امیر المؤمنین شہید ہو گئے۔ لہذا ہم سب کو بھی علم منانا چاہیے۔" اور اس کے بعد ایک پتھر پر حسب ذیل عبارت کندہ کر کر اپنے چرچے کے صدر دروازے پر نصب کرادی، جس میں اس نے لکھا تھا۔ **يا عمرا ما کنیت و لیا بل کننت و الذانی**۔ یعنی اے عمر تم ہمارے حاکم اور بادشاہ زنتے، تم تو ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے تھے جو باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ کس کا تاثر ہے اور کون اس طرح افسوس و حسرت کے ساتھ یہ کلمات کندہ کراتے پر مجبور ہو رہا ہے، یقیناً اُس وقت نہ تو خود حضرت فاروقؓ تھے اور نہ ان کے عتاب و سرزنش کا اندیشہ تھا اور پھر اس پادری کا مذہب بھی اسلام نہیں بلکہ مسیحی تھا اور ملک و قوم کے چمن جلنے کا غضب بھی حد کو پہنچا ہوا تھا، پھر کیا چیز تھی جس نے اس کو اس عبارت کے کندہ کراتے پر مجبور کیا؟ بس اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ یہ ان صحابہ کرام کا ذاتی اخلاق اور عادلانہ برتاؤ تھا، جس نے ان کے دشمن بھی انکا دم بھرنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔

مشہور و معروف عیسائی مؤرخ سر ولیم میور اپنی کتاب

لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ برس پہلے کہ ایک ذلیل حالت میں پڑا

ہوا تھا، مگر ان نیرہ برسوں میں کیا ہی عظیم اثر پیدا ہوا کہ سیکڑہ دلا آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے خلاف دھی الہی کی ہدایت کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور اسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے اور اُس کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے تھے اور حسنات و خیرات، پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ انہیں شبِ روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا اور یقین رکھتے تھے کہ وہی رزاق اور ہماری ادنیٰ سے ادنیٰ حوائج کا خیر گیر الما ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نئی حالت روحانی سے جس میں وہ ہمیشہ اپنے آقا کی یاد تازہ رکھتے تھے۔ مطمئن ہو کر اپنے مخالفین کی ہمہ گیر ذلت و رسوائی کا یقین رکھتے تھے۔ جناب محمدؐ کو جو ان کی ساری امیدوں کا مرکز تھے، اپنی حیات تازہ کا مطیع سمجھتے تھے اور ان کی ایسا کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو ان کے رتبہ عالی کے مناسب بھی، اس تھوڑے ہی زمانہ میں جبکہ مکہ اس عجیب و غریب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے مصیبتوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، تقریباً ایک سو دو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا لیکن ایمان عزیز سے اپنا منہ نہیں موڑا اور جب تک کفار قریش کے مظالم ختم نہ ہو گئے یہ لوگ اپنا ملک چھوڑ کر ایک دو سکر ملک حبش میں ہاجرین کر رہے، پھر اس کے بعد اس تعداد سے بھی زیادہ آدمیوں نے جنہیں ان کے نبیؐ اور صدیقؓ بھی شامل تھے، اپنے عزیز شہر اور مقدس سر زمین کعبہ کو جس کو وہ لوگ تمام رومے زمین سے زیادہ عزیز و محترم خیال کرتے تھے، چھوڑ کر مدینہ کی طرف کوچ کر گئے، ایک اور مورخ گاڈ فری ہیٹنگس اپنی کتاب

اپالوجی فرام محمدؐ میں اس طرح رقم طراز ہے: "ہاں جو دیکھ محمدؐ اور عیسیٰ کی ابتداء ہی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جن میں بہت کچھ ایک دو سکر سے مشابہ ہیں، لیکن بعض باتوں میں بین طور پر اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے اجل پیدائش

کو نافرمانیت یا تختہ اور نہایت کم رتبہ مانا گیا ہے، بخلاف (حضرت) محمدؐ کے اولاد میں ان کے کہ بجز ان کے غلام (زیدؓ) کے سب لوگ نہایت ذمی و باہت اور صاحب شرف تھے، اور جب وہ اپنے نبیؐ کی وفات کے بعد سردار اور سارے مسلمانوں کے افسر بنائے گئے ہیں تو اُس زمانے میں ان کے کام کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے عقلمند اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے لوگ تھے اور غالباً ایسے تھے جن کو جھوٹا مسکار آدمی اپنے دام فریب میں پھانس لیتا۔ مجھ سے اگر کوئی یہی بات پوچھے تو میں بہ مجبوری اس کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر لاک اور نیوش جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے محققین میں سے ہوتے تو مجھ کو بھی اپنے مذہب پر ویسا ہی اعتماد ہوتا جیسا مسلمانوں کو اپنے مذہب پر ہے۔ مسلمانوں کے پہلے چار خلفاء کے اطوار بالکل یکساں تھے۔ ان کی سرگرمی اور دلہری اخلاص کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور مال و دولت پا کر بھی وہ لوگ اپنی عمر میں ادائے فرائض اور اخلاقیات کی دستگی میں مرنے کرتے رہے، بس یہی لوگ (حضرت) محمدؐ کے ابتدائی جملے کے شریک تھے اور یہ لوگ اس وقت سے (حضرت) محمدؐ کے شریک تھے، جس وقت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ تھی، ان کی سچائی اور اخلاص اسکا ایک بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایسے نازک اور اٹسے وقت میں (حضرت) محمدؐ کی رفاقت کے لئے آمادہ ہوئے جب ان کے ساتھ نہ تو کوئی ظاہری نشان دشوکت تھی اور نہ ہی کسی دنیاوی قوت کے حصول کی توقع، پھر اس معمولی حالت سے ایک اعلیٰ سلطنت پر قابض ہو جانے سے ان کی قابلیت اور قوت عمل کا اندازہ کرنا تو بہت ہی مشکل ہے۔

یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں آگے چل کر مزید لکھتا ہے :-

..... اندر میں حالات کیا یہ کوئی ہادر کرانے کے لئے تیار ہے کہ وہ لوگ

جنہوں نے طرح طرح کی ایذا میں پائیں اور اپنے عزیز ملک و وطن سے جدا ہونا اختیار کیا خصوصاً یہ خیال کر کے کہ یہ سب باتیں ایک جماعت نے صرف ایک شخص کی محبت اور ایک آدمی کی دلداری کی وجہ سے برداشت کیں۔ ہرگز گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان تمام باتوں کا مبداء اور مرکز جمل و فریب ہو گا۔ عیسائی میری اس بات کو یاد رکھیں کہ (حضرت) محمد نے اپنے ماننے والوں میں اپنے دین کا نسخہ اس درجہ پیدا کر دیا تھا جو (حضرت) عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنے سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب بڑی تیزی کے ساتھ سارے عالم میں پھیلا اور نصف صدی سے کم زمانہ میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی قوت اور پُر شوکت سلطنتوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

پنڈت دینا ناتھ اپنی کتاب "تاریخ مذاہب" میں لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کی اس عالمیشان ترقی اور قوت پر پہنچ جانے کی اصل وجہ ان حضرات کا انھوں نے دنیا سے دنیا والوں کے سامنے پیش آنا تھا، ان کا وہ زبردست ایثار جو انھوں نے اپنے نبی کے ساتھ ان کے ابتدائی زمانہ تبلیغ میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا، ایسا اہم اور قابل ستائش تھا، جس کو دیکھ کر اس وقت مشکل سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ایسی کمزور مخلوق جس کے پاس نہ گھر ہے اور نہ مال دولت، اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملکوں پر بھی فتح پاسکے گی۔ مگر یہ سب مسلمانوں کی پہلی جماعت کے لوگوں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا۔"

مجدد الف ثانی کی تعلیمات

مرتبہ، ماسٹر محمد عمر، خان گڑھ

حقیقت تصوف فرمایا، فقیر کے نزدیک طریق صوفیا حقیقت میں علوم شریعت کا خادم ہے، نہ کہ شریعت کے مخالف، نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جائے اور وہ شکل دور ہو جائے، جو نفس کی آمادگی سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے طریق صوفیاء حقیقت میں علوم شریعت کا خادم ہے، (جلد نمبر ۲)

کشف مہود، الہام فرمایا، جو کچھ اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب و سنت ہے، جو وحی قطعی **خوارق عادات کرامات** سے مقرر ہے، علماء کا اجتماع و اجتہاد مجتہدین بھی اپنی دوا اصولوں پر مبنی ہے، ان کے علاوہ جو کچھ موخواہ صوفیاء کے معارف ہوں یا ان کے کشف و الہام، اگر ان اصولوں پر ہوں تو مقبول ہیں وگرنہ مردود ہیں،

خوارق عادات و کرامات کا بکثرت ہونا کس ولی کی فضیلت پر دلیل نہیں، ممکن ہے کوئی شخص جس سے کوئی خرق عادت و کرامت ظہور پذیر نہ ہوئی ہو وہ اس شیخ سے افضل ہو جس سے اکثر کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہو، بعض اولیاء اللہ جن سے کرامات و خوارق عادات ظاہر ہوئیں وہ آخر دم تک ان کے ظہور سے نادم ہوئے اور اکثر افسوس کرتے رہے کہ کاش ہم سے اس بات کا ظہور ہوتا اب سوال پیدا ہوتا ہے، خوارق عادات کا ظہور ہونا ولایت کی شرط نہیں، ولی اور غیر ولی میں کیسے پہچان ہوگی اور سچے کو کھوٹے سے کیسے طہرہ کیا جائیگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمیز نہ ہونہ سمجھتی

کا باطل کے ساتھ ملنا ہونا اس چہان کے لوازم سے ہے، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے، ہاں بنی کو اپنی نبوت کا علم ہونا اور مخلوق عادات ہونا ضروری ہے، مگر نبی کا معجزہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا نبی تو اپنی شرع کے مطابق عمل کرتا ہے، جب ولی کو اپنی مشرتبہ کی متابعت کرنا ضروری ہے، اس کے لئے خوارق عادات ہونا ضروری نہیں، اس کے علاوہ مرید رشید اور طالب صادق مستند ہمت عال اپنے شیخ کے ہر سعادت سے خوارق و کمالات محسوس کرتا ہے اور ایسا اللہ نے جمالی زندگی سے منہ پھیر کر روحانی زندگی کی طرف قدم بڑھایا اس لئے یہی لوگ زمین کا اس اور غنیمت روزگار ہیں، انہی کے طفیل لوگوں پر ہدش ہوتی ہے، انہی کے طفیل مخلوق کو رزق ملتا ہے، ہم بیزقون و ہم بمطرون، ان کی نظر شفا ہے یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں، اور ان کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا، جس کی محبت سے حق تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے فرق کے مطابق وہ اولیاء اللہ میں شمار ہے۔

پابندی کسار نماز بیخ وقتی باجماعت ادا کریں، اور زکوٰۃ رخصت سے ادا کریں، بھائی میں مولیٰ سائیکل عمل بھی بڑا اہم ہوتا ہے، کل بڑا پاپے میں محاسن اور وقتیں ست ہو جائیں گے، بصیحت قلب کے اسباب پر اگندہ ہو جائیں گے، تو خواجے حسرت ویاس اور عادات و پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کل تک حق تعالیٰ ہمت ہی نہ دیں اور مذلت و پریشانی کا موقع جو ایک طرح کی توبہ ہے وہ بھی نصیب نہ ہو

فرائض کی تاکید ابن اعمال سے خداوند تعالیٰ سبحانہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وہ فرائض میں فرائض کے مقابلے میں نوافل کا کچھ اعتبار نہیں، فرضوں کے سقرہ و تہتوں میں سے وقت پر ایک فرض کا بجا لانا ہزار سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نوافل حال ہیئت کے ساتھ ادا کئے جائیں اور خواہ ان نفلوں کا تعلق، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر یا اس کی مانند و غیر عبادت ہوں، بلکہ فرض ادا کرتے وقت سنتوں میں سے کسی سنت کا اور مستحب ملک سے کسی مستحب کا بجا لانا بھی کیوں نہ ہو۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ نے نماز کے بعد جماعت پر نگاہ ڈالی، اس وقت ایک صحابی کو موجود نہ پایا، پوچھا ظالم شخص جماعت میں کیوں حاضر نہ ہوئے حاضر حضرات نے عرض کی کہ وہ اکثر شرب بیدار رہتے ہیں، اس لئے ممکن ہے ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا اگر وہ ساری رات سویا رہتا اور فجر کی نماز با جماعت پڑھ لیتا تو یہ اس کے لئے ہزار درجے افضل ہوتا۔

ایک دانگ دھچرتی، سونے کا فریضہ زکوٰۃ کے حساب میں دینا، مرتبہ میں سونے کے پہاڑ جتنی مقدار نفل خیرات دینے سے افضل ہے، اور اس کے ایک دانگ کے دیتے وقت کسی شرعی محتجب اور ادب کا بجالانا مثلاً کسی قریبی محتاج کو دینا بھی درجے میں نفل خیرات کا ہزار درجہ پیچھے کر جانے سے بہتر ہے۔

عمل کا وقت ضائع نہ کریں | عمل کا وقت گزرتا جا رہا ہے، اور ہر لمحہ جو گزرتا ہے وہ اگر آج خبردار نہ ہوئے تو کل مرنے کے بعد حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا، اور گزرا ہوا وقت ہاتھ دوائے گا، اس لئے احتیاط کرنی چاہئے کہ اس زندگی کے چند روز شریعت مطہرہ کے مطابق گزر جائیں تاکہ نجات کی امید کی جاسکے، یہ وقت عمل کرنے کا ہے اور عیش و عشرت کا وقت اُسندہ آنے والی زندگی میں ہے، اور اس جہاں میں کئے ہوئے نیک اعمال کا ثمرہ ہے، اس جہاں میں عمل کے وقت کو عیش و عشرت میں گزارنا، دینا ایسا ہے جیسے کہ کوئی اپنی کھیتی کو پکنے سے پہلے کھا جائے، فصل کاٹنے کے موسم میں اس کے پختہ پھل سے محروم رہے۔

ضرورت سانس کے بعد در دینا کے ساتھ نطق رکھنا چاہئے، ماہر باقی سدا وقت آخرت میں کام لیتے والے اعمال بجالانے میں صرف کرنا چاہئے، حاصل کلام یہ ہے کہ دل سانسوائے اللہ تعالیٰ کی گرفتاری سے کٹا ہو اور یا وہ خدا میں ہمہ وقت مصروف ہے، فراغت کو ضیقت سمجھنا چاہئے، ساری عمر بے فائدہ کاموں میں نہ گزوانی چاہئے، ماہر اپنی سدا کی زندگی کو ضیقت مونی میں مصروف

کردینی چاہیے۔

ذکر اللہ کا طریقہ | بائیں جانب گوشت کا نو تھڑا قلب حقیقی کے لئے جوہ سا ہے اسم مبارک
اللہ کو اس قلب پر وارد کرنا ہے، اور بہتر قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں
حاضر ناظر محض ذات حق نئے کو سمجھیں۔

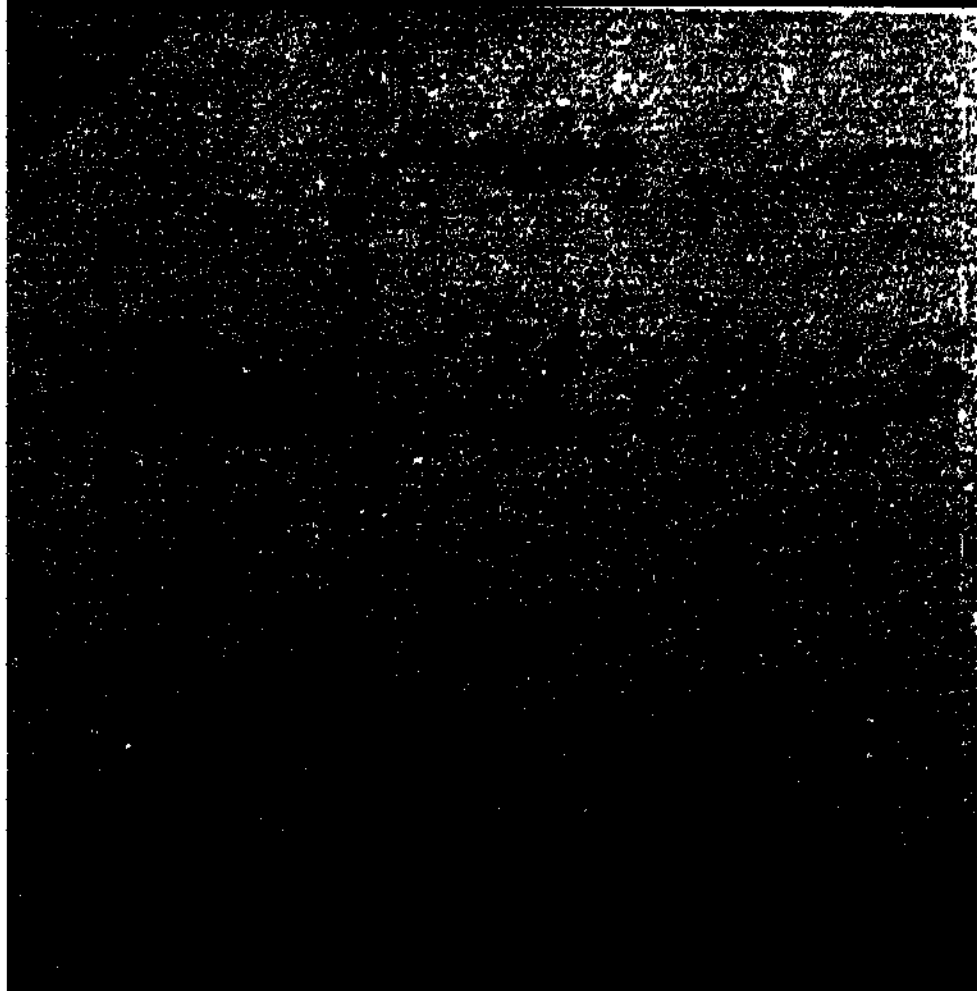
اتباع سنت کی تاکید | اگر کوئی بات سنت اور بدعت کے درمیان پڑتی ہے تو سنت سمجھ
کر اسے پورا کرنے کی نسبت اسے بدعت سمجھ کر ترک کر دینا بہتر ہے
بدعت میں ضرر کا احتمال ہے، اور سنت میں نفع کی امید، اسی لئے ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر
ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا ضروری ہے۔

آداب شیخ کی تائید | پر وہ ہے کہ جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے یہ بات طریقت کی تعلیم
میں زیادہ واضح ہے، کیونکہ شیخ شریعت کی تعلیم کا استاد بھی ہے اور طریقت
کا رہنما بھی اس لئے پیر کے آداب کی رعایت از حد ضروری ہے، اس طریق میں اصل مقصد اور ریاضت و مجاہدات
کا مدعا احکام شرعی کی بجا آوری اور سنت کی متابعت میں تاکہ نفس امارہ کی خواہشات دور ہوں، احکام شرعی
کی بجا آوری نفس پر سب باتوں سے زیادہ دشوار ہے، سنت کی تقلید کے علاوہ اور یا فتنیں معتبر نہیں، اس لئے شیخ
کی توجہ و تصرف کے بغیر کام نہیں چلتا، اور صحبت شیخ کی توجہ و تصرف قوی ہوتی ہے، ان کی صحبت میں اضافہ
زیادہ تر خاموشی ہے، اہل حق کی بات یہ ہے کہ انہوں نے انوار نبوت سے نور لیا، انکی صحبت میں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی رحمت بواسطہ قلب اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے شیخ کے قلب کے واسطے سے میرے قلب میں پڑی ہے۔

فرائض کی تاکید | فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا لایینی میں شمار ہے اپنے حالات کی تفتیش
کرنی چاہئے کہ میں فرائض میں مشغول ہوں یا نوافل میں، مثلاً ایک نفل حج کیلئے
اتنے منوعات کا ترک نہیں ہونا چاہئے، لایینی میں مشغولیت خدا سے روگردانی ہے چاہے حج بھی
عبادت ہی کیوں نہ ہو، حج کے لئے استطاعت شرط اول ہے اس کے بغیر تفسیح اوقات ہے، ضروری
کام کو چھوڑ کر ضروری کام میں مشغول ہونا لایینی میں شمار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

کتاب السنن



دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۲ بابتر ماہ نومبر ۱۹۸۶ء مطابقت مع اول ربیع الاول ۱۴۰۷ھ جلد نمبر ۱۶

نہ

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مذہب

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

سالانہ 30/-

فی پیچہ 3/-

سالانہ بدل شتواک { سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جزیرہ مشرقی افریقہ، برطانیہ 160 بیرون ممالک سے } امریکہ، کیناڈا وغیرہ بذریعہ ایریل — 160/- پاکستان 60/- ہندوستانی، بنگلہ دیش 40/- ہندوستانی

○ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا۔
(محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند)

فہرست مضامین

نمبر شمار	نکات	مضامین نگار	صفحہ
۱	حسرف آغاز	مولانا معزالدین گوٹروی	۳
۲	عہد رسالت میں حدیث کیسے نقل ہوئی	مولانا محمد حنیف علی	۱۱
۳	مطالعات و تعلیقات	مولانا قاضی اطہر مبارکپوری	۲۲
۴	تاریخ طبری سے متعلق ایک { خط فہمی کا ازالہ	مولانا اسیر ادری	۲۹
۵	سیف مسلول	مولانا عزیز اللہ اعظمی فاضل دیوبند	۳۹
	سیرت نبویؐ ایک نظر میں	مولانا حبیب الرحمن قاسمی	۵۳

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع یا کر اڈل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبد السلام صاحب معاکرم علی والا تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام
(منیجر رسالہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حشر آغاز

رپورٹ اجلاس تحفظ ختم نبوت ۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء

از مولانا محسن الدین گونڈوی
معین مدرس دارالعلوم دیوبند

اسلامیاء ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں جب بھی اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کسی فتنہ نے سر اٹھایا ہے تو دارالعلوم نے آگے بڑھ کر اس کا کامیاب مقابلہ کیا ہے، اور بھگت سنگھ آج بھی یہ قلعہ اسلام (دارالعلوم) خرمین باطل کے لئے برق بے ااں بنا ہوا ہے چنانچہ ہندوستان میں قادیانیت کے فتنہ خفہ کی از سر نو حرکت کے پیش نظر دارالعلوم کی توڑ مجلس شوریٰ نے اپنے ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ شعبان ۱۴۰۸ھ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس وقت سرزمین ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر پنج گارٹنے کی تدبیریں کر رہا ہے اسلئے فوری طور پر اس کا علمی و عملی تعاقب ہونا چاہئے اور اہل علم و دانشورانِ ملت کو جمع کر کے اس کے تازہ پیرس کو تار تار کرنے کی ہمدرد جہد کو تیز تر کر دینا چاہئے۔

مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق دارالعلوم کی انتظامیہ نے ۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اور اساتذہ دارالعلوم پر مشتمل ایک تیاری کمیٹی بنائی گئی جس کا سربراہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدین دارالعلوم دیوبند کو منتخب کیا گیا اور کنوینر جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ دارالعلوم دیوبند

کو نیا یا گیا، اس کمیٹی نے اساتذہ دارالعلوم، کارکنان مدرسہ اور طلبہ دارالعلوم کے تعاون سے اجلاس کا ایسا عمدہ اور موثر نظام مرتب کیا، اور ایسے نظم و نسق سے اس کو چلایا کہ ہر شریک اجلاس تعریف و تحسین کے بغیر نہ رہ سکا، اور اجلاس تمام تر کامیابیوں سے ہمکنار ہوا، قیام و طعام اور ریلوے اسٹیشن آمد و رفت کے سلسلہ میں محرز مہمانوں کو ہر قسم کی سہولت پہنچانے کی کوشش کی گئی اور ہر مندوب اجلاس کو رد و قیام و انیت کے سلسلہ کی دس عدد کتابیں بطور تحفہ دی گئیں جسے اجلاس کے موقع پر دفتر اجلاس نے شائع کیا تھا۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اجلاس منتخب علماء و مشاہیر کی مخصوص علی کا نفرنس کے طور پر بلایا گیا تھا اس لئے دعوت نامے بھی محدود تعداد میں ارسال کئے گئے تھے، لیکن اجلاس کی خبر سے ملک کے ہر علاقہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اجلاس میں شرکت کی خواہش کا اظہار زبانی اور خطوط کے ذریعہ ان حضرات کی طرف سے بھی جو باقائدہ مدعو نہیں تھے ہونے لگا، اس لئے ایسے حضرات کے لئے بھی اجلاس کی نشستوں میں گنجائش رکھی گئی، چنانچہ ہندوستان کے اکثر صوبوں کے علاوہ بنگلہ دیش، پاکستان، بئی، ایلوپی، سعودی عرب وغیرہ سے مندوبین سمیت ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً دس ہزار افراد نے شرکت کی، مشاہیر ہندوستان کے علاوہ دیگر بلاد اسلامیہ سے آنے والوں میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکرٹری عبدالشکور نصیف الموقر، اخبار الاتحاد کے نامہ نگار محمد یاسل الرفاعی، جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مہر مالک صاحب کاندھلوی، اسلامک فونڈیشن ڈھاکہ کے ڈائریکٹر جناب مولانا فرید الدین مسعود وغیرہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اجلاس کی تمام کارروائی چھ نشستوں میں ہوئی جن میں چوتھی نشست تجاویز کے لئے خاص تھی جبکہ پانچویں نشست میں صرف طلبہ دارالعلوم کا پروگرام پیش کیا گیا، ہزاروں حضرات ان نشستوں کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

پہلی نشست۔ افتتاحی اجلاس ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو صبح وریج حضرت مولانا

محمد منظور نعمانی رکن شوری دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد ہوا، جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب صدر شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلامذت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز ہوا، تلامذت کے بعد دارالعلوم کا مشہور تلمذ مولوی عرفان رامچندی، مولوی محمد عدنان دیوبندی، مولوی عبدالقیوم مظہر گری نے پیش کیا، پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انتہائی جامع و دقیق اور تاریخی خطبہ استقبالیہ پیش کیا، اس کے بعد عالم اسلام کے مشہور عالم دین اور داعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی.... ندوی مدظلہ نے افتتاحی تقریر فرمائی جس میں دارالعلوم کے اس اقدام کی تحسین فرماتے ہوئے فرمایا کہ حفاظت اسلام کا کام ہمیشہ علماء اسلام ہی نے انجام دیا ہے اور ضروری ہے کہ آج بھی علماء کرام فتنہ قادیانیت کے مقابلہ میں پوری تیاری کے ساتھ سامنے آجائیں۔

اس کے بعد صدر اجلاس حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے خطاب عالی و دعا پلاس نشست کا اختتام ہوا۔

دوسری نشست ۱- ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو بعد نماز عشاء ۹ بجے زیر صدارت حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب رکن شوری دارالعلوم دیوبند منعقد ہوئی۔ اجلاس کا آغاز قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلامذت سے ہوا، بعد مولوی شفیق عالم بستوی معلم دارالعلوم دیوبند نے رد قادیانیت کے موضوع پر اپنی ایک کلمھی ہوئی نظم پیش کی، اس اجلاس میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمن قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا برہان الدین صاحب قاسمی سنبھلی استاذ ذوق العلماء کھنوا، مولانا ریاض احمد قاسمی فیض آبادی نے اپنے مقالات پیش کئے اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جوپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کٹکی مدظلہ نے اپنے خطابات عالیہ سے سامعین کو مستفید فرمایا، صدر اجلاس کی تقریر اور دعا برابر اجلاس کا اختتام ہوا۔

تیسری نشست :- ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو صبح ۸ بجے شروع ہوئی جس کی صدارت

جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب کا نڈھوی دامت برکاتہم صاحبزادہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کا نڈھوی نے فرمائی، قاری محمد زکریا گونڈوی متعلم دارالعلوم دیوبند کی تلاوت سے اس اجلاس کا آغاز ہوا، پھر عبدالوحید صاحب اشک نے ایک استقبالیہ نظم پیش کی۔

اس اجلاس میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ کا مقالہ مولانا محمد نعیم صاحب استاذ جامعہ رحمانیہ مونگیر نے پڑھ کر سنایا، اور حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امر وہہ، مولانا فرید الدین مسعود ڈھاکہ، مولانا عبدالحی صاحب فاروقی دہلی، مولانا عزیز احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، اور مولانا مفتی ظفر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے وقیع مقالات پیش کئے اور حضرت مولانا قاری محمد شتاق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ خادم الاسلام باپوڑ، حضرت مولانا منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش، حضرت مولانا عبدالعظیم صاحب فاروقی لکھنؤ، مولانا محمد عارف صاحب تسلی قاسمی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جناب ولی الدین صاحب حیدرآبادی (موصوف قادیانیت سے تائب ہوئے ہیں) نے اپنے خطابات اور تقریروں سے حاضرین اجلاس کو محفوظ فرمایا، صدر اجلاس کے خطاب عالی پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

چوتھی نشست سے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مستم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں (جو مندوبین کے لئے مخصوص تھی) ۳۰ اکتوبر کو بعد نماز ظہر منعقد ہوئی، قاری عبدالرؤف صاحب کی تلاوت سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی، اس اجلاس میں چند تجویزیں پیش کی گئیں اور مندوبین نے ان کو منظور فرمایا۔

تجویز نمبر ۱ :- تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس ہندوستان میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے، اور ملک میں اس فتنہ کی از سر نو حرکت کو دین اور وطن دونوں کیلئے نہایت خطرناک تصور کرتا ہے، اس فتنہ کی ہلاکت خیزیوں کی

بنیاد ضروری سمجھتا ہے کہ منظم ہو کر ملک گیر پیمانہ پر اس کام کا مقابلہ کیا جائے اس لئے تجویز کرتا ہے کہ
الف۔ کل ہند سطح پر مجلس ختم نبوت کی تشکیل کی جائے

ب۔ مرکزی نظام قائم کرنے کیلئے ارکان منظمہ پورے ملک سے منتخب کر لئے جائیں

ج۔ نویا گیارہ افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنا دی جائے جو مجلس مرکزیہ کے

اصول و ضوابط اور طریقہ کار کا مسودہ تیار کرے، کام میں تیزی اور سہولت پیدا کرنے

کے لئے اس سب کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ ملک کے صوبوں میں مجلس کی شاخیں قائم

کرے، نیز مرکزی دفتر کے انصرام و انتظام کی ذمہ داریوں کو پورا کرے، سب کمیٹی کے افراد

حسب ذیل ہوں گے، حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا

سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند، حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب قاضی شہر

کانپور، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا

مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی، مولانا عبد العظیم صاحب

فاروقی دارالبلغین لکھنؤ، منظمہ اور سب کمیٹی دونوں کے کنوینر حضرت مولانا مرغوب الرحمن

صاحب ہوں گے اور عارضی دفتر دارالعلوم دیوبند میں ہوگا

۵۔ یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند اور اس کے ارکان سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مجلس

تحفظ ختم نبوت الہند کی سرپرستی فرماتے رہیں گے اور علمی و تبلیغی امور میں ان کا تعاون

مجلس کو حاصل رہے گا۔

تجویز ۲۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس حکومت ہند کو اس طرف توجہ

دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ ہندوستان اور دنیا بھر کے تمام مسلم علماء اور پوری ملت

اسلامیہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو جنہیں ۔۔۔ قادیانی، احمدی، لاہوری

وغیرہ مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے ایک جھوٹے مدعی نبوت کی پیروی کی بنا پر مرتداد

مسلمانوں سے علاحدہ ایک اقلیت قرار دے چکے ہیں اور بہت سی مسلم حکومتیں مسلمانوں کے

اس اجماعی اور متفقہ فیصلہ کو قانونی حیثیت دے کر اپنے اپنے ملکوں میں اسکا نفاذ کر چکی ہیں اس لئے یہ عظیم اسلامی اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانان ہند کے دینی جذبات اور عالم اسلام کے اس متفقہ فیصلہ کا احترام اور لحاظ کرتے ہوئے قادیانی فرقہ کو ملت اسلامیہ سے الگ ایک اقلیت قرار دے اور مسلمانوں کے مخصوص معاملات اور حقوق میں اس فرقہ کو شریک نہ کرے۔

تجوین ۳۱۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس وزیر قانون اور وزیراعظم ہند کے ان بیانات کو جن میں ملک کے اندر کیساں سول کوڈ کے نفاذ کی بات کہی گئی ہے انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں متحدہ مذاہب کے پیرو بستی ہیں اس ملک میں ایک زبان، ایک تہذیب اور ایک مذہب نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے، اس لئے جمہوریت اور آزادی فکر و رائے کے اس دور میں کیساں سول کوڈ کا تجربہ نہ صرف یہ کہ یہاں بسنے والے مختلف اہل مذہب کے ذہنی و فکری انتشار کا سبب بنے گا بلکہ ملک کی سالمیت اور قومی یک جہتی کو بھی پاش پاش کر دے گا

علاوہ ازیں کیساں سول کوڈ کے نفاذ سے مسلم پرسنل لا کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، اور مسلمان کسی حال میں بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی فرد یا حکومت خواہ وہ مسلمانوں ہی کی یہوں نہ ہو اس کے دینی و فرائضی معاملات میں دخل اندازی کرے، اس لئے مسلمانوں کی نظریں ہر وہ کوشش جو شرعی احکام اور اسکے ضابطوں کو ختم کرنے کیلئے یا گھٹانے بڑھانے کے لئے کھانگا مخالفت فی الدین کے ہم معنی ہے۔

اس لئے یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس خطرناک اسکیم سے جو ملک و قوم و وطن کا انتشار اور پرانگندی میں مبتلا کر دے، دست بردار ہو جائے اور بغرض اگر وہ اس اسکیم کو بروئے کار لانے ہی کے درپے ہے تو کم از کم مسلمانوں کو دفعہ ۴۴ سے مستثنیٰ رکھے کیونکہ یہ اسکیم مسلمانوں کیلئے کسی صورت سے بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

تجویز ۱۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ عظیم اجلاس تمام برادران ملت اور اپنے ذیلی بھائیوں کو اس امر کی جانب توجہ دلانا اپنا ایک اہم فریضہ سمجھنا ہے کہ قادیانی فرقہ باجماع ملت اسلامیہ میں اور کافر ہے اس لئے مسلمانوں کو ان کے اسلامی ناموں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، یہ اسلام دشمن گروہ مسلمانوں میں گھس کر قرآن و حدیث کا نام لے کر اور مختلف قسم کے لالچ دے کر بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لئے مسلمان ان سے ہمہ وقت چوکتا رہیں اور ان کے ساتھ کسی طرح کا میل جول نہ رکھیں

تجویز ۲۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ عالمگیر اجلاس قادیانی فتنہ کے تعاقب اور اس کی اسلام دشمن سازش کو بے نقاب کرنے کے سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی، موتمر عالم اسلامی، الجامعۃ الازہر، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان اور دیگر عالمی اداروں کے مساعی جمیلہ کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور انھیں اس کارکردگی پر خراج تحسین پیش کرتا ہے

یہ اجلاس اپنے اس یقین کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہے کہ مسلم علماء، دانشوران ملت اور اسلامی ادارے اس فتنہ کی مکمل سرکوبی کیلئے سرگرم عمل رہیں گے اور مجلس تحفظ ختم نبوت الہند کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔

تجویز ۳۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس دینیہ کا اصل مقصد حفاظت و اشاعت دین کیلئے افراد سازی ہے، اب گونا گوں اسباب کی بنا پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کیلئے ایک مخصوص شعبہ قائم کیا جائے جس میں منتخب فضلاء دارالعلوم کو دین کی اشاعت اور وقت کے فتنوں سے دین کی حفاظت کیلئے تیار کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔

یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کی موقر مجلس شوریٰ سے اس شعبہ کو دارالعلوم دیوبند میں قائم کرنے اور اس جانب خصوصی توجہ کرنے کی اپیل کرتا ہے۔

پانچویں نشست۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو پڑھے شب میں زیر صدارت حضرت مولانا مفتی منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند منصف مولانا مفتی، نشست

طلبہ دارالعلوم کیلئے مخصوص تھی جس میں طلبہ دارالعلوم نے اپنی محنت و کوشش کو مقالات اور تقریروں کی شکل میں پیش کیا سامعین نے ذوق و شوق سے سنا، اور اندازے سے زیادہ یہ اجلاس کامیاب ہوا۔

اجلاس کی کارروائی قاری شفیق الرحمن بلند شہری معلم دارالعلوم کی تلاوت سے شروع ہوئی طلبہ دارالعلوم میں سے مولوی ریاست علی رامپوری، مولوی محمد سفیان دیوبندی، مولوی شرافت علی سہارنپوری، مولوی محبوب انڈر بھنگوی، مولوی احترام عادل سمستی پوری نے اپنے مقالات پیش کئے اور مولوی سید محمد سلمان منصور پوری، مولوی سعید الرحمن بستوی، مولوی خلیل الرحمن پوروی، مولوی عبدالکرم گورکھپوری نے تقریروں سے سامعین کو بہترین گوش کیا اسی اجلاس میں ڈاکٹر احمد غفیل رئیس شئون الدینیہ للقوت المسلمہ کا بیغام جناب محمد باہل الرفاعی نامہ نگار اخبارالاتحاد، دہلی نے پڑھ کر سنایا، صدر اجلاس کی تقریر و مدعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

چھٹی نشست - کا آغاز ۱۳ اکتوبر جمعہ کو صبح ۸ بجے ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند نے فرمائی۔ جناب قاری سید قمر الحسن میرٹھی کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا، جناب مولانا نور الحق حیدر آبادی نے بارگاہ رسالت میں تدرائے عقیدت پیش کیا۔

اسکے بعد مولانا رشید الوحیدی دہلی اور مولانا جمیل احمد ندیری اعظم گڑھ نے اپنا اپنا مقالہ پیش کیا پھر مولانا ابوالقاسم بنارسی نے تجمائز پڑھ کر سنائیں، جس اجلاس منظور کیا اور مولانا سید احمد پالن پوری استاذ دارالعلوم نے تقریر فرمائی، اس کے بعد دارالعلوم کا تازہ پڑھا گیا، پھر حضرت مولانا غوثیہ الرحمن صاحب ہتم دارالعلوم کی جانب سے جناب مولانا نور عالم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ایڈیٹر الداعی نے جہان محترم ڈاکٹر عبد شہر نصیف جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ بعدہ جہان محترم نے اجلاس سے خطاب فرمایا اور دارالعلوم

عهد رسالت میں حدیث کیسے نقل ہوئی

مؤاۃنۃ الحدیث جلد اول

حدیث کے باب میں ہم نے صحابہ کی جستجو اور انہماک کا اندازہ لگایا اور یہ بھی جان لیا کہ حدیث بیان کرتے وقت ان کا تقویٰ اور خشیت کتنی زبردست تھی کہ ایک ایک صحابی بڑے اشتیاق سے حروف، کلمات اور مفہوم ضبط کر کے روایت کرتا تھا، بلکہ کبھی کسی سے کچھ دریافت کیا جاتا تو اس کی خواہش ہوتی کہ یہ بار کوئی اور اٹھا لیتا تو اچھا ہوتا، اور بعضوں کے بارے میں تو یہاں تک غلبہ ہے کہ کئی اور بیٹھی کے اندیشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرنے سے بھی انکار کر دیتا تھا، اس کی مثال حضرت علاء بن سعد بن مسعود کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک صحابی سے کہا گیا کہ فلاں فلاں کی طرح تم حدیث کیوں نہیں بیان کرتے، انہوں نے کہا ایسا نہیں ہے کہ میں نے ان لوگوں کی طرح پیغمبر علیہ السلام کی حدیث نہ سنا ہو یا ان کی طرح آپ کی مجلسوں میں شریک نہ ہوا ہوں، لیکن میں اس لئے روایت نہیں کرتا کہ کہیں کچھ ہی دنوں کے بعد لوگ غفلت برتنے لگیں، اور آج ایسے لوگ موجود ہیں جو حدیث کی حفاظت کیلئے کافی ہیں اور مجھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی پسند نہیں ہے۔

قلبت حدیث اور احتیاط کے ساتھ ہمارے لئے یہ تحقیق کر لینا بھی ضروری ہے کہ آخر

صحابہ حدیث کس طرح روایت کرتے تھے آیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تک محفوظ رکھتے تھے یا ارشاد گرامی کے مفہوم کو بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ اور اپنی زبان میں نقل کرتے تھے، روایتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ آپ کے ارشاد مبارک کا ایک ایک لفظ نقل کرنے کے بے حد خواہش مند تھے اور بعض نے بوقت ضرورت روایت بالمعنی کی اجازت دے دی، اسی طرح تابعین بھی صحابہ کے نقش قدم پر عمل کرتے ہوئے دو قول رائے کے حامل تھے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ اور تابعین نے چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے بحیثیت مجموعی دوسروں تک پہنچا دیا جائے، اسی لئے بعض صحابہ نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ حدیث کے کسا لفظ اور کلمہ کو بدل دیں، یا کسی کو آگے پیچھے کر دیں، حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے، "من سمع حدیثاً فحدث بہ کما سمع فقد سلم"، جس نے حدیث سن کر لفظ لفظ نقل کر دیا وہ محفوظ ہو گیا، یہی قول ابن عمر، زید بن ارقم وغیرہ صحابہ کا بھی ہے، صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما الفاظ حدیث من وعن نقل کرنے میں بڑے سخت تھے، حضرت ابو جعفر بجاہ محمد بن سوہب نقل کرتے ہیں کہ جب وہ کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے یا کسی موقع پر آپ کے ساتھ شریک رہتے تو حدیث نقل کرنے میں کمی بیشی نہیں کرتے تھے، حضرت ابو جعفر کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر ایک مجلس میں تھے، حضرت عبید بن عمیر مکہ والوں کو وعظ کر رہے تھے اتنے میں عبید نے کہا، "مثل المنافق مکش الشاة بین الخفین ان اقبلت الی هذه الغنم نطحتها وان اقبلت الی هذه نطحتها" حضرت مہاجر بن صفوان نے فرمایا ابن عمر صلاً آپ پر مہربان ہو دو دنوں تو ایک ہی ہے حضرت ابن عمر نے فرمایا میں نے تو ان الفاظ کے ساتھ نہیں سنا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، "بنی الاسلام علی خمس" بیان کی کسی نے سن کر اس کا اعادہ کیا، حضرت ابن عمر نے فرمایا اس طرح نہیں صیام و رمضان کو سب سے آخر میں ذکر کروا سکتے ہیں، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی طرح سنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہم بھی روایتوں میں راوی کے مختلف اقوال پاتے ہیں مثلاً کذا وکذا یا "ایہما قال قبل" یہ دراصل راوی حدیث کی طرف سے آگاہی ہے کہ اس نے حدیث تو جان لی اس کا مفہوم بھی سمجھ لیا لیکن وہ قطعی طور پر دوناموں اور دو کلموں کی ترتیب نہیں یاد رکھ سکا، اس لئے ایسے موقع پر راوی شک کی جگہ واضح کر دیتا ہے، یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ شبہ اصل حدیث میں نہیں بلکہ الفاظ حدیث میں ہوا کرتا ہے جس سے مفہوم و معنی متاثر نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت خالد بن زید جہنیؓ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "قولیش والاضار، واسلو وغفار" یا "وغفار واسلو"۔

بعض راویوں نے حدیث کے ہر ہر لفظ کی حفاظت پر بہت زیادہ زور دیا ہے چاہے مفہوم نہ بدلے جب بھی ایک لفظ کی کمی بیشی سے بھی منع کیا ہے جیسا کہ حضرت سفیان بیان کرتے ہیں کہ امام زہری حضرت انس کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدباء والمزفت ان ینتبد فیہ" حضرت سفیان سے کہا گیا کہ حدیث میں ینتبد ہے انہوں نے کہا نہیں نہیں ہم سے امام زہری نے بھی ینتبد فیہ نقل کیا ہے، بعض راوی تو الفاظ حدیث کے اتنے زیادہ حریص ہوتے ہیں کہ مشدد کو مخفف، اور مخفف کو مشدد پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ نما۔ نئی کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے "لیس الکاذب من اصرح بین الناس نقل خیرا و نسی خیرا" بر چند کہ اس عمل سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم حاد فرماتے ہیں کہ میں نے یہی حدیث دو شخصوں سے سنا ہے ایک نے نما مخفف اور دوسرے نے نئی مشدد پڑھا ہے بعض محدثین کو الفاظ حدیث کی حفاظت کا کتنا زیادہ شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب شاگرد روایت کھنا چاہتے تو یہ بیان کرتے در نہ نہیں اس لئے کہ انہیں یہ ناپسند تھا کہ وہ کچھ کا کچھ یا لا کر میں اور اہل حدیث میں دوہم گوارا مل جائے جیسا کہ خطیب بغدادی نے حضرت ابن عیینہ سے

نقل کیلئے کہ محمد بن عمرو کہتے ہیں، قسم بخدا جب تک تم حدیث لکھو گے نہیں میں بیان بھی نہیں کروں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ تم میری طرف غلط بات منسوب نہ کرو۔ ایک دوسری مثال راجہ مرزی نے طلحہ بن عبد الملک سے نقل کیلئے فرماتے ہیں، کہ میں حضرت قاسم کے پاس آیا اور ان سے کچھ باتیں دریافت کیں، میں نے عرض کیا کیا اسے لکھ لوں حضرت قاسم نے فرمایا ہاں لکھ لو پھر اپنے صاحبزادے سے کہا کہ ان کی کاپی دیکھ لو کہیں میری طرف کوئی زائد بات منسوب نہ کر دیں، طلحہ فرماتے ہیں کہ ابو محمد، اگر مجھے کذب بیانی کا خیال ہوتا تو آپ کی خدمت میں کبھی نہیں آتا، حضرت قاسم نے فرمایا یہ مقصد نہیں کہ مجھ کو آپ پر اعتماد نہیں رہا بلکہ میری منشاء تو یہ ہے کہ اگر سہواً کوئی لفظ رہ گیا ہو تو اسے بھی درست کر لیں، حضرت امش فرماتے تھے کہ یہ علم ایسے لوگوں کے پاس تھا جو یہ چاہتے تھے کہ ہم حدیث میں دآء الف یا دآل کا اضافہ کریں اس سے اچھا یہ ہے کہ آسمان سے گر کر جان دے دیں۔

حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تین ہی علماء پائے جو الفاظ حدیث کے باب میں بہت سخت تھے، قاسم بن محمد حجازی، محمد بن سیرین بصرہ میں، اور حضرت رجاہ بن حیوۃ شام میں، حضرت ابراہیم بن میسرہ اور امام طاؤس دونوں ایک ایک حرف کی رعایت کر کے حدیث بیان فرماتے تھے، بلکہ طاؤس تو حدیث کا ایک ایک حرف گنتے تھے، یہی حضرت سفیان بن عیینہ کا بھی قول ہے، حجاز کے محدثین میں ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید اور ابن جریج حدیث انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرتے تھے جو حدیث میں موجود ہیں اس میں کوئی ترمیم نہیں کرتے تھے، حضرت امام مالک بھی انہی کلمات کے ساتھ حدیث نقل کرنے میں حریص تھے جو حدیث میں آئے ہیں صحابہ اور تابعین کا دوسرا گروہ روایت بالمعنی کا قائل تھا اور ضرورت کے وقت ایک کلمہ کو دوسرے سے بدل دینے کی اجازت بھی دیا ہے، انہیں جب الفاظ بدلنے کی ضرورت ہوتی تو وضاحت کر دیتے کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایسے بھی بعض صحابہ ملتے ہیں جو غلطی کے اندیشے سے روایت کرنے میں بہت زیادہ احتیاط

کرتے تھے، یہ حضرت ابن مسعودؓ ہیں جب حدیث بیان کرتے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر فرماتے ہکذا، او نحو من ہذا، او قد یبا من ہذا" یہ کہتے جاتے اور کانپتے جاتے۔ حضرت ابو دردار رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کر کے فارغ ہو جاتے تو فرماتے او نحو ہذا او مشکله، یعنی یا۔ یہی الفاظ حدیث کے ہیں یا اس سے ملتے جلتے، اور فرماتے اللہم الاہکذا" خدا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی الفاظ ہوں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بہت کم بیان کرتے تھے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتے تو اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما دیتے تھے حضرت عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ دو مرتبہ کی روایتوں میں کچھ فرق بھی ہوتا ہے، میں نے عرض کیا نہیں، اس پر انھوں نے فرمایا کہ پھر کوئی مضائقہ نہیں حضرت ایوب محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ ایک حدیث الفاظ کے تھوڑے تھوڑے فرق سے دس آدمیوں سے سنتا ہوں جبکہ مفہوم ایک ہوتا ہے، حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابو آزر ایک مرتبہ حضرت داؤد بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہم نے کہا ابن اسقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیے جس میں وہم و نسیان اور کمی زیادتی کا کوئی امکان نہ ہو حضرت داؤد نے فرمایا تم میں سے کسی نے قرآن بھی پڑھا ہے ہم نے کہا ہاں! لیکن ہمیں خوب یاد نہیں ہے، ہم کبھی واؤ، الف بڑھا دیتے ہیں اور کبھی گھٹا دیتے ہیں حضرت داؤد نے فرمایا کہ جب یہ قرآن جو کاغذ میں تحریر ہے جسے تم خوب یاد کرتے ہو تمہیں یاد نہیں اور اس میں کمی و زیادتی ہو جاتی ہے تو پھر ان حدیثوں میں کمی بیشی کیسے نہ ہوگی جسے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کاش ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی بار حدیث سنتے اگر ہم کوئی روایت معنی کے لحاظ سے نقل کریں تو تم اس کو کافی سمجھو۔ حضرت زرارہ بن ابی وانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد صحابہ سے ملاقات کی میں نے محسوس کیا کہ ان کی روایتوں میں الفاظ کا فرق تو تھا لیکن سب کی روایتوں کا مفہوم ایک تھا، حضرت جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے ان کے الفاظ مختلف لیکن مفہوم ایک ہی ہوتا تھا، حضرت عمران قصیر فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ سے عرض کیا ہم جن الفاظ کے ساتھ حدیث سنتے ہیں بعینہ اسی طرح بیان نہیں کر پائے فرمایا ہم بھی اگر سنی ہوئی حدیث کے ایک ایک لفظ کی روایت کر کے روایت بیان کریں تو وہ حدیث بھی بیان نہ کر سکیں بس حدیث میں حلال و حرام کا مفہوم آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت ابن مسعود، ابودردار، انس بن مالک، حضرت عائشہ، حضرت عمرو بن دینار، عامر شعبی، ابراہیم نخعی، ابن ابی نجیح، عمرو بن مرہ، جعفر بن محمد، ابن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان رضی اللہ عنہم سے روایت بالمعنی کی اجازت منقول ہے، ابن عوف نے ایسے تین محدثین سے ملاقات نقل کی ہے جو روایت بالمعنی کی اجازت دیتے ہیں ان کے نام یہ ہیں، حسن بصری، ابراہیم نخعی، اور عامر شعبی، ان بزرگوں نے بضرورت روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے، یہ بزرگ لوگوں سے کہا کرتے تھے ہم روایت بالمعنی تو کرتے تھے لیکن آخر میں اوگما قال علیہ السلام "بھی کہہ دیتے تھے، صحابہ میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کھنے والوں کو روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتا تھا محض اسلئے کہ کوئی یہ خیال نہ کر لے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی ہیں، چنانچہ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ روایت بالمعنی کرتے وقت فرماتے تھے "احوجہ علی من یکتب عینی" جس نے میری روایات لکھی اس نے دشواری پیدا کر دی، ہمیں یہاں تسلیم کر لینا چاہئے کہ جن علماء نے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے کچھ شرطیں بھی لگا دی ہیں اور سب کو روایت بالمعنی کی اجازت بھی نہیں دی بلکہ بضرورت مخصوص حالات میں اجازت دی ہے مثلاً ذہبی سے لفظ حدیث ہی ذہول کر جائے یا روایت بیان کرتے وقت کسی وجہ سے کلمات یاد نہ آئیں تو اسے روایت بالمعنی کی اجازت ہے اور اس ضرورت کا استعمال بھی بقدر ضرورت ہوگا، امام شافعی نے راوی کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس سے روایت بیان کی جائے وہ ثقہ ہو، صدق گوئی کے لئے مشہور ہو، اپنی نقل کردہ حدیث

کو سمجھتا بھی ہو، اور معنی میں جو تبدیلی پیدا ہو اس سے بھی واقف ہو، حدیث جن الفاظ کی تھ سے اسی طرح بیان کر دیا کرے اس لئے کہ جانکار نہ ہونے کی وجہ سے جب روایت بالمعنی کریگا تو اسے خود خبر نہ ہوگی کہ وہ حرام کو حلال سے اور حلال کو حرام سے بدل تو نہیں رہا ہے اور جب الفاظ و حروف سمیت ادا کرے گا تو حدیث کے کچھ سے کچھ ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوگا۔

راہب مزنی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا ارشاد ہے کہ محدث الفاظ حدیث کا پابند ہو تو اس کے لئے روایت بالمعنی درست ہے، علاوہ ازیں وہ عربی زبان، محاورات عرب، رموز معانی، اندازِ گفتگو اور اسلوب کلام کی واقفیت کے ساتھ الفاظ کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے معنی کو بھی جانتا ہو اگر اس میں یہ اوصاف ہوں تو اسے روایت بالمعنی کی اجازت ہے اس لئے کہ وہ اپنے فہم و ذکا سے مفہوم کو بدلنے اور حکم ختم ہونے سے بچا لے گا اور اگر رادی میں یہ اوصاف نہیں ہیں تو الفاظ کی رعایت کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہی ضروری ہوگا بلکہ ظاہری الفاظ سے بھی انحراف کرنا اس کے لئے کسی طرح جائز نہ ہوگا، ہم نے اسی مسلک کا اکثر اہل علم اور فقہاء کو بھی پابند پایا ہے۔

جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ خدائے گزشتہ نبیوں اور قوموں کے واقعات نقل کئے، میں اور مختلف مقالات پر مختلف معنی و مفہوم کی رعایت رکھتے ہوئے بیان کیا ہے وہ بھی کبھی قوموں کی زبان سے عربی میں منتقل کیا ہے جس میں تقدیم و تاخیر کے ساتھ کمی زیادتی بھی ہے بلکہ بعض باتوں کا ذکر ہے اور بعض کا نہیں ہے جس سے روایت بالمعنی کا ثبوت ملتا ہے۔

روایت بالمعنی کا یہ طریق صحابہ کے لئے کوئی نیا اور نرالا نہیں ہے بلکہ وہ تو خود قرآن کے حکیمانہ اسلوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس کا جواز فراہم کر رہے ہیں جیسا کہ راہب مزنی نے نقل کیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر اور قاصد مختلف مملکتوں میں جب روانہ فرمایا تو یہ لوگ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کا ترجمہ عربی کے

علاوہ علاقائی زبانوں میں کرتے رہے، جس میں تقدیم و تاخیر بھی ہوئی ہے، پس اگر حدیث کی ترجمانی دوسری زبانوں میں صحیح ہے تو غیر ملکی اور اجنبی زبانوں کے مقابلہ پر حدیث کی ترجمانی عربی زبان میں بدرجہ اولیٰ درست ہونی چاہئے اور جو لوگ روایت بالمعنی پسند نہیں کرتے ان کے پاس بھی دلائل ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "نضروا اللہ، امراً سمع منا حدیثاً فاداکما سمعہ" خدا اس بندہ کو تروتازہ رکھے جس نے ہماری کوئی حدیث سنی اور انہی الفاظ کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیا۔ حضرت برادر بن عازب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم بستر پر بیٹھے لگو تو کیا کہو گے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور رسول بہتر جائیں آپ نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے دائیں ہاتھ پر سر رکھ لو پھر: "پڑھو، اللھم اسلمت وجھلی الیک وفوضت امری الیک والبعث ظہری الیک رغبتہ و رھبتہ الیک امنت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت" حضرت برادر فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے جس طرح سکھایا اسی طرح پڑھا یاں نبیک کی جگہ رسولک کہہ دیا اس وقت آپ نے دست مبارک سے میرے سینہ پر ازراہ شفقت مارا اور فرمایا نبیک ہی کہو اور پھر فرمایا کہ جو شخص یہ کہہ لے اور اتفاق سے اسی رات انتقال ہو جائے تو اس کی فطری موت ہوگی۔

بعض علماء نے دونوں فریق کی دلیلوں پر لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جاہل کو روایت بالمعنی کی مطلق اجازت نہیں ہے اور جن علماء نے اجازت دی ہے تو وہ بھی کچھ شرائط کے ساتھ، حضرت اردوردی فرماتے ہیں کہ اگر راوی لفظ بھول جائے تو اس کے لئے جائز ہے اس لئے کہ وہ لفظ اور معنی دونوں کا امین ہے، لیکن اگر ایک کو یاد کرنے سے قاصر ہے تو اس کے لئے دوسری صورت ضروری اور ناگزیر ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ بالکل روک دینے سے حدیث کا کتمان (چھپانا) لازم آسکتا، اس لئے ایسی صورت میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے، یاں اگر اسے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی درست

نہ ہوگی اس لئے کہ جو فصاحت آپ کے کلام مبارک میں ہے وہ دوسروں کے کلام میں نہیں ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ضروری یہ ہے کہ وہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع کلم میں نہ ہو اور ایسے الفاظ بھی نہ ہوں جنہیں بطور عبادت کے ادا کرنا حدیث میں منقول ہو تو روایت بالمعنی جائز ہے

ان تفصیلات کے بعد ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ روایت بالمعنی ضرورت کی بنا پر ہے اور صحابہ کا تقویٰ اور ایت میں ان کی دقت نظر، حفاظت حدیث کا اہتمام اور غایت احتیاط کے پیش نظر روایت بالمعنی مخصوص حالات میں جائز رہی ہے ہر وقت نہیں، میرے نزدیک یہی راجح ہے کہ روایت بالمعنی اگر تاریخی طور پر صحابہ سے ثابت بھی ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات مبارک سے بہت زیادہ ہم آہنگ اور قریب ہے اس لئے کہ صحابہ نے آپ کو دیکھا ہے، آپ سے حدیث سنا ہے آپ کے مبارک حلقے سے بانیض ہو کر اٹھے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات کریمانہ اور دعوت گرامی سے ان کے دیدہ و دل روشن ہوئے ہیں وہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہیں عربوں کی زبان کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے یہی ہیں ان کے کلام میں کسی غلطی اور فسفہ کو راہ نہیں ملتی، قوموں اور علاقوں میں رہنے کے باوجود ان کی زبان و مزاج تغیر پذیر نہیں ہوئے انھیں رسول اللہ کے ارشادات عالیہ سے بے پناہ مناسبت ہے اس لئے روایت بالمعنی میں آپ کے مفہوم گرامی سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے، میرے نزدیک زیادہ زور دربارت یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے جو حدیث بھی بیان کی ہے وہ زیادہ تر آں حضرت کے الفاظ ہی ہوتے ہیں اس لئے کہ ان میں کچھ تو ایسے تھے جو حدیث سنتے ہی آپ کے سامنے لکھ لیتے تھے اور حلقہ بنا کر سنی ہوئی حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے ایک دوسروں کی لفظی اصلاح بھی کرتے تھے اور اگر کسی کو کوئی شبہ ہو جائے تو فوراً ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر کے شبہ دور کر لیتا تھا اور تابعین بھی صحابہ سے جو کچھ سنتے لکھ کر یاد کر لیتے تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے کہ حدیث یاد کر لینے کے

بعد اسے مٹادیتے، بعض ایسے بھی تھے جو یاد کر کے اپنی بیاض یا سختی پر محفوظ کر لیتے اور بعض صحابہ اپنی ڈائری پر محفوظ کر لیتے تھے، اور جو تابعین لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے ان کی تمام تر خواہش اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ اسے اپنے سینوں میں زبانی محفوظ رکھیں حدیث کا وقتاً فوقتاً مذاکرہ کیا کبھی حدیث حاصل کرنے اور کبھی سنی ہوئی حدیث کی تصدیق و توثیق کیلئے صحابہ کے پاس ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے اور اس طرح وہ حدیث کے ایک ایک لفظ اور اسکے مفہوم کو ضبط کرتے تھے۔

بلاشبہ اس قوت حافظہ سے جو خدا نے ان عاقلین شریعت اور راویان حدیث کو بخشی ہے ہمارے اعتماد کو اور تقویت پہنچتی ہے کہ صحابہ نے جتنی روایات آن حضرت صلی اللہ علیہ سے کی ہیں زیادہ تر آپ ہی کے الفاظ ہیں چنانچہ تاریخ میں حضرت ابوہریرہ وغیرہ کے حفظ کا ذکر ملتا ہے اور جب کوئی صحابہ کرام کی بے پناہ قوت حافظہ اور یادداشت کی صحیح کیفیت معلوم کرتا ہے تو دنگ رہ جاتا ہے اسی قوت حافظہ کی بدولت حدیث رسول ہم تک صحت کے ساتھ پہنچی ہے۔ آپ قوت حافظہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو قوت حافظہ میں بہت مشہور ہیں، ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث ایک ہی مرتبہ سننے کے بعد ابرہہ ہو جاتی تھی، تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے ابن ابی ربیعہ کے اشہی اشعار پر شتمل ایک قصیدہ سنا اور پہلی ہی مرتبہ اسے یاد کر لیا، حضرت ابن عباس کی طرح اور بھی مثالیں صحابہ کرام میں ملتی ہیں ان میں حضرت زید بن ثابت بھی ہیں جنہیں بائع ہونے سے پہلے ہی قرآن کریم کا اکثر حصہ یاد تھا اور کل سترہ دن میں یہودیوں کی زبان بھی انہوں نے سیکھ لی، یہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ہیں جو ذکاوت اور حفظ میں امتیازی مقام رکھتی تھیں، تابعین میں حضرت ابن عمر خادم حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ جن سے ساری عمر حافظہ کی کوئی غلطی نہیں ہوئی اور جن کے حفظ کی باریکیوں پر تمام اقداروں نے اتفاق کیا ہے انہیں میں اپنے زمانہ کے مشہور ترین محدث امام زہری علوم اسلامیہ

کے انسائیکلو پیڈیا امام شعبی اور ممتاز فقیہ حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی بھی میں جو بلا کی ہمارت، غضب کی یادداشت میں مزب المثل ہیں

روایت کے مختلف طریقوں میں راوی کے اختلاف لفظ پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ایک بڑا حصہ ایسی روایات کا منہا ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کا ذکر ہوتا ہے یا پھر کسی خاص واقعہ کا جسے راوی نے خود شاہدہ کیا ہے اور اس واقعہ سے کوئی نتیجہ اخذ کر کے دوسروں تک پہنچا رہا ہو تو عموماً الفاظ حدیث میں اختلاف ہو جاتا ہے جس کی رواد اس طرح تعبیر کرتے ہیں "امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکذا اور نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کذا" وغیرہ حالانکہ دونوں کا مطلب ایک ہے اور یہ تو فطری بات ہے کہ صیغوں کی علیحدہ علیحدہ ادائیگی میں شک کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ ہر راوی جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اس کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کرتا ہے، ہاں یہ بات بہت شاذ و نادر ہے کہ راوی کا لفظی اختلاف عبادت کے لئے خاص کردہ الفاظ میں ہو یا ان حدیثوں میں ہو جو جوامع الکلم ہیں جیسے اذان و اقامت کے کلمات، مقررہ دعائیں اور تشہد کے جملے وغیرہ اس لئے کہ وہ تو بہر حال مقرر اور طے شدہ ہیں

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہم تک الفاظ کا جو اختلاف روایت بالمعنی کی وجہ سے پہنچا ہے اس کا زیادہ تر مدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس اور اسکی کثرت پر ہے اس لئے کہ آپ مختلف موقعوں پر ایک موضوع بیان فرماتے ہیں اور دریافت کرنے والوں کو ان کے مبلغ فہم کے مناسب جواب عنایت فرماتے ہیں، کبھی کبھی ایک ہی مسئلہ سے متعلق متعدد باتیں ذکر فرماتے اور ہر شخص کو مطمئن فرماتے تھے، جس کی تعبیر جداگانہ، الفاظ مختلف، اور جملے متغایات ہوتے اور مقصود پورا ہو جاتا تھا، ان صورتوں میں جو روایات بالمعنی بیان کی جائیں ظاہر ہے کہ اہل علم کی غیر معمولی جستجو اور حدیث رسول کا بہت زیادہ مطالعہ ہونے کی وجہ سے یہ روایتیں ان کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکیں بلکہ یہ علماء مضبوط (دبائی برہنہ)

مطالعات و تعلیقات

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

اسلامی عدل و انصاف | غزوة بدر کا خاتمہ اسلام کی شاندار فتح ہے کتنے ہی بڑے بڑے کفار مارے گئے اور کتنے ہی سربراہ اور دکان کفر و شرک قید کئے گئے، قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی ہیں، کفار قریش زبردستی کہے کہ ان کو اپنے ساتھ لئے تھے، اور گرفتاروں میں وہ بھی شامل ہو گئے، فیصلہ ٹھہرا کہ قیدیوں سے فدیہ کی رقم لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، یہ کوئی ذاتی معاملہ اور خاندانی قضیہ نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس سے مطالبہ فرمایا کہ وہ فدیہ کی رقم ادا کریں، اس پر ایک انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

ایذن لنا فلنقول لابن اخینا آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھتیجے
العباس بن عبدالمطلب فداء عباس بن عبدالمطلب کا فدیہ معاف کر دیں
یہ جملہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا، ولا درھما (طبقات ابن سعد ۴/۲۵۳) نہیں، ایک درہم بھی معاف نہیں ہوگا
اپنے چچا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی تعلق کا یہ حال تھا کہ زنجیروں میں انکی

کراہ کی وجہ سے آپ کو نیند نہیں آتی تھی، مگر عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ چچا کے فدیہ کی معمولی رقم بھی معاف نہیں فرمائی اور اسلام کے حربی قوانین کی رو سے جنگی قیدی کیساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ چچا کے ساتھ بھی کیا، یہ اسلامی عدل و انصاف کی ایک ہلکی سی مثال ہے۔

آخری باتیں

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں
۳۵ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے، عہدہ میں علاج

کا ایک طریقہ کئی یعنی داغنا بھی رائج تھا اس میں بدن کا حصہ گرم لوہے سے داغنا جاتا ہے اسلئے ناپسندیدہ تھا مگر بعض اوقات مجبوراً ایسا کرنا پڑتا تھا، حضرت عمران بن حصین بھی اس کو سخت ناپسند کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے، اتفاق سے ایک مرتبہ ایک ہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور کئی کے ذریعہ علاج کرنا پڑا بعد میں اس پر افسوس کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے بدن کو آگ سے داغنا لیکن تکلیف سے نجات ملی اور نہ شفا نصیب ہوئی، ایک تابعی حضرت مطرف کا بیان ہے کہ عمران بن حصین جب زیادہ بیمار ہو گئے تو جھکوبلا کر کہا کہ میری زندگی میں ملائکہ مجھے سلام کیا کرتے تھے اس وقت میں چند باتیں بیان کر رہا ہوں اگر میں اس بیماری سے شفا یاب ہو گیا تو تم ان باتوں کو جھپٹے رکھنا اور اگر میرا انتقال ہو جائے تو تمہارا جی چلبے تو لوگوں سے بیان کر دینا ان باتوں سے شاید اللہ تعالیٰ تمکو نفع دے مجھے فرشتے سلام کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ ایک ساتھ جمع کر کے ادا فرمایا اس کے بعد اس بارے میں نہ تو قرآن میں کچھ نازل ہوا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اس بارے میں جس نے چاہا اپنی رائے سے بات کہی

اور حضرت عمران بن حصین کا بالکل آخری وقت آیا تو کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے
علامہ سے مجھے میری چار باتیں سے باز رکھ دینا اور دفن سے لوٹ کر اونٹ ذبح کرنا اور اس کو

غریبا، دساکین کو کھلا دینا (طبقات ابن سعد ج ۱، قسم دوم ص ۱۵۷)

بندگان دین اور صحابہ کرام اپنے کو کس طرح دنیا کی نظر سے چھپاتے تھے حضرت عمران بن حصین نے دنیا سے جاتے وقت بتایا کہ مجھے ملائکہ سلام کیا کرتے تھے، اگر میں شفا یاب ہو گیا تو اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا، علمی دینی معاملات و مسائل میں اس قدر محتاط تھے کہ جو کچھ حج و عمرہ کے بارے میں ان کو صحیح طور سے معلوم تھا بیان کر دیا، اور کتمان سے کام نہیں لیا، اللہ ولے اپنی معلومتوں کو خوب سمجھتے ہیں، کسی مصلحت کی وجہ سے وصیت فرمائی کہ میرے علم سے میری لاش کو میری چارپائی سے باندھ دینا، اس کا وزن کا ادا شناس ہی سمجھ سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کے دو خط | حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جس وقت فتہ خلق قرآن میں مقام عسکر میں

نظر بند کئے گئے تھے، اور آپ کے چھوٹے صاحبزادے ابوالفضل صالح بن احمد بغداد واپس آئے گئے تھے امام صاحب نے ان کے پاس یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ تعالیٰ تم کو نیک انجام بنائے اور دنیا کی تمام بلیات و کدوہات سے محفوظ رکھے، تم سے پہلے تمہارے بڑے بھائی عبداللہ سے میں نے کہا تھا کہ وہ بغداد ہی میں رہیں میرے پاس عسکر میں نہ آئیں، اور آج تمہارے پاس اسی مضمون کا خط لکھ رہا ہوں، میری تمنا ہے کہ یہاں میرا چرچا نہ ہونے پائے، تم لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے میرا تذکرہ ہوتا رہے گا، تمہاری مجلسوں میں آنے والے جب واپس جاتے ہیں تو میرا ذکر ادھر ادھر ہوتا ہے، اگرچہ یہ ذکر ضرر کے ساتھ ہوتا ہے لیکن میں ہرگز نہیں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے حالات سے واقف ہوں اور عقیدہ تندی کے باعث میرے لئے مصیبت بنیں۔

یارے بیٹے صالح! اگر تم اور تمہارے بھائی عبداللہ بغداد میں رہو اور میرے پاس نہ آؤ تو اس میں میری یمن خوشی ہے، ان سطور سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لانا، اسی میں تم لوگوں کے لئے سرا سر خیر ہے۔

اسی زمانہ میں امام صاحب نے ان کے نام یہ دوسرا مکتوب عسکر سے روانہ فرمایا
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ! اللہ تعالیٰ تمہیں نیک انجام بنائے، اور اپنی رحمت سے تمام
 برائیاں تم سے دور رکھے، یہ خط تمہارے نام ہے، لہذا تم اپنے کو مخاطب سمجھ کر اس پر عمل کرو،
 یہاں میرے پاس اللہ کی دی ہوئی ساری نعمت موجود ہے اللہ تعالیٰ ان میں مزید اضافہ کرے
 اور شکر کی توفیق دے، اب میری زندگی کی مشکل گزریں کھلیں چکی ہیں یہاں پر جو دوسرے علماء
 ہیں شاہی عطیات قبول کر کے شاہی خواہش کے تابع ہو گئے ہیں اور دربار شاہی سے ان کے
 وظیفے مقرر ہو گئے ہیں، درحقیقت یہی وظائف ان کے لئے زنجیر بن گئے ہیں جن میں وہ جکڑ
 چکے ہیں اور اب ان کا حال یہ ہے کہ دین میں نئے نئے باب کا اضافہ کرتے رہتے ہیں، دربار میں
 جا کر رات دن بادشاہ کی چشم و ابرو کو دیکھتے رہتے ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ سے یہی اتجا کرتے ہیں
 کہ ہمیں ایسے دنیا دار علماء کے شر سے محفوظ رکھے اور ان کی صحبت سے بچائے۔

میں یہاں پر جس مکدر فضا اور غمزدینی ماحول میں گھرا ہوں اگر اس سے مجھے نجات دلانے
 کیلئے تم کو اپنے اہل دماغ کا فدیہ ادا کرنا پڑے اور میری خلاصی ہو جائے تو تم اسے بہت ہی سہل
 نسخہ سمجھو، ان حالات میں اگر تمہارے پاس اس قسم کے خطوط لکھوں تو تمہاری طبیعت پر گراں
 نہ ہونی چاہئے، یہ فتنہ دُعا کا زمانہ ہے، تم لوگ گھر سے باہر قدم نہ نکالو، یقیناً اللہ تعالیٰ میری
 نجات کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالے گا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

زچہ بچہ | ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں نومو لو دیکھے برکت
 کیلئے لائے جاتے تھے، اور آپ ان کے حق میں دعا و غیر برکت کیا کرتی تھیں
 ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اس کے سر ہانے نیک سے چھپا ہوا اُسترا رکھ لے، گھر
 والوں سے دریافت کیا کہ یہاں اُسترا کس لئے رکھا گیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ جنات
 سے بچنے کیلئے بچوں کے سر ہانے اُسترا رکھ دیا کرتے ہیں، یہ سن کر حضرت عائشہ نے اُسترا اٹھا کر
 پھینک دیا، لوگوں کو سختی کے ساتھ اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بد فالی کو

سمت مکردہ اور ناپسند سمجھتے تھے (الادب المفرد امام بخاری ص ۱۳۳)

مسلمانوں کے یہاں بھی ہندؤں کی طرح زچہ بچہ کے بارے میں بہت سی توہم پرستیاں چلتی ہیں، زچہ خانے کے دروازے پر چھ سات دن تک مستقل طور سے آگ رکھی جاتی ہے اور لوہے کی سلاخ گاڑ دی جاتی ہے تاکہ جاہل عوام کے خیال کے مطابق ارداح خبیثہ اور جنات و شیاطین اس ترکیب سے بچہ زچہ کو تکلیف نہیں پہنچاتے ہیں اس کے علاوہ بچہ جب تک سال دو سال کا نہیں ہو جاتا اس کے سر ہانے کچھ دھار کا جل رکھنے کا لوہے کا برتن رکھا جاتا ہے، کیا مجال کہ کسی وقت وہاں سے ہٹ جائے۔

یہ توہمات اسلامی ذہن و مزاج کے سراسر خلاف اور از روئے شریعت حرام ہیں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس قسم کے توہمات سے دور رہنا چاہئے، خاص طور سے عورتیں ان سے دور رہیں، یہ مرض مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے اندر زیادہ پایا جاتا ہے

ابوالحسن، ابن حامد دیلمی بغدادی رح ہمارے ملک میں پرانے زمانہ میں بڑے بڑے اہل اور ارباب

کمال گذرے ہیں، جن کو یہاں کے لوگ بھول گئے مگر اسلامی تاریخ نے ان کو اپنے سینے میں چھپائے رکھا ہے، انہی میں ابوالحسن ابن حامد دیلمی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان کا پورا نام حسن بن حامد بن حسن بن حامد بن حسن ہے، کنیت ابوالحسن ہے، سندھ کے شہر دیلم کے رہنے والے تھے مگر مستقل سکونت بغداد میں اختیار کر لی تھی، ۳۰۰ھ میں انتقال کیا، بہت بڑے محدث اور عربی زبان کے ادیب و شاعر تھے اسی کے ساتھ نہایت کامیاب تاجراد و الدار عالم تھے، انہوں نے بغداد میں ایک سرانے بنوائی تھی ان کے نام سے خان ابن حامد مشہور تھی ان کا تذکرہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور ابن عساکر نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کسی ہندی مورخ نے اس ہندی محدث اور شاعر و تاجر کا حال نہیں لکھا ہے خطیب کا بیان ہے۔

مکان صدوقاً، تاجراً، مسولاً والیہ ابن حامد نہایت سچے اور اللہ راہ جرتھے بغداد
 ینسب خان ابن حامد الذی فی دوزخ کی زعفرانی گلی والی سرائے خان ابن حامد ان
 الزعفرانی ببغداد (تاریخ بغداد) ہی کی طرف منسوب ہے۔

ابو الحسن ابن حامد دیہلی کی بیان ہے کہ مشہور شاعر متنبی جب بغداد آتا تو میرے ہی مکان
 پر قیام کرتا تھا، ایک مرتبہ متنبی نے مجھ سے کہا کہ اگر میں کسی تاجر کی مدح میں شعر کہتا تو آپ کی
 مدح میں کہتا۔

دیہلی سے نکل کر بغداد گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی اور موت کا وقت
 قریب آیا تو قسمت نے مصعب بن زیاد جہاں شروع شوال بروز یکشنبہ شنبہ میں انتقال کیا
 ان کے دو اشعار بھی سن لیں۔

شریت المعالی غیر منتظوبہا
 کسآذا ذکلا سوقا یقوم لہا اخوی
 ذکلا انامن اهل المکاس وکلمبا
 توفرت الاثمان کنت لہا اشری

ابو الحسن ابن حامد دیہلی کے وطن دیہلی کو حضرت محمد بن قاسم ثقفی نے پہلی صدی
 ہجری کے آخر میں پہلی بار فتح کیا تھا، وہاں بہت بڑا بت خانہ تھا اس لئے اس شہر کا نام ہی
 دیہلی تھا جو عربی میں دیہلی ہو گیا، راتم الحروف اربح ۱۹۸۲ء میں دیہلی میں حاضر ہو چکا ہے
 قدیم شہر کی کھدائی ہوئی ہے، شہر پناہ کی دیواریں اور بہت سی قدیم چیزیں نکلی ہیں، عجیب
 حسرت و عبرت کا منظر ہے، ایک مسجد کا فرش بھی نکلا ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے
 کہ مشرقی عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے، میں نے اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ایک مجمع کے ساتھ
 اس شہر کی اسلامی تاریخ پر مختصر تقریر کی، اس کا ایک عجائب خانہ بھی اس میں ہے جس میں
 وہاں سے ملی ہوئی قدیم چیزیں رکھی ہیں، میں نے اسکے بعض پتھروں سے عربی تحریر نقل کی جو

اسلامی ہند کی تاریخ میں بڑے کام کی ہے۔

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت
مسجد و مدرسہ کے امام و معلم | سلمہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور

میری قوم کے چند افراد اپنی بستی سے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے
 اس سفر کا مقصد قرآن کی تعلیم حاصل کرنا تھا، جب میرے قبیلہ والے اپنا کام چکے تو انھوں نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری بستی میں ہمارا امام کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ
 تم میں سے جس نے قرآن کی تعلیم زیادہ حاصل کی ہے وہی امامت کریگا۔

جب یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور نماز کے لئے امام تلاش کرنے لگے تو مجھ سے
 زیادہ قرآن کا جتنے والا اور پڑھنے والا کوئی دوسرا شخص نہ مل سکا، میں اس وقت کم عمر
 لڑکا تھا لوگوں نے متفقہ طور پر مجھے نماز کیلئے آگے بٹھایا، اس وقت سے آج تک ان کا کوئی
 مجمع ایسا نہیں ہوتا جس کا امام میں نہ ہوتا ہوں (ابتداءً اسلام میں نابالغ کی امامت جائز
 تھی) اس واقعہ کے راوی حضرت سلمہؓ اپنی قوم کو پنج وقتہ نماز پڑھانے کے ساتھ ان کے
 جازوں کی نماز بھی پڑھاتے تھے اور مخالف مسجدوں میں بوقت ضرورت امامت کرتے تھے،
 اس طرح زندگی بھر انھوں نے امامت کی اور آخری وقت تک یہ خدمت انجام دی (سنن بیہقی ۲/۲۹۹)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں جس دن سے مدرسہ
 نبوت سے سند لے کر نکلے اپنی قوم کی امامت میں لگ گئے اور رسالت میں بلکہ اس کے بعد تک

مسجدوں کے امام وہاں کے مدرسہ معلم بھی ہوا کرتے تھے اور مسجدوں ہی میں دینی درس دیتے تھے
 حضرت سلمہؓ اپنے قوم کے جیسے بچے تھے جو بچپن ہی سے عالم دین بن جاتے تھے ان کی قوم ان کو ہر جگہ ادا
 موع پر آگے بڑھاتی تھی اور جب تک زندہ رہے مسجد اور مدرسہ کے ذریعہ دینی خدمت انجام دیتے رہے

امامت اعلیٰ دونوں کا عہد بہت شریف اور محرز ہے بشرطیکہ اس عہدہ والے اپنی ذمہ داری پوری
 کریں اور آج کل کے ان لوگوں اور معلموں کی طرح اپنے کو مسجد کے نازیباؤں اور مدرسوں کے ناخوش کا نام نہ سمجھا کر
 کتڑی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ نہایت خود داری کیساتھ اپنی ذمہ داری پوری کریں، وہ عالم نہیں محرم ہیں۔

تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا سیرادروی

ابوجعفر محمد بن جریر بن زبیر الطبری علمی دنیا میں زندہ جاوید اور عالمی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کے دو عظیم الشان کارنامے ہیں، ایک قرآن پاک کی ضخیم تفسیر جو جامع البیان میں تادل آی القرآن کے نام سے مشہور ہے، ان کا دوسرا زندہ و جاوید کارنامہ اسلامی تاریخ کی قدیم ترین اور مبسوط کتاب "تاریخ الامم والملوک" ہے جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور اور علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

ابن جریر طبری کے فضل و کمال کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جس کے ناقل مشہور مصنف و مورخ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ ہیں، وہ طبری کے حالات میں لکھتے ہیں

ان الطبری قال لاصحابہ اتشظون	طبری نے اپنے تلامذہ سے کہا تفسیر قرآن
تفسیر القرآن؟ قالوا، کویکون	لکھنے سے دلچسپی رکھتے ہو؟ تو ان لوگوں نے
قدری؟ قال، ثلاثون الف	دریافت کیا، وہ کتنی ضخیم ہوگی؟ تو طبری نے
درقة، فقالوا، هذا ما یعنی	کہا کہ تیس ہزار اوراق میں آئے گی، تو لوگوں نے
الاعمار قبل تمامہ، فاختصره	کہا کہ تفسیر پوری ہونے سے پہلے ہماری عمریں

فی نحو ثلاثة الاف ورقة

ثم قال انشطون لتاريخ العالم

من آدم الى وقتنا هذا؟ قالوا، كمر

يكون قدوة؟ فذكروا نحو ما

ذكرة في التفسير، فاجابوا مثل

ذلك، فقال اناب الله، ماتت الهمم

فاختصره في نحو ما اختصر

التفسير

ہی ختم ہو جائیں گی، یہ سن کر آپ نے اس کو

صرف تین ہزار صفحات میں لکھا۔

پھر پوچھا، تاریخ اسلام سے دلچسپی ہے جو

آدم سے ہمارے زمانے تک کی تاریخ ہو؟ تو پھر

لوگوں نے پوچھا، کتنے اوراق میں آئیگی تو پھر

وہی بات فرمائی جو تفسیر کے سلسلہ میں کہی تھی

لوگوں نے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے

تھے، تو طبری نے کہا، انشاء اللہ جو صلیہ پست ہو چکے

ہیں اور تاریخ کو بھی تفسیری کی طرح مختصر

کر دیا۔

علمی دنیا میں یہ دونوں کتابیں قبولیت عامہ کے ہاتھوں لی گئیں اور شوق و عقیدت

کی نگاہوں سے پڑھی گئیں، اکابر علماء امت نے شاندار لفظوں میں دونوں کتابوں کو خراج

تعمین پیش کیا، ان کی تفسیر کے متعلق ابو حامد الاسفہانی کے یہ الفاظ مشہور ہیں اور ہر تذکرہ

نگار نے نقل کئے ہیں۔

اگر کوئی بعین جیسے درود دراز ملک کا سفر

صرف تفسیر طبری حاصل کرنے کیلئے کرے تو یہ

کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔

لوسافر رجل الى الصين حتى

يحصل له كتاب تفسير ابن جرير

لويكن ذلك كشيء يسير

مشہور محدث ابن خزیمہ صاحب صحیح ابن خزیمہ نے تفسیر طبری کو دیکھ کر فرمایا

میں نے تفسیر از ابتدا تا انتہا دیکھی ہے،

قد نظرت فيه من اوله الى اخره

۱۲ تاریخ بغداد ۲۶ ص ۱۱۳۔ کتاب المیزان ج ۵ ص ۱۰۲، تذکرۃ الحفاظ ۲۶

ص ۱۲، وغیرہ۔

وما اعلو علی ادیہا الارض اعلم صحیح علم میں اس وقت محمد ابن جریر طبری
من محمد بن جریر الطبری سے بڑا کوئی عالم روئے زمین پر نہیں ہے
ان کی تاریخ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ تصنیف کے کچھ ہی برسوں بعد مختلف زبانوں
میں اسکے ترجمے کئے گئے اور پھر اس کتاب کو شاہی سرپرستی حاصل ہو گئی، اور بہت بڑے پیمانہ
پر اسکی اشاعت ہوئی، اسلامی تاریخ میں کوئی کتاب اتنی جامع نہیں لکھی گئی تھی اس لئے مؤرخین
میں تمام مشاہیر اصحاب تاریخ جیسے ابن مسکویہ، ابن اثیر، حافظ ابن کثیر وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں
میں اس سے استفادہ کیا۔

طبری کی دونوں کتابوں کے بار بار ایڈیشن شائع ہوئے، تفسیر کے قدیم ایڈیشنوں میں وہ
نسخہ ہے جو پہلے پہل امرام نجد میں آل رشید کے کتب خانہ کے مخطوط کو تصحیح و تحقیق اور کتب خانہ
خدیویہ قاہرہ (مصر) کے مخطوط سے مقابلہ کر کے مطبع میمنیہ مصر سے شائع کیا گیا تھا، دور
جدید میں یہ تفسیر خوبصورت ٹائپ میں ۳۰ جلدوں میں شائع ہو کر دنیا میں پھیل گئی ہے۔
ان کی تاریخ کا غالباً پہلا اور قدیم ایڈیشن لیڈن سے شائع ہوا تھا جو اب بھی لائبریریوں
میں پایا جاتا ہے، ماضی قریب میں مصر سے ۱۳ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور عام طور سے
کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔ ابن جریر طبری کی ان دونوں کتابوں کے علاوہ دوسری
اور پندرہ کتابیں ہیں جن کی فہرست اکثر تذکرہ نگاروں نے دی ہے۔

عصر حاضر میں تاریخ طبری اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے
اسلامی دنیا سے گذر کر یورپین مصنفین اور مستشرقین کی تحقیق اور مطالعہ اور ان کے جوابات
نے اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ کے سلسلہ میں مستشرقین
کا سب سے اہم اور بڑا ماخذ یہی کتاب بنتی ہے اور وہ اسی کے حوالے دیتے ہیں اور وہ اس تاریخ
کو اسی ابن جریر طبری کی تصنیف مانتے ہیں جس کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی اور جو مشہور

تفسیر جامع البیان عن تاویل آی القرآن کا مصنف ہے۔

اسی طرح قدیم مصنفین میں ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ اور خطیب بغدادی متوفی ۴۵۲ھ سے لے کر متاخرین میں حافظ ابن حجر، علامہ ذہبی، ابن العباد الحنبلی وغیرہ تک سبھی تفسیر طبری اور تاریخ طبری دونوں کا مصنف ایک ہی فرد کو تسلیم کرتے ہیں، کسی کے یہاں یہ مشبہ بھی نہیں پایا جاتا کہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے مصنف دو ہو سکتے ہیں، اور تفسیر کا مصنف صحیح العقیدہ اور تاریخ کا مصنف غالی رافضی ہے، یہ خیال چودھویں صدی میں منظر عام پر آیا ہے۔

یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا سراغ ہمیں علامہ ذہبی کی کتاب میں ابن جریر طبری کے ترجمے میں سلیمان بن جریر سے ملتا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں

محمد بن جریر بن یزید الطبری
الامام الجلیل المفسر ابو جعفر صاحب
الفضائل الباہرات ستہ عشر
وثلاثمائة اقدار احمد بن علی
السلیمان بن الحافظ فقال کان یضیع
لذو الرافض۔ هذا رجوع بالنظر
ان کاذب بل ابن جریر من كبار ائمة
الاسلام المعتقدین
فلعل السلیمان بن جریر اراد الاقوال

محمد بن جریر بن یزید الطبری جلیل القدر
امام و مفسر جن کی کنیت ابو جعفر ہے، عظیم
المرتبہ کتابوں کے مصنف ہیں جن کا انتقال
۳۴۰ھ میں ہوا ہے، احمد بن علی سلیمان بن جریر نے ان
کے بارہ میں برا بھلا کہا ہے، انہوں نے کہا کہ وہ
رافضیوں کیلئے حدیثیں وضع کرتے تھے، یہ ابن جریر
بے بنیاد اور غلط الزام ہے، ابن جریر تو قابل تمام
اعمال ستارہ میں سے ہیں، ہو سکتا ہے کہ سلیمان بن
جریر نے اس ابن جریر کے متعلق یہی ہو جس کا ذکر
آگے آ رہا ہے۔

اس کے بعد ذہبی نے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری کا ترجمہ لکھا ہے، اسکے

لے جو الفضل محمد بن علی بن جریر السلیمان بن الحافظ البکندی المتوفی ۳۸۵ھ بیکنڈر، کتاب لسان السعفی ج ۱ ص ۱۹

متعلق انہوں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔

رافضی لہ تو الیف منہا کتاب
 الرواۃ عن اهل البیت، رواہ
 بالرفض عبد العزیز الکتبانی۔
 یہ رافضی ہے، اس کی کئی کتابیں ہیں، اسکی
 تصانیف میں قابل ذکر کتاب الرواۃ عن اہل
 البیت ہے کتابی نے اس پر رافضی ہونے کا
 الزام لگایا ہے

حافظ ابن حجر نے دونوں کے ترجموں میں ذہبی کی پوری عبارت نقل کر دی ہے اور
 اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن جریر بن یزید طبری پر رافضیت کا الزام خلعی سے لگایا
 گیا ہے، ان کے الفاظ ہیں۔

انما صفة بالاشترک فی
 اسمہ واسوایہ ونسبہ وکنیتہ
 ومعاصرته وکثرة تصانیفہ
 ان کو نقصان اس رافضی کے نام، والد
 کے نام، نسبت اور کنیت میں شراک معمری
 اور تصانیف کی کثرت کی وجہ سے پہنچا۔

ابن جریر طبری رافضی کے ترجمے میں حافظ ابن حجر نے ابن جریر ابن یزید طبری پر
 رافضیت کے الزام کی وجہ بتائی ہے کہ یہ بات مشہور کر دی گئی کہ وہ وضو میں پاؤں
 کو دھونے کے بجائے اس کے مسح کے قائل ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، حافظ ابن
 حجر کے الفاظ ہیں۔

لحل ما حکى عن محمد بن جوير
 الطبري من الاکتفاء فی الوضوء
 بمسح الرجلین انما هو هذا
 الرافضی فانہ یؤمذہم
 شاید بات یہ ہوئی کہ لوگ کہنے لگے کہ وہ وضو
 میں پاؤں پر مسح کو کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ
 بات ابن جریر رافضی کی ہے کیونکہ رافضیوں
 کا یہی مذہب ہے۔

لہ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹۸-۴۹۹۔ لہ سان المیزان ج ۵ ص ۱۰۰۔ لہ سان المیزان

اب یہ بات ناقابل انکار ہو گئی کہ طبری دو ہیں، ایک ابن جریر بن یزید طبری معتمد امم اسلام ہیں، دوسرا ابن جریر بن رستم طبری غالی رافضی ہے، اتفاق سے دونوں ابن جریر صاحب تصانیف ہیں، اور "تاریخ الامم والملوک" کا طرز تحریر ایسا ہے سرسری مطالعہ کرنے والوں کو اس سے شبہیت کی تو آتی ہے، بس اتنی سی بات نے ایک خلاف حقیقت ادبے بنیاد دعویٰ کرنے پر مجبور کر دیا حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ کتاب کا تحقیقی مطالعہ کر کے اس کی روایتوں کا مستند روایات سے موازنہ کر کے رد و قبول جمع و تطبیق سے کام لیا جاتا اور طرز تحریر کی وضاحت کی جاتی۔ سہل الحصول طریقہ یہ سمجھا گیا کہ کتاب ہی کو ابن جریر رافضی کی طرف منسوب کر دیا جائے، جس کم جہاں پاک۔

سوال یہ ہے کہ ابن جریر رافضی نے کوئی اسلامی تاریخ لکھی بھی ہے یا نہیں جتنے بھی قابل حصول تذکرے مجھ دستیاب ہوئے ان میں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ ابن جریر رافضی کی فن تاریخ میں تاریخ الامم والملوک کے نام سے کوئی کتاب ہے، اس کے برعکس ابن جریر بن یزید طبری کی تمام کتابوں کی فہرست متعدد کتابوں میں پائی جاتی ہے اور ہر جگہ ان کی تفسیر و تاریخ ان کی تصانیف میں شامل پائی جاتی ہیں۔

قدیم و جدید کسی تذکرے میں ادنیٰ شبہ کا اظہار بھی نہیں کیا گیا ہے کہ تاریخ الامم والملوک ابن جریر رافضی کی ہے اور تفسیر ابن جریر بن یزید طبری کی ہے، اس سلسلہ میں اتنی شہادتیں ہیں کہ کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، چند شہادتیں آپ کے سامنے پیش ہیں علوم و فنون کے تعارف کے سلسلہ میں سب سے قدیم تصنیف ابن ندیم کی "الفہرست" ہے، ابن ندیم ابن جریر طبری سے قریب العہد بھی ہیں کیونکہ طبری کا انتقال ۳۲۰ھ میں ہوا ہے اور ابن ندیم کا سال وفات ۳۴۵ھ ہے یعنی طبری سے ۲۵ سال کے بعد اگر ابن ندیم نے اپنی

۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے "تذکرۃ الحفاظ" ۲۷ ص ۱۲۔ فہرست ابن ندیم ص ۳۲۶، ۳۲۷، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲۷ ص ۳۶ تاریخ الامم والملوک ۱۷ مقدمہ ناشر ص ۲-۵

یہ کتاب ددرشباب میں لکھی ہے تو طبری کے انتقال کو زیادہ سے زیادہ بیس چالیس سال کا ناز گذرا ہوگا، انھوں نے اپنی کتاب میں ایک مستقل عنوان ہی "الطبری واصحابہ" قائم کیا ہے۔ ان کی زندگی کے حالات اور سال وفات کو ابو الفرج المعافی بن زکریا المنہرجی کی روایت سے یا جو بغداد کے قاضی تھے جہاں طبری کی علمی و تصنیفی زندگی کا بیشتر حصہ گذرا ہے، ان کے بچپن میں جب ان کی عمر سات سال کی تھی تو طبری کا بغداد میں انتقال ہوا تھا، ان کو ابن جریر سے وہ عقیدت تھی کہ لوگ ان کو "جریری" کہا کرتے تھے، انھی کے بیان پر ابن ندیم نے طبری کا سال وفات ۳۱۲ بتایا جو متفق علیہ ہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ مجھ سے ابو اسحاق بن محمد ابن اسحاق نے بتایا کہ مجھ سے ایک قابل اعتماد اور ثقہ آدمی نے بتایا جس نے مصر میں طبری سے ملاقات کی تھی اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوا تھا، وہ کہتا ہے کہ میں طبری کے خط کو پہچانتا ہوں میں نے ان کے بہت سے مخطوطے ان کے قلم کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں پھر اس نے طبری کی تصنیفات کو شمار کرتے ہوئے ان کی تفسیر و تاریخ کے متعلق بتایا۔

ان کی تاریخ کی کتاب ہے اس کے دو حصے	کتاب التاریخ ویضاف الیہ القطعان
بتائے جاتے ہیں، انھوں نے ۳۱۲ کے حالات	واخر ما املی منہ الی سنة ۳۱۲ و
الما کر لے ہیں، ہمارے یہاں ایک حصہ ہے	ہمنا قطع، وقد اختصر هذا
بعض لوگوں نے اس کی تخصیص بھی کی ہے اور	الکتاب وحذف اسانیدہ جماعة
اس کی سندوں کو حذف کر دیا ہے، تخصیص کرنے	منہ رجل يعرف بمحمد بن سلیمان
والوں میں محمد بن سلیمان ہاشمی ہیں، ان کی کتاب	الہاشمی.... کتاب التفسیر لریحیل
التفسیر ہے جس سے بہتر اب تک کوئی تفسیر نہیں لکھی	احسن منہ وقد اختصره جماعة منهم
گئی اسکی بھی تخصیص ہوئی ہے	

۱۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھیے الاطام للندکلی ج ۷ ص ۳۶۰، ابداً والنهاية لابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۸
۲۔ الفہرست لابن ندیم ص ۳۲۶ - ۳۲۷

ابن ندیم نے ان دو کتابوں کے علاوہ ان کی دوسری پندرہ کتابوں کو بھی شمار کر لیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کو اسی صحیح العقیدہ ابن جریر طبری کی تصنیف بتاتے ہیں جن کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا ہے

ابن ندیم کے بعد خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ کا زمانہ آتا ہے انھوں نے اپنی مشہور عالم کتاب تاریخ بغداد میں طبری کا سات صفحات میں مقصد تذکرہ کیا ہے، ان کے علمی مقام و مرتبہ فضل و کمال، اسفار، دیگر حالات اور وفات، تجہیز و تکفین، جنازہ پڑھنے والوں کا ازدحام تک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور بتاتے ہیں کہ ان کا انتقال اتوار کے دن ۲۸ شوال ۳۱۰ھ کو نماز مغرب کے وقت ہوا، اخبار بلکہ کے تشدد اور مخالفت کی وجہ سے ان کو عام قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکا بلکہ ان کو ان کے گھر میں جو "رُجْبُ يَعْقُوب" میں واقع تھا دفن کیا گیا۔

خطیب بغدادی نے بڑے ہی پرشکوہ الفاظ میں ان کے فضل و کمال اور ان کی بے مثال تصانیف کو خراج تحسین پیش کیا ہے انھوں نے طبری کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے پھر ان کی تفسیر و تاریخ کے بارے میں تحریر فرمایا

... ولله الکتاب المشهور فی تاریخ
الامور والملوک و کتاب فی التفسیر
انھیں کی فن تاریخ کی مشہور کتاب تاریخ
الائم والملوک ہے اور تفسیر میں ایسی کتاب
لکھدی کہ اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی
ولہو یصنف احد مثله۔

ان جملوں سے جہاں دونوں کتابوں کے مصنف کے ایک ہونے کی شہادت ملتی ہے انھیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کے زمانے تک طبری کی تاریخ کی شہرت بام عروج پر پہنچ چکی تھی، یہ شہرت خود بتاتی ہے کہ اسکے مصنف کے بارے میں کسی کو کوئی اشتباہ و اشکال نہیں تھا۔

فن اسماء الرجال کے امام علامہ ذہبی نے اپنی کتاب کے ۶ صفحات میں ابن جریر کے حلالہ لکھے ہیں اور ان کے علم و فضل اور کمال فن کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے خطیب بغدادی کی عبارت مستعار لی ہے، تفسیر و تاریخ کے سلسلہ میں طبری نے اپنے تلامذہ سے جس ضخامت کا اظہار کیا تھا اور طلبہ کی کم ہمتی کی وجہ سے دونوں کتابوں کو مختصر کرنے کے واقعہ کو ذہبی نے بھی مفصّل لکھا ہے، پھر ذہبی نے ان کے مشہور شاگرد فرغانی کا بیان نقل کیا ہے۔

قال الفرغانی تعرّفه التفسیر	فرغانی کہتے ہیں کہ ان کی درج ذیل کتابیں
والتاریخ و کتاب القراءات	مکمل ہو گئیں، تفسیر، تاریخ، کتاب القراءات
و کتاب لعدد و التنزیل و کتاب اختلاف العلماء	کتاب لعدد و التنزیل، کتاب اختلاف العلماء
اختلاف العلماء و کتاب تاریخ الرجال	کتاب تاریخ الرجال، لطیف القول فی
و کتاب لطیف القول فی الفقه	الفقه اور اصول میں کتاب التبصیر اور کتاب
و کتاب التبصیر فی الاصول و کتاب	تہذیب الآثار (جو مکمل نہ ہو سکی) وغیرہ
تہذیب الاشارة۔	

ابن ندیم اور خطیب بغدادی نے ان کی جن تصانیف کا ذکر کیا ہے اور جو فہرست دی ہے علامہ ذہبی اسی فہرست کو نقل کرتے ہوئے طبری کی تفسیر اور تاریخ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

لہ کتاب الکلبیہ المشہور فی تاریخ	ان کی عظیم کتاب تاریخ امم میں مشہور
الاصولہ کتاب التفسیر الذی لو	ہے اور ان کی تفسیر کی کتاب تو ایسی ہے
یصنف مثله۔	کہ اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

تاج الدین السبکی متوفی ۷۷۱ھ نے بھی اپنی کتاب میں ابن جریر کا مفصّل تذکرہ لکھا

ہے اور ان کی پیدائش، تاریخ وفات، تفسیر و تاریخ کی ضمانت کا واقعہ تصانیف کی فہرست یہ سب کچھ انھوں نے خطیب بغدادی سے ہو ہو لے لیا ہے اور حقیقت مسلمہ کے طور پر ان تمام باتوں کو نقل کرتے چلے گئے، یہ تصانیف کو شمار کرانے ہوئے انھوں نے لکھا ہے۔

ومن تصانیفہ کتابا لتفسیر
و کتاب التاریخ۔
ان کی تصانیف میں کتاب التفسیر اور
کتاب التاریخ وغیرہ ہیں۔

باقی آئندہ

بقیہ ص ۲۱ حدیث عہد رسول میں

اتقان، قوت حافظہ اور وقت نظر میں دنیا کے لئے بہترین مثال ثابت ہوئے، یہ روایت بالمعنی کرتے بھی ہیں تو پورا احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ روایت کے دوران سہو و خطا وغیرہ پر تنبیہ بھی کرتے ہیں ان کی ہر وقت یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کلمات آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں بس اسے ہی نقل کریں، اس غایت احتیاط کے بعد کسی اندیشہ کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا جیسے مصنفین اور اعتراض کرنے والے ہوا دیتے ہیں

یہ بھی یاد رہے کہ روایت بالمعنی کا یہ اختلاف اکثر علماء کے یہاں نظر آتی ہے قرن اول میں بھی روایت بالمعنی اسی دائرہ میں ہوتی رہی ہے جسے مفر نہیں کہا جاسکتا اسلئے اس بحث کو از سر نو چھیڑنا فضول ہے جبکہ زائد بھی لادچک ہے اور امت نے ان صحیح کتابوں کی صحت کے ساتھ ذکر کردہ حدیثوں کی صحت پر بھی اجماع کر لیا ہے تو یہ ردوں میں شکوک پیدا ہونے کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہ جاتی جبکہ یہ حدیثیں انتہائی محفوظ طریقوں سے اور امت کے سب بہترین گروہ صحابہ و تابعین کے ہاتھوں ہم تک پہنچی ہے تو کیا شک و شبہ کی ادنیٰ سی گنجائش بھی رہ جائے گی۔

سَیْفِ مَسْلُوبِ كَا اِيكَبَابُ

بہ لقی عصر قاضی ثناء اللہ، پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ

ترجمہ - مولانا عزیز اللہ اعظمی فاضل دیوبند

”سیف مسلول“ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی ایک اہم تصنیف ہے، موضوعِ ردِّ شیعیت ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے، تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہے، موضوع کے لحاظ سے کتاب بہت اہم اور نادر ہے، اس میں شیعوں کے فرتے، ان کے عقائد و نظریات، اور خلفائے ثلاثہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کے بارے میں ان کے غلط سلط خیالات پر سیر حاصل بحث ہے اس کتاب کی امتیازی خصوصیت جو اس موضوع کی دیگر کتابوں کے مقابلہ میں اس کو ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے قرآنی آیات کے ساتھ خود ان کے مجتہدوں کی کتابوں سے بھرپور استدلال کیا ہے، اور جابجا محمد بن یعقوب الکلبی کی کتاب کافی ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی کتاب، تہذیب و استبصار، محمد بن علی بن بابویہ القمی کی فقہ من لایکفہ الفقیہ، اور استبصار ابن مظہر الحلی اور جامع عباسی اور ابو محمد حسن العسكري کی تفسیر سے روایات نقل کر کے ان کے خلاف استدلال کیا ہے تاکہ کسی کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

۳۶

کتاب ایک مقدمہ و خاتمہ اور سات مقالات پر مشتمل ہے، چوتھا مقالہ خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کے مطاعن کے رد میں ہے، اس مقالہ میں قاضی صاحب نے ان کے اعتراضات کا مکمل جواب دیا ہے جو انہوں نے خلفائے ثلاثہ و غیر ہم پر کیا ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر

ہم اس مقالہ کا خلاصہ سیف مسلول کا ایک باب کے عنوان سے اردو میں پیش کر رہے ہیں۔
مخلفہ ثلاثہ کی ترتیب سے اعتراض و جواب تحریر کیا جا رہا ہے۔

پہلا اعتراض _____ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جہز و اجیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہ۔ شکر اسامہ کی تیاری کرو جو اس
سے پیچھے رہ جائے اللہ اس پر لعنت کرے۔

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے شکر سے تخلف کیا، اس طرح حضور کی نافرمانی کی اور اللہ کی لعنت مستحق ہوئے
جواب _____ یہ حدیث اپنی جگہ صحیح تو ہے لیکن اس کا آخری لفظ

لعن اللہ من تخلف عنہ کسی روایت میں موجود نہیں ہے شہرستانی صاحب بل و نخل نے بیان کیا
ہے کہ یہ نکرہ موضوع ہے، حدیث کا جزو نہیں ہے اور تہمیز جیش کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض
الموت کی حالت میں دیا تھا۔ اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ پر طعن و تشنیع کرنا سراسر غلط ہے، اسکی
خند و جہ ہے۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ اس حکم سے خارج تھے، اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز کی
امت سونپ دی تھی کہ لوگوں کو وقت پر نماز پڑھایا کریں، ایسی صورت میں آپ شکر اسامہؓ
کے ساتھ نہیں جا سکتے تھے، اسلئے آپ بالیقین اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔

(۲) بالفرض اگر اس حکم میں داخل ہوں تب بھی امت کا حکم اس کیلئے ناسخ ہوگا، اور شکر
کے ساتھ جانا ضروری نہیں ہوگا۔

(۳) حضورؐ نے تہمیز جیش (شکر اور سامان شکر تیار کرنے) کا حکم دیا تھا، جس کے مفہوم میں
خود شکر میں شریک ہونا یا دوسروں کو بھیجنا یا اس کیلئے ضرورت کا سامان تیار کرنا سب داخل ہیں
یہ نفس نفیس جانا ضروری نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت
ابوبکرؓ نے شکر تیار کر کے محاذ پر روانہ کیا، پس کیونکر لعنت کے مستحق ہوں گے۔

دوسرا اعتراض _____ یہ ہے کہ عمرؓ بن خطابؓ نے بیان کیا ہے

کانت بیعة ابا بکر فلتة وحق
 الله المؤمنین من شروھا فمن
 عادوا لى مثلھا فاقتلوہ۔
 ابو بکر کی بیعت اچانک پیش آئی، اللہ نے اس
 کے شر اور اس وقت کے شر سے مومنین کی حفاظت
 فرمائی، اب اگر کوئی بیعت کیلئے سراٹھائے
 تو اس کا سر قلم کر دو۔

عمر بن خطاب کا یہ قول اس بات کی صراحت ہے کہ ابو بکر کی خلافت حقیقت پر مبنی نہیں
 تھی اور وہ خلیفہ برحق نہیں تھے۔

جواب —۔ اس بے اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب
 کے قول کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر
 کی بیعت بغیر کسی تردد کے اچانک عمل میں آئی۔ طویل بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں ہوئی، اس
 کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ حضرت ابو بکر کی بیعت ہی صحیح نہیں تھی۔ بالفرض یہ بات ہوتی تو
 حضرت عمرؓ و عبیدہؓ صحابہ کے بھرے مجمع میں کیونکر یہ کہتے —

ابوبکر خیرنا وسیدنا لیس بدیننا من هو افضل منہ

ابو بکر سب سے بہتر ہیں ان سے بہتر کوئی نہیں وہ ہمارے سردار ہیں۔

باقی دق الله المؤمنین من شروھا سے یہ اشکال کہ یہ بیعت شر پر مبنی تھی صحیح نہیں ہے
 یہ غلط ذہن کی اوج اور عربی قواعد سے ناواقفیت کی دلیل ہے، عربی کا ایک عالم قاهرہ ہے
 کسی فعل کی اضافت ظرف کی جانب کر دی جاتی ہے اور فعل کے خیر و شر کی نسبت اس سے جوڑ دیتے
 ہیں، قرآن میں اس طرح کی مثال ملتی ہے، آیت کریمہ ہے مکوا اللیل والنہار۔

اس قاهرہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ "اللہ نے حضرت ابو بکر کی بیعت
 سے مسلمانوں کو اس وقت کے ایک عظیم فتنہ سے بچایا، اگر صحابہ حضرت ابو بکر سے بیعت نہ کرتے
 تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جاتا

تیسرا اعتراض —۔ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے

لست بخیر کو و علیٰ ذنوبکم علی کے ہوتے ہوئے میں کیونکر بہتر ہو سکتا ہوں
اگر یہ قول صادق ہے تو آپ خلافت کے قابل نہیں، کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کے ہوتے ہوئے
خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر کاذب ہے تب بھی خلافت کے مستحق نہیں کہ جھوٹا
خلیفہ نہیں بن سکتا ہے۔

جواب۔۔۔۔۔ اولاً اہل سنت کے نزدیک آپ کا یہ قول ثابت نہیں ہے
ثانیاً صحیح مان لیا جائے تو کفری اور انکساری پر محمول ہو گا یہ ایک عام بات ہے بزرگوں کے ہاں
اس طرح کے اقوال بکثرت پائے جاتے ہیں، صحیفہ کاملہ میں علی بن حسین سے مروی ہے کہ وہ دعا میں
کہا کرتے تھے۔

انا الذی افنت الذنوب عمری گناہوں نے میری زندگی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا
اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو علی بن حسین پر بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہے اور امت کے لئے
مغل بن سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض۔۔۔۔۔ روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت
کے نویں سال جب سورہ برات نازل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کو مکہ روانہ کیا کہ جا کر حاجیوں کو اسکے
نازل ہونے کی اطلاع کر دیں اور سنائیں لیکن بعد میں اس کام کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت علیؓ کو بھیجا اور ابو بکرؓ کو روک دیا گیا۔

جس میں ایک سورہ کی ادائیگی کی صلاحیت نہیں وہ کیونکر خلیفہ بن سکتا ہے اور
مسلمانوں کے جملہ امور کو بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔

جواب۔۔۔۔۔ واضح ہونا چاہئے کہ یہ روایت ہی سرے سے غلط ہے
حضور نے حضرت ابو بکرؓ کو "امیرج" بنا کر بھیجا تھا، ان کے جانے کے بعد جب سورہ برات
نازل ہوئی تو حضرت علیؓ کو اس کی تلاوت کے لئے بھیجا، ابو بکرؓ کو اس کام کیلئے بھیجنے
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اگر روایت کو صحیح فرض کر لیا جائے تو اس کو کسی وقتی مصیحت پر معمول کیا جائیگا، جس سے مدد ملے اور مستحق کا نتیجہ نکالنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، اور اس روایت کو لے کر ابو بکرؓ پر طعن و تشنیع کرنا ایک لمحہ کیلئے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پانچواں اعتراض ————— ابو بکرؓ نے جو رکابایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا جب کہ کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

جواب ————— اہل سنت کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے سرقہ اولیٰ (پہلی چوری) میں رکابایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا، بلکہ نسائی طبرانی اور حاکم نے عادت بن عاتب سے روایت نقل کی ہے کہ اپنے سرقہ سوم میں رکابایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تھا، اور امام مالک نے عبد الرحمن بن قاسم عن ابیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ جو رکاد اپنا ہاتھ اور رکابایاں پیر کاٹا ہوا تھا، اس وجہ سے رکابایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا، اور نیز آپ کا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث کے عین مطابق تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا اگر چوری کرے (پہلی مرتبہ) تو ہاتھ کاٹ دو پھر اگر چوری کرے (دوسری مرتبہ) تو پیر کاٹ دو، پھر اگر کرے (تیسری مرتبہ) تو ہاتھ کاٹ دو پھر کرے (چوتھی مرتبہ) تو اس کا پیر کاٹ دو	عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی السارق ان سرق فاقطعوا یدہ ثوان سرق فاقطعوا یدہ ثوان سرق فاقطعوا رجلہ
--	--

چنانچہ امام شافعیؒ اور مالکؒ کا مذہب حدیث بالا پر ہی مبنی ہے، اسی پر عمل کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلے میں امام صاحب اور احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ داہنا اور رکابایاں پیر کاٹنے کے بعد قید کر دیا جائیگا۔ حضرت علیؓ کا خیال بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔

انہ قال انی لا استعجی من اللہ ان مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے پاس ایک ہاتھ بھی

لا یكون له ید یا کل منها ویستنجی منها نہ ہو جس دہ کھلے کے اور پیشاب پاخانہ کے
لیکن حضرت علیؓ کا یہ خیال استحسانِ عقلی کی قبیل سے ہے اور ابو بکرؓ کا عمل نص کے
جوڑ کھاتا ہے اور استحسانِ عقلی، نص کے مقابلہ میں متروک ہوتا ہے، اور نیز حضرت ابو بکرؓ
کا عمل قواعد کی رو سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

پہلی چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا جائیگا، اور دوسری چوری میں بنظر آیت فاتحہ و
بایاں ہاتھ کاٹا جانا چاہئے، لیکن یہ حدیث کے بیان کردہ ترتیب کے خلاف ہوگا، اسلئے بایاں پیر
کاٹ دیا جائیگا، جب تیسری مرتبہ چوری کریگا تب بایاں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

اگر ان ہی لیا جائے کہ پہلی چوری میں ابو بکرؓ نے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا تو یہ
کہا جائیگا کہ آپؐ حکم کو مطلق تصور کیا اور امر قطع ید میں دست راست و چپ دونوں کو داخل
سمجھ کر بایاں ہاتھ کے کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور جس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
جوڑ کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا، اسے اتفاق پر محمول فرمایا، ایسی صورت میں آپ
پر اعتراض کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

یہ اشکال کہ یہ عمل اجماع کے خلاف تھا اس کا جواب یہ ہے کہ سرقہ اولیٰ (پہلی چوری)
میں قطع ید میں پرائمہ کا اجماع بعد میں منعقد ہوا تھا، جو ابو بکرؓ کیلئے حجت نہیں بن سکتا تھا۔

چھٹا اعتراض۔۔۔۔۔ ابو بکرؓ نے ایک شخص کو لواطت
کی سزا میں نذر آتش کر دیا جبکہ حضورؐ نے تعزیر بانار (آگ کی سزا) سے منع فرمایا ہے
جواب۔۔۔۔۔ قاضی صاحب نے اس کا جواب چند طریقے سے دیا ہے

- (۱) روایتی اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے، حضرت ابو ذرؓ سے پسند ضعیف مروی ہے
اور تاید اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس باب میں کوئی صحیح یا حسن حدیث منقول نہیں ہے
اگر حدیث مذکور صحیح ہی ہو تو ممکن ہے آپؐ تک نہ پہنچی ہو یا پہنچی ہو مگر مخصوص ہے یا نہی، یا تنزیہی ہو
- (۲) حضرت ابو بکرؓ نے زندہ نذر آتش نہیں کیا تھا۔ سوید بن غفلہ نے بیان کیا ہے کہ اپنے

حکم دیا تھا کہ پہلے سر قلم کر دیا جائے اس کے بعد نذر آتش کر دیا جائے اور حدیث میں زندہ جلایا کی نعمت آئی ہے

(۳) ابو بکرؓ نے جلانے کا حکم حضرت علیؓ کے مشورہ سے دیا تھا، یہی سنی نے شعب الایمان میں محمد بن المنکدر اور واقدی کے واسطے سے نقل کیا ہے

ان ابابکر لما استشار الصحابة ابو بکرؓ نے جب لوطی کی سزا کے سلسلے
فی عذاب اللوطی قال علیؓ اری ان میں صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ
یحرق بالنار واجتمع الصحابة میری رائے یہ یکہ آگ میں جلادیا جائے صحابہ نے
علیؓ ذلك فامر به ابو بکرؓ اس رائے سے اتفاق کیا، پس ابو بکرؓ نے
فما حرقه بالنار۔ اسے نذر آتش کرنے کا حکم دیدیا

فرقہ امامیہ کے عالم مرتضیٰ نے تنزیہ الانبیاء والائمة میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے لواطت کے فعل میں مبتلا ایک شخص کو آگ میں جلادیا تھا، الفاظ یہ ہیں

ان علیا احرق رجلا اتی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو جس نے ایک
غلاما فی دبرہ۔ لڑکے سے لواطت کیا نذر آتش کر دیا۔

ان حقائق کی روشنی میں حضرت علیؓ رضاعتراض بالاک کے معاذ اللہ حقیقی مستحق ٹھہرتے ہیں نہ کہ ابو بکرؓ۔

ساتواں، اٹھواں اعتراض ————— ان دونوں اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو جہدہ کی میراث اور کلامہ کے مسئلے میں جواب نہیں آتا تھا، صحابہ کے مشورے کے محتاج بنے۔

جواب ————— یہ دونوں اعتراض نہایت پلچ اور پھس پھسے ہیں، ایک دو مسئلہ نہ جاننے سے کسی کی لیاقت اور قابلیت میں فرق نہیں پڑتا، اور نہ اس پر آواز کسے کا حجاز نکلتا ہے، صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین کی عادت تھی کہ جب کوئی مسئلہ

پیش آتا تو سبک پہلے قرآن و حدیث میں اس کا حکم تلاش کرتے۔ نہ مٹنے کی صورت میں صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور سبک اتفاق سے مسئلہ کا حکم بیان کر دیتے تھے اس طرح یہ مسئلہ اجماعی بن جاتا اور اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ سیکہ شیخین کے زمانہ اختلافت میں کثرت سے اجماعی مسائل ظہور پذیر ہوئے، درحقیقت امت مسلمہ پر ان حضرات کا احسان عظیم ہے جس کے سبب وہ مشرک یہ کے مستحق ہیں نہ کہ طعن و تشنیع کے، اللہم اہزنا الی سولہ السبیل۔

عبداللہ ابن بشر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی مسئلہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے صاف فرمایا

لا اعلم لی بہا _____ مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے

ایک دو مسئلہ کی ناواقفیت اگر طعن و تشنیع کا باعث بن سکتی ہے تو انھما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے اعتراض سے بچ نہیں سکتے، شاید اعتراض کرتے وقت آپ نے واقعات سے نظر بند کر لی تھی "بریں عقل و دانش بہاید گریست"

نوائے اعتراض _____ حضرت فاطمہ زہراؑ نے جب حضرت ابو بکرؓ

سے میراث پدیری کا مطالبہ کیا تو انھوں نے مطالبہ رد کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا۔

یا ابن ابی قحافة اے ابو قحاذہ (والد کا نام ہے) کے لڑکے
تورث اباک ولا ارث آپ اپنے والد کے وارث نہیں اور میں اپنے
ابی۔ والد کی وارث نہ ہوں

جواب _____ ابو بکرؓ نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

نحن معاشرو الانبیاء لا ہم (انبیاء) نہ کسی کے وارث بنتے ہیں اور
نورث ولا نورث ما ترکنا نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے، ہمارا متروک
صدقة۔ صدقہ ہوتا ہے

یہ روایت خبر واحدہ کے درجہ میں ہے اس کے راوی صرف ابو بکرؓ ہیں، لہذا اس سے

زیر بحث مسئلہ میں استدلال کرنا صحیح نہیں۔ نیز یہ حدیثی استدلال قرآن کی ان آیات کے مخالف بھی ہے

(۱) یوصیکو اللہ فی اولادکم
للدکو مثل حظ الانثیین
اللہ تعالیٰ تمکو تمہاری اولاد کے بارے میں
حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کو دو حصہ اور ایک
لڑکی کو ایک حصہ۔

(۲) وورث سلیمان داؤد
سلیمان، داؤد کے وارث ہوئے۔

(۳) وھب لی من لدنک ولیاً یورثنی ویورث من آل یعقوب۔

پہلی آیت عام ہے اس لئے پیغمبر اور غیر پیغمبر دونوں کی اولاد میں وراثت کا قاعدہ جاری ہوگا اور پیغمبر کی اولاد بھی وراثت کی مستحق ہوگی، اور اس کی تائید بعد کی دونوں آیتوں سے ہوتی ہے

جواب۔۔۔۔۔ ابو بکرؓ کے حق میں اس حدیث کو خبر واحد کہنا

روایت اور درایت کے اصول کے خلاف ہے۔ ابو بکرؓ کے علاوہ متعدد صحابہ جیسے حذیفہؓ، زبیر بن عوامؓ، ابوذرؓ، ابوہریرہؓ، اور حضرت عائشہؓ اس کے راوی ہیں، ایسی صورت میں اسے خبر واحد کہنا علم علی اور نادانی کی دلیل نہیں تو اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر باقرؓ حضرت ابو بکرؓ روایت میں منفرد ہوں تب بھی حدیث ان کے حق میں متواتر کا درجہ رکھنیگی علاوہ اس کے کہ دوسرے کے حق میں ظنی ہو، ورنہ اس کی یہ جیکر زبان حق ترجمان سے سننے کے بعد حدیث صحابہ کے حق میں واجب العمل ہو جاتی ہے، اس سے انحراف کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوتا ہے۔

جب صورت یہ ہے تو حضرت ابو بکرؓ کا زیر بحث مسئلہ میں حدیث بالا سے استدلال کرنا صحیح ہی نہیں بلکہ منشاء رسول کے عین مطابق ہے کہ انبیاء کرامؑ اپنے مال و اسباب کا کسی کو وراثت نہیں بناتے جو کچھ ان کی ملک میں ہوتا ہے وہ سب لوہ خزانہ میں خرچ ہوتا ہے، ان کا اصل

ترکر دہ علوم الہیہ ہیں جو ان کے سینہ مبارک میں محفوظ ہوتے ہیں، اور ہر شخص اپنی اپنی وسعت اور ظرف کے مطابق لیتا اور حاصل کرتا ہے۔

خود اس طرح کی روایت ان کے علماء سے منقول ہے محمد بن یعقوب نے کافی میں ابوالخنی کے واسطے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق سے نقل کیا ہے

العلماء در ثمة الانبياء و ذالك
ان الانبياء لو يورثوا درهما
ولاد يناروا و انما ورثوا من احاديثهم
فن اخذ بشئ منها فقد اخذ بحدوا وافر

علماء دارثین انبیاء ہیں، اسلئے کہ انبیاء نے
کسی کو درہم و نینار کا طرث نہیں بنایا بلکہ اپنی
احادیث کا دارث بنایا ہے سو جو حاصل کہے
داؤر مقدر میں حاصل کرے۔

کلہ انما حصر کے لئے آتا ہے تو مطلب ہوگا انبیاء علیہم السلام نے اپنی احادیث ہی کا وارث بنایا ہے مال و دولت کا دارث نہیں بنایا ہے۔ بالفرض آیت کریمہ یوسفکم اللہ الا کو عالم اور آیت ابو بکرہ کو خبر واحد تسلیم کیا جائے تب بھی حدیث کا مطلب اپنی جگہ برقرار ہے گا اور زیر بحث مسئلہ میں فرق نہیں پڑے گا ورنہ اس کی یہ ہے کہ جمہور فرقا مایہ کے نزدیک ان کے فقہاء کی تصریح کے مطابق آیت کی تخصیص، خبر واحد سے جائز ہے، دریں صورت غیر پیغمبر کی اولاد کو کو خاص ہوگی اور ان کے حق میں وراثت کا قاعدہ جاری نہ ہوگا

اس بحث و تمحیص سے صرف نظر کر کے حضرت فاطمہ زہراءؑ کو مستحق وراثت مان لیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ حضرت عباس، ابن عباس اور ازواج مطہرات کیوں محروم کر دی گئیں جبکہ یہ حضرات بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاشین میں سے تھے۔

آیت کریمہ عورت سلیمان دادرہ و ہب لی سے وراثت انبیاء پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں وراثت علم و نبوت مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں ہے کلینی نے نقل کیا ہے

ان سلیمان و رث داؤد وان محمدنا سلیمان، داؤد کے دارث ہم نے اور ہمارے

وراثت سلیمان

نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان کے وارث ہوتے

اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے کیونکر وارث ہوتے اور سلیمان کی تخصیص بھی صحیح نہیں ہوتی کیونکہ دادۃ کے دوسرے صاحبزادے بھی تھے

ایسے ہی حضرت یحییٰ علیہ السلام تو اپنے پدر بزرگوار حضرت زکریا علیہ السلام کے سوا، آل یعقوب کے کیسے وارث ہو سکتے تھے، پتہ چلا دونوں آیتوں میں وراثت سے مراد یعنی طور پر وراثت علمی ہے

واضح رہے کہ ازدواج مطہرات کے حجرے ان کو وراثت میں نہیں ملے تھے بلکہ حضورؐ نے اپنی حیات میں الگ الگ ان کو مالک بنا دیا تھا، اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت شریفیہ۔

وقرن فی بیوتکم تم اپنے گھروں میں رہا کرو

اس میں بیوت (گھروں) کی اضافت کن (اپنے) ضمیر کی جانب کی گئی ہے، جس کا مطلب ہے تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔

دسوان اعتراضی — ابو بکرؓ نے فاطمہ زہراؓ کو "باغ ذکک

نہیں دیا، فاطمہ زہراؓ نے دعویٰ کیا کہ حضورؐ نے مجھے بطور مہبہ دیا تھا، اور شہادت میں حضرت علیؓ دام امینؓ یا ام ایمنؓ کو پیش کیا، ابو بکرؓ نے ان پاک ہستیوں کی شہادت رد کر دی فاطمہ زہراؓ ناراض ہو گئیں، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاطمۃ بضعة منی فمن

فاطمہ میری نخت جگر ہے جس نے اسے

اغضبها فقد اغضبنی ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے

قرۃ العینین میں لکھا ہے۔

باغ ذکک کے بارے میں فاطمہ زہراؓ کا دعویٰ، اور علیؓ دام امینؓ یا ام ایمنؓ اور حسنؓ کو

شہادت میں پیش کرنا اور ابو بکرؓ کا شہادت رد کر دینا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔
ابوداؤد میں ایک حدیث ہے۔

ان عمرو بن عبد العزیز جمع بنی مروان حین استخلف فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ فذلک فکان ینفق منها ویعود منها علی صغیر بنی ہاشم ویزوجہا منها ایملہ مروان فاطمة سئالتہ ان یجعلہا لہا فابی فکان علی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی مضی بسبیلہ اذ

صلیف بنی کے بعد عمر بن عبد العزیز نے بنی مروان کو جمع کر کے کہا فذک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اس میں سے کچھ اپنے لئے خرچ کرتے اور باقی سے بنی ہاشم کے تیوں اور ان کی بیواؤں کی شادی میں خرچ کرتے تھے اور فاطمہ زہراؑ نے حضور سے کہا کہ اسکو میرے لئے خاص کر دیا جائے تو آپ نے انکار کر دیا آپ کی زندگی میں اسی حالت پر رہا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے

حدیث بالا میں وضاحت ہے کہ حضور نے باغ فذک فاطمہ زہرا کو عطا نہیں کیا، جب تک آپ باحیات رہے اپنی تحویل میں رکھا۔

اگر ان ہی لیا جائے تب بھی ہمہ کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے اسلئے کہ ہمہ میں تملیک شرط ہوتی ہے اور یہاں یہ چیز مفقود ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ظاہر ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں فذک کو حکومت کی تحویل میں رکھا۔ جہاں تک فاطمہ زہرا کی ناراضگی کا سوال ہے اس سلسلے میں دو باتیں عرض ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حدیث اغتصاب کا مصداق وہ شخص ہے جو قصداً اپنے فعل و عمل سے فاطمہ زہرا کو ناراض کرے، کسی شرعی حکم کے عمل میں لانے سے ناراض ہوں تو وہ شخص وعید کا مستحق نہیں ہوگا مثلاً حاکم کسی کو قصاص یا حد میں قتل کر دے تو آیت کریمہ میں مذکور وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ فمن قتل مؤمناً متعمداً فجزاءہ جہنم۔ جو شخص کسی

مومن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے۔ — یہی حال یہاں ہے اب اگر فاطمہ زہرا حضرت ابو بکرؓ کے کسی شرعی فعل سے ناراض ہو جائیں تو ابو بکرؓ مذکورہ وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔

دوسری بات جو پہلی بات سے تعلق رکھتی ہے، حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کی آیت فاستشهدوا الا اور حضور کی حدیث "ان فاطمة سألته ان يحطها" اذہر عملاً اور اس سے فاطمہ زہرا ناراض ہو گئیں، جبکہ ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی — انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض ابو بکرؓ کے بجائے فاطمہ زہرا کی جانب لوٹ رہا ہے اور ایک شرعی حکم سے اعتراض لازم آ رہا ہے جو مندرجہ ذیل آیت کی رو سے جائز نہیں معلوم ہوتا ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى
تیرے رب کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے
يحكموك فيما شجر بينهم ولو
جب تک وہ اپنے اختلافی امور میں آپ کے ثالث
لا يجدوا في انفسهم حرجا مما
زبائیں اور پھر اپنے جی میں تنگی نہ پائیں آپ کے
قضيت ويسلموا تسليماً۔
فیصلہ سے اور پورا پورا مان لیں

اس سلسلے میں بعض علماء کا یہ جواب کہ فاطمہ زہرا بشر تھیں، ان کے پاس بھی نفس تھا، حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے جو یہ صورت قرآن و حدیث کے عین مطابق تقاضا طبع ہونے سے ناخوش ہو گئیں، فقیر (قاضی صاحب) کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایسی مقدس ذات سے اس طرح کی بات مستبعد معلوم ہوتی ہے، اس کا صحیح اور معقول جواب یہ ہے جس سے تمام بحث و مباحثہ اور تاویل و توجیہ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ معترضین کہتے ہیں ابو بکرؓ نے فدک نہیں دیا جس سے فاطمہ زہرا ناراض ہو گئیں اور زندگی بھر ان سے بات نہیں کی۔

ففضبت ولو تكلو حتى ماتت پس ناراض ہو گئیں اور زندگی بھر بات نہیں کی
امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا عبارت کی بجائے اپنی کتاب بخاری میں اس کو ان الفاظ

کے ساتھ نقل کیا ہے

فوجدت ولو تکلو حتی ماتت پس شرمندہ ہوئیں اور زندگی بھران سے
اسکے بارے میں کلام نہیں کیا۔

”وجہت“ تین معنی۔ ندمت۔ اغمت۔ اور غضبت میں مشترک ہے، اصل راوی نے
وجہت کو ندمت یا اغمت کے معنی میں روایت کیا ہے اور بعد کے راویوں نے روایت
بالمعنی کی بنیاد پر وجہت، کو غضبت کے معنی میں سمجھ کر روایت کرنا شروع کر دیا ہے
سے غلطی ہوئی جو آگے چل کر تمام غلط فہمیوں کی سرچشمہ بنی۔
جبکہ عبارت کا واضح مطلب یہ تھا کہ فاطمہ زہرا نے جب ابو بکرؓ کی بات سنی اور اپنے
مطالبے کو خلاف شرع سمجھا تو نادم ہوئیں کہ کیوں مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا، اور لم تشکم
حتی مات کا مطلب یہ ہے کہ جب تک زندہ رہیں اس کے بارے میں گفتگو نہیں کی
یہ سوال کہ فاطمہ زہرا کا مطالبہ منظر آیت کریمہؑ تھا، البتہ حدیث لا تورت کا انھیں
علم نہیں تھا بعد میں معلوم ہو جانے کے بعد جب مطالبہ کرنا بند کر دیا تو اس میں ندامت اور
غم کی کیا بات تھی؟

بات دراصل یہ ہے کہ فاطمہ زہراؑ سے کسی غلطی کا صدور نہیں ہوا تھا، لیکن بارگاہ الہی
کے مقربین کا حال ہم خطا کار و خطا کوشش سے مختلف ہوتا ہے، ان کے ہاں تو حسنات
الابرار سیئات المقربین کا معاملہ ہوتا ہے اگر ان سے بھول کر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو
ندامت و غم میں آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں جب کہ وہ اس معاملہ میں عند اللہ ماجور
اور مغفور ہوتے ہیں، کچھ ہی صورت فاطمہ زہراؑ کے ساتھ بھی پیش آئی ہے

کارپا کال را قیاس از خود بگیر
گر پیرماند در نوشتن شیر و شیر

سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

ایک نظر میں

ترقیہ مولانا حبیب الرحمن قاسمی

۲۰ راکت - ولادت باسعادت (ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ۱۲ جون ۵۶۹ء کو ہوئی)	۵۵۰/۶۱
وفات حضرت آمنہ والدہ ماجدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم -	۵۵۵/۶۲
آنحضرت کے دادا خواجہ عبدالمطلب کی وفات	۵۵۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک شام کی طرف پہلا سفر	۵۸۲
ملک شام کا دوسرا سفر، حضرت خدیجہ الکبریٰ کی تجارت کی غرض سے	۵۹۵
حضرت خدیجہ الکبریٰ سے عقد	۵۹۵
تجدید عمارت کعبہ معظمہ	۶۰۵
آغاز وحی - (ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کی رو سے وحی کی ابتداء ۲۳ دسمبر ۶۱۰ء کو ہوئی ہے)	۶۱۰
حبشہ کی جانب پہلی ہجرت (رجب ۱۲ھ نبوی)	۶۱۵
قبائل حوب کی جانب سے نبی ہاشم و بنی عبدالمطلب کا معاشرتی مقابلہ (سولہ مائیکاٹ)	۶۱۶
حضرت خدیجہ اور خواجہ ابوطالب کی وفات	۶۲۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف -	۶۲۰

۶۲۱	مہراج و فرضیت نماز (ہجرت سے ایک سال قبل ۲۴ رجب)
۶۲۱	بیعت عقبہ اولیٰ (۳۱ ستمبر نبوی)
۶۲۲	ہجرت مدینہ منورہ (۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ) حسب تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ۲۲ نومبر ۱۹۲۲ء
۶۲۳	تحويل قبلہ (آنحضرت نے مدینہ منورہ میں ۱۲ ربیع الثانی میں بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی) سر یہ حمزہ و عبیدہ بن حارث
۶۲۳	جون، غزوہ ابوا۔ (جولائی) غزوہ بواط (اکتوبر) غزوہ عسیرہ (نومبر) سر یہ بلال بن رباح
۶۲۴	(جنوری) غزوہ بدر الکبریٰ (رمضان ۳) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے مطابق ۱۸ نومبر
۶۲۴	۱۲ یوم جمعہ (فروری) غزوہ بنی قینقاع (شوال ۳) (اپریل) غزوہ سویق، (ذی الحجہ ۳) (ستمبر) سر یہ زید بن حارثہ
۶۲۵	(جنوری) غزوہ احد (شوال ۳) و غزوہ حرا الاسد (مئی) حادثہ ریح ویر مہوڑ ۳
	(جون) غزوہ بنو نضیر و غزوہ فات الرقاع ۳، اسی سال شراب حرام ہوئی
۶۲۶	(جولائی) غزوہ دومۃ الجندل (ربیع الاول ۳) و غزوہ بنی مصطلق (شعبان ۳) اس کو غزوہ ربیع بھی کہا جاتا ہے
۶۲۷	(فروری) غزوہ خندق (۱۹ شوال ۳) (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ غزوہ خندق ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء کو پیش آیا ہے) (اپریل) غزوہ بنی قریظہ (ذی قعدہ ۳) (جون جولائی) غزوہ بنی لحيان (ربیع الاول ۳) و غزوہ ذی قرد
۶۲۸	(جنوری) صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۳) (مئی) روم و فارس کو دعوت اسلام بذریعہ کتاب (اگست) غزوہ خیبر (محرم ۳)
۶۲۹	(فروری) عمرہ قضا (ستمبر) سر یہ موتہ (جمادی الاولیٰ ۳) (اکتوبر) سر یہ تاسلیم (جمادی الثانی ۳)
۶۳۰	(جنوری) فتح مکہ معظمہ و ہدم اصنام (رمضان ۳) (فروری) غزوہ حنین (شوال ۳)

۶۶۳	دغزده طائف (اپریل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت، (اکتوبر) غنزده تبوک (رجب ۱۱۰۰ھ)
۶۶۳۱	(مارچ) حضرت ابو بکر صدیق کی امارت حج (ذی الحجہ ۱۱۰۰ھ) (جون) صاحبزادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی وفات
۶۶۳۲	(مارچ) حجۃ الوداع (سنہ ۱۱۰۰ھ) حسب تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ (مارچ ۱۱۰۰ھ) یوم جمعہ (مئی) عیش اسلامہ کی ملک شام جانے کی تیاری (صفر ۱۱۰۰ھ) (جون) وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ربیع الاول ۱۱۰۰ھ) یوم دو شنبہ (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے مطابق ۲۵ مئی ۱۱۰۰ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

بقیہ رپورٹ تحفظ ختم نبوی

کے اس اقدام کو انتہائی مستحسن قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ سے حق و باطل کی کشمکش جاری ہے اور آج بھی یہ کشمکش زوروں پر ہے، دارالعلوم اور اس جیسے تمام اسلامی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے سلسلے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں۔ اہل عمام کو قادیانیوں کی دسیہ کاریوں سے بچانے کے لئے ہر قسم کے وسائل کام میں لائیں۔

ترجمانی کے فرائض جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری نے انجام دیئے۔

آخر میں صدر اجلاس حضرت مولانا سید اسعد مرئی صدر جمعہ علماء ہند نے خطاب فرمایا، اور حضرت مولانا عبد کلیم صاحب جو پوری مظلمہ کی دعائے پُر اثر پیریدہ روزہ اجلاس انتہائی کامیابی و کامرانی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

سلام بحضور آقائے کائنات امام المرسلین مجتہد صادق شافع یوم النشور حضرت سیدنا ابوالقاسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید محمود رازدار صاحب

مصطفیٰ شان و حدت پہ لاکھوں سلام
کجکلاہ رسالت پہ لاکھوں سلام
کعبہ روح رحمت پہ لاکھوں سلام
آنتاب شریعت پہ لاکھوں سلام
جن کے آتے ہی چھٹی گئیں ظلمتیں
جس نے بخشا کلاہ سعادت اسے
جس کے لب سے ہے بولا خدائے کریم
بخش دی ہے خطا جس نے ہر ایک کی
جس نے دھویا گت ہوں کے ہر داغ کو
اسم پاک محمد ہے وہ بہ سکون
مفضل انبیاء کے ہیں منذ نشین
ہم کاب نبوت میں صدیق پاک
ہیں عمرہ بالیقین شان جلالتیں
ہیں جو عثمان بنو ماد خیر البشر
جس طرف ہیں علیؑ حق بھی ہے اس طرف
فاطمہ سیدہ صادقہ طاہرہ
ہیں امام حسنؑ نور چشم نبیؐ
خسرو کربلا شاہ مملکوں قبا

ان کے جلوؤں کی کثرت یہ لاکھوں سلام
رازدار مشیت پہ لاکھوں سلام
شعب چراغ محبت پہ لاکھوں سلام
ماہتاب طریقت پہ لاکھوں سلام
ایسے قدموں کی برکت پہ لاکھوں سلام
قبلاً آدمیت پہ لاکھوں سلام
ایسے نطق صداقت پہ لاکھوں سلام
سلسبیل مروت پہ لاکھوں سلام
آبشار شفاعت پہ لاکھوں سلام
دافع رنج و کلفت پہ لاکھوں سلام
خواجہ بزم عصمت پہ لاکھوں سلام
اس رفیق رسالت پہ لاکھوں سلام
ان کے خرق جلالت پہ لاکھوں سلام
اس شہید خلافت پہ لاکھوں سلام
صدر بزم ولایت پہ لاکھوں سلام
نازنین طہارت پہ لاکھوں سلام
اس رگ جانِ عترت پہ لاکھوں سلام
آبروئے شہادت پہ لاکھوں سلام

رمز حق در جنت وہ ہے جو کہے

خانداں رسالت پہ لاکھوں سلام

11/76 ✓

✓

3

تذکرہ

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب مدظلہ العالی

مدینہ

حبیبة الرحمن واسمی

ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۶ء

1970

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۱۱۱ | ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ | جلد نمبر ۱

انگریز

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدینہ

مولانا حبیب الرحمن القاسمی

سالانہ
30/=

فی پیرچہ
3/=

سالانہ بدل اشتراک { سعودی عرب، کویت، اوقیانوس جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ } = Rs 160/
بیرون ممالک سے { امریکہ، کناڈا و غیرہ } بھی بذریعہ ایر مییل = Rs 160/
پاکستان = 60/ ہندوستانی - اور بنگلہ دیش - = Rs 40/ ہندوستانی

✓ محبوب پریس دیوبند (مترجم) نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا رقعہ تعاون ختم ہو گیا ہے

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	نمبر شمار
۳	حبیب الرحمن قاسمی	حرف آغاز	۱
۷	حکیم حبیب شیدائی آمہوری	حیات نبیؐ، انسانیت کاملہ کا ایک نمونہ	۲
۱۱	مولانا اسیر ادروی بنارس	تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳
۲۲	مولانا حافظ محمد اقبال پانچسٹر	حضرت نانوتویؒ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۴
۳۲	مولانا محمد عبدالدیان اعظمی	تحقیق و مجال پر ایک نظر	۵
۴۱	ڈاکٹر محمد یوسف خاں صاحب	متنبی - عربی شاعری کا منفرد شاعر	۶
۴۵	شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	جدید کتابیں (تبصرہ)	۷
	مدیر	غزل (ادبیات)	۸
۴۸	سید محمود رحزال آبادی		

ہندوستانی و پاکستانی خرید اور فروشی گدازش

۱- ہندوستانی خریداروں سے فروشی گدازش ہے کہ فہم خریداری کی اطلاع پا کر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

۲- پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، مظان، پاکستان کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

۳- خسریہ حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں، غلط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

والسلام

فیجسرس رسالہ دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَرْفُ آغَاذ

حَبِیْبِ الرَّحْمٰنِ قَاسِمِی

ہر قوم اور ملت کا اپنا ایک مخصوص معاشرتی نظام اور اپنی ایک منفرد تہذیب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی قومی شناخت اور تہذیبی تشخص قائم رہتا ہے۔ اور اس کا معاشرہ شکست و سختی اور دوسری تہذیبوں میں جذب ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ دیگر اقوام و مذاہب کے معاشرتی آئین بالعموم خداؤں کے اپنے وضع کردہ عادات و رسوم پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا مذہب سے تعلق برائے نام ہوتا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ عبادات و معاملات وغیرہ کی طسرح اسلامی نظام معاشرت بھی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و وصایا پر مبنی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں خدائے مہربانی کے احکام و قوانین کی عملداری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے: "الَالٰهُ الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (اعراف) یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں والے ہیں اللہ ہی تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

اس سلسلے میں اپنے رسول کو یہ ہدایت دی ہے۔

تَرَجَّلْنَاكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ
 کر دیا لہذا آپ اسی طریقہ پر چلیں اور ان
 جہلا کی خواہشوں پر نہ چلیں۔
 (جاشیر)

قانون الہی کے اساسی مجموعہ قرآن کے مقصد نزل کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔
 اَنَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
 بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (نساء)
 بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ قرآن بھیجا ہے
 واقع کے موافق تاکہ آپ اس کے مطابق فیصلہ
 کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔

احکام خداوند کو نظر انداز کرنے والوں کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔
 وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ
 صُمُّ الظَّالِمِينَ (مائدہ)
 اور جو لوگ اللہ کے بتائے ہوئے احکام و قوانین
 کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں

ان آیات قرآنیہ سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) تشریح اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 ان قوانین کا نفاذ فرماتے ہیں (۳) خدا کے مقرر کردہ احکام میں کسی کو تغیر و تبدل کا حق و
 اختیار نہیں ہے۔ ایب کرنے والے اللہ کے نزدیک منکر، ستمگار اور نافرمان ہیں۔

اسلام کا یہ نقطہ نظر اتنا واضح اور روشن ہے کہ مستشرقین بھی اس سے چشم پوشی
 نہیں کر سکے اور انھیں اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ مشہور مستشرق، کولسن، اقرار کرتا ہے کہ
 اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد قانون ساز ہے اور زندگی تمام
 شعبوں میں اسی کے احکام کا غلبہ ہے۔ (۱) (۱) ہسٹری آف اسلامک لاء، کولسن ص ۱۱۳)

فیز جبر اللہ بھی اسے تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا وہ لکھتا ہے، "اسلام اللہ تعالیٰ کا واحد
 قانون ساز و صاحب تشریح قرار دیتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو بھی اس کا شریک نہیں
 گردانتا،" (دی ایجوڈٹ آف اسلامک ٹورون، فیز جبر اللہ ص ۸۲ ج ۶۸)

گوائے ثابتن مستشرق کو بھی اعتراف ہے کہ دقیق قانونی معاملات بھی دین سے مراد ہیں

بلکہ وہ وحی الہی کا ناقابل تقسیم حصہ ہیں شریعت ایسے عصری تقاضوں کا مجموعہ نہیں ہے جو قرآن اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مرتب ہوئے ہوں بلکہ اسلامی معاشرہ میں ان کا باضابطہ نفاذ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں کیا ہے، (اسٹڈیز ان اسلامک ہسٹری، گوائے ٹائنس ص ۱۳۹) لے

آئیے اب دستور ہند پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں اور دیکھیں کہ سیکولر ہندوستان میں بسنے والی اکائیوں کو وہ کیا حقوق دیتا ہے اس سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کی دفعہ (۲۵) میں یہاں کے ہر شہری کو کسی بھی مذہب کو قبول کرنے، اس پر قائم رہنے اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ اور پرجار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ دفعہ (۲۶) کی رو سے مسلمانان ہندوستان کا ایک مذہبی گروہ قرار پاتے ہیں اور انھیں اپنے مذہبی امور کے منظم کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ دفعہ (۲۹) مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان اور رسم الخط کے تحفظ کا حق اور اختیار دیتی ہے۔ اور دفعہ (۳۰) کے تحت انھیں تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کے انتظام سنبھالنے کا حق ملتا ہے۔

ادھر کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اپنی کمیونٹی اور انفرادیت کی بقا اور جداگانہ شناخت کے لئے جن عناصر کو تسلیم کرتے ہیں وہ ان کا عالمگیر مذہب، ان کی چودہ سو سالہ قدیم تہذیب اور مخصوص معاشرتی اقدار ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

(۱) کیا موجودہ حکومت کا نظریہ "یکساں سول کوڈ" دستور ہند میں دئے گئے حقوق اور تحفظات سے ہم آہنگ ہے؟

(۲) کیا اس نظریہ کو پیش کرنے والے آئین ہند کے حق میں وفاداریاں؟

(۳) کیا سول کوڈ کے نفاذ کے بعد ہندوستان کی سیکولر حیثیت محفوظ رہ جائے گی؟

(۴) کیا دستور ہند کی وفاداری سے دست بردار ہو جانے کے باوجود کسی فرد یا جماعت کو

لے مستشرقین کے تینوں حوالے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ سے ماخوذ ہیں

ملک میں حکومت کرنے کا حق باقی رہ جاتا ہے؟

(۵) کیا مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں۔
(۶) کیا مسلمانوں کو مذہبی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ معاشرتی

نظام کے مقابلے میں کسی اور نظام کو اختیار کر لیں؟
(۷) کیا اس نظریہ کو قبول کر لینے اور اپنی زندگی میں نافذ کر لینے کے بعد مسلمانوں کی علاحدہ شناخت اور ان کا علی تشخص باقی بچے گا؟

امید ہے کہ ان سوالات پر علمائے امت، دانشوران قوم اور ملکی سیاسی رہنما انھوں میں حکومت میں ذخیل اصحاب فکر و رائے ہر قسم کے سیاسی، مذہبی اور قومی تعصب اور جنبداری سے بلند ہو کر بالغ نظری کے ساتھ غور و خوض کریں گے۔

حَدِيثِ رَسُول

عن عمرو بن شعيب عن جدّه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله

يحب ان يورى اثر نعمته على عبدا (ترمذى)

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو اس کا اثر اس پر نظر آئے۔

(تشریح) مالی وسعت اور فراخ دستی کے باوجود جو لوگ محض طبیعت کے بغل یا لا ابالی پن کی بنا پر پھٹے حال رہتے ہیں گویا کہ تنگ دستی اور فقر کی وجہ سے انھیں کپڑے بھی نصیب نہیں ہیں وہ اپنی زبان حال سے اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں ان کی یہ طرز زندگی اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ (ایک صاحبِ خیر)

(از حکیم حبیب شیدائی آموری)

حیاتِ نبوی

انسانیت کاملہ کا ایک نمونہ

انسانی زندگی کیسے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے جس کی سیرت میں یہ چار چیزیں پائی جاتیں - تاریخیت، کاملیت، جامعیت، اور علیت ،

تاریخیت ایسی کہ تمام دنیا متفق ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ اساتعلق بھی حضرت کی مبارک زندگی سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کیلئے مایہ حیرت ہے آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اور تعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور زندگی کا فریضہ صحابہ کرام اور اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے انجام دیا جب تمام سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخ زندگی، اخلاق، عادات کو بھی تحریر میں لایا گیا جس کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسما الرجال ہے۔ ایسی مستند سیرت بتائیے کس کی ہو سکتی ہے۔

آنحضرتؐ کی کاملیت کا یہ عالم کہ پوری زندگی لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ آنحضرتؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا۔ اندر آپ بیوی اور بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے۔ باہر مستعدوں اور دوستوں کی محفل میں۔ آپ خواہ جلوت میں ہوں یا خلوت میں اسبھر میں ہوں یا میدان جہاد میں، نماز، چنگانہ میں معروف ہوں یا فوجوں کی دستیا میں بلبس میں

و غلط فکرا ہے ہوں۔ یا خلوت میں آرام فرما ہوں ہر وقت ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے۔ ازواج مطہرات آپ کے صوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مشغول ہیں۔ اصحاب صفحہ کا کام محض آپ کے ملفوظات سنانا۔ آپ کے حالات دیکھنا اور ہر وقت آپ کی محبت میں گزارنا تھا۔ آنحضرت پر جو لوگ ایمان لائے وہ عمومی قسم کے افراد نہیں تھے۔ بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی وہ لوگ جو مشہور و معروف تاجر تھے۔ جن کی دقیقہ سنجی، ہنکتر سی اور عقل و ذہانت کے ثبوت مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پُر زور، قوی بازو، اصحاب عقل خود سے آنحضرت کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا؟ اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے؟ بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک جنبش کی نقل کی ہے۔ اور آپ کے نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

عزم و استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، تقدر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، تواضع، استغناء، وجود، تواضع، خاک ریزی، مسکنت، غرض نشیب و فراز، بلند و پست ہر ایک اخلاقی پہلو کیلئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں — اور مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے۔ مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کی مختلف زندگیوں اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو۔ صرف رسول اللہ کی سیرت ہے۔ اگر تم دولت مند ہو تو ملک کے تاجر اور بحریں کے خزانہ دار کی پیروی کرو۔ اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سناؤ! اگر تم استاد ہو اور معلم ہو تو صفحہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو۔ اگر تم شاگرد ہو تو روح امین کے ساتھ

بیٹھے والے کو دیکھو اگر تم تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر تم یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے گوشہ جگر کو نہ بھولو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر تم عدالت کے قاضی ہو اور نیچا بیٹوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو، جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان۔ تمہارے ظلمت خلیے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبیرا کے خزانے میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے۔

حضور کے علاوہ جن شخصیتوں کو دنیا مانتی ہے۔ ان کی سیرتوں کے تمام صفحات پڑھ جائیے۔ دلچسپ تھیوریاں ملیں گی۔ دلائل و حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند ہم آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ مؤثر تبلیغی تھوڑی دیر کیلئے دل خوش کر دیں گی۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام اور نصیحتوں کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔ بحیثیت ایک عمل پیغمبر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک درحقیقت قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ جو حکم آپ پر اتارا گیا آپ نے خود اس کو کر کے دکھایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ و خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسن عمل اور حسن خلق کی باتیں جس قدر اپنے بیان فرمائیں ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا عمل

نمونہ پیش فرمایا۔ جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ ام المؤمنین جواب میں کہتی ہیں۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ قرآن الفاظ و عبارت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر ہے۔ بتائیے ایسی علییت ہم کس کی زندگی میں پاسکتے ہیں؟ یہ تو صرف اور صرف حضورؐ ہی کی شخصیت ہے۔

ابن آدم میں کہاں اس کی مثال اس کا جواب
ایک کملی پوش لیکن آبروئے شمس جہات
ایک درس خلق اطہر اک محبت کی کتاب،
ایک پروا ہا مگر ہاتھوں میں نبض کا ناستہ

اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آج سکون اور حق کی متلاشی دنیا کے لئے واحد دوکان ہے۔ جہاں ہر جنس کے حسریدار اور ہر شے کے بہترین نمونے موجود ہیں۔



قسط ۷

تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

از۔ مولانا اسیر ادرویہ

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابن جریر کا نسب نامہ، سال پیدائش، محلہ وفات اور تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے دوسری بعض حقیقتوں سے بھی پردہ اٹھایا ہے، وہ اپنی گفتگو کا آغاز یہاں سے کرتے ہیں۔

محمد ابن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب
امام ابو جعفر طبری کی پیدائش ۳۲۰ھ
میں ہوئی، گندم گوں، سرگیس آنکھوں والے
بلخ چہرے والے، دراز قامت، فصیح اللسان
تھے۔ ایک جم غفیر سے انھوں نے روایتیں کی
ہیں اور طلب حدیث میں دنیا کا کوئی نہ چھٹا
مارا ہے انھوں نے ایک جامع تاریخ اور
ایک مکمل تفسیر تصنیف کی ہے، جس کی کوئی
نظیر نہیں ہے ان دونوں کتابوں کے علاوہ
ان کی اور بھی تصنیفات ہیں۔

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن
غالب الامام ابو جعفر الطبری کا
مولد فی سنة اربع و عشرين و مائتین
وکان اسم العین ملیح الوجه مدید
القامة فصیح اللسان، روی الكثير عن
الجم الغفیر وحل الی الآفاق فی
طلب الحدیث و صنف التاريخ المجلد
وله التفسیر الکامل الذی لایوجد
له نظیر وغیرهما من المصنفات
۔۔۔۔۔

اس کے بعد طبری کی دوسری تصنیفات کے نام لکھے ہیں آخر میں ان کا سال وفات، تاریخ اور وقت تحریر فرماتے ہیں۔

قد كانت وفاته وقت المغرب عشية يوم الاحد ليومين بقيا من شوال من سنة عشر وثلاث مائة وقد جاوز الثمانين بخمسة سنين او ست سنين وفي شعره راسه و لحيته سواد كثير و دفن في داره

ان کی وفات اتوار کے دن مغرب کے وقت ہوئی اور تاریخ ۲۸ شوال ۳۱۰ھ تھی۔ ان کی عمر پچاسی یا چھیاسی سال کے قریب ہو گئی تھی۔ لیکن ان کے سر درد اڑھی کے بالوں میں سفیدی سے سیاہی زیادہ تھی اور وہ اپنے مکان ہی میں دفن کئے گئے۔

اسی جسزئی تفصیلات اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے ذکر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابن کثیر کو ابن جریر طبری کی شخصیت متعین کرنے میں کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صحیح العقیدہ طبری اور رافضی طبری دونوں کی الگ الگ شخصیتوں کو خوب پہچانتے ہیں اور پھر پورے وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں۔

«عارفا بايام الناس واخبارهم وله الكتاب المشهور في تاريخ الامم والملوك» وكتاب في التفسير لم يصنف احدا مثله، وكتاب سماه تهذيب الآثار ولما ر سواه في معناه الا انه لم ينه..... ۵

ایام الناس اور اخبار کو خوب جاننے والے تھے تاریخ میں ان کی مشہور کتاب تاریخ الامم و الملوک ہے اور تفسیر کی کتاب تو ایسی ہے کہ کسی نے اس جیسی تفسیر نہیں لکھی، تهذيب الآثار کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی یہ کتاب بھی بے مثل ہوتی، مگر افسوس کہ وہ مکمل نہ کر سکے.....»

ابن کثیر نے اس تفصیل کے بعد حقائق سے ان پردوں کو اٹھایا ہے جو رافضی طبری کی کتاب ان کے نام سے مشہور عوام ہو گئی تھی، انھوں نے ہمیں بتایا کہ طبری کے علم و فضل اور عظمت و

۵ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۲۶، ۵ حوالہ مذکور، ص ۱۲۵،

شہرت کا سبب بڑا دشمن ابو بکر محمد بن داؤد ظاہری تھا۔ وہ طبری پر نکتہ چینیوں کرتا اور ان پر رافضیت کا جھوٹا الزام عائد کرتا تھا۔ اور بہت سی غلط باتوں کو ان کی جانب منسوب کر کے عوام میں ان کی مقبولیت کو داغدار بنانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس کی ریشہ دوازیوں کی وجہ سے بغداد کے خاندان طبری کے دشمن ہو گئے اور ان کو عام قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا۔

ان کی جانب غلط باتوں کے منسوب کئے جانے کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ ایک ضعیف کتاب دو جلدوں میں ہے۔ جس میں غدیر خم کی روایتیں جمع کی گئی ہیں، ایک اور کتاب ہے جس میں حدیث منطلق الطبرک کے طرق جمع کئے گئے۔ یہ رافضی طبری کی کتابیں ہیں۔ جو ابن جریر طبری کے زمانہ میں تھا۔ عوام ان کی جانب منسوب کر کے ان کو مہتمم کرنے لگے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور غلط بات ان کی جانب منسوب کی گئی کہ وہ وضو میں پاؤں دھونے کے بجائے ان کے مسح کے قائل ہیں جو شیعوں کا مذہب ہے، یہ تمام تفصیل حافظ ابن کثیر، ہمیں بتاتے ہیں اور اس کے بعد تفسیر فرماتے ہیں۔

فمن العلماء من يزعم ان ابن جرير اثنان بعض علماء يكتبهن ان ابن جرير دو ہیں، ان احد هما شيعي واليه ينسب ذلك و میں ایک شیعہ ہے اور وہ لوگ مذکورہ بالا مینزهون، ابا جعفر هذا عن هذا باقوں کو اسی شیبی طبری کی طرف منسوب کرتے الصفات، لہ

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ابن جریر طبری کو بدنام کرنے کے لئے رافضی طبری کی کہتا ہیں ان کی جانب منسوب کر کے عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا۔ خود ان کی کسی تصنیف کو رافضی طبری کی طرف کبھی منسوب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسی سازش کے ذیل میں رافضی طبری کی تصانیف کا بھی ذکر آ گیا ہے،

علامہ ذہبی نے اس کی کتاب الرواة "عن اہل البیت" کا ذکر کیا ہے اور حافظ بن کثیر نے اس کی کتاب خدیغہ "اور حدیث منقح الطیر کے نام لئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تمام کتابوں کا تعلق شیعہ مسلک سے تھا۔ اس نے تاریخ الامم والملوک "جیسی کتاب نہیں لکھی ہے، ورنہ متقدمین میں سے کوئی نہ کوئی اس کا ذکر ضرور کرتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابن جریر طبری کے دور سے لے کر آج تک کسی مصنف نے نہیں بتایا کہ اس کی فن تاریخ میں کوئی کتاب ہے، اس لئے تاریخ طبری کو رافضی طبری کی طرف منسوب کرنا ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

طاش کسبری زادہ متوفی ۹۱۲ھ کی کتاب علوم و فنون کی تاریخ اور تعارف میں معتبر و مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ انھوں نے بھی ابن جریر طبری کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور پورے جسزم و یقین کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ومن التواریخ، تاریخ الطبری وهو	فن تاریخ میں تاریخ طبری ہے جن کا پورا
ابوجعفر محمد بن جریر الطبری	نام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ہے ان
وقیل یزید بن کثیر بن غالب	کے اوپر کے نسب میں ہے یزید بن کثیر
صاحب التفسیر الکبیر و تاریخ	بن غالب جن کی جلیل القدر تفسیر اور
الشہیر۔۔۔" ۱۱	تاریخ کی مشہور و معروف کتاب ہے " ۱۱

طاش کسبری زادہ نے تاریخ طبری کے ذکر کے ساتھ پورا نام و نسب شاید اسی لئے لکھ دیا ہے کہ صرف محمد بن جریر طبری کہنے سے رافضی طبری کے نام میں اشتراک کی وجہ سے دھوکا ہو سکتا ہے اس لئے دادا نام بھی لکھ دیا کہ رافضی طبری کے دادا کا نام رستم ہے اور ان کے دادا کا نام یزید ہے، یہیں سے دونوں میں امتیاز ہوتا ہے اس لئے شخصیت کی تعیین کیلئے پورا نسب نامہ بیان کر دیا، اور تاریخ و تفسیر دونوں کی نسبت اس کے

لہ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۲۵، ۱۱، مفتاح السعادة ج ۱ ص ۲۵۲-۲۵۳،

حقیقی مصنف کی طرف کر دی،

شذرات الذہب بہت پہلے چھپی تھی پھر کیا اب ہو گئی، ماضی قریب میں دارالمیسرہ بیروت سے خوبصورت اور روشن ٹائپ میں چھپ کر علی دنیا میں عام ہو گئی ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کے یہاں اس کے حوالے بہت ملنے لگے ہیں، اس کے مصنف ابن عماد حنبلی متوفی ۳۸۹ھ ہیں، انھوں نے سترہ کے حالات میں لکھا ہے۔

فیہا الحدیث البحر الامام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری صاحب التفسیر و التاریخ و المصنفات الکثیرہ۔ لہ
اسی سال عظیم المرتبت امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری جو تفسیر و تاریخ اور دوسری بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، انتقال فرمایا،
حاجی خلیفہ کاتب چلبی متوفی ۱۰۶۵ھ کی کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون مشہور و معروف ہے۔ کتابوں کے نام اور ان کے مصنفین کے سلسلہ میں علمی حلقوں میں ایک قابل اعتماد اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور سے لائبریریوں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں حاجی خلیفہ لکھتے ہیں۔

تاریخ الطبری، ابو الامام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، اس کے مصنف ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۸۹ھ ہیں۔ یہ تاریخ کی مشہور کتابوں میں سے ہے اور اخبار عالم کی جامع ہے حضرت آدم سے لیکر ۳۸۹ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ طبری نے اس کا نام تاریخ الامم و الملوک لکھا ہے،

• • • • •

والمواہب، لہ

یعنی تاریخ الامم و الملوک اسی ابن جریر طبری کی تصنیف ہے جن کی وفات ۳۸۹ھ میں

لہ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۰،

ہوئی پھر تفسیر کے سلسلہ میں وہ رقمطراز ہیں ،

تفسیر ابن جریر، "هو ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سن۹۲۰" و قال السیوطی فی الاتقان و کتابہ اجل التفسیر و اعظمها.... نقلہ بعض المتأخرین الفارسیة لمنصور بن نوح السامانی لہ

تفسیر ابن جریر کے مصنف ابو جعفر محمد طبری متوفی سن ۹۲۰ ہیں، اس تفسیر کے بارے میں سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں لکھا ہے کہ یہ تفسیروں میں جلیل القدر اور عظیم ترین تفسیر ہے... متاخرین میں سے کسی نے منصور بن نوح سامانی کیلئے اسکا فارسی میں ترجمہ کیا،

سب سے بڑی اور مضبوط شہادت کہ تفسیر و تاریخ دونوں کا مصنف ایک ہے خود تاریخ طبری ہی سے ملتی ہے، مورخ طبری نے القول فی خلق آدم کے عنوان کے تحت اپنی تاریخ میں لکھا ہے -

وقیل اقوال کثیرة فی ذلک، قد حکینا منها جملا فی کتابنا المسمی جامع البیان عن تاریخ القرآن فکوهنا اطالة الکتاب بذکر ذلک فی هذا الموضع لہ

اس سلسلہ میں بہت سے اقوال ہیں ان میں سے بہت سے ہم نے اپنی کتاب جامع البیان عن تاویل آی القرآن میں نقل کر دیئے ہیں، طوالت کے خیال سے ان کا یہاں نقل کرنا ہم نے پسند نہیں کیا۔

مذکورہ بالا قول کی صداقت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے تفسیر جامع البیان کو دیکھا تو یقین ہو گیا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں جن اقوال کو اپنی تفسیر میں ذکر کرنے کو بیان کیا، حقیقتاً وہ اقوال تفسیر میں موجود ہیں۔ یہ سارے اقوال قرآن کی آیت فالوا ان جعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء کے ذیل میں پورے سات صفحات میں نقل کئے ہیں۔ یقین و صداقت میں مزید اضافہ اس وقت اور بھی ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ تاریخ میں اس موقع پر بعض نلفاظ

لہ کشف الظنون ج ۱ ص ۳۴۷ تاریخ الامم و الملوک ج ۱ ص ۴۵۔ لہ جامع البیان مدارجہ
یمینیہ معر حلد اول از صفحہ ۱۵ تا ۱۶۲،

اور جملے جواسعمال کئے ہیں ٹھیک وہی الفاظ تفسیر میں بھی موجود ہیں۔
 تاریخ میں اس موقع پر ایک جملہ ہے بقول اعلم ما لا تعلمون من انطواء ابلیس
 علی التکبر تفسیر میں اسی لفظ انطوار کو اس موقع پر استعمال کرتے ہیں، اظہر لہم من
 ابلیس ما کان منطویا علیہ من الکتب، تاریخ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں فخلق اللہ
 ادم من طین لاذب واللذاب اللزج الطیب من حمأ مسنون، منتن انما کان
 حمأ مسنوناً بعد القرب قال فخلق منه ادم بیدہ لہ بالکل ہی عبارت تفسیر
 میں بھی ہے۔ ایک حرف کی کمی بیشی نہیں۔

خلق اللہ من طین لاذب کے ذیل میں اپنے شیخ ابو کریب کی جس روایت کو اپنی
 تاریخ میں لکھا ہے۔ ٹھیک وہی روایت انھیں سے اپنی تفسیر میں بھی لکھی ہے۔ تخلیق آدم کیلئے
 مٹی لانے کیلئے فرشتوں کو بھیجے گا ذکر اپنی تاریخ میں اپنے شیخ موسیٰ بن ہارون کی روایت
 سے بیان کرتے ہیں انھیں کی وہی روایت ان کی تفسیر میں بھی درج ہے، علم ادم الاسماع
 کلہا کی تفسیر میں اگر پہلی روایت ان کے شیخ ابو کریب کی ان کی تفسیر میں ہے تو تاریخ میں بھی
 پہلی وہی روایت انھیں ابو کریب کی ہے۔ پھر ان کے شیخ محمد بن عمرو کی روایت تاریخ میں ہے
 وہی روایت محمد بن عمرو کی ان کی تفسیر میں بھی ہے۔ درمیان میں تین چار روایتیں تفسیر
 میں زیادہ ضروری ہیں۔ لیکن ترتیب قائم ہے پھر تاریخ میں ابن وکیع کی روایت آتی ہے
 وہی روایت اسی ترتیب سے تفسیر میں بھی ہے، تاریخ میں پھر ان کے شیخ بشر بن معاذ کی
 روایت ہے، تفسیر میں بھی انھیں کی وہی روایت موجود ہے پھر قاسم بن حسن کی جو روایت
 ہے دونوں کتابوں میں ہے لہ۔

اس طرح دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کرنے پر روایتوں کی ترتیب تاریخ میں
 وہی بنتی ہے جو ترتیب تفسیر میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب طبری نے تاریخ لکھنی
 لہ تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۲۵ لہ تفسیر طبری ج ۱ ص ۵۵ تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۵،

شروع کی تو اپنی تفسیر سامنے کھول لی ہے۔ اور جس روایت کو تاریخ کے لئے مناسب سمجھتے ہیں لے لیتے ہیں اور باقی روایتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشترک موضوعات سے متعلق ان کی تفسیر و تاریخ دونوں کی روایتوں میں ایک مخصوص ترتیب پائی جاتی ہے۔

طبّی نے اپنی تاریخ میں صرف "خلق آدم" کے عنوان کے تحت اپنے شیوخ میں سے ابو کریب، ابن حمید موسیٰ بن ہارون، احمد بن اسحاق الہوازی، یعقوب بن ابراہیم، علی بن الحسن، محمد بن عمرو دکیع حسن بن کعبی، ابن دکیع، بشر بن معاذ، قاسم بن حسین، یونس بن عبد اللہ اور بعض دوسرے شیوخ کی روایتیں درج کتاب کی ہیں۔ انھیں شیوخ سے وہی روایتیں اسی ترتیب سے وہ اپنی تفسیر میں پہلے لکھ چکے ہیں،

گہرائی سے جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تفسیر یقیناً ان کی تاریخ سے پہلے لکھی گئی ہے چونکہ تفسیر کے مقابلہ میں تاریخ میں اختصار مد نظر تھا اور تفسیر میں روایات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے تاریخ لکھتے ہوئے انھوں نے انھیں روایتوں میں سے انتخاب کیا ہے، حیرتناک یکسانیت و اشتراک یہ ہے کہ تاریخ میں جس ترتیب سے جن مشائخ سے جن روایتوں کو لکھتے ہیں یہ ٹھیک وہی ترتیب ہے جو تفسیر میں ہے جبکہ درمیان میں کئی کئی صفحات تک دوسری تفصیلات و روایات پیش کرتے جاتے ہیں مگر تاریخ میں تفسیر سے روایتوں کا انتخاب اپنی ترتیب کے ساتھ ہے لہ

ڈو مصنف کی دو کتابوں میں یہ اشتراک، یکسانیت، ترتیب مضامین و روایات ممکن ہے؛ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہو گا۔ اگر بالفرض ایسی کوئی مثال مل جائے تو سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ اپنی کتاب بعد میں مرتب کرنے والا شخص مصنف نہیں کچھ اور ہے۔ اور اس کا ہاتھ تو نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اس کے فہم کو ذلت و رسوائی کی سزا ضروری جائیگی، طبّی کی تفسیر و تاریخ میں مضامین روایتوں اور عبارتوں میں اشتراک و یکسانیت اور ترتیب اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ مؤرخ طبّی نے اپنی تاریخ میں اپنی تفسیر کا اس

موقعہ پر جو حوالہ دیا ہے وہ اپنے اندر پوری صداقت لئے ہوئے ہے۔ مصنفین کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، ہر ایک کے کچھ مخصوص الفاظ، جملے اور مخصوص طرز تحریر ہوتا ہے۔ اور وہ ان سے اپنی ہر تصنیف میں کام لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصنف اپنی ایک کتاب کے بعد کوئی دوسری کتاب لکھتا ہے اور اس میں اس کی پہلی کتاب میں درج کسی خاص بحث کا موقعہ آتا ہے تو بالعموم وہی انداز بیان، وہی معلومات وہی عبارت اور جملے بلا تکلف زیر تصنیف کتاب میں استعمال کرتا ہے کیوں کہ یہ اس کا اپنا فرہم کردہ سرمایہ ہے اور اس کو استعمال کرنے کا اس کو حق حاصل ہے، اور یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ طبری نے پہلے تفسیر لکھی اور جب تاریخ لکھنی شروع کی تو جو باتیں تفسیر میں تفصیل سے لکھ چکے تھے۔ ضرورت پڑھنے پر اس کی تلخیص کر کے اس بحث کو اپنی تاریخ میں شامل کر دیا۔ یہی سبب بڑا ثبوت ہے کہ تفسیر و تاریخ دونوں ایک ہی مصنف کی کتابیں ہیں۔

اس تفصیل سے میرا مقصد یہ کہ تفسیر طبری جس کا نام جامع البیان عن تادیل آی القرآن ہے اور تاریخ طبری جس کا نام تاریخ الامم والملوک ہے آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے مصنف ابو جعفر محمد ابن جریر بن یزید الطبری متوفی ۲۴۰ھ ہیں اور صحیح العقیدہ ہیں البتہ اتنی سی بات ضرور ہے جو علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھی ہے۔ ثقہ، صادق، فہم، تشیع، سیر وحوالہ، لا تفتور، مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد اس کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ تفسیر طبری تو ضرور ان کی ہے لیکن تاریخ رافضی طبری کی ہے،

میں نے طبری کے معاصرین سے لے کر گیارہویں صدی تک کے ارباب تحقیق و تصنیف کی شہادتیں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ ان شہادتوں کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ تفسیر طبری اور تاریخ طبری کے بارے میں ایک مصنف کی تصنیف ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے۔ کیا یہ دعویٰ غلط ہو سکتا ہے؟ مجھے کسی نڈ کرے میں یہ شائبہ بھی

نہیں ملا کہ تفسیر و تاریخ میں سے کسی کو کسی دوسری شخصیت کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو ضرور ہوا کہ طبری کی عزت و شہرت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے رافضی طبری کی بعض ہفوات کو ان کی جانب منسوب کر کے ان کے خلاف محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پوری تاریخ سے ایک معمولی شہادت بھی ایسی نہیں ملی کہ ان کی کتابوں کو کسی نے رافضی طبری کی طرف منسوب کیا ہو، ان حالات میں یہ بات کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے کہ تاریخ طبری ظہری ہے اور تفسیر سنی طبری کی ہے، اس تقسیم کی پوری تاریخ میں کہیں بھی گنجائش نظر نہیں آتی،

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس تقسیم سے کیا نقصان ہے؟ بظاہر نقصان کے بجائے فائدہ نظر آتا ہے اگر تاریخ کو رافضی طبری کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو سیکڑوں وہ روایتیں جو اس کتاب میں ہیں جن سے صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگی بد منظر ہو جاتی ہے ان سے نجات حاصل ہو جائے گی اور کہہ دیا جائے گا کہ یہ تاریخ ہمارے لئے قابلِ حجت نہیں کیوں کہ اس کا مصنف غالی رافضی ہے، لیکن یہ دعویٰ آسان نہیں ہے۔

چونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہوگا، اس لئے عملی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ آج کی علمی دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ قدیم سے قدیم مخطوطے تحقیق و تفتیش کے دیوانے حاصل کر چکے ہیں اور قدیم ترین مخطوطے برابر دستیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ جن مصنفین کی تصنیفات کو ناممکن الحصول سمجھ کر ہم مطمئن ہو چکے تھے۔ آج ان کے مخطوطے دریافت ہو گئے۔ اسی طرح تاریخ طبری کے بہت سے مخطوطے علمی دنیائے حاصل کر کے اس کی تحقیق کی ہے، اور ناقابل شکست دلائل سے اس کتاب کا مصنف اسی شخصیت کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تصنیف ماننے سے انکار کیا جا رہا ہے۔

آج بہت سی علمی بحثوں میں طبری کی یہ تاریخ مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مستشرقین کا ایک پورا گروہ جو اپنی تحقیق اور وسعتِ مطالعہ کی بنا پر طبری کی اس تاریخ

کے مقام و مرتبہ سے خوب واقف ہے وہ آپ کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرے گا، اور اگر علمی بنیاد پر اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا چاہیں گے اور ثبوت و شہادت کی تلاش میں نکلیں گے تو ہر قدم پر آپ کو آپ کے دعویٰ کے خلاف ہی ثبوت و شہادت ملتی جائے گی۔

اس تقسیم سے سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ یہ کتاب ناقابل اعتبار ہو جائے گی اور اہل علم کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور اسی کتاب کی بنیاد پر بعد میں لکھی جانے والی بہت سی اسلامی تاریخوں کا دار و مدار ہے۔ اس لئے وہ تمام کتابیں اور تاریخیں بھی ناقابل اعتماد اور ناقابل حجت بن جائیں گی۔ جن میں تاریخ طبری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اسلامی تاریخ کا پورا سرمایہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لائق ہو جائے گا اس لئے یہ تقسیم کسی بھی حیثیت سے قابل قبول نہیں ہو سکتی،

رہ گئی تاریخ طبری کی وہ روایتیں جن سے صحابہ کرام کی شخصیتوں پر حرف آتا ہے تو ایسی روایتوں کی علمی بنیاد پر تردید ہونی چاہئے، ہمارے ہاتھوں میں فن اسما و الرجال اور فن جرح و تعدیل کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر تاریخ طبری کی کوئی بھی روایت اس کسوٹی پر کھری ثابت نہیں ہوتی تو اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کا ہم کو حق حاصل ہے، خود طبری کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ ہم نے روایتوں کی صحت و صداقت چانچنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ بلکہ جو رطب و یابس روایتیں ہم تک پہنچیں ہم نے ان کو اسی طرح انھیں لادلوں کی زبانی نقل کر دیا ہے۔ اب یہ قاری کی ذمہ داری ہے کہ وہ جواہرات کو پرکھ کر الگ کر لے اور خرف ریزوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دے،

چونکہ اس بحث کو ہم نے اپنی کتاب تاریخ طبری کا ایک تحقیقی جائزہ میں مفصل لکھ دیا ہے اس لئے سلسلہ کلام یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت نانوتوی اور عشق رسول ﷺ

از۔ مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مہانچسٹر انگریز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ !

گذشتہ صدی عالم اسلام خصوصاً ہند و پاک کیلئے عجیب مدد و جزر کی حامل رہی ہے اس میں خلافت عثمانیہ کا سورج غروب ہوا۔ اسی میں قادیان سے انکار ختم نبوت اور دعویٰ نبوت کا فتنہ اٹھا۔ اسی میں فتنہ انکار حدیث نے جنم لیا۔ اسی میں عیسائیت نے اپنا جال بچھانے کی بھرپور کوشش کی، اسی میں مسلمانوں نے مسلمانوں پر تیغ تکفیر بے نیام کی اسی میں فرق باطلہ نے مستقل روپ دھا کر کر اسلام اور اہل اسلام پر کمندیں ڈالنے کی کوششیں کیں غرضیکہ اسلام اور مسلمانوں پر کوئی آزمائش ایسی نہ تھی جو اس صدی میں نہ آئی ہو۔ لیکن خالق کائنات کی عنایت ہوئی کہ اس نے ہندوستان کے ایک قصبہ دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی اور اس درگاہ سے ایسی ایسی جہا بڑہ روزگار اور تاریخ ساز شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی۔ ہر باطل قوت سے ٹکری۔ ہر تاریکی کے آگے علم و عمل کے چسراغ روشن کئے۔ ان چسراغوں کی ہی روشنی میں ہر آگے آنے والے قافلے کو راہ ملتی رہی۔ اور انشا اللہ جو بھی اس سے روشنی حاصل کرتا رہے گا۔ اپنی زندگی کے ہر خاکے میں رنگ بھرتا جلا جائے گا۔

چلی سمت غیب اک ہو اگر جن سرد کا جل گیا مگر ایک شاخ نہاں غم جسے دل کہیں نہ ہری

ان حضرات نے اپنی زندگی میں جو چرسراغ روشن کئے اور جو کارہائے نمایاں انجام دئے اس کا داعیہ کیا تھا؟ کس لئے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا؟ کیوں جابر و ظالم حکمرانوں کے آگے پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے؟ کس لئے اپنے جان و مال، اہل و عیال، ملک و وطن کو خیر باد کہا؟ جب تک ان سوالوں کے جوابات دل و دماغ میں نہ ہوں گے ان حضرات کے کارنامے ذہن نشین نہیں ہو سکتے؟

ہم ذیل میں چند اکابر کے چند واقعات درج کریں گے جن سے آسانی معلوم ہو جائے گی کہ ان حضرات کی ان بے لوث قربانیوں اور ہر مرحلے میں جان کی بازی تک لگا دینے سے گریز نہ کرنے کی اصل وجہ کیا تھی؟ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے آثارِ حمید اللعالمین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اصلی الشریعہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق، محبت، عقیدت اور آپ کے لائے ہوئے دینِ عزیز کے ساتھ پیار تھا اور بس! اس کی خاطر سب کچھ کیا سب کچھ کر رہے ہیں۔ اور سب کچھ کرتے رہیں گے۔ (انشار الشریعہ)

توحید کی امانت سینوں میں، ہمارے ہمارے آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا، قبل اس کے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا تذکرہ چھپڑوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دارالعلوم دیوبند۔ دیوبندیت، اور اکابر دیوبند کے ضمن میں تین بیانات پیش کروں۔

دارالعلوم کیا ہے؟ حضرت مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب مدیر ماہنامہ دارالعلوم اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ:

خاصانِ خدا کی دُعائے سحرگاہی کا ثمرہ، علمائے حق کے جذبہٴ ایثار و قربانی کا مظہر، مجاہدینِ اسلام کے جہد و اخلاص کی لازوال نشانی، علم و معرفت کا حسین امتزاج، مسلمانانِ ہند کے حیاتِ ملی کی صراطِ مستقیم اور طامذہبیت کے اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن اور دینی آثار و اقدار کا نقیب و علمبردار، تازخِ اسلامی کی اولین درسگاہ۔ صفحہ کی یادگار اور عکس

جیل - اور ہر باطل فتنے کے خلاف برصغیر کی واحد اسلامی چھاؤنی - اور تربیت گاہ حریت

(ملخص) دارالعلوم ماہ جون ۸۶ء

دیوبندیت کیا ہے؟ محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مظلّم

دایم - اے - پی - ایچ ڈی برمنگھم) تحریر فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ مسلک اکابر دیوبند کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے بلکہ تمام اکابر دیوبند انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے "ما انا علیہ واصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آ رہے تھے۔ دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسلک عمل کا نام نہ تھا بلکہ سلف صالحین اہل تحقیق کی کامل اتباع اصاحی کی تسلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہل سنت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل پیرا تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں حنفی مسلک فکر کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

(مقام حیات ص ۲۲۳ (۱۳۸۰ھ))

اکابر دارالعلوم کیا تھے؟ اس کا جواب پاکستان کے مشہور عالم دین مجلس

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مظلّم کی زبانی سنئے! فرماتے ہیں -

اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لئے دفتر کے دست بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مذاق و مزاج سے ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے مستفیر تھا۔ اور مذاق و مزاج وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن الفاظ کے ذریعے ٹھیک ٹھاک بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح گلاب کی

خوشبو کو سونگھا تو جاسکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو اہل فاضلین ڈھاننا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔ (دارالعلوم دیوبند نمبر ۳۶۲)

ان تین بیانات سے دارالعلوم دیوبند، دیوبندیت، اور اکابر دیوبند کے خود خالی واضح ہو گئے ہیں۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

اولئک ابا بنیٰ نجبئیٰ مثلہم اذا جمعنا یا جومیر صجامع

حضرت مولانا نانوتویؒ اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اول اور طرف بائیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مرید و مجاز تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں چنانچہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومؒ لسان عطا ہوئے جنہوں نے شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔ (سوانح قاسمی جلد ۱ ص ۲۴۲ و حسن العزیز ص ۳۸۲)

امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کی مجلس میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہوا تھا۔ اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے مولانا نانوتویؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ:

مولانا اسماعیلؒ تو تھے ہی۔ کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے

(ارواحِ ثلاثہ ص ۲۴۴)

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا۔

اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اشرکیا لائے تو میں قاسمؒ اور رشیدؒ کو پیش کروں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ (حیات اشرف)

حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ اہمائی تحریر بھی ملاحظہ فرمائیے!

جو آدمی اس نعرے سے محبت، عقیدت اور ارادت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مولوی محمد قاسمؒ

اور مولوی رشید احمد صاحبؒ جو کہ تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں میری طرح

بلکہ مجھ سے بڑھ کر شمار کرے اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں

ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کیونکہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔

(ضیاء القلوب ص—)

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ییسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہو کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے

(سوانح قاسمی جلد ۱ ص ۳۲۸)

اور پھر ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ کے رفقاء حج کو حج سے واپسی پر وصیت فرمائی کہ:

مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو (ایضاً ص ۳۳۶)

یہ اس بابرکت ہستی کا ارشادِ فرمان اور وصیت و اعلان ہے جو علمائے دیوبند اور علمائے

بریلی دونوں کے نزدیک قابلِ احترام ہے۔ اور دونوں مکتبِ فکر ان کی عزت و عظمت کے

قائل ہیں۔ اور بریلوی مکتبہ فکر کے مولانا سعید احمد کانپلی نے اپنی کتاب الحق المبین میں حضرت

حاجی صاحبؒ کو علامہ حق اور علماء اہل سنت میں شمار فرمایا ہے (ص ۱۲۱)

علاوہ ازیں وقت کے مسلم مذاہب و اہل کتب و علم اور مشہور روحانی شخصیت حضرت مولانا

شاہ فضل رحمن گنچ مراد آبادیؒ کی یہ شہادت بھی بڑھ لیجئے!

مولانا محمد قاسم کو کم سن ہی میں ولایت مل گئی (کمالات رحمانی ص ۱۶۷)

اس کے باوجود جو لوگ حضرت پر الزام و اتہام رکھتے ہیں وہ خود غور کریں کہ ان کے اس الزام سے کون کون سی شخصیتیں مجروح ہو رہی ہیں؟

حضرت نانوتویؒ کو اپنے محبوب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عشق و تعلق تھا اور آپ کے ارشادات گرامی کا کس قدر پاس تھا اسے چند واقعات اور ارشادات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں اور اتنا س کرتے ہیں کہ نگاہ تعصب کے بجائے حقیقت کی عینک لگا کر ان واقعات و ارشادات کو پڑھیں۔ اور فیصلہ کریں کہ کیا ایسا شخص (نعوذ باللہ) گستاخِ رسول کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی جب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ فراغت کے بعد جب مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانگی ہوئی تو دیدارِ حبیب سے کئی میل دور ہی سے گنبدِ خضراء پر نظر پڑتے ہی اپنا جوتا اتار لیا حالانکہ وہاں سے راستہ نو کدہار پتھر کے ٹکڑوں سے بھرا تھا مگر آپ کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ دیارِ حبیب میں جوتا پہن کر چلا جائے نامعلوم کس مقام پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک پڑے ہوں اور میری کیا مجال کہ میں جوتا پہن کر اس مقام پر چلوں حضرت کے رفیق سفر مولانا حکیم منصور علی خاں مرحوم فرماتے ہیں کہ:-

جب منزل بمنزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا جہاں سے روضہ پاک جناب لولاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر آتا تھا فوراً جناب مولانا مرحوم نے اپنے نعلین بجاتے، اتار کر بغل میں دبائے اور پارہ ہنہ چلنا شروع کیا۔ (سوانح قاسمی جلد ۳ ص ۱۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس سفر کے تعلق تقریر فرماتے ہیں کہ:-
جناب مولانا نانوتویؒ چند منزل برابر بھی اونٹ پر سوار نہ ہوئے حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی تھا پیر میں زخم پڑ گئے تھے کانٹے لگے تھے پتھروں اور ٹوکیلے ٹکڑوں کی تلخیاں محبوب کے دیدار کے مقابلے میں بالکل بیخ ہو گئی تھی۔ نہ آپ کی ذرا پیر

شکوہ آیا نہ چہرے پر اس کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور ہوتے بھی کیسے؟ یہ تو دیا حبیب ہے یہاں شکوہ و شکایت کو کیا دخل اور کیا مجال؟ یہ تو وہ مقام ہے جہاں ہزاروں جانیں بھی نذا ہو جائے بھر بھی یہ ہی کہا جائے گا کہ!

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

دیکھئے تو سہی کہ حضرت نانوتویؒ کو مدینہ منورہ اور گنبد خضراء و مکین گنبد خضراء کے ساتھ کس قدر عقیدت و محبت اور کیسی وابستگی و فریفتگی تھی اور یہ بھی دیکھئے کہ کیسا عقائد اور مجتہدانہ طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا یہ ساری عقیدت و محبت حضرت سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے تو ہے ورنہ یہ ایک سنگلاخ رقبہ پتھر پلّی زمین ہے۔ اس میں جو کچھ بھی ہے اور جتنا کچھ بھی ہے وہ سب کا سب محبوب رب العالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت اور آپ ہی کے واسطے سے ہے۔ اسی لئے نہ آپ کی زبان پر آہ یا ادہ کے الفاظ آئے نہ زخم کی کوئی برہا کی شدید تکلیف کو راحت سمجھ کر ان سے فرحت و لذت حاصل کرتے ہوئے دیا محبوب کی طرف کشاں کشاں چلتے رہے۔ گویا۔ بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں سے اے میرے دل ادب کر ادب کر وہ ادب کا مقام آ رہا ہے۔

پھر عقیدت کے سجدے ٹٹا کہ ان کا دارالسلام آ رہا ہے۔

حضرت نانوتویؒ خود بھی اسی کی طرف اشارہ کر گئے ہیں کہ۔

فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی! زمیں پر جلوہ نما ہیں محمد مختار!

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ شان احمد زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے مہر سحر کار!

عرش پر گز فرش بھاری ہے تو ہے اس فلک جس میں موحو اب ہے کون دمکان تاجدار!

میرا اور میرے تمام اکابر کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا وہ حصہ جو آپ کے جسد اطہر سے متصل اور ملا ہوا ہے وہ عرشِ عظیم سے بھی زیادہ مرتبہ اور توقیت رکھتا ہے (بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۵۱)

(۲) حضرت نالوتویؑ نے اپنے پیرومرد شہد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی زیر قیادت ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے جہاد کیا اور شاہی کی مشہور ملائی میں پیش پیش رہے۔ انگریز حکومت کی طرف سے آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے تھے اور انعام بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ وارنٹ کی خبر سن کر دوست، احباب متعلقین و متوسلین تلامذہ و اعزہ نے مصلحت کے پیش نظر روپوش ہو جانے پر اصرار کیا۔ مجبور ہو کر آپ ایک مکان میں روپوش ہو گئے۔ تین دن تک آپ اسی مکان میں رہے۔ جب چوتھا دن ہوا تو گوشہ تنہائی کو خیر باد کہہ کر باہر تشریف لے آئے غلصین و متوسلین نے جب آپ کو باہر دیکھا تو حیران ہوئے اور دوبارہ روپوش ہونے پر اصرار کیا۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے ہیں تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں۔ لہذا روپوشی بھی ختم (نقش حیات جلد ۲ ص ۵۸، سوانح قاسمی جلد ۲ ص ۱۷۱)

غور کیجئے اس جذبہ اتباع سنت و محبت پر کہ ظالم و جابر حکمران جو ان دنوں اہل ہند پر عواماً اور مسلمانوں پر خصوصاً کس قدر سفاکانہ اور قاتلانہ حسرتے استعمال کر رہا تھا اور مسلمانوں کے خون سے سبز میں ہند کو سیراب کر کے اپنا سکتہ بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ کونسی دلآزار اور شرمناک حرکت نہ تھی جو ان ظالموں اور بدبختوں نے نہ کی ہو۔ اس نازک موڑ پر حضرت نالوتویؑ کا اپنی حیات سے بے نیاز ہو کر روپوشی تم کو دینا کیا۔ اس بات کا تین ثبوت نہیں کہ یہ سب کچھ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ جو آپ کے دل میں رچی بسی تھی اور اتباع سنت کا جذبہ آپ کے رگ و پیشے میں سرایت کر چکا تھا۔

(۳) ہندوستان میں بعض حضرات سبزنگ کا جو نا بڑے شوق سے پہنتے تھے داراب بھی پہنتے ہیں۔ لیکن حضرت نالوتویؑ نے ایسا جو نامتدت العمر کسی نہیں پہنا۔ سبزنگ کا جو تا پہنتے سے گریز محض اس لئے کرتے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضر انکارنگ

سبز ہے پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیونکر استعمال کئے جاسکتے ہیں؟
 حضرت شیخ الاسلام حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:
 حضرت نانوتویؒ نے تمام عمر کجھنٹ کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا
 ہے نہ پہنا۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۴)

اندازہ فرمادیں۔ حضرت نانوتویؒ کے اس عشق و محبت کا کہ گنبد خضراء کے ظاہر رنگ کے ساتھ
 بھی کس قدر عقیدت اور اس پر فدا اور قربان تھے۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا
 محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی جانتے بھی ہو کیوں تھی؟ ایک صاحب نے
 عرض کیا کہ حضرت ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے عرق
 مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ہاں حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔

(ارواح ثلاثہ)

کیا یہ عشق و محبت کی معراج نہیں؟ کہ گلاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تعلق ہے
 اس لئے مجھ سے زیادہ محبوب ہے۔ اس حدیث کی صحت اور ضعف سے اس وقت بحث
 نہیں بلانا صرف یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عقیدت
 و محبت تھی۔

(تھمیں کا قاعدہ ہے کہ ضعیف روایت بالخصوص جب کہ وہ متعدد طرق سے نقل کی جائے
 فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ فضائل ردود شریف از حضرت شیخ الحدیث ص ۱۸۱) مگر عقائد کا
 معاملہ اس سے مختلف ہے عقائد کے لئے پکی اور صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہوگا۔)

(۵) مع الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف جن کے ۲۵ پارے محدث مہارنپوری
 حضرت مولانا احمد علی صاحب اور آخر کے ۵ پارے حضرت نانوتویؒ کے قلم سے ہیں۔ یہ حاشیہ
 بخاری شریف برصغیر پاک و ہند میں مقبول و معروف ترین اور متداول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیث مبارک کی خدمت سے بڑھکر اور کونسی دولت ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ سے یہ خدمت بھی لے لی اور یہ اتنی بڑی خدمت ہے کہ آج تک علماء و محدثین اسی حاشیہ کو اصول کے طور پر سلسلے رکھتے ہیں اور جہاں جہاں بخاری شریف طبع ہوئی اسی حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی نبوت کی بحث آئی اور فرق باطلہ نے..... اس میں تاویلات و تحریفیات کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر کتاب مستطاب، تحذیر الناس تحریر فرمائی جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ہر طرح سے ختم فرمانا ثابت فرما کر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہیں فرق باطلہ کے لئے بھی کوئی جگہ نہ چھوٹی۔

(۶) حضرت نافو توئیؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت شریف کا بھی نذرانہ پیش کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

توفیقوں و مہکاں زبده زمیں زماں	امیرش کرو بغیراں، شہرہ ابرار
تو بونے گل ہے گرسٹل گل ہیں اور بنی	تو نور شمس اگر اور انبیاء میں شمس نہاد
جہاں کے سارے کائنات ایک تجھ میں ہیں	تیرے کمال کسی میں نہیں مگر ڈو چچار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تیری نبوت کے	کرہیں ہیں اتنی ہونے کا یا نبیؐ استرا
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید یہ	کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیر پھر لیا	مردوں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار
اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس برگ	کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار
وے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قابم کا	کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بند کے غبار

مندرجہ بالا اشعار بلا رعایت ترتیب پیش کئے ہیں۔ آپ کا یہ تصدیق تقریباً ۱۵۱ اشعار پر

مشتمل ہے۔ یہ تمام اشعار عشق و محبت، عقیدت و الفت، عزت و عظمت میں لادنے کو ہیں ہر شعر سے عشق و محبت نظر آتا ہے۔ اور ہر شعر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے قلب میں حضورؐ کی عظمت اور محبت کھٹ کھٹ کر بھری ہوئی ہے۔ (باقی آئندہ)

تحقیق حدیث رجال پر ایک نظر

مولانا محمد عبد الدیان ^{عظی}

حکماً اور مصلیاً و مسلماً۔ رسائل و مسائل حصہ اول میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ایک تحقیق ہے، تحقیق حدیث رجال اس میں مولانا موصوف نے رجال کے زمانہ خروج و مقام خروج وغیرہ تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قیاس کی طرف منسوب کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قیاس سے فرمایا تھا اور قیاس کی طرف منسوب کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ تاثر دینا ہے کہ ان ارشادات میں دی گئی خبروں کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ غلط بھی نکل سکتی ہیں اور نکلیں بھی۔ چنانچہ بعد کے واقعات اور سارے تیرہ سو برس کی تاریخ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کی تردید کر دی اور ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا اور ان کی نقل و روایت کرنا اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں۔

مجھ کو مولانا کی اس تحقیق سے اتفاق نہیں بلکہ علیٰ حیثیت سے شدید اختلاف ہے اور قبل اس کے کہ میں اس پر کچھ عرض کروں مولانا موصوف کی یہ تحقیق ناظرین کے سامنے من و عن پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ کسی صاحب کو قطع و برید یا حذف و اضافہ

یا من مانا مطلب نکالنے کے الزام لگانے کا موقع ہی نہ ملے۔ نیز ناظرین کے سامنے مسئلہ کا دونوں رخ موجود رہے تاکہ وہ دونوں رخ دیکھ کر اپنی صحیح رائے قائم کر سکیں۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب کی خود ہدایت ہے کہ:-

”کسی پڑھے لکھے آدمی کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ محض ایک رخ مطالعہ پر اپنا ایک ذہن بنانے اور دوسرا رخ دیکھنے سے انکار کر دے“

دترجمان القرآن لاہور ۳۰ جولائی ۱۹۷۱ء جلد نمبر ۵۷، مضمون رسالت نبر کا پیرا (۱)۔
مولانا کی تحقیق سوال و جواب پر مشتمل ہے یعنی کسی صاحب نے مولانا سے سوال کیا تھا اس کا مولانا نے جواب دیا ہے۔ وہ سوال و جواب درج ذیل ہے۔

تحقیق حدیث دجال

سوال ۱۔

ترجمان القرآن میں کسی صاحب نے سوال کیا تھا کہ ”کانے دجال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کہیں مقید ہے تو آخر وہ کون سی جگہ ہے؟ آج دنیا کا کونہ کونہ انسان نے چھان مارا ہے پھر کیوں کانے دجال کا پتہ نہیں چلتا؟“ اس کا جواب آپ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ”کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں“ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے کم از کم تین روایات میں دجال کا تذکرہ موجود ہے جس کی تصدیق بخاری و مسلم

۱۔ یہاں ہم رسائل و رسائل کے ابتدائی ایڈیشن سے مولانا کی تحقیق نقل کر رہے ہیں بعد کے ایڈیشنوں میں سنتے ہیں مولانا نے عبارت بدل دی ہے مگر پھر بھی نظریہ وہی ہے جو پہلے ایڈیشن کا ہے۔ بلکہ بعد کی عبارت اس پہلی عبارت کی مزید تائید کرتی ہے۔ عبارت بدلنے کے بعد بھی جب مولانا کا نظریہ اپنی جگہ برقرار ہے تو اختلاف بھی برقرار ہے۔ ۱۱۔

ابوداؤد، ترمذی شرح السنۃ بیہقی کے ملاحظہ سے کی جاسکتی ہے۔ پھر آپ کا جواب کس سند پر مبنی ہے۔

جواب ۱۔

میں نے جس چیز کو افسانہ قرار دیا ہے وہ یہ خیال ہے کہ دجال کہیں مقید ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ ایک بڑا فتنہ بردار (الدجال) ظاہر ہونے والا ہے تو اس کے متعلق جو احادیث میں خبر دی گئی ہے۔ میں اس کا قائل ہوں۔ اور ہمیشہ اپنی نماز میں وہ دعا پڑھا کرتا ہوں جو پڑھا کرتا ہوں جس میں مجملہ دو سکر تعوذات کے ایک یہ بھی ہے کہ "أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ"

دجال کے متعلق جنہی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملہ میں جو علم ملا تھا وہ صرف اسی حد تک تھا کہ ایک بڑا دجال ظاہر ہونے والا ہے۔ اور اس کی یہ اور یہ صفات ہوں گی اور وہ ان خصوصیات کا حامل ہوگا۔ لیکن آپ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا۔ اور یہ کہ آیا وہ آپ کے عہد میں پیدا ہو چکا ہے۔ یا آپ کے بعد کسی زمانہ میں پیدا ہونے والا ہے۔ ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔

لہٰذا بعد کے ایڈیشنوں میں یہ خط کشیدہ عبارت نکال دی گئی ہے اور اس کی جگہ مندرجہ ذیل عبارت لکھی گئی ہے۔

"ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں ان کا اختلاف مضمون نے

ظاہر کرتا ہے اور حضور کے طرز کلام سے بھی ہر شرح ہوتا ہے کہ وہ اپنے برہانے وحی نہیں

بلکہ برہانے فطن و قیاس ارشاد فرمائیں۔ کبھی آپ نے یہ خیال کیا..... (بقیہ طاقیہ ۱۳ پر)

کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خسرا سان سے اٹھے گا کبھی یہ کہ اصغہان سے اور کبھی یہ کہ شام عراق کے درمیان علاقے سے پھر کبھی آپ نے ابن صیاد نامی اس یہودی بچے پر جو مدینہ میں غالباً ۳۰ یا ۳۱ء میں پیدا ہوا تھا یہ شبہ کیا کہ شاید یہی دجال ہے۔ اور آخری روایت یہ ہے کہ ۹۰ء میں جب فلسطین کے ایک عیسائی راہب تمیم نامی آکر اسلام قبول کیا اور آپ کو یہ فقہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ سمندر میں (غالباً بحر روم یا بحر عرب) سفر کرتے ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچے اور وہاں ان کی ملاقات ایک عجیب شخص سے ہوئی اور اس نے انہیں بتایا کہ وہ خود ہی دجال ہے تو آپ نے ان کے بیان کو بھی غلط باور کرنے کی کوئی وجہ نہ سمجھی۔ البتہ اس پر اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ اس بیان کی رُوح سے (دجال) بحر روم، یا بحر عرب میں ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔ یہ تردید اول تو خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں اور آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جن کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی محسوس آتا ہو۔ یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) دونوں عبارتوں میں حضور کے ارشادات کو ظن و قیاس کہا گیا ہے جب کہ وہ ارشادات اخبار غیب و امور دین سے متعلق ہیں۔ سوال ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام غیب کی خبریں اپنے قیاس سے دیتے رہے ہیں۔ اس کے لئے دیکھا جائے۔ نبوت اور کہانت کا فرق آئے یہاں کہا جا رہا ہے کہ آپ نے کبھی یہ خیال ظاہر فرمایا کبھی یہ اور کبھی یہ۔۔۔۔۔ سوال ہے کہ کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟ دیکھئے خود مولانا مکی کی کتاب منصب رسالتؐ مثلاً یا کتاب ہذا مٹے کیا شبہ کرنے کا کوئی قطعی ثبوت بھی ہے؟ دیکھئے کتاب ہذا مٹے سوال ہے کہ "میں خیال کرتا ہوں" کا ترجمہ کہاں سے کیا گیا جب کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "..... لا ابل من قبل المشرق ما هو، لا ابل من قبل المشرق ما هو، لا ابل من قبل المشرق ما هو واولیٰ ہذا الی المشرق" (مسلم، دیکھئے کتاب ہذا مٹے تخریف منوی) مٹے صحیح نہ ثابت ہونے سے "یجملہ غازی کر رہا ہے کہ مولانا حضور صل اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کے غلط ہونے کے قائل ہیں۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) پر

جس پر ایمان لانے کے لئے ہم تکلف کئے گئے ہوں پھر جب کہ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے۔ جو اس سلسلے میں آپ نے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان کو عقائد میں داخل رکھنے پر اصرار کیا جائے۔ ابن صیاد پر آپ کو شبہ ہوا تھا شاید وہی دجال ہو اور حضرت عمرؓ نے تو قسم بھی کھائی تھی کہ یہی دجال ہے مگر بعد میں وہ مسلمان ہوا، حسینؓ میں رہا حالت اسلام میں مرا اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں نے پڑھی۔ اب اسکی کیا گنجائش باقی رہ گئی کہ آج تک ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ کیا جاتا رہے۔ تمیم دارمی کے بیان کو حضورؐ نے اس وقت تقریباً صحیح سمجھا تھا مگر کیا ساڑھے تیرہ سو برس تک بھی اس شخص کا ظاہر نہ ہونا جیسے حضرت تمیم نے جسزیرے میں مجبوس دیکھا تھا یہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنے دجال ہونے کی جو خبر حضرت تمیم کو دی تھی وہ صحیح نہ تھی حضورؐ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کئے جانا گویا یہی اسلامی عقائد ہیں نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے (بقیہ حاشیہ مشکا) لہ معلوم نہیں کس بنیاد پر مولانا کہہ رہے ہیں کہ حرف نہیں آتا جب کہ یہاں یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غموضی بھی سند و حجت قرار دی جاتی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔ (منصب سالت نمبر ۱۱) لہ بعد کے واقعات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر ڈھلتے اور آپ کی باتوں کی تائید تصدیق کرتے ہیں نہ کہ تردید۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ ۱۱ بعد کے ایڈیشن میں بیخفا کشیدہ ہوا اس طرح بدل دی گئی ہے۔

۱۱ ان مختلف روایات پر جو شخص بھی مجموعی نظر ڈالے گا وہ اگر علم حدیث اور اصول دین سے کچھ بھی واقف ہو تو اُسے یہ سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اس معاملہ میں حضور ص کے ارشادات و اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (بقیہ مشکا پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جزو اول یہ کہ دجال آئے گا اور ان صفات کا حامل ہوگا اور یہ اور یہ فقہی برپا کیے گا۔ یہ بالکل یقینی خبریں ہیں جو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہیں۔ ان میں کوئی روایت دوسری روایت سے مختلف نہیں ہے۔ **جزو دوم** یہ کہ دجال کب اور کہاں ظاہر ہوگا اور وہ کون شخص ہے اس میں نہ صرف یہ کہ دجال کب اور کہاں ظاہر ہوگا اور وہ کون شخص ہے اس میں نہ صرف یہ کہ روایات مختلف ہیں بلکہ اکثر روایات میں شک و شبہ اور گمان پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی مروی ہیں۔ مثلاً ابن صیاد کے متعلق آپ کا حضرت عمر رضی فرمایا کہ اگر دجال یہی ہے تو اس کے قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے یا مثلاً ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد کہ اگر وہ میری زندگی میں آگیا تو میں حجت سے اس کا مقابلہ کروں گا۔ ورنہ میرے بعد میرا رب تو ہر مومن کا حامی و ناصر ہے۔ اس دوسرے جزو کی دینی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے جسزوکے ہے جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے بلکہ اس کے ہر حقے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو اجزا میں تقسیم کر کے حضورؐ کی جُدا جُدا دو حیثیتیں قرار دی گئی ہیں (دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۱۱ حضورؐ کی دو حیثیت قرار دینا) ۱۔ ابن صیاد کے مسلمان ہونے کا آپ کے پاس قطعی ثبوت کیا ہے؟ دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۱۱ ابن صیاد کیا تھا) ۲۔ یہاں کی خط کشیدہ عبارت اس طرح بدل گئی ہے۔

”لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ سارے تیرے سو برس میں گزر چکے ہیں اور ابھی تک دجال نہیں آیا۔“

۳۔ غور فرمائیے کہ دجال کے زمانہ و مقام و وقوع سے تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو ملاحظہ فرمائیے اور فرمائیے نے اور فقہاء و محدثین نے برحق اور اسلام کی صحیح فہمائیے کی حکم پر بغیر غرض و لہجہ کے تمہان کی نقل و نقل فرمائیے۔ آج مولانا کے نزدیک ان کی نقل و روایت اسلام کی صحیح فہمائیے نہیں ہے یعنی مولانا کا راستہ سلف نماہین کما تبتے سے شاہجوا ہے۔

اور نہ سے حدیث ہی کا نہم صحیح کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ اس قسم کے معاملہ میں نبی قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے نہ اس سے عصمت انبیاء کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے۔ اور نہ ایسی چیزوں پر ایمان لانے کیلئے قرابت ہم کو مکلف کیا ہے۔ اس اصول حقیقت کو تاہم نخل والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود واضح فرما چکے ہیں۔

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۸۶ء)

(مولانا کی تحقیق سے مترشح عقیدے)

مولانا کی تحقیق کا بیان آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ بیان علمی حیثیت سے کہاں تک صحیح ہے اس کو بعد میں دیکھا جائے گا پہلے یہ ملاحظہ فرمائیے کہ تحقیق میں کس نظر سے کی تعلیم دی گئی ہے اور ایک خالی الذہن شخص جب تحقیق کو پڑھتا ہے تو پڑھتے ہی اول دہلہ میں اس کے دل میں رسول و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا عقیدے بنتے ہیں۔

۱۔ جب وہ تحقیق میں یہ دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی شخص (رجال) کی صفات و خصوصیات کے بارے میں تو بذریعہ وحی بیان فرمایا۔ اور پھر اسی کے زمان و مکان کے بارے میں اپنے قیاس سے تو یہ دیکھ کر اس کا منکرین حدیث جیسا یہ عقیدہ بننے لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آتی ہے وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے۔ اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام (۱۔ یہاں کی عبارت یہ بدل گئی ہے۔)

”اس قسم کے معاملہ میں اگر کوئی بات نبی کے قیاس یا گمان یا اندیشے کے مطابق ظاہر نہ ہو تو یہ اس کے منصب نبوت میں ہرگز فاجح نہیں ہے۔“

۲۔ فاپر نخل والی حدیث دنیاوی امور سے متعلق ہے اور رجال کی بابت حدیثیں اخبار غیب اور امور دین سے متعلق، پھر معلوم نہیں مولانا کا دینی اور غیبی امور کو دنیاوی امور پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہے جبکہ خود حدیث تاہم نخل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واضح فرما چکے ہیں۔

کرتے تھے۔ جیسی تو اپنے خیالات کے زیر اثر اس کے زمان و مکان کے بارے میں ادھر ادھر کی خبریں دیں کبھی یہ فرمایا کہ وہ خراسان سے اٹھے گا۔ پھر کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقے سے۔۔۔ وغیرہ

۲۔ جب وہ تحقیق میں یہ پڑھتا ہے کہ "یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں (بلکہ قیاس و گمان سے فرمائی تھیں) اور آپ کا قیاس و گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر حرف آتا ہو۔۔۔ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے۔ تو یہ پڑھ کر اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر فرمایا ان کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ چنانچہ مجال ہی کے مقام خروج کے بارے میں خراسان، اصفہان اور شام و عراق کا درمیانی علاقہ وغیرہ کئی کئی خبریں دینا جب کہ اس کا خروج ان فرمائے ہوئے مقامات میں سے کسی مقام سے اگر ہو گا بھی تو زیادہ سے زیادہ صرف ایک مقام سے اور باقی مقامات بہر حال غلط اور بغیر گارنٹی کے فرمائے گئے پس آپ کے قیاس و خیال سے فرمائی ہوئی باتیں نہ تو ہمارے لئے سند و حجت ہیں اور نہ ہم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف اور نہ ان کے صحیح نہ ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف ہی آتا ہے۔ جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور حقیقت قرآن میں تسلیم کی گئی ہے"

۳۔ جب وہ تحقیق میں یہ پڑھتا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و درجہ اولیٰ مرتبہ میں

جزو اول یہ کہ..... جزو دوم یہ کہ۔ اور پھر اس کے بعد یہ لکھا ہوا دیکھتا ہے کہ "اس دوسرے

جزو کی دہی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے جزو کی ہے۔ بلکہ اس کے

پر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے" تو اس سے اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی (نحوہ بانشر) جدا جدا دو حیثیتیں تھیں ایک رسول ہونے کی حیثیت جس میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی کلام فرماتے تھے جس کو جزو اول قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی جزو اول

کی حیثیت سے فرمائی ہوئی باتوں کے ماننے کے ہم مکلف ہیں اور دوسری شخص سے بھی اور انسان ہونے کی حیثیت جس کو جسز دوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حیثیت کی باتیں قیاس و خیال کے زیر اثر ہوتی تھیں ان کے ماننے کے ہم مکلف نہیں۔ جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۴۔ جب وہ تحقیق پڑھ کر یہ محسوس کر لیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں ان میں بھی غلطی کا امکان ہے تو پھر اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بلا چون و چرا صحیح تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی (نعوذ باللہ) معیار حق اور عقیدہ سے بالاتر نہیں ہے۔ ان کے اقوال و افعال کو خوب جانچا اور پرکھا جائے کہ کس حیثیت کے ہیں جزو اول کے قبیل سے ہیں یا جزو دوم کے بحیثیت رسالت ہیں یا بحیثیت شخصی صحیح ہیں یا غلط۔ نقل و روایت کے لائق ہیں یا نہیں بہر حال جس درجے میں پائے جائیں اس درجے میں ان کو رکھا جائے گا۔ جب وہ تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو اجزاء پر مشتمل دیکھتا ہے تو اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو ذخیرہ احادیث ہے وہ اسی طرح وحی و قیاس اور صحیح و غلط کا ایک مرکب مجموعہ ہے۔ جو قابل اعتماد نہیں، معلوم نہیں جس حدیث کو ہم آج صحیح سمجھ رہے ہیں غلط ثابت ہو جائے اور نقل و روایت کے لائق نہ رہے جیسا کہ مجال کی حدیثوں کو سلف صالحین صحیح سمجھ رہے تھے اور نقل و روایت کرتے چلے آ رہے تھے مگر سارے تیرہ سو برس بعد آج وہ خود مولانا ہی کی تحقیق سے غلط ثابت ہو گئیں۔

۶۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عقیدہ بنتا ہے کہ پوری امت و مجال کے معاملہ میں غلطی میں مبتلا نہیں رہا اس کے زمانہ و مقام وغیرہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کو برحق سمجھ رہا تھا اور بَلَّغُوا عَنِّي مَوْكُوفًا يَدُوكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِي كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کے تحت ان کی نقل و روایت کرتی ہیں جا رہا تھا مگر (باقی صفحہ ۲۱ پر)

ڈاکٹر محمد یوسف خاں
شعبہ عربیہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

متنبی

عربی شاعری کا منفرد شاعر

ابو قتیبہ متنبی جدتِ ادا اور اشاںِ محکم کا امام تھا۔ خصوصاً وہ معرکہائے جنگ کو اس طرح نئے نئے انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس کے الفاظ میں بہادر اور نبرد آزما سورموں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اس کے اشعار پڑھتے پڑھتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ کارزار گرم ہے۔ جنگ آزما بہادر برق و دش تلواردوں اور گندی نیزوں کے ساتھ شدید ضرب و پیکار میں مصروف ہیں۔ ساتھ میں معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے جواہر پارے آسمانِ ادب سے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔

شریف رضی نے لکھا ہے کہ متنبی سید سالار ہے۔ جس کے الفاظ سے لوگوں کی نظروں کے سامنے ایسے شیر دل بہادروں کے خوفناک اور بارعب چہرے آجاتے ہیں۔ جو ہتھیاروں سے مسلح حملہ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔

علامہ ثعلبی نے اپنی کتاب یتمة الدھر میں ایک مستقل باب قائم کر کے متنبی کے کلام پر تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس شاعر نے سیف الدولہ کو حیاتِ جاوید بخش دی ہے۔ اور اس کے ذکر کو زمین سے آسمان تک پھیلا دیا ہے۔ زمانہ میں جب تک چاند اور سورج طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے۔ اس کا کلام یاد رکھا جائے گا۔ اور اس کے اشعار گائے جاتے رہیں گے۔ اس کے ماننے والوں میں کچھ شیعہ ہیں۔ جو

اس کی مدوح سمرائی میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں۔ اور بعض خوارج ہیں جو اس کے کلام پر جرح کرنے میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔

متنبی کے اشعار امثال و حکم سے پُر ہیں۔ کوئی خطیب یا انشا پرداز ایسا نہیں جو اس کے اشعار سے مدد نہ لیتا ہو، عربی زبان اس کے کلام کی وجہ سے بلیغ صنائع اور جدید استعارات و کنایات سے مالا مال ہو گئی۔ معنی آفرینی، طرز ادا میں جہدت، دقیق انکار کو حسن ادا کے قالب میں ڈھالنا۔ نئے نئے اسلوب بیان کو استعمال کرنا اس کی شاعری کی خصوصیات میں سے ہیں۔

متنبی دل کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ بے چین دل کی کردوٹوں سے خوب واقف تھا، اس لئے اس کے اشعار زبانوں پر ایسے چڑھے رہتے تھے کہ فضا اس سے گونج اٹھتی تھی۔ اس کے کلام میں جادو تھا، اور الفاظ میں شیرینی اس کے نغمات نے کانوں کو ایسا مسحور کر لیا کہ وہ ان میں کھو کر رہ گئے۔ اور اس کے اشعار کے قالب میں ڈھال ہوئی تصویریں آنکھوں میں کھپ کر رہ گئیں۔

ابن الاثیر نے کتاب الوسی المرقوم میں لکھا ہے کہ جب میں ۵۹۶ھ میں مصر گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ لوگ متنبی کے اشعار کے بڑے گردیدہ ہیں۔ میں نے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو قاضی عبدالرحیم البیانی جیسے فاضل نے کہا اور سچ کہا۔ ان ابوالطیب نبطی عن خواطر الناس“

اسی طرح ابن رشیق نے کتاب العمہ میں بڑے بڑے شعراء عرب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”ثم جاء المتنبی، فملا الدنيا“

متنبی ان طباع شعراء میں سے تھا جو معنی آفرینی اور تخنیل کی بلند پردازی کے مقابلہ میں الفاظ کی تحسین اور صنائع نضلی کے اصول و قواعد کی قطعی پروا نہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان نوابغ میں سے تھا۔ جو فطرت کی طرف سے شعر گوئی میں

ماہرانہ کمال رکھتے تھے۔ ان کے آئینہ دل میں جو بات بھی منعکس ہوتی ہے وہ بالکل نئے نئے انداز میں اور اچھوتے اسلوب میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ ان میں اور دوسرے شعراء میں وہی فرق ہے۔ جو سونے اور پتیل میں ہے۔

قصیدہ گوئی میں متنبی کا امتیاز

عہد بنو امیہ میں اخطل، جسیر اور فرزدق پھر در عباسیہ میں بشار مروان بن ابی حفصہ، ابو نواس، ابوتام، بختری، اور متنبی عربی شاعری کے بڑے نامور شعراء میں سے ہیں۔ اور یہ سب بہت بلند مرتبہ تھے۔ لیکن ان میں متنبی کے علاوہ کسی نے قصیدہ گوئی میں تمام اصناف شاعری کو قربان نہیں کیا۔ یہ صرف متنبی تھا جس نے قصیدہ گوئی کو عروج کمال پر پہنچا دیا۔ اس نے شاعری کو اس حد تک کسب معاش کا ذریعہ بنایا کہ قصیدہ گوئی اور کاسہ لیبی دو مترادف الفاظ بن کر رہ گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متنبی سرزمین عرب کا سب سے بڑا قصیدہ گو شاعر تھا۔ اس کی شاعری میں تمام فنی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ الفاظ کی کثرت، تشبیہ کی بلانت، استعارہ و تمثیل کی لطافت، مضمون کی گہرائی، طرز ادراکی دلکشی، جدت طرازی اور مبالغہ آرائی جو قصیدہ کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ پھر اس نے قصائد کا اتنا بڑا مجموعہ چھوڑا ہے کہ اگر ان کو اس کے صحیح دیوان سے الگ کر لیا جائے تو باقی اشعار اس کے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں رہ جاتے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس میں وہ یقیناً منفرد ہے۔

دوسری خصوصیت جس کی وجہ سے اس کے قصائد ایک ممتاز مرتبہ پر فائز ہیں یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری سیف الدولہ کے سنہرے دور میں اس کے ساتھ شریک جہاد ہو کر پروان چڑھائی ہے۔ اس موقع پر اس نے جو اشعار کہے ہیں وہ اس

قدر پر جوش اور دولہ انگیز ہیں کہ بجائے خود اس کی شاعری کا ایک باب بن گئے ہیں یہ ایسا امتیاز ہے جو شعر اور عرب میں کسی کو حاصل نہیں۔

تیسری خصوصیت اور سب سے بڑا امتیاز جس پر منتہی کے قصر شاعری کی بنیاد ہے جدت طرازی ہے۔ شاعری اس کے نزدیک معنی آفرینی کا نام ہے۔ نہ کہ تافیر پیمائی کا۔ شاعری میں سارا کھیل کہنے کے انداز کا ہے متبنی نے جو کچھ کہا ہے وہ صنائع و بدائع کی خاطر نہیں کہا ہے۔ بلکہ اختراع معانی کی صناعی سے ایک نیا پیکر خیال پیش کیا ہے۔ یا پھر کسی پامال خیال کو اپنی جگہ رکھ کر طرزِ ادا کی جدت سے اس میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ یا پھر نئی تشبیہات و استعارات سے صہبانے کہن کو نئے شمیمشوں میں پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا بڑا امتیاز ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

(بقیہ منٹکا) آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد یہ غنطی ظاہر ہوئی۔ اور مولانا کی بدولت معلوم ہوا کہ اب ان چیزوں کی اس طرح نقل و روایت کرنا نہ اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ حدیث کا صحیح فہم ہی ہے۔

۴۔ جب وہ تحقیق میں رجال کی حدیثوں کی نسبت جو علوم غیب اور امور دین سے متعلق ہیں قیاسی اور ناقابلِ حجت ٹھہرانے کیلئے حدیث تاہیر نخل سے مولانا کا استدلال دیکھتا ہے تو وہ گھٹتا ہے کہ حدیث تاہیر نخل انکار حدیث کیلئے ایک ایسا حربہ ہے۔ جس کی مثال دیکر جس حدیث کو چاہو، مجرد کر دو۔ مضائقہ نہیں۔

یہ مذکورہ بالا عقائد جو ایک خالی الذہن اور سادہ مزاج شخص کے دل میں تحقیق کے پڑھے سے پیدا ہو رہے ہیں۔ کس قدر غلط اور خلافِ دین اسلام ہیں۔ اس کو اب آئندہ مسطور میں ملاحظہ فرمائیے۔

دَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

جدید کتابیں

تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ضروری ہیں۔
 شہید کربلا تاریخ و مذہب کی روشنی میں، مؤلف، مولانا قاضی زین العابدین سجاد علی
 تقی خرد، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، صفحات ۱۷۸، مجلد مع کور، قیمت درج نہیں، ناشر
 مکتبہ علمیہ قاضی منزل، قاضی امٹریٹ میرٹھ، یو، پی، موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اسلامی
 تاریخ کا یہ ایک نازک ترین موضوع ہے۔ جس پر ہر دور کے اصحاب قلم اپنے اپنے انداز تحقیق سے
 لکھتے آتے ہیں۔ لیکن ان میں گنتی کے چند ہی مصنف ایسے ہیں جو افراط و تفریط کی آلودگی سے
 اپنے قلم کو محفوظ رکھ پاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا مطالعہ بتا رہا ہے کہ حضرت قاضی صاحب بھی
 انہیں خوش بخت مصنفین کی فہرست میں شامل ہیں۔ کتاب شہید کربلا اگرچہ اوراق کی ضخامت
 کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن موضوع سے متعلق مستند، مفید اور مناسب منہ بجا اور نقول کے لحاظ سے
 اس قابل ہے کہ اس موضوع لکھی گئی ضخیم کتابوں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکتی ہے شروع
 میں پس منظر کے طور پر خلافت راشدہ اور حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے عہد کے
 ساتھ یزید کے دور حکومت پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ آخر میں "صحابہ کرام کے اختلافات
 کی نوعیت" کے عنوان سے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں بڑی معتدل بحث کی گئی ہے جو
 خاصے کی چیز ہے۔ امید کہ علمی حلقوں میں کتاب پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی

بابری مسجد تاریخی پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں، مرتبہ جناب سید

صباح الدین عبدالرحمن صاحب، تقی طبع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ۔ صفحات ۱۵۶ قیمت ۲۱/۲۵

شائع کردہ دارالمنین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ۔ باری مسجد اجمودھیا ہندوستان کی وہ بد قسمت مسجد ہے۔ جس پر انتظامیہ اور عدلیہ کی سازش سے ناجائز قبضہ کر کے مندر میں تبدیل کر دیا گیا اور آج اس میں اشرکوں کی عداوتیں بلند ہونے کے بجائے سنگھ اور گھنٹہ کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں اسی مسجد کی مسجدیت کو مستند تاریخی حوالوں اور ناقابل تردید نقول سے ثابت کیا گیا ہے اور نواب راجد علی شاہ دالی اودھ کے دوسرے لیکر آج تک اس مسجد کے خلاف جو کوششیں ہوتی رہی ہیں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ زبان دربان کی خوبی و منانیت اور تحقیق و تدقیق کی اہمیت کیلئے مرتب کا نام ضمانت کے لئے کافی ہے۔ البتہ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں ہیں۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں انہیں ٹھیک کر دیا جائے گا۔ بڑے کتبے کی آخری دو سطروں کی عبارت یہ ہے۔ "تمت ہذا التوحید و نعت و مدح و صفت نور اللہ برہانہ خطا عبد الضعیف خیف فتح اللہ محمد غوری، اس عبارت کے انکشاف سے یہ بات مزید معلوم ہو گئی کہ اس کتبہ کے کاتب کوئی فتح اللہ غوری ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں اس کا اضافہ مناسب ہو گا۔

تاریخ قضاة و مفتیان بھوپال؛ - تالیف مولانا قاضی سید عابد علی دہری این ایس سی
تقطیع خورد، کاغذ بہتر، کتابت و طباعت معمولی، جلد صفحات ۳۷۵ - قیمت ۳۵ روپے - ملنے کا پتہ۔ بھوپال، بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال،

قاضی صاحب کی بھوپال سے متعلق یہ چوتھی تصنیف ہے۔ اس سے پہلے تاریخ ریاست بھوپال، تحریک آزادی ہند میں بھوپال کا حصہ انقلابی سوانح مولانا برکت اشر بھوپالی، ہوصوف کے قلم سے نکل کر شائع ہو چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، بھوپال کے قاضیوں اور مفتیوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں مؤلف ہی قلم سے مبسوط مقدمہ ہے، جس میں دارالقضاء کی تاریخ، اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صفحہ ۷۷ سے قضاة اور مفتیان کا تذکرہ شروع ہوا ہے۔ پوری کتاب میں ۲۱ قاضی اور ۲ مفتی کے حالات درج

کئے گئے ہیں۔ کتاب جانفشانی اور تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ لیکن کتابت، تصحیح اور طباعت کے سلسلہ میں سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر کتابت کی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ مثلاً ص ۲۹ سطر ۵ میں خدا کے رسول کی جگہ خدا رسول ہے۔ ص ۵۰ سطر ۳ میں احکام نے استنباط کا سہرا چھپا ہے، جبکہ احکام کے ہونا چاہئے۔ اسی طرح ص ۵۹ سطر تین پر ان کی دو بیٹیاں تھیں لکھا گیا ہے جبکہ دو بیویاں تھیں، ہونا چاہئے امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں ان غلطیوں کو درست کر دیا جائے گا۔ ان کتابتی اور طباعتی کوتاہیوں کے باوجود کتاب لائق مطالعہ ہے۔ اور ہندوستان کی علمی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اچھا مواد فراہم کرتی ہے۔

ماہنامہ الفاروق کراچی، افغان جہاد جنرل، مرتبہ مولانا عبید اللہ خالد، کاغذ گلنیز، کتابت عمدہ، طباعت آفسیٹ، خوشنما سرورق، صفحات ۱۰۴، قیمت ۱/۱ روپے پستہ۔ دفتر الفاروق جامعہ فاروقیہ کراچی۔

ماہنامہ الفاروق کراچی اپنے مضامین کے تنوع اور حسن ترتیب کے اعتبار سے پاکستان کے دینی جسراند میں اپنا خاص مقام رکھتا ہے۔ زیر نظر شمارہ مجاہدین افغانستان کی داستان عزیزیت کے لئے مخصوص ہے۔ جس میں تقریباً ۲۰ نمونائے کتابت کے تحت اصحاب قلم کے مقالات درج... ہیں۔ اکثر مضامین جہاد اور مجاہدین افغانستان ہی سے متعلق ہیں۔ میدان جنگ کے جا بجا فوٹو بھی دئے گئے ہیں۔ جس سے نمبر کی افادیت دو بالا ہو گئی ہے مولانا زبیر احمد خالد کمانڈر حسرت الجہاد الاسلامی کا ولولہ انگیز پیغام اور ڈاکٹر عبداللہ عظیمی کا مقالہ "ہم جہاد کیوں کرتے ہیں۔ خلاصے کی چیز ہیں۔ الحاصل نمبر ظاہری اور معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ البتہ ایک دفعہ کا ذکر ہے" کے عنوان سے جو مقالہ ص ۲۱ سے شروع ہوا ہے۔ اس کے خطا کی باریکی مطالعہ کرنے والوں کے لئے بار خاطر ضرور ہوگی۔

ادبیتا غزلہ

سید محمود رمنال آبادی

مجھے زندگی کی خبر ملے مجھے آگہی کی نظر ملے
 مجھے رہنما خیال میں کہیں وہ جو بار دگر ملے
 کبھی سونے راہِ حرم چلے کبھی تنگدے میں ٹھہر گئے
 تری جستجو کے دیار میں کئی رہبرانِ سفر ملے
 یہ حصاِ رنم، یہ روانے شب، تری یاد کے ہیں اسیر سب
 مرے غمگدہ میں تو آ بھی جا مجھے سے تو مفر ملے
 جو خودی پہ تیرا یقین ہو تو کٹیں سلاسلِ بندگی !!
 اسی کارزارِ حیات میں تجھے ہر قدم پر ظفر ملے
 اُسی سمت ہی میں بناؤں گانیا ایک کعبۂ کافراں
 کہیں شاہراہِ حیات میں ترا نقشِ پا جو اگر ملے
 ہے فصیلِ شب میں گھرا ہوا وہی صندلیں سا رخِ حسین
 وہ مٹائے زلف اگر کہیں تمہیں کاروانِ سحر ملے
 بڑی ہونگی مجھ پہ عنایتیں بنے غمگدہ بھی تسر بکف ،
 کبھی بھولے سے چلے آئے سیراہِ مرا جو گھر ملے
 میں تھارمز جس کے شعور کا میرے ساتھ وہ بھی نہ چل سکا
 مجھے رہ نوردی سے کام ہے مجھے کیوں رفیقِ سفر ملے،

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

کَلَامُ الْعُلَمَاءِ

سِرِّ سُنَّتِ

حَضْرَتِ مَوْلَانَا مِرْغُوبِ الرَّحْمَنِ ضَاہِقِ مَہْتَمِ كَلَامِ الْعُلَمَاءِ

مَدِیْنِ

حَبِیْبِ الرَّحْمَنِ قَائِمِ



کتاب العالیٰ بین کاتبان

دائرۃ العلوم

شمارہ نمبر ۱ بابہ ماہ جنوری ۱۹۸۲ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ جلد نمبر ۱

نصاب

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مدیر

سالاںہ
30/-

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پروجہ
3/-

سالاںہ بدل اشتراک { سعودی عرب، کویت، ابوظہبی جنوبی و مشرقی افریقہ برطانیہ/ 160
بیرون ممالک سے { امریکہ، کناڈا، وینسیرہ، ہڈیوے ایریل — 160/-
پاکستان - 60/- ہندوستانی، بنگلہ دیش - 40/- ہندوستانی

شرح نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتادون ختم ہو گیا۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	سکویہ کا تلفظ - ایک علمی تحقیق	از حضرت مولانا حکیم محمد رضا صاحب مدظلہ العالی حبیب حسینی	۷
۳	مسلم پرسنل لاء اور طلبہ برادری	مولانا عبدالحمید نعمانی قاسمی	۱۶
۴	عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نانو توئیؑ	حافظ محمد اقبال باغپشتر انگلینڈ	۲۲
۵	مولانا اودودی کی تحقیق، حدیث جمال پر لیکچر	مولانا عبدالقدیان اعظمی	۳۵
۶	روس میں ترجمہ قرآن مجید	مولانا ابوالکلام قاسمی سلیم	۴۱
۷	جدید مطبوعات	مدیر	۴۵
۸	غزل	سید محمود رزائیڈ کیٹ	۴۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

۱- ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرست میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ د/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی دالہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظاً فرمائیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ والسلام منیر رسالہ

حَرْفِ آغَاذ

حَبِيبُجَّةُ الرَّحْمٰنِ الْقَاسِمِيُّ

فرقہ شیعہ اپنے ابتدائے وجود سے آج تک مسلسل مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوشاں ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ ملکر اسلام اور مسلمانوں کو صغیر ہستی سے مٹا دینے کیلئے سرگرم عمل ہے۔ حضرت عثمان غنی داماد رسول و خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت اور ان کی شہادت ۳۳ھ ۶۵۵ء سازش عبداللہ ابن سبا و جہ شیعیت جنگ جمل ۳۶ھ ۶۵۶ء، جنگ صفین ۳۷ھ ۶۵۷ء بہ سازش پیردان ابن سبا سقوط خلافت عباسیہ اور مسلمانوں کا قتل عام ۱۳۵۸ھ ۱۶۵۷ء بہ سازش شیخ اشعیر نصیر طوسی اور وزیر طلحہ شیعہ، نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کی تباہی اور علمائے اسلام کی تزییل و اہانت ۱۳۵ھ ۱۶۳۲ء سلطان ٹیپو کی شہادت اور ریاست میسور پر انگریزوں کا قبضہ ۱۱۶ھ ۱۸۰۳ء بہ سازش میر صادق شیعہ، ریاست چوہدریس پر گنہ بنگال کا سقوط اور انگریزوں کا تسلط ۱۱۷ھ ۱۸۰۴ء بہ سازش میر جعفر شیعہ، حکومت روہیلہ کا خاتمہ ۱۱۸ھ ۱۸۰۵ء بذریعہ شجاع الدولہ وغیرہ سیکرڈن قیامت نما حادثات ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو محض شیعوں کی فتنہ پردازیوں کی بنا پر دروچار ہونا پڑا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان پیہم عنادوں کے باوجود عام طور پر علماء دین انکی تکفیر کے سلسلے میں خاموش رہے۔ کیونکہ تفسیر اور کتمان مذہب کی وجہ سے ان کے عقائد و نظریات کی صحیح حقیقت واضح ہو کر سامنے نہیں آئی تھی۔ لیکن پریس کے ایجاد نے جب علمی کتابوں کی

اشاعت عام کر دی تو ان کی کتابیں بھی علمائے اسلام کے ہاتھوں میں پہنچیں جن کے مطالعہ سے تقیہ و کتمان کا غبار ان کے عقائد سے صاف ہو گیا۔ اور علماء اسلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرقہ اثنا عشری اپنے کفر یہ عقائد کی بنا پر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ پر فرشتے وحی لیکر نازل ہوتے ہیں۔ (الجامع الکافی ص ۱۷۷) ائمہ کا مرتباً نبیاء و رسول سے بھی بلند تر ہے۔ (الحکومتہ الاسلامیہ خمینی ص ۵۲)۔ ائمہ کی تعلیمات احکام قرآنی کی طرح واجب الاتباع ہیں (الحکومتہ الاسلامیہ خمینی ص ۱۱۳) رسول کی اطاعت کی طرح ائمہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ (الکافی ۱۰۹) ائمہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں (الکافی ص ۱۷۷) شیعوں کے ان عقائد سے ختم نبوت کا اجماعی و قطعی عقیدہ باقی نہیں رہتا جب کہ علمائے اہل سنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس عقیدہ کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کافر، منافق، اور زندیق میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اوقال ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوة ولكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يبعث الله بعدك احد نبی و اما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثاً من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب فهو موجود في الائمة بعدا فذلك هو الزنديق وقد اتفق جماهير المتأخرين من الحنفية والشافعية على قتل من جرى هذا المجرى (المسوی شرح معطوطا ج ۲ ص ۳۰) کتب خانہ حمید سبکی دہلی یا اقرار کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی کہنا جائز نہیں ہے۔ البتہ حقیقت نبوت یعنی کسی انسان کا اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجا جانا، اس کی اطاعت و بیروی کافر بننا، گناہوں سے معصوم ہونا تو یہ صفات و خصوصیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ناموں میں موجود ہیں تو ایسا کہنے والا زندیق ہے۔ متأخرین علمائے احناف و شوافع باتفاق اس طرح کے عقائد رکھنے والوں کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں فرقہ اثنا عشری تحریف قرآن کا بھی قائل ہے۔ چنانچہ اس فرقہ کے اہم اسکالر
 الحدیث المجتہد علامہ حسن بن محمد تقی النوری الطبرسی المتوفی ۱۲۳۲ھ نے اس موضوع پر فصل
 الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ جس میں
 وہ اثنا عشری کے تیسریں جلیل القدر محدثین، مفسرین اور مجتہدین کا نام شمار کرانے کے بعد
 لکھتے ہیں کہ یہ سب علماء تحریف قرآن کے قائل ہیں (فصل الخطاب ص ۱۳۰) مجتہد طبرسی
 اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ مشہور محدث سید نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ ائمہ کی
 جن روایتوں سے تحریف قرآن کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ دیکھنا ہزاروں سے زائد ہیں اور علماء کی
 ایک جماعت ان کو متواتر مانتی ہے (فصل الخطاب ص ۲۳۷)

فرقہ اثنا عشری کا یہ دعویٰ بھی موجب کفر ہے۔ علامہ قاضی عیاض متوفی ۵۴۲ھ لکھتے
 ہیں: «وکنذلك من انکار القرآن اذ حرقا منه او غیر شیئاً منه او زاد فیہ»، الشفا
 ص ۲۶۲) اسی طرح وہ بھی کافر ہے جس نے قرآن یا اس کے کسی ایک حرف کا انکار کیا
 یا اس میں رد و بدل اور زیادتی کی علامہ بحر العلوم متوفی ۱۲۳۵ھ تحریف قرآن کے قائل
 کو کافر لکھتے ہیں (فوائح الیوت ص ۶۱۷)

اثنا عشری فرقہ کے ان عقائد کے منظر عام پر آجانے کے بعد علمائے امت کیلئے اس کے
 علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا کہ اس فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیں۔ کیونکہ کافر کو
 کافر نہ کہنا اسے مسلمان تسلیم کرنا ہے جو شریعت کی نگاہ میں جرم عظیم ہے۔ "ادخال کافر فی
 الملۃ و اخراجه مسلماً عنہا عظیم فی الدین" (لاکفار الملحدین ص ۲۰) کافر کو اسلام
 میں شامل کرنا اور مسلمان کو ملت سے خارج کرنا از روئے دین کے (دوہوں) جرم عظیم
 ہیں۔ اس لئے کسی فرد یا جماعت سے کفریہ عقائد کے ظاہر ہو جانے کے بعد اس کی تکفیر سے
 گریز کسی طرح بھی درست نہیں ہے بلکہ علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کے کفر کو
 ظاہر کر دیں تاکہ دوسرے مسلمان ان سے اور ان کے باطل عقائد سے دور رہیں۔

چنانچہ ۱۳۸۸ھ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے ایک فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے علمائے دیوبند نے متفقہ طور پر فرقہ اثنا عشری کی تکفیر کی تھی۔ بعد میں یہ فتویٰ کتابی شکل میں شائع ہو گیا تھا۔ جس کا جدید ایڈیشن اضافہ کے ساتھ حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ ادھر ماضی قریب میں ایران کے اندر سیاسی انقلاب کے بعد جمینی حکومت کی طرف سے جس شد و مد کے ساتھ پُر فریب انداز میں شیعیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ علمائے اسلام خصوصی طور پر اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ یہ ضرورت اس لئے اور بڑھ گئی ہے کہ بعض اسلامی جماعتیں سیاسی مفاد یا اپنے زینے اور کجی کی بنا پر ایران کے شیعہ انقلاب کو اسلامی انقلاب بنا کر مسلمانوں کو اس کی تائید و حمایت کی دعوے دے رہی ہیں۔ اس لئے عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم (منعقدہ ۲۹/۳۰/۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء) کے موقع پر اسی تقاضائے شرعی کے تحت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ایک تجویز پیش فرمائی جو بحث و تمحیص کے بعد اجلاس نمائندگان میں منظور کر لی گئی تجویز کا متن یہ ہے۔

یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ شیعہ اثنا عشری مسلک کا، جو نئی زمانہ دنیا کے شیعوں کی اکثریت کا مسلک ہے اور ایران میں اسی مسلک کے کہنے والوں کے ذریعہ ماضی قریب میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جس کو اسلامی انقلاب کہہ کر عالم اسلام کو زبردست دھوکہ دیا جا رہا ہے، اس مسلک کا ایک بنیادی عقیدہ، عقیدہ امامت براہ راست ختم نبوت کا انکار ہے۔ اسی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ نے صراحت کے ساتھ ان کی تکفیر کی ہے۔ لہذا یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت اعلان کرتا ہے کہ یہ مسلک موجب کفر اور ختم نبوت کے خلاف پُر فریب بغاوت ہے۔ نیز یہ اجلاس تمام اہل علم سے اس فتنہ کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اپیل کرتا ہے۔

اجلاس کی جو رپورٹ گذشتہ سے پوسٹہ شمارے میں شائع ہوئی تھی غلطی سے یہ تجویز اس میں نہیں آسکی تھی حالانکہ اس تجویز کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے نمایاں طور پر شائع کیا جاتا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی اور شرکائے اجلاس سے معذرت کے ساتھ تجویز شائع کی جا رہی ہے۔

العذر عند کرام الناس مقبول

مسکوویہ کا تلفظ ایک علمی تحقیق

از حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی

ابن مسکوویہ (المتوفی ۱۲۳۲ھ) اس نام کی ایک عظیم شخصیت آل بویہ یعنی ویلیمیون کے دور حکومت میں گذری ہے۔ اس خاندان کے سلاطین و امراء خود بھی بڑے صاحب علم و فن تھے اور دوسرا باب علم و فن کے قدرواں بھی تھے۔ اسی عہد میں شیخ بوعلی ابن سینا جیسے ماہر فن طبیب و فلسفی اور بدیع الزماں ہمدانی جیسے جامع الفنون نامور ارباب کمال بھی تھے۔ جن کا ملک کے گوشے گوشے میں چرچا تھا۔ اس زمانہ میں ابن مسکوویہ کا بھی علمی شہرہ ہوا اور خوب ہوا۔ اس زمانے کے تمام مروجہ علوم و فنون پر اس نے بے مثال کتابیں تصنیف کیں۔ طب، منطق، طبیعیات، الہیات، ریاضیات، اخلاقیات، کیمیا، سارے مضامین پر اس نے داد تحقیق دی،

یہ شیخ بوعلی ابن سینا اور ہمدانی سے ذاتی تعلقات بھی رکھتا تھا، الغرض یہ شخص آل بویہ کا ایک ایسا نامور فرد فرید ہے کہ صدیوں سے مجالس علم و ادب میں اس کا بھی ذکر خیر اصحاب علم کی زبانوں پر آتا رہتا ہے۔ اور آج بھی طلبہ علم اور شیدایان تحقیق اس کی تحقیقات و خیالات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی تقریب سے باہمی علمی گفتگو

میں کبھی کبھی اس فلسفی کا نام بھی زبانوں پر آتا ہے۔
یہ فلسفی بین الاقوامی مقبولیت کی بنا پر ہر ملک کے حلقہ علم میں قابل ذکر شخصیت ہے۔ مگر چونکہ خطہ ایران کے علاقے رے سے رشتہ زاد ولوم رکھتا ہے اس لئے ایرانی دانشوروں کو اس سے عمومی دلچسپی ہے اور عرب اور دوسرے ملکوں کے ارباب دانش اور فضل و کمال بھی اس میں عمومی رغبت رکھتے ہیں۔

ایک دن میرے ایک مہمان نے جو بڑے علم دوست، محقق اور پی، ایچ، ڈی ہیں اور ایک مشہور یونیورسٹی سے تعلیمی تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ سے ذاتی علاقہ اور محبت کی بنا پر اس فلسفی کے نام "مسکوویہ" کے صحیح تلفظ کے بارے میں سوال کیا اور ساتھ ساتھ اس لفظ کے صحیح تلفظ کے بارے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بھی سنایا کہ۔
— میں نے اپنے ایک بزرگ استاذ، پروفیسر کی مجلس علمی میں "مسکوویہ" میرے اس تلفظ پر انھوں نے مجھے ٹوکا اور تعجب سے کہا کہ "تم بھی اردوں کی طرح یہی تلفظ کرتے ہو؟ اس کا صحیح تلفظ ہے۔" بکسر اللیم، بسکون سین، بضم کاف، بفتح یا۔ یعنی "مسکوویہ" اور حوالہ میں کسی ایرانی پروفیسر کا نام لیا جس نے ان کو بھی اسی طرح اس کے تلفظ پر ٹوکا تھا۔

یہ سن کر میں نے تو اس کے تلفظ کے بارے میں اپنی معلومات کی بنا پر اپنے مہمان کو اپنی رائے بتادی تھی، مگر مزید تحقیق کا وعدہ کر لیا۔ اس لئے اس واقعہ کی نوعیت نے مجھے اپنی طرف خاص طور پر متوجہ کر لیا تھا۔ اور مجھے بھی اس سے گہری دلچسپی ہو گئی تھی۔ چنانچہ طالب علمانہ تفتیش و تحقیق شروع کر دی، مجدہ تعالیٰ ایک صحیح اور واضح نتیجہ پر میں پہنچ گیا۔ جس سے خوشی ہوئی اور معلومات میں اضافہ بھی ہوا اس مرحلہ پر جی چاہا کہ دو مسکراہل علم دوستوں کو بھی مشرک مسرت کروں، اسی غرض سے یہ چند سطریں قلم بند کر دی ہیں۔

غور کرنے پر درج ذیل چیزیں اس سلسلہ میں سامنے آئیں۔

۱۔ یہ سوال صرف لفظ "مسکویہ" کے تلفظ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس وزن اور وضع کے جتنے بھی اعلام و اسماء ہیں سبوں کے تلفظ کا یکساں سوال ہے۔ ادنیٰ توجہ سے اس قسم کے چند ناموں کی ایک فہرست بن گئی۔ جو درج کر رہا ہوں۔ یہ نام بڑے حکماء، علماء، اطباء اور محدثین کے ہیں، اپنے، اپنے فن کے یہ حضرات امام ہیں اور اسی تقریب سے کتب علم و حکمت میں ان حضرات کے نام آتے ہیں۔

(۱) سیبویہ (۲) اسحاق بن راہویہ (۳) ابن مندویہ (۴) ماسر جوہیہ، (۵) سلمویہ (۶) ماسویہ (۷) نردویہ (۸) دوستویہ (۹) ابن بختویہ (۱۰) ابن خالویہ (۱۱) نطفویہ (۱۲) حکمویہ (۱۳) بویہ (۱۴) بابویہ (۱۵) زادویہ (۱۶) شاہویہ۔ یہ ایک مختصر فہرست ہے ان ناموں کی جو لفظ "مسکویہ" کے مماثل ہیں۔ پس اس کا جو صحیح تلفظ ہوگا وہی تمام اسمائی مذکورہ کا ہوگا۔

(۲) یہ تمام اسماء دو لفظوں سے مرکب ہیں، جسز اول وہ حصہ ہے جو لفظ "ویہ" سے قبل ہے اور جسز دوم خود لفظ "ویہ" ہے، مثلاً "مسکویہ" جسز اول "مسک" ہے اور جسز دوم "ویہ" ہے اسی طرح دیگر اور اسمائی مذکورہ کا تجزیہ کیا جائے گا۔

۱۳۔ ان اسمائی کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو فوراً یہ محسوس ہوگا کہ یہ اسمائی اپنی فطری وضع اور بناوٹ کے لحاظ سے عجمی نژاد ہیں اس لئے کہ ان ناموں کا جز اول یا تو خالص فارسی لفظ ہے۔ یا اگر عربی ہے تو اہل فارس نے فارسی میں اسے داخل کر کے فارسی کا درجہ دے دیا ہے۔ اور ایرانی ڈھنگ سے اس کی ترکیب کی گئی ہے۔

۱۴۔ اور رواج و چلن کے اعتبار سے جس طرح ایرانیوں میں یہ اسماء مروج ہیں اسی طرح سے عربوں نے بھی اُسے اپنے ہاں قبول کیا ہے۔ عربی لغات و نحو کی کتابوں میں

بھی علمی طور پر ارباب علم نے ان اسامی کی بناوٹ اور تلفظ اور اعراب و دیگر قواعد کے بیان میں ان اسامی کا ذکر بطور سند پیش کر کے ان کو عربی ادب و زبان کا جز ہونے کا شرف بخشا ہے۔

۵۔ ایسی صورت میں لسانی تقاضے کے مطابق یہ ممکن ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں عمیوں اور عربوں کے تلفظ جدا جدا ہوں۔ جیسا کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کسی زبان کا لفظ دوسری زبان میں داخل ہو جاتا ہے تو اس زبان کے مزاج اور اہل زبان کے ذوق کے مطابق اس کا تلفظ دلچسپ ہوتا ہے اور یہ کبھی کبھی اس قدر اصل زبان کے تلفظ دلچسپ مختلف ہو جاتا ہے کہ یہ تیز شکل ہوتی ہے کہ یہ لفظ ذلیل ہے یا اس زبان کا اصل لفظ ہے۔

ان اسامی کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ گویا علمی الفاظ ہیں مگر عربوں نے اپنے یہاں ان کو اپنے ڈھنگ کا بنا کر لغات عربی میں داخل کیا اور ان کا تلفظ اپنی زبان کے مزاج کے مطابق کیا۔ عربوں کے یہاں ان الفاظ کی ایسی وضع بن گئی جو ایرانیوں، فارسیوں کے تلفظ سے بالکل جدا گانہ ہے۔

اصل حقیقت کی وضاحت کیلئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ چند محققین اہل لغت اور ماہرین فن لسانی و ادب کی رائیں نقل کروں تاکہ اصل سوال کے صحیح جواب کے تعین میں مدد مل سکے۔

(۱) القاموس۔

«وید» و تلسی الہاء و ویہا اغراء و تکلون للواحد والجمع والمذکر والمؤنث وکل اسم ختم بہ۔ کسیبویہ و عمر ویہ، یعنی لفظ «وید» میں ہا کو کبھی زیر دیدیتے ہیں اور کبھی اس کا تلفظ «ویہا» بھی کرتے ہیں۔ یہ لفظ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کسی کو کسی معاملہ میں ابھارنا بھڑکانا ہو، واحد جمع مذکر مؤنث ہر صورت میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے اور یہی صورت حال ہر اس

اسم کی ہے جس کا آخر ”ویہ“ پر ہو جیسے ”سیبویہ“ ”عمرویہ“

(۲) ابن خلکان

والعجم یقولون سیبویہ بضم الباء الموحدة وسكون الواو وفتح
الياء المتناة من تحتها، یعنی اہل عم سیبویہ کا تلفظ با کے ضمہ اور واؤ ساکن
یا مفتوحہ کے ساتھ کرتے ہیں یعنی سِيبُويَه

(۳) ابن خلکان

بویہ بضم الباء الموحدة وفتح الواو وسكون الياء المتناة من تحتها
وبعد ها هاء ساكنة (وفیات جلد اول صفحہ ۱۵۹) یعنی بویہ بار کو ضمہ اور واؤ کو فتح
اور یائے ساکن اور ہائے ساکن کے ساتھ تلفظ ہوگا بُوَيَه۔ (وفیات ج ۱ صفحہ ۱۵۹)
۴ :- السیوطی :-

نفظویہ :- قال یا قوت الحموی قد جعل ابن بسام بضم الطاء و
سكون الواو وفتح الياء (المزهر) یعنی یا قوت حموی نے کہا ہے کہ ابن بسام
نے نفظویہ کا تلفظ طاء کے ضمہ اور واؤ ساکن یا مفتوحہ کے ساتھ قرار دیا ہے
یعنی نفظویہ۔

(۵) صراح :-

”ویہ“ و يقال ویها یا فلان و تحریض کما يقال دونک یا فلان
یعنی، صلاہین، اے فلان۔ سیبویہ نام استاد نحو و لغت فہر اسام
بنی مع صوت فجعلنا اسما واحداً أو کسراً آخره وکذا عمرویہ و سعدیہ
ونفظویہ (صراح صفحہ ۱۵۵)

ویہ اور اس کا تلفظ ویہا بھی ہوتا ہے یہ لفظ تحریض کیلئے آتا ہے۔

سیبویہ، امام نحو و لغت کا نام ہے۔ یہ ایسا اسم ہے جو صوتی لفظ سے ملا کر بنایا

گیا ہے اور دونوں بل کر ایک اسم قرار پا گئے ہیں، اس کے اخیر یعنی لفظ ہار میں کسرہ دیتے ہیں۔ یہی حال عمرویہ و سعدویہ، لفظویہ کا ہے۔ صاحب صراح کی اس صراحت کے مطابق کہ یہ لفظ مرکب اور مبنی بر کسرۃ آخر ہے۔ اس کا تلفظ خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔ یعنی واؤ مفتوحہ اور ہائے ساکن کے ساتھ اس قسم کے مرکبات مبینہ اور یا غیر متصرفہ کے ملاحظہ ہو شرح جامی بحث اسم کے صفحات ۲۱۴ و ۲۱۵ بحث مرکبات)

اب ارباب لغات و ادب کی منقولہ تحریروں سے یہ واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ زیر بحث اسامی کے تلفظ میں عربوں اور ایرانیوں کی روش میں فرق ہے۔ اہل عرب یا ئے ساکن والی شکل پسند کرتے ہیں اور اہل عجم یا ئے مفتوحہ والی صورت کو اختیار کرتے ہیں۔

مذکورہ حوالوں کی روشنی میں علمی اور لسانی طور پر دونوں تلفظ صحیح ہیں۔ کسی ایک متعین تلفظ کو اختیار کرنے پر کسی کی تغلیط و تخطیہ بے بنیاد بات ہے۔ ایرانی پر دنیس صاحب کا اپنے ذوق و ماحول کے مطابق "مسکویہ" کے تلفظ میں ایرانی مذاق کی رعایت کی وجہ سے دوسروں کو اس کی ترغیب و تلقین تو بالکل درست و بجا ہے، اس لئے کہ زبانوں کی اصل حفاظت عصبيت ہما پر مبنی ہے جب تک کسی قوم کو اپنی زبان سے جذباتی و عصبی لگاؤ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک اس زبان کی ہیئت و خصوصیت باقی رکھنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کے خلاف اگر باعتبار لغت عرب صحیح تلفظ کوئی کرنا چاہے تو اس کی تغلیط نامناسب ہے۔ اسی طرح کسی عرب کا اپنے لہجہ خاص اور تلفظ خاص کا پابند بنانے کی وٹپی نظری ہے۔ مگر ایرانی تلفظ کے خلاف پر ہما اصرار کرنا غیر مناسب ہے۔

یہ الفاظ زیر بحث اہل عرب کی طرح اہل فارس کے یہاں بھی مرکبات میں سے ہیں اور دو جز پر مشتمل ہیں۔ اور دونوں جز الگ الگ با معنی ہیں اس کے تجزیہ کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ مسکویدہ :- اس میں پہلا جز ”مسک“ ہے۔ الگ با معنی لفظ ہے بمعنی مشک نافہ، مشہور، خوشبودار چیز اور دوسرا جز ہے ”ویدہ“، یہ لفظ فارسی میں ”چرخوش“ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ کشوری نے لکھا ہے۔ اب یہ دونوں جز کی ترکیب سے مل کر ایک با معنی مرکب لفظ ہو گیا۔ ”مسکویدہ“، یعنی اچھا مشک، یہی مرکب جب کسی شخص کا علم اور اسم بنا تو گو معنوی اعتبار سے اس جگہ یہ معنی مذکور مراد نہیں ہے۔ لیکن باعتبار تلفظ اس مرکب کا تلفظ وہی ہوگا جو عربوں کا تلفظ ہے۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور یہی حال اس کے مماثل اسماء کا ہوگا۔ مگر تجزیہ کی یہ صورت باعتبار تلفظ ان ایرانیوں اور فارسیوں کے نزدیک وقیع ہوگی۔ جو ان اسماء کا تلفظ عربوں کے انداز پر کرنا جائز خیال کرتے ہوں۔ مگر وہ حضرات جو عربوں کے بالمقابل ان اسماء کے تلفظ میں واؤ ساکن اور یائے مفتوحہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں ان کے اعتبار سے تجزیہ کی یہ صورت ہے کہ :-

۲۔ اس مرکب کا لفظ آخر ”یدہ“ قرار دیا جائے، فارسی میں یہ لفظ ”والا“ کے معنی میں آتا ہے جیسے کہ ”دورویہ“، ”دوجویہ“، ”چوپایہ“، اس صورت میں تلفظ ایرانیوں کا باقی رہے گا اور معنویت بھی باقی رہے گی۔ گو بصورت علمیت یہ معنی مراد نہ ہو۔

اب مسکویدہ کے معنی ہوتے، مشک والا، سیبویہ۔ رواں پانی والا، وغیرہ وغیرہ اس وضاحت کے بعد آسانی یہ حقیقت کھل گئی کہ ان اسماء کے تلفظ کے بارے میں خواہ عربوں کی روش اختیار کی جائے۔ خواہ اہل فارس کی، ہر دو طریقے لفظاً و معنیاً یکساں

سے درست ہیں۔

البتہ یہ ایک اہم سوال ہو سکتا ہے کہ ہندوستان ارباب علم و دانش زمانہ قدیم سے ان الفاظ کے تلفظ میں عربوں ہی کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟۔ اس سوال کا جواب میرے خیال میں یہ ہے کہ، ہندوستان میں زبان فارسی اور زبان عربی کی تعلیم کا پورا نظام بنیادی طور پر ان علماء کرام سے متعلق رہا جو دراصل عربی زبان و ادب کے ماہر اور اسی سے مذہبی ربط و تعلق زیادہ رکھتے تھے اور ان حضرات کا سلسلہ تعلیم بھی خاص عرب اساتذہ پر منتہی ہوتا ہے، ان حضرات نے عربوں سے جو کچھ سیکھا انہی لوگوں کے دھنگ سے سیکھا پھر ان لوگوں کی وساطت سے پورے ہندوستان میں جس قدر بھی نظم تعلیم کو وسعت ہوئی اس پر انہی لوگوں کے علمی اطوار کی چھاپ پڑی۔

کچھ اساتذہ کا اگرچہ سلسلہ تلمذ ایرانی اساتذہ پر منتہی ہوتا ہے مگر کچھ اسباب کی بنا پر ان لوگوں کا حلقہ ملک میں بہت ہی مختصر اور چھوٹا ہے جس کی بنا پر عموماً ہندوستانی ارباب علم ان لوگوں سے کچھ کم متاثر ہوتے، نتیجہ کے طور پر ہندوستانی فارسی دانوں کا انداز تلفظ اور لہجہ وغیرہ ایرانیوں سے ہٹ کر یا تو خالص عربی انداز کا ہو گیا یا ہندی، عربی ایرانی اختلاط کے زیر اثر ایک ایسی قسم کا ہو گیا جو ان تینوں زبانوں کے اصل لہجہ سے بالکل جداگانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے۔

انگریزی دور حکومت کے قبل ایرانی ہندی علماء کا آپس میں جو رابطہ تھا وہ انگریزی دور حکومت میں قریب قریب ختم ہو گیا۔ اس دور صدی میں بھی دونوں ملکوں کے اہل علم میں بہت دوری ہو گئی۔ اور اگر کچھ تعلق رہا تو وہ صرف ہندوستانی اہل تشیع حضرات کی بدولت۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا ایران سے مذہبی اور روحانی رشتہ بھی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر ایرانی مذاق علمی کا رواج صرف اہل تشیع حضرات کے محدود علمی حلقہ میں رہا۔ اس کے عمومی اثرات ہندوستان کے عام ارباب علم پر نہیں ہوئے بلکہ

ہندوستانی آبادی کا بڑا حصہ بالخصوص مسلمانوں کا تجارتی، سیاسی، مذہبی علمی لحاظ سے ارتباط عربوں ہی سے تھا۔ اور اب بھی ہے اس لئے زیادہ تر عربوں ہی کے علمی اثرات کا نفوذ ہوا۔ البتہ اب ہندوستانی یونیورسٹیوں میں فارسی زبان کا جو جدید نظام تعلیم رائج ہوا ہے۔ اس کے زیر اثر جو طلبہ فارسی زبان سیکھ رہے ہیں وہ بڑی حد تک ایرانی فارسی اثرات قبول کر رہے ہیں۔ اور یہی طلبہ رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں اس فارسی کی ترویج کا مضبوط ذریعہ بنیں گے۔ جو ایرانی لہجہ اور فارسی زبان کی اصل مزاج و مذاق سے مطابقت رکھے گی۔

ہندوستانی اور ایرانی طلبہ کا دونوں ملکوں کی یونیورسٹیوں میں آمد و رفت اساتذہ کے باہمی علمی تبادلے اور ان کی آپس کی میل ملاقات اس صورت حال کو روز بروز مستحکم بنا رہی ہے۔

ادھر ملک میں قدیم نظام تعلیم کا ڈھانچہ بے جان ہو رہا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اب یہاں کے ارباب علم، زبان عربی اور زبان فارسی کیلئے کوئی جدید راہ اختیار کر لیں جس کے واضح امکانات نظر آ رہے ہیں اور ان کی روشنی میں نئے خطوط پر تعلیمی نظام مرتب ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ الفاظ زیر بحث کا تلفظ عربوں کے ڈھنگ کا ہمارے ہندوستانی ارباب علم میں عربوں کے اثرات علمی کے نفوذ کا نتیجہ ہے۔ فقط۔



مسلم پرسنل لار اور طلبہ برادری

از۔ مولانا عبدالحمید نعمانی القاسمی۔ آئی۔ ٹی۔ اوئی دہلی

دور جدید میں یہ بات واقعاتی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے کہ دنیائے انسانیت خالقِ حضرت کے فطری قانون ہی کو اپنا کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ اس فطری قانون اور ضابطہٴ معیات کا نام "اسلام" ہے۔ جسے اصولی و آفاقی حیثیت حاصل ہے۔ وقت اور تجربے نے خدا کی اس وسیع و عظیم دنیا میں رہنے والے انسانوں کو واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ تمہارے درد و دکھ کا صحیح مدد اور اسلام کے علاوہ دنیا میں پائے جانے والے کسی نظریہ اور ازم کے پاس نہیں ہے۔ چاہے مغرب کی ذہنی و فکری فیکٹری کا ڈھلا ہوا قانون ہو۔ چاہے اس کے شرح آسمان کا نازل کردہ ضابطہ۔

اپنی بات کی وضاحت کے لئے میں یہاں ایک چھوٹی سی مثال دینگا

ایک مثال

گرٹیا گاریو مغرب کی فلمی دنیا کی ایک ایسی ابھرتی اداکارہ تھی جس نے جوانی کی ترنگ میں شادی نہیں کی۔ لیکن شادی نہ کرنے کا اسے زندگی کے آخری ایام میں بہت زیادہ قلق تھا۔ اور بڑی حسرت سے کہتی تھی، شادی نہ کرنا ایک بہت بڑی بھول ہے۔ یہ چھوٹا سا واقعہ خدا کے فطری قانون کو چھوڑ کر اپنی بنائی ہوئی ڈگر پر چل کر حسرت ناک زندگی گزارنے کا آئینہ دار ہے۔ قانونِ خداوندی سے منحرف

آغاز ہونے والے ہر سفر زندگی کا انتقام حسرت و ناکامی پر ہوتا ہے۔ زندگی گزارنے کے ڈوبی... طریقے ہیں (۱) انسانی فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ خدائی طریقہ دوسرا خود اپنے جیسے بے خبر انسانوں کا خود ساختہ..... پہلا طریقہ کامیابی اور منزلی مقصود تک پہنچانے کا ضامن اور دوسرا زندگی کے تاریک جنگل میں سرگرداں پھرنے اور ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حقیقت واقعاتی و مشاہداتی طور پر بالکل واضح انداز میں سامنے آچکی ہے اور اُسے انسانوں کی ایک عظیم اکثریت تسلیم کر چکی ہے۔ لیکن شیطان کے ہتھے چڑھے ہوئے انسانوں کی ایک دوسری عظیم اکثریت بھی ہے جو اپنی آنکھوں پر رنگین عینک لگا کر مذکورہ فلمی اداکارہ کی سی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور پیشاب کی شیشی پر ”آب حیات“ کا لیبل لگا کر اسے امرت دھارا کا نام دینے اور دوسروں سے زبردستی منوانے کا احمقانہ اقدام برابر کرتی آرہی ہے۔ جس کے نتیجے میں طرح طرح کے فتنے خدا کی زمین پر برپا ہوتے رہتے ہیں ان ہی فتنوں میں سے ایک جدید فتنہ خالق کائنات کے دین فطرت اسلام کے اوٹ جھٹے ”اسلم پرسنل لار“ میں تریسم و تبدیلی کا بھی ہے۔ یہ اس قدر شدت کے ساتھ اپنے بال و پر نکالنا اور پھیلاتا جا رہا ہے کہ آج لیلائے مغرب کی زلفِ گرہ گیر میں گرفتار مسلمان بھی خدا کے فطری قانون کی جگہ انسانی ذہن و فکر کے خود ساختہ طریقے کو رائج کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ باری تعالیٰ کے محکم قانون اور ضابطہ حیات کو از کار رفتہ اور فرسودہ قرار دے کر مسلمانوں کے متلی وجود کو معرض خطر میں ڈال دیں یا کم از کم اسلام کو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی سے خارج کر دیں۔

ایسا خیال کیوں پیدا ہوا؟ | یہاں پہنچ کر یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ شیطانی خیال لوگوں کے ذہن میں پیدا کیوں ہوا؟ اس کے

اسباب کیا ہیں؟ جہاں تک ہماری معلومات اور مطالعہ کا تعلق ہے اس کی روشنی میں ہمارے نزدیک مذکورہ خیال کے پیدا ہونے کے چند وجوہ ہیں۔ دین کو مختلف خانوں میں باٹنے کا غلط اور غیر اسلامی رجحان کہ دین و مذہب کا دائرہ صرف مسجدوں، مندروں، کلیساؤں اور ان کی روحانی اور انفرادی زندگی تک محدود ہے۔ وہ زندگی کے عام اجتماعی مسائل اور معاملات سے کوئی تعرض نہیں کرتا ہے۔ ان مسائل میں ان کو اختیار ہے۔ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ اور زندگی کا جو نظام چاہے اپنائے۔ خدا اور مذہب کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔

(۳) اسلامی قانون کو دیگر مذاہب کے قانونی تناظر میں دیکھنا (۳) خدائی قانون کو انسانی ذہن کے بنائے ہوئے قانون کی سطح پر لاکھڑا کرنا۔ صرف یہی نہیں بلکہ خدائی قانون پر انسانی قانون کو ترجیح دینے کا غلط رجحان ہے۔ ان وجوہ کے علاوہ دیگر اور وجوہ بھی ہیں۔ لیکن یہ سب کی سب جزئی اور مذکورہ تینوں وجوہ کی پیداوار ہیں۔

اسلامی شریعت ناقابل تقسیم ہے | مذکورہ باتیں ان مذاہب کے متعلق تو صحیح ہو سکتی ہیں اور بڑی حد تک صحیح بھی ہیں۔ جو رسوم و رواج اور فرسودہ ادہام و خیالات سے عبارت ہیں لیکن جہاں تک دین فطرت اسلام کا تعلق ہے۔ اس میں تنوعی مدد غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ تقسیم دین کے متعلق مذکورہ غیر اسلامی خیال کو اسلامی شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام نے دین و شریعت کا جو تصور دیا ہے۔ وہ مغرب اور دیگر تصور مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ اسلامی شریعت ناقابل تقسیم کائنات کی حیثیت رکھتی ہے۔ خالق کائنات نے اس کائنات میں رہنے والے انسانوں کا جو نظام زندگی اور ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے۔ اس میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ "بادشاہ کا

حیثہ بادشاہ کو دو، اور پوپ کا حیثہ پوپ کو، بلکہ اس نے بادشاہ اور پوپ کے تمام حیثے ختم کر کے صرف ایک ہی ذات کا حیثہ دین و دنیا میں قائم کیا ہے۔ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا سب میں ایک ہی برتر مستی کی طرف اپنی نیت، عمل اور فکر و نظر کا رُخ رکھنے کی اس نے تلقین کی ہے۔ ہر جزو دو سکرا جزا سے اس قدر مربوط اور جڑا ہوا ہے کہ کسی حال میں الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی نقطہ نظر تمام نازل کردہ احکام کی تابعداری ضروری ہے۔ اتبعوا ما انزل الیکم من دیکم، اس لئے نتائج کے اعتبار سے دین میں جسزنی ترمیم کلی ترمیم کے ہم معنی ہے۔

دین کا دائرہ اثر صرف نبی اور روحانی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی شریعت ایک ہمہ گیر اور مکمل طریقہ زندگی ہے۔ جو عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت، معاملات، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی امور یعنی انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو بیک وقت محیط ہے۔ اس نے ہر شعبہ زندگی کے بارے میں واضح ہدایا دی ہیں۔ اسلام کے نزدیک دین و مذہب انسان کا کوئی پرائیوٹ معاملہ نہیں ہے۔ جس سے دنیوی زندگی کے معاملات خارج ہوں۔ بلکہ وہ عالم انسانیت کی فلاح و صلاح کا ایک ایسا جامع دستور ہے جس میں پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام معاملات اور نشیب و فراز داخل ہیں۔ خدا کا ایک وفادار بندہ اس کے احکام کا ہر وقت پابند ہے۔ ان صلاقی و نسکی و محیائی و عماقی لہ رب العالمین۔ اسلامی شریعت انسان کی زندگی سے لیکر موت تک حاوی ہے۔ یہ ایک ایسی سترہ حقیقت ہے۔ جسے اپنے ہی نہیں غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مغربی ماہر قانون پر و فیسر۔ جے۔ این۔ ڈی اینڈرس لکھتا ہے "اسلامی قانون اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے مغربی قانون سے غیر معمولی طور پر وسیع ہے۔ اسلامی قانون سب انسانی معاملات کو اپنے دائرہ کار میں لیتا ہے۔ دوسری جگہ لکھتا ہے

اسلامی قانون زندگی کے ہر شعبہ اور قانون کے ہر میدان کو محیط ہے یہ
اسلامی شریعت کی اسی ہمہ گیری اور جامعیت کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ اس میں
کسی کو تراش خراش کا حق نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔

اسی طرح اسلامی قانون و شریعت | **اسلامی قانون اور دیگر مذاہب** | کو دیگر مذاہب و ادیان کے آئینی

تماثل میں دیکھنا بھی غلط اور غلط رخ کی طرف لے چلنے والا ہے۔ کیوں کہ اسلامی شریعت
کا معاملہ تمام رائج اوقات آئین مذاہب سے بالکل الگ ہے۔ چند لفظوں میں اس کا
خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت خدائی آئین اور فطری قوانین کا وہ مجموعہ ہے۔ جو
بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے لئے توسط
رسولؐ بھیجا گیا ہے یا یہ کہئے کہ وہ زندگی کے تمام گوشوں کے لئے دستور فکر و عمل بنا کر
اتارا گیا ہے۔ جس کی بنیاد باری تعالیٰ کے اعلیٰ ارشادات پر ہے۔ جو ناقابل تبدیل
اور بھول چوک سے بالاتر اور عین فطرت کے مطابق ہے۔ فطرة الله التي فطر
الناس عليها لا تبدل لخلق الله، اس میں تبدیلی اسی وقت ہو سکتی ہے
جب کہ انسانی فطرت کو بدل دیا جائے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ فطرت نہ بدلنے کی
چیز ہے اور نہ بدلی جاسکتی ہے۔

اسلامی شریعت کی بنیاد وحی الہی اور مستند نقل صحیح پر ہے۔ وہ تاریخی طور پر
ایک مستند قانون ہے۔ وہ ایک روشن اور زندہ قانون زندگی ہے۔ جس کی روشنی میں
انسانیت کامیاب سفر کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس دیگر آئین مذاہب کی بنیاد سماجی
اور خیالی رسوم و رواج اور عقلی اختراعات پر ہے۔ جسے انسانی فطرت سے دور کا بھی واسطہ
نہیں ہے۔ وہ تاریخی استناد سے بھی محروم ہے۔ اور اس کا وجود مفرد ذاتی اور قیاسی،

لے دیکھئے۔ اسلامی قانون جدید دنیا میں مسلمان ۱۴۶

وہ ایک تاریک اور مردہ قانون ہے۔ جسے اپنا کر انسانیت زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کائنات سفر کر سکتی ہے۔

خدا کی قانون اور انسانی آئین میں فرق | خدا کے عطا کردہ اسلئے قانون کے سلسلے

میں یہ تیسرا انداز فکر بھی راست نہیں ہے کہ اسے انسانی قانون کی سطح پر لاکھڑا کیا جائے۔ کیونکہ دونوں قانون کے مابین مختلف حیثیت و نوعیت سے واضح فرق ہے۔ آپ اس اصولی اور واضح فرق کو ایک مثال سے سمجھئے کہ جس قدر کسی کو مستقبل کے بارے میں علم داگھی ہوگی۔ اسی قدر وہ جامع مکمل اور صحیح قانون بنائے گا۔ مخلوق کے پاس چونکہ مستقبل کا صحیح علم نہیں ہے۔ ساتھ ہی بہت ہی ناقص بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ضرب روز سر کی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک و قوم کے اعلیٰ ذمہ دارین و خطیوں قانون ساز افراد بڑی کوشش اور بیجا بحث و محیس کے بعد ایک قانون وضع کرتے ہیں اور چند دنوں کے بعد ہی اس میں ترمیم و ترمیم کا بیوند لگانا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس خدا کے پاس مستقبل کے متعلق پورا علم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا وضع کردہ قانون جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کے چوکھٹے میں بالکل فٹ بیٹھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عصر حاضر کی جدید علمی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا کہ انسان کا علم محدود ہے۔ اور ہمیشہ محدود رہے گا۔ وہ اپنا قانون زندگی صحیح معنی میں دریافت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ ہزار ہا ترقیوں کے باوجود انسانی دنیاہ تلاش کی منزل میں ہے۔ جب بات یہ ہے تو پھر کیوں کر خدائی اور انسانی قانون کو ایک حیثیت میں رکھا جاسکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ قانون ساز کو قانون پر عمل پیرا ہونے والے سے جتنی گہری محبت اور دنیاوی مفاد سے بے غرضی ہوگی وہ اتنا ہی نفع بخش اور کارآمد آئین بنا سکتا اور ظاہر ہے کہ خدا سے بڑھ کر کوئی حقیقی ہمدرد (الصادق) اور بے نیاز نہیں۔ ہر انسانی

قانون کی بنیاد مفاد پرستی، خود غرضی پر ہوتی ہے۔ اس سے اوپر اٹھ کر کوئی قانون بنا ہی نہیں سکتا۔ قانون کے اندر جو بنیادی اوصاف ہونے چاہئیں۔ وہ صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً قانون معاشرے کی ترقی و فلاح کا ذریعہ بنے۔ اُس کے بنیادی تصورات و اذکار کے مطابق ہو۔ تہذیبی اصول و اقدار کا نمونہ اور جذبات و احساسات کا عکاس ہو۔ ایسا قانون ہو جس سے انسان ذہنی طور پر مانوس ہو۔ اور خوش دلی سے اس کی پابندی پر آمادہ ہو جائے۔ یہ اوصاف صرف اور صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ ایک فرق انسانی اور خدائی قانون میں یہ بھی ہے کہ انسان کا بنا یا ہوا اور قانونِ خداوندی ہمیشہ سے ایک منظم اور مکمل شکل میں موجود رہتا ہے۔

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ بات پورے یقین و اعتماد سے

ایک فریب

کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نہ تشکیل جدید کا محتاج ہے اور نہ اسلامی

شریعت ترمیم و تبدیلی کی اور اسلامی قانون و شریعت میں تبدیلی کے سلسلے میں جو پُر فریب بات کہی جاتی ہے کہ اسلامی قانون کی افادیت اپنے عہد کے ساتھ مخصوص تھی۔ آج کے برق رفتار ترقی یافتہ اور سائنسی دور میں اس کے چلنے کی گنجائش نہیں ہے تو یہ اسلامی قانون و شریعت سے سراسر بے خبری پر مبنی ہے۔ متانت و سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ اسلام کا قانونی نظام اپنی ماہیت و ترکیب میں اتنا ترقی پذیر اور لچک دار ہے کہ زمان و مکان کے اختلافات ہوں یا سیاسی و سماجی ماحول کے اثرات ان تمام احوال میں وہ اپنے ملنے والوں کی صحیح اور صحت مند تہذیبی خطوط پر رہنمائی اور رہبری کر سکتا اور کرتا ہے۔ اسلام کا نظام حیات بالخصوص عالمی نظام مکمل طور پر خود کفنی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے مسلمان عملی کوتاہی اور بے عملی کی وجہ سے پوری ذمہ داری سے اپنی سماجی زندگی میں اس کو تمام و کمال برپا نہیں کر پاتے۔ مسلمانوں کی اس بے عملی کی وجہ سے اسلامی قانون کو محطوں نہیں کیا جاسکتا۔

قانون کی بنیاد مفاد پرستی، خود غرضی پر ہوتی ہے۔ اس سے اوپر اٹھ کر کوئی قانون بنا ہی نہیں سکتا۔ قانون کے اندر جو بنیادی اوصاف ہونے چاہئیں۔ وہ صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً قانون معاشرے کی ترقی و فلاح کا ذریعہ بنے۔ اُس کے بنیادی تصورات و اذکار کے مطابق ہو۔ تہذیبی اصول و اقدار کا نمونہ اور جذبات و احساسات کا عکاس ہو۔ ایسا قانون ہو جس سے انسان ذہنی طور پر مانوس ہو۔ اور خوش دلی سے اس کی پابندی پر آمادہ ہو جائے۔ یہ اوصاف صرف اور صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ ایک فرق انسانی اور خدائی قانون میں یہ بھی ہے کہ انسان کا بنا یا ہوا اور قانونِ خداوندی ہمیشہ سے ایک منظم اور مکمل شکل میں موجود رہتا ہے۔

ہے۔ اسلام کی تو یہی دعوت ہے کہ باری تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کے دائرہ حیات میں لوگ کلیتہً داخل ہو جائیں۔ یا ایہذا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃً۔ یہ بات صحیح ہے کہ آج کی سائنسی دُنیل نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مگر اس کا اثر اسلامی قانون و شریعت پر کیا پڑتا ہے؟ دائرہ تو یہ کہ اس سے اسلام کی حقانیت اور کھل کر سامنے آتی ہے۔ اور آتی جا رہا ہے۔ سائنسی ترقی کا تعلق اسباب و وسائل سے ہے نہ کہ انسان کی اٹل فطرت سے۔ اسلام تو انسان اور اس کی فطرت سے بحث کرتا ہے نہ کہ اسباب و وسائل سے۔ اور یہ بات پہلے بھی جا چکی ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کی پُست پر لَا تَبْدِیْل لِیَخْلُقِ اللّٰہُ کِیْمُضْبُوْتٍ قُوْتٍ ہِے۔ بالکل اسی طرح اسلامی شریعت و قانون میں جس کا تعلق کائنات کے فرمانروائے اعلیٰ کے نظام امر سے ہے۔ تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس کی بنیاد بھی لَا تَبْدِیْل لِّکَلِمَاتِ اللّٰہِ کے اٹل نظام پر ہے۔

جاری

ماہنامہ دارالعلوم - آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اس کی
توسیعاً شاعت میں اپنا بھرپور تعاون پیش کیجئے۔

منیجر رسالہ

قسط ۷

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نازتوی

از حافظ محمد اقبال بانجسٹر۔ انگلینڈ

۷۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ جو چیز منسوب ہوگا وہ با عظمت ہوتی ہے۔ اب ایک محب کا حال یہ ہونا چاہئے کہ محبوب جس چیز سے خوش ہو اس سے یہ بھی خوش ہو، محبوب جس سے ناراض ہو یہ بھی اس سے ناراض ہو جائے۔ محب کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزوں سے محبت اور شیفتگی صحیح محبت کی علامت اور نشانی ہے۔

امر علی الدیار دیار ملیسی اقبل ذا الجدار وذا الجدار
وما حب الیدیار شغفن قلبی ولكن حب من سكن الیدیار
حضرت نازتوی کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے وہ مکانات با عظمت ہو گئے۔ وہاں کے اشخاص با عظمت ہو گئے۔ عربوں سے بغض و عناد رکھنا نفاق کی علامت ہے اور ان سے الفت اور محبت کی پینگیں بڑھانا ایمان کی علامت ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۵۶ء)

سرزمین عرب اور اہالیان عرب سے یہ تعلق کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ محبوب یہاں مقیم ہے۔ محبوب کا در اور گھر ہے اور یہ لوگ محبوب کے شہر کے باشندے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی محبت اور عشق علامت محبت و عشق محبوب ہے۔

۸۔ حضرت نانو توئیؒ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کتنا تھا؟ اور آپ کے نام اقدس کی ان کے دل میں کس قدر عظمت تھی۔ اس کا اندازہ کیجئے کہ آپم گزرا ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سنکر لرزہ بدن میں پڑ جاتا تھا اور چہرہ کارنگ متغیر ہو جاتا تھا اور ایک عجیب حالت نمایاں ہوتی تھی جو معرض بیان میں نہیں آسکتی۔ (سوانح قاسمی جلد ۱ صفحہ ۲۸۲)

۹۔ حضرت نانو توئیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی خود بھی کثرت فرماتے تھے اور اپنے معتقدین و متوسلین کو بھی اسی کی نصیحت و وصیت فرماتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ۔

درود شریف کی جتنی کثرت ہو سکے اتنی بہتر ہے۔ (مکتوبات اکابر ص ۵۳)

۱۰۔ حضرت نانو توئیؒ کے نزدیک اصل علم قرآن و حدیث ہی تھا۔ رامپور کے ایک وعظ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے معقول معقول پکار رکھا ہے۔ اصل علم تو قرآن و حدیث میں ہے۔ (حسن العزیز جلد ۱ صفحہ ۳۸)

۱۱۔ حضرت نانو توئیؒ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو کسی طرح کا بھی تغیر و تبدل کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مقام یوں بیان فرماتے ہیں کہ

تمام امت (کے لوگوں) کو عالم ہوں یا جاہل فقیر یا صفا ہوں یا دنیا دار خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عقائد ہوں یا اعمال قواعد قلبیہ ہوں یا صور جسمانیہ تبدیل و تغیر کی بیشی کا اختیار نہیں اور کریں تو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغضوب اور خلاق کے نزدیک بحکم عقل مغلوب ہوں گے۔ (سوانح قاسمی جلد ۲ صفحہ ۴)

۱۲۔ حضرت نانو توئیؒ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی وحی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔

اہل اسلام بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہیں
پر الفاظ وحی میں نہیں آتے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قرآن و حدیث کو باہم ممتاز
سمجھتے ہیں اور قرآن شریف کو جو نماز میں پڑھتے ہیں اور احادیث کو نہیں
پڑھتے تو اس کی بھی وجہ ہے کہ وہ گویا ہم کلامی خدا ہے۔ اس وقت وحی
الفاظ چاہتیں جو خدا کے یہاں سے آئے ہیں۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۱۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا خدا ہی کا کہا ہے۔ جو کچھ
آپ کی زبان پر جاری ہوا وہ سب اقلانے ربانی تھا۔ (حدیث الشیخہ ص ۵۵)۔
حضرت نانوتویؒ کے اس علمی کلام کو سامنے رکھئے آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ احادیث مبارکہ
کے مضامین بھی وحی سے ہما نخوذ ہیں یہ الگ بات ہے کہ قرآن کریم وحی متلو ہے اسکے
الفاظ بھی منجانب اللہ ہیں۔ اور احادیث وحی غیر متلو ہیں۔ یعنی الفاظ آپ کے ہیں البتہ
مضامین خدا کی طرف ہی سے القاء کئے گئے ہیں۔

۱۳۔ حضرت نانوتویؒ احادیث مبارکہ کی سند اور منکرین حدیث کو نماز یا نہ ہجرت دیتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے پاس احادیث کی سندیں من اولہ الی آخرہ موجود
اس زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام راویوں کا سلسلہ بتلا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات
کس قدر موجب اعتبار ہے علاوہ بریں جس زمانہ تک احادیث متواتر تھیں اس زمانہ تک
کے راویوں کے احوال مفصل بتلا سکتے ہیں۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۱۱)

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ
ہمارے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں بھی اس قدر ہیں کہ
کسی اور نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں جن میں سے
کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں۔ مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمانؓ اور حضرت

کا شہید ہونا۔ حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر تڑو گر وہ اعظم کا صلح ہو جانا۔ ملک کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا۔ بیت المقدس کا فتح ہونا۔ مردانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا، حجاز کا ظاہر ہونا۔ ترکوں کے ہاتھ سے اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا جنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ اور سوا ان کے بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ ادھر دقایق ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود اتنی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا عالم یہودی کی صحبت کے نہ ہونے کے دقایق انبیاء سابقہ کے احوال کا بیان فرمانا ایسا روشن ہے کہ بجز متعصب ناانصاف اور کوئی انکا نہیں کر سکتا۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۲)

۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اب اخلاق کو دیکھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کے بادشاہ یا امیر نہ تھے آپ کا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اس پر اپنے لشکر کی فراہمی جس نے اول تو تمام ملک عرب کو زیر و زبر کر دیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ میں تسخیر کر لیا۔ اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کسی لشکر میں نہ سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی کسی طرح گوارا نہ کی۔ بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں آسکتی۔ القصہ آپ کے علم و اخلاق کے دلائل قطعیہ کے آثار تو اب تک موجود ہیں اس پر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۳)

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات علی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ۔

الغرض معجزات علی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ ہیں..... اسلئے کہ وہ نبی جس کے پاس معجزہ علی ہو تمام ان نبیوں سے اعلیٰ درجہ میں ہو گا جو معجزہ علی رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ جس درجہ کا معجزہ ہو گا وہ معجزہ اس بات پر ولادت کرنے کا صاحب معجزہ اس درجہ کی بنا پر روزگار ہے اور اس فن میں بڑا

بڑا سردا ہے۔ اس لئے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم و انصاف ضرور ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۲)

اس عبارت کو پڑھئے حضرت نانوتوی کے نزدیک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے اعلیٰ اور سردار ہیں مگر افسوس کہ کچھ نا بھجوں یا کہئے نادانوں نے خدا معلوم کن معالج کے پیش نظر حضرت نانوتوی پر تیغ تکفیر بے نیام کی تھی؟

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

۱۶۔ باعتبار معجزات علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور انبیاء سے بڑھا رہنا۔

تو بحکم انصاف ظاہر و باہر ہو گیا بلکہ اس ضمن میں بعض معجزات عملی کی رو سے بھی آپ کی فوقیت اور انبیاء پر واضح و آشکار ہو گئی اس لئے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رومان جلد اعمال ہے منجملہ علوم نہیں گو بایں اعتبار کہ اعمال اختیار اور درد و زاری کیلئے اول ادراک و شعور اور حیات کی ضرورت ہے۔ ان اعمال سے اول انھیں و قانع میں ظہور معجزہ علمیہ بھی ہو گیا۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۹)

پھر معجزات عملی کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

۱۷۔ اہل انصاف کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ کسی قدر اور گزارش بھی سن لیں تاکہ

فوقیت محمدی باعتبار معجزات عملی بھی ظاہر ہو جائے (ص ۳۹)

۱۸۔ اس کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں :-

۱۹۔ حضرت نانوتوی کے نزدیک رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک منبع فیوض

لا انتہا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دست مبارک میں سے نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت پوست میں سے نکلنا عجیب ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

عجزہ میں پتھر کے پانی کے نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی منبع فیوض لا انتہا ہے لہذا
(حجۃ الاسلام ص ۳۹)

۲۰۔ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک منبع البرکات ہے۔
آپ فرماتے ہیں کہ:-

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کافی افوا
- صبح و سالم ہونا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ کے ہاتھ دگاتے ہی اچھا ہونا
فقط یوں ہی بیماروں کے اچھے ہوجانے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں
تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
کچھ ہی بیماروں کو اچھا کر دیا۔ کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں
پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوند عالم
ہی رہا پر بواوسطہ جسم محمدی اس اعجاز کا ظاہر ہونا بے شک اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ آپ کا جسم مقدس منبع البرکات کا ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۹)

۲۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکات بیان کرتے ہیں کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی خوبی میں کچھ کلام نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر بطفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اندھیری رات میں جب وہ آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہو گئی
وہ جانے والے دو شخص تھے جہاں سے راہ جدا ہوئی وہاں سے وہ روشنی دونوں
کی ساتھ ہوئی۔ اب خیال فرمائیے دست مبارک موسیٰ علیہ السلام اگر جیب
میں ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تھا تو اول..... تو وہ نبی
دوسرے نور قلب کا قرب و جوار جیسے بوجہ قرب ارجح اجسام میں ان کے

مناسب حیات آجاتی ہے۔ ایسے ہی اگر بوجہ قرب نور قلب دست موسوی میں اس کے مناسب نور آجائے تو کیا دور ہے۔ یہاں تو وہ دونوں صاحبِ نہ نبی تھے نہ ان کی لکڑی کو قلب سے قرب و جوار نہ اخذ فیض میں وہ قابلیت جو بدن میں بہ نسبت روح ہوتی ہے۔ فقط برکت صحبت صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔
(حجۃ الاسلام ص ۲۳)

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ بیٹھ جاتیں جس پر نظر کرم فرمادیں۔ جس دسترخوان پر بیٹھ کر طعام تناول فرمائیں۔ اس کی شان ہی نرالی ہو جاتی ہے۔ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ:-

آتشِ نرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اس دسترخوان کا آگ میں نہ جلنا جو حضرت انسؓ کے پاس بطور تبرک نبوی تھا وہ بھی ایک بار نہیں بارہا اس قسم کا اتفاق ہوا کہ جہاں میل چکنا ہٹ زیادہ ہو گیا۔ جہی آگ میں ڈال اور جب میل چکنا ہٹ جل گیا جہی نکال لیا۔ خیال فرمائیے کہ ایک تو آدمی کا نہ جلنا اتنا موجب تعجب نہیں جتنا کچور کے پھٹوں کے دسترخوان کا اور وہ بھی ایسا جس پر تعجب نہیں چکنا ہٹ بھی ہوتا ہو۔ دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دسترخوان میں زمین و آسمان کا فرق وہ خود بھی نبی اور نبی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہاں دسترخوان میں فقط اتنی بات کہ گے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا اور آپ نے اس پر کھانا کھایا ہو (حجۃ الاسلام ص ۲۳)

حضرت نانوتویؒ ان تمام مثالوں اور تفصیلات کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:-

الحاصل معجزاتِ علی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب میں فائق ہیں (ص ۲۳)

۲۲۔ حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

- ۱- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی جانب مانا تو وہی افضل ہوں گے (مش ۱)
 ۲- (یہ واقعہ) اور بھی افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے۔ (مش ۱)
 ۳- تاثیرات صفت کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (مش ۲)

۴- پنڈت دیبانند سروتی کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ ہمارے نزدیک بعد خدا سب میں افضل و برتر محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کوئی آدمی ان کے برابر نہ کوئی فرشتہ، نہ عرش، نہ کرسی، ان کے ہمسر نہ کعبہ۔ ان کا ہم پلہ۔ (قبلہ نمائش)

۲۳- حضرات انبیاء کرام (حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) کی عصمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

انبیاء کرام عظیم السلام سے قبل نبوت یا بعد نبوت نہ کوئی گناہ کبیرہ ہوتا ہے نہ صغیرہ (مجالس حکیم الامت ص ۱۱۱)۔
 ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:-

(خدا تعالیٰ) اپنے مقربوں سے اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اوروں کو پہنچائیں ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کے لئے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے۔ اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے۔ اور سب تقرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار اور مافی الضمیر آشکار کئے جائیں یعنی اہل احکام سے اطلاع دیتے۔ ظاہر و باطن میں مطیع ہوں مگر جس کو خداوند عظیم خیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع و فرمانبردار سمجھے اس میں غلطی ممکن نہیں۔
 آگے چل کر فرماتے ہیں:-

یہ لازم ہے کہ انبیاء معصوم بھی ہوں اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کئے جائیں پھر فرماتے ہیں:-

انبیاء کی معصومیت اور ان کی سفارش تو قرین عقل ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۲۱)
آگے چل کر اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ:-

بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہوں گی۔ اول تو یہ کہ اخلاص و محبت خداوندی اس قدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ ہوں۔ تیسری بات جواز قسم دوم ہے وہ خوبی عقل و فہم ہے کیونکہ اول تو بد فہمی خود ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہنے دوسرے تقرب مغربین خود اسی عرض سے ہوتا ہے کہ بات کہئے تو سمجھ جائیں اور سمجھ کر خود بھی تعمیل کریں اور اوروں سے بھی کرائیں (حجۃ الاسلام ص ۲۱)

امت کو جس قدر علم و فہم نصیب ہوتا ہے۔ وہ انبیاء کرام کا صدقہ اور انہیں کے علوم سے ماخوذ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام خدا سے لیتے ہیں اور امت کو دیتے ہیں۔

حضرت نانو تومی فرماتے ہیں کہ:-

انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسے ہوں گے جیسے آفتاب کے اور زمین کے بیچ میں قرین یعنی جیسے نور قرآن سے ماخوذ ہوتا ہے اور زمین تک پہنچتا ہے۔ اور درحقیقت مادہ نورانی زمین وہ نور نور قرین ہوتا ہے۔ ایسے ہی مادہ علم و فہم امت انبیاء ہی سے ماخوذ ہوتا ہے مگر مادہ علم و فہم وہی عقل ہے اس صورت عقل و فہم امت بالضرور مثل چاندنی جو پرتو نور قرین ہوتی ہے پرتو عقل و فہم انبیاء علیہم السلام ہوگا اور اس وجہ سے یہ لازم ہے کہ مادہ حیات امت بھی انبیاء کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیات سے جدا نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ حیات نہ ہو اور عقل ہو اور جب حیات امت حیات انبیاء سے

ماخوذ ہوئی تو بالضرورت تمام اخلاق امت، اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہوں گے۔ بشرطیکہ امت گمراہ نہ ہو۔ الخ - (حجۃ الاسلام ص ۱۱۰)

دور جاہلیت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا۔ جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی آسمانی کتاب ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو۔ فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھالائے اور پوجنے لگے۔ گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے مطیع نہ ہوئے۔ جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گذاریں۔ ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا دشواری ہی تھا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کیا انقلاب پیدا فرمایا۔ ان کو کیلے کیا بنا دیا۔ یہ آپ کا ہی فیض ہے کہ انھیں فرش سے اٹھا کر..... عرض تک پہنچا دیا۔ انھیں قابل رشک بنا دیا۔ حضرت نافو توئیؒ کی زبان سے سنئے۔

علوم الہیات و اخلاق و سیاست مدن میں۔ اور علم معاملات و عبادات میں رشک افلاطون و ارسطو اور دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔ اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کے کتب اور ان کے کتب کا موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کنان کتب فریقین کو معلوم ہو گا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لے گئے۔ نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔

جب اس امت کے علماء و فقہاء کا یہ حال ہے تو خود سر در عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کا کیا مقام اور کیا شان ہوگی۔ خود حضرت نافو توئیؒ بھی فرماتے ہیں کہ:

جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہے تو خود موجود علوم کا کیا حال ہو گا اگر یہ بھی بجز نہیں تو اور کیا ہے۔ صاحبو! انصاف کرو۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۱۰)

جو لوگ علمائے دیوبند پر بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ علمائے دیوبند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے قائل نہیں۔ انھیں اس الزام سے توبہ کرنی چاہئے۔ حضرت نانوتویؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کے سلسلہ میں جو بیان دیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علمائے دیوبند کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے دیگر رسائل میں بھی اس امر کی وضاحت بصرحت موجود ہے۔ یہاں بغرض اختصار حضرت کی صرف ایک تقریر کے چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

(جاری)

حَدِيث رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحب أن يبسط له رزقه وينسأله في أثره فليصل رحمه (متفق عليه)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی اور وسعت ہو جائے، اور دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر باقی رہیں (یعنی اس کی عمر دراز کر دی جائے) تو وہ (اپنی قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ اور حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جا بجا اس کی تاکید آئی ہے۔ صلہ رحمی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے۔ دوسرے اپنے وقت اور زندگی کا کچھ حصہ ان کے کالہ میں صرف کرے۔ اس کے عوض مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ و برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔ صلہ رحمی اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں اس کی وجہ سے رونما نہیں ہوتے۔ اور زندگی نہایت اطمینان سے بسر ہوتی ہے۔ (ایک صاحبِ خیر)

قسط ۲

مولانا مودودی کی تحقیق حدیثِ دجال پر ایک نظر

مولانا عبد الدیان اعظمی

مُترشح عقیدہ کی تردید

(۱) خیالات کی پیروی مولانا نے اپنی تحقیق میں جس بات کا تاثر دینے

کے لئے اپنی ساری کوشش صرف کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کے ساتھ ساتھ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر بھی کلام فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ دجال کے زمان و مکان وغیرہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم نہیں دیا گیا تھا آپ نے ان کے متعلق بغیر علم ہی کے اپنے قیاس و خیال سے خبریں دیں۔ اس لئے مولانا اپنے بیان میں جا بجا قیاس و گمان اور خیال و اندیشے وغیرہ کے الفاظ لارہے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں۔ (الف) ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ

دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ باتیں) بر بنائے وحی نہیں بلکہ بر برائے ظن و قیاس ارشاد فرمائیں۔

(ب) کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا۔ کبھی یہ کہ اصفہان سے کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقے سے۔

(ج) پھر کبھی آپ نے ابن صیاد پر (جو مدینہ ہی میں تھا) یہ شبہ کیا کہ شاید یہی
دجال ہو۔

(۵) (پھر قصہ تمیم سن کر آپ نے) اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ
وہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔

(۶) آپ کا گمان وہ چیز نہیں جس کے صحیح ثابت ہونے سے.....

(۷) کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح
نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بار بار قیاس و گمان اور خیال و اندیشہ کے الفاظ دیکھ کر طبعاً سوال
پیدا ہوتا ہے کہ "کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو کسی بات کی خبر دینے میں۔ اپنے
خیال و قیاس کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟" اور کیا یہ صحیح ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے
تھے اور ان خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے؟"

ہم تو جواب یہی دیں گے کہ یہ صحیح نہیں اور ہمارے جواب کی دلیل مندرجہ ذیل آیتیں
ہوں گی۔

(۱) وَلَا تَقِفْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

(۲) وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَغْيًا هَدَىٰ مِنَ اللَّهِ (القصص ۵)

(۳) وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - ان هو الاوحى يوحى (النجم)

(۴) قُلْ أَتَمَّا اتَّبَعُ مَا يُوحىٰ لِي مِنْ رَبِّي (الاعراف ۲۰۳)

مگر یہ تو ہم کہہ رہے ہیں اور ہماری سنتا ہی کون ہے

کون سنتا ہے کہانی مسیہیؑ اور پھر وہ بھی زبانی مسیہی

ہذا بہتر ہوتا کہ خود مولانا ہی کا کوئی بیان اس سلسلے میں مل جاتا تاکہ حجت تمام

ہو جاتی۔ اچھا لیجئے مولانا کی مایہ ناز کتاب "ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر" کا صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳ اور صفحہ ۳۱۱، ۳۱۲ دیکھئے، ۲۶۲، ۲۶۳ پر فاضل حج محمد شفیع صاحب مغربی پاکستان کا یہ قول نقل ہے کہ۔

..... "محمد رسول اللہ..... (صلعم) انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا
اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات
رکھتے تھے اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام کرتے تھے یہ صحیح ہے کہ محمد
رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور یہ حقیقت خود
قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔"

فاضل حج کے اس قول کا جواب مولانا ص ۳۱۱ پر اس عنوان کے ساتھ دے
رہے ہیں کہ "کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟" اور اس عنوان کے
تحت اپنے بیان میں ثابت کر رہے ہیں کہ فاضل حج کا یہ قول نہ قرآن کے مطابق ہے
اور نہ نقل اس کو با در کرتی ہے۔ مولانا کا پورا بیان مع عنوان آگے ملاحظہ ہو۔

(مولانا کا بیان ماخوذ از منصب رسالت نمبر ۳۱۰، ۳۱۱)

پھر فاضل موصوف کا یہ ارشاد شدت کے
ساتھ نظر ثانی کا محتاج ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ماسوا اس وحی کے جو

کیا حضورؐ اپنے خیالات کی
پیروی کیلئے آزاد تھے؟

ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور ان
خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے "یہ بات نہ قرآن سے مطابقت رکھتی ہے اور
نہ عقل اس کو با در کر سکتی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ
رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائض حضور پر عائد کئے گئے تھے اور جو خدمات

آپ کے سپرد کی گئی تھیں ان کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات و خواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دئے گئے تھے بلکہ آپ وحی کی رہنمائی کے پابند تھے۔ اِنْ اتَّبِعِ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيْكَ (الانعام ۵۰) قُلْ اِنَّمَا اتَّبِعُ مَا يُوْحَىٰ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّي (الاعراف ۲۰۳) مَا صَلَّٰ صَاحِبِكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا دَحْيٰى يُوْحَىٰ (النجم ۲-۳-۴) رہی عقل، تو وہ کسی طرح یہ نہیں مان سکتی کہ ایک شخص کو خدا کی طرف سے رسول بھی مقرر کیا جائے اور پھر اُسے رسالت کا کام اپنی خواہشات و رجحانات اور ذاتی آراء کے مطابق انجام دینے کے لئے آزاد بھی چھوڑ دیا جائے ایک معمولی حکومت بھی اگر کسی شخص کو کسی علاقے میں دائرہ سرائے یا گورنر یا کسی ملک میں اپنا سفیر مقرر کرتی ہے تو وہ اُسے اپنی سرکاری ڈیوٹی انجام دینے میں خود اپنی مرضی سے کوئی پالیسی بنا لیتے اور اپنے ذاتی خیالات کی بنا پر بولنے اور کام کرنے کے لئے آزاد نہیں چھوڑ دیتی اتنی بڑی ذمہ داری کا منصب دینے کے بعد اس کو سختی کے ساتھ حکومت بالادست کی پالیسی اور اس کی ہدایات کا پابند کیا جاتا ہے۔ اسکی سخت نگرانی رکھی جاتی ہے کہ وہ کوئی کام سرکاری پالیسی اور ہدایات کے خلاف نہ کرنے پائے جو معاملات اس کی صوابدید پر چھوڑے جاتے ہیں۔ ان میں بھی گہری نگاہ سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کو ٹھیک استعمال کر رہا ہے یا غلط اس کو صرف وہی ہدایات نہیں دی جاتیں جو ہلک میں پیش کرنے کے لئے یا جس قوم کی طرف وہ سفیر بنایا گیا ہے اُسے سنانے کیلئے ہوں بلکہ اُسے حقیقہ ہدایات بھی دی جاتی ہیں جو اس کی اپنی رہنمائی کے لئے ہوں۔ اگر وہ کوئی بات حکومت بالادست کے منشاء کے خلاف کر دے تو اس کی فوراً اصلاح کی جاتی ہے یا اُسے واپس بلا لیا جاتا ہے۔ دنیا اس کے اقوال و افعال کے لئے اس

حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے۔ اور اس کے قول و فعل کے متعلق لازماً یہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے اس کی مقرر کرنے والی حکومت کی منظوری حاصل ہے یا کم از کم یہ کہ حکومت اس کو ناپسند نہیں کرتی۔ حد یہ کہ اس کی پرائیویٹ زندگی تک کی برائی اور بھلائی اس حکومت کی نام درمی پراثر انداز ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے اب کیا خدا ہی سے اس بے احتیاطی کی امید کی جائے۔ وہ ایک شخص کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے۔ دنیا بھر کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی ٹھہراتا ہے۔ اس کی بے چون و چرا اطاعت اور اس کے اتباع کا بار بار تباہی حکم دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے ذاتی خیالات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے۔

(ترجمان القرآن جلد ۵۶ عدد ۶ منصب رسالت نمبر ۳، ص ۳۱۱)

مولانا کے اس جواب کے بعد کیا اب خود مولانا سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ۔

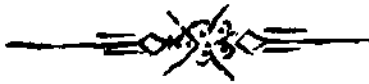
- ۱۔ حضرت محترم! تحقیق میں جو آپ نے بار بار ارشادات رسول کے متعلق قیاس و خیال وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیاس و خیال کی پیروی کے لئے آزاد تھے جو بغیر علم کے اپنے خیال سے کبھی یہ فرمایا کبھی وہ۔
- ۲۔ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب فرمانے پر اللہ تعالیٰ نے نگرانی بھی نہیں فرمائی۔ اور ایسی ایسی باتیں فرمانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔ جو ساٹھ تیرہ سو برس بعد چل کر غلط نکل گئیں۔

۳۔ کیا اب خدا ہی سے اس بے احتیاطی کی امید کی جائے کہ وہ ایک شخص کو اپنا رسول بھی مقرر کرے۔ دنیا بھر کو اس پر ایمان لانے کی دعوت بھی دے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی اور امت کے لئے معیار حق بھی ٹھہرائے۔ اور اس کی بے چون و چسرا اطاعت اور اس کے اتباع کا بار بار حکم بھی دے۔ اور عام فرمان نازل کرے کہ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا رَجُوحًا مَوْلَىٰ تَمَّ كُو
 دیں۔ اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں۔ اُس سے رُک جاؤ۔ اور یہ سب کرنے کے
 بعد اُسے اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد چھوڑ دے کہ جا اور اپنے ذاتی خیالات
 و خواہشات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے اور جو
 باتیں جی میں آئیں کہہ۔ ایسی ایسی باتیں جن کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہ ہو اور نہ جن
 اسلام کی صحیح نمائندگی ہو رہی ہو۔ بلکہ جو ساڑھے تیرہ سو برس بعد غلط اور بے بنیاد
 ثابت ہو جائیں۔ جب کہ ایک معمولی حکومت بھی اپنے دائرے اور گورنر وغیرہ کے
 ساتھ ایسا نہیں کرتی۔

۴۔ جب خدا نے بروقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی اصلاح نہیں
 فرمائی۔ تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ ارشادات خدا کے منشاء کے خلاف
 نہیں بلکہ ان کو خدا کی منظوری حاصل ہے ۹۔ فَتَدَّبَّرُوا۔ (جاری)

(بقیہ صفحہ ۴۱) خوب واقف تھے۔ خصوصاً عربی اور ترکی زبانوں میں مہارت کا درجہ
 رکھتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں اسلام قرآن۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 پر روس میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، روسیوں میں یہ کتابیں خوب رائج ہوئیں۔ جس
 کا اثر یہ ہوا کہ روسی روزناموں، ہفت روزے اور ماہانہ جسراند میں عرب کی تاریخ
 پر مضامین شائع ہونے لگے۔ نیز عربی نظم و نثر اور کتابوں کا ترجمہ بھی وقتاً فوقتاً
 چھپتا رہا۔



روس میں ترجمہ قرآن کریم

ڈاکٹر جابر الجابر، ترجمہ — مولانا ابوالکلام قاسمی تسلیم۔
 شروع اسلام میں قرآن شریف کو نئے مسلمانوں کو سیکھانے کی کوشش کی
 جاتی۔ لیکن عجم کے باشندوں کو قرآن سمجھنے اور غور و فکر کرنے سے زبان حائل ہو جاتی
 تو بعض ماہرین فن نے قرآن شریف کی آیتوں کا ترجمہ کیا۔ تاکہ بیغبی مسلمان اور غیر مسلم
 قرآن سمجھ سکے۔

آج ہم اپنی اسی بحث تحقیق میں مرحلہ وار روس میں ترجمہ قرآن کی ترقیا کا جائزہ لیں گے۔ تاریخی
 و نامی سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف اور اسلام گیارہویں صدی عیسوی میں روس
 پہنچ گیا تھا۔

ترکی کی تاریخی کتابیں اور اس وقت کی تالیفات اولاً روس پہنچی جو اسلام کو اور
 اس کی تعلیمات اور اس کی اصلی صورت کو بگاڑ کر پیش کرتی تھیں۔ اسی باپ روسی
 تاریخی کتابوں اور ان لٹریچروں نے ایک لمبی مدت تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 اور اسلامی تعلیمات کو فرضی انسانوں سے لب ریز رکھا۔ لیکن شرق الادب (اسلامی)
 کے ساتھ روس کے تجارتی اور سفارتی تعلقات جوں جوں بڑھتے گئے۔ تو روسیوں کے
 ذہن مسلمانوں کے متعلق آہستہ آہستہ بدلنے لگے۔

تاجسر، سیاچ، حجاج، روسی سفارتی کارندے۔ جب اپنے ملک لوٹتے
 تو مسلمانوں کی زندگی اور ان کے دین اور تاریخ کی جدید و قدیم معلومات لیکر لوٹتے۔

ان آنے والوں کے چشم دیدہ واقعات اور ان کی باتیں اور اسلام اور مسلمانوں کی مسجدوں اور عیدوں اور طرز معیشت پر مفصل بیان ہوتا۔ جس میں اسلامی احکام اور اس کے بنیادی عقائد و نظریات کے سلسلے میں بھی معلومات ہوتیں۔

پندرہویں صدی کا آخر

پندرہویں صدی کے آخر میں ایک ایسی کتاب کا روسی زبان میں ترجمہ کیا گیا جس میں دو اسلامی شہروں مکہ، مدینہ کی طویل منظر کشی کی گئی تھی۔ پندرہویں اور سترہویں صدی میں ایسی کتابوں کی مقدار اور زیادہ ہو گئی جو دین اسلام کے بارے میں لکھی گئیں تھیں۔ اور اسلامی قوانین اور اس کی حقیقی صورت سے زیادہ قریب تھیں۔ نیز ان کتابوں میں ان اسلامی ممالک کی تاریخ بھی شامل تھی جو روس کے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ زیادہ تر اہتمام تشریح پر تحقیق اور اس کے ترجمہ کی جانب تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ اسلام اور عقیدہ توحید کا سرچشمہ، علاوہ ازیں وہ ایک تاریخی اہم دستاویز بھی ہے۔

مسلم ممالک سے بڑھتے ہوئے تعلقات کی بنا پر روسی شہنشاہی کی ایک بڑی رعیت یہ چاہتی تھی کہ تشریح کو اپنی مادری زبان میں دیکھے۔

تاتاریوں کے حلقے جو "بلٹانیا" زبان بولتے تھے۔ جو رفتہ رفتہ اپنی مادری زبان بھول گئے۔ اور اپنی مادری جدید، "بیلاروسی" زبان بولنے لگے انہوں نے بھی پندرہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں بڑی کوششیں کیں کہ قرآن شریف کا ترجمہ ان کی اسی نئی زبان میں ہو جائے۔

لیٹوان سے قرآن شریف کے جو مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ جو آج کل "لیننگراڈ"، یونیورسٹی کے کلتیہ الاشراق کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ عربی کے ساتھ ساتھ اس کے بین السطور میں، "بیلوروسی" زبان میں ترجمہ بھی ہے۔ سترہویں صدی کے

اخیر میں پہلا معلوماتی مجموعہ جس میں صرف قرآن شریف سے بحث کی گئی تھی۔
 رونما ہوا جسے امیر، بطرس الاکبر (جو آگے چل کر روس کا بادشاہ بن گیا تھا) اور
 اس کے چھوٹے بھائی ایفان کیلئے قلم بند کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مناسب ہے کہ
 میں بتلا دوں کہ اسی کتاب نے بطرس الاکبر کو پورے قرآن شریف کو روسی زبان میں
 ترجمہ پر ابھارا۔

مذکورہ بالا اسباب کے ساتھ ساتھ تجارتی اور سفارتی
بطرس الاکبر کی کوششیں
 تعلقات جو بطرس الاکبر کے زمانہ میں مشرقی

ممالک سے رو بہ ترقی تھے۔

نیز شہنشاہ ایران اور حکومت ترکی کے ساتھ بطرس الاکبر کی طویل جنگ نے
 اُسے اسلام کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنے پر متوجہ کیا۔ بطرس الاکبر نے بذاتِ خود
 اس بحث و تحقیق کا خاکہ تیار کیا۔ پھر اس کے اشارے سے علمی کمیٹیاں بنیں جس نے
 عربی میں ٹھلے ہوئے سکے نقشے اور مخطوطات کو جمع کیا۔ بطرس الاکبر کے زمانہ میں
 ہی ایک مدرسہ کی بنیاد بھی پڑی۔ جس میں صرف شرق الادسٹگی زبانوں کی تعلیم
 دی جاتی۔ جس میں عربی زبان بھی شامل تھی۔

بطرس الاکبر نے ایک محکمہ بنایا۔ جو مشرقی تہذیب و تمدن اور ان کے مادی اور
 روحانی آثار)۔۔۔۔۔ کو جمع کرے۔ جس کی بنیاد کا علم سٹو سال بعد، ایشیا میوزیم
 کے نام سے ظاہر ہوا۔ جو مشرقی علوم کا پہلا مرکز بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسی
 بادشاہ کے حکم سے پورے قرآن شریف کا ترجمہ روسی زبان میں ہوا، جو "سینکراؤ" سے
 ۱۸۷۰ء میں طبع ہوا۔ اسکا نام "محمد کا قرآن یا قانون ترکی" رکھا گیا۔

سترہویں و اٹھارہویں صدی کے مشہور روسی عالم بیوٹر یوسنیکوف نے یہ ترجمہ
 کیا تھا۔ بوسنیکوف نے فرانس کے پہلے ترجمہ قرآن کریم سے روسی زبان کا یہ

پہلا ترجمہ کیا۔ فرانس کا یہ پہلا ترجمہ مشرق فرانسس سفارت کار "اندریہ دی ریبر" نے یہ جو پیرس سے۔ ۱۶۷۷ء میں طبع ہوا۔ اس زمانہ میں "دی ریبر" کا یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ اور کئی مرتبہ اس کی طباعت ہوئی۔ دی ریبر کے ترجمے کی اہمیت میں اضافہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ روسی زبان کے اُن دو ترجموں کی بنیاد اسی پر تھی۔ جو اٹھارہویں صدی میں منصفہ شہور میں آئے۔ یورپی زبانوں میں بھی اس کی مدد سے کئی ترجمے کئے گئے۔ اس کا یہ مقام اور درجہ باقی رہا۔ تا آنکہ اس سے زیادہ لطیف اور کمال ترجمہ مشرقی، ونیکولا دی ساخاری، نے کیا جو ۱۷۸۳ء میں پیرس سے طبع ہوا۔

بوسنیوف کے ترجمہ کی اس اہمیت کے باوجود وہ اسلامی نقطہ نظر سے بہت دور تھا۔ مزید برآں اس میں بعض ان بیجا غلط باتوں کا جو فرانسس ترجمہ میں تھیں۔ بار بار... اعادہ کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں اپنی طرف سے بھی بہت سی غلطیاں جمع کر دی گئی تھیں۔ کیونکہ مترجم فرانسس زبان پر پورے طور سے قادر نہ تھا۔ اور نہ اسلامی تعلیمات سے اس کی واقفیت تھی۔

ترجمہ کے کچھ ہی دنوں بعد روسی زبان میں ایک دوسرا ترجمہ بھی ہوا۔ یہ بھی فرانسس سے نقل کیا گیا تھا۔ سو قسمت سے یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ اور نہ اس کے مترجم کے بارے میں تفصیلات دستیاب ہیں کہ وہ... کون تھا۔ خود اس مخطوطہ اطلاع بھی بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی اور یہ ترجمہ روس کے شمال میں پایا گیا۔ بوسنیوف کے ترجمہ نے روسی علماء کو قرآن میں غور و فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بطرس اعظم نے ڈمٹری کانٹیمہ کو (جو ایک لمبی مدت تک ترکی میں رہ چکے تھے) لکھا کہ قرآن شریف اور سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ کے متعلق ان کے پاس کچھ لکھیں۔ ڈمٹری کانٹیمہ مشرقی زبانوں سے (باقی صفحہ پر)

جدید مطبوعات

تعارف و تبصیرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ضرور بھیجیں

دفاع امام ابوحنیفہؒ، تالیف مولانا عبدالقیوم حقانی، تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ
کتابت و طباعت قابل تعریف، ٹائٹل - خوش رنگ دیدہ زیب، ضخامت ۳۵۲، ناشر
مؤتمر المصنفین اکوڑہ خشک، پاکستان، قیمت ۲۵۔ روپے۔

مولانا عبدالقیوم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک کے ممتاز فاضل اور کامیاب استاذ ہونے
کے علاوہ مؤتمر المصنفین اکوڑہ خشک کے رفیق بھی ہیں۔ موصوف درس و تدریس کے ساتھ تصنیف
و تالیف اور بحث و تحقیق کا بھی سحر اذوق رکھتے ہیں۔ ان کے مقالات پاکستان کے علمی دینی
جسراںڈ میں چھپتے رہتے ہیں۔ ماہنامہ دارالعلوم میں بھی کئی ایک مقالات شائع ہو چکے ہیں
زیر نظر کتاب موصوف کی سات ساڑھنختوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے
باب اول میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے وطن "کوڑہ" کی علمی مرکزیت، حضرات صحابہ کا اس سے تعلق،
امام صاحب کی تعلیم و تحصیل کی سرگزشت، بعض حضرات صحابہ سے ان کی ملاقات اور ان سے اخذ
حدیث و شرف تلمذ کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں امام ابوحنیفہؒ کے متعلق بشارت بنوی
علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر بحث کی گئی ہے۔ نیز فقہ حنفی کو موافق بالحدیث ہونے کو ثابت کیا
گیا ہے۔ تیسرا باب امام صاحب کے درس و افادہ، تلامذہ و مستفیدین اور آپ کے درس کی شہرت
و مقبولیت کے تذکرہ کے لئے مخصوص ہے۔ چوتھے باب میں امام صاحب کی محدثانہ جلال و شان،
افزودایت میں ان کے حزم و احتیاط اور قبول حدیث میں ان کی مقرر کردہ شرائط پر روشنی
ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں امام صاحب کے بارے میں ائمہ حدیث کے آراء و اقوال بھی نقل کئے

گئے ہیں۔ جن سے علم حدیث میں امام صاحب کی عبقریت کا پتہ لگتا ہے۔ پانچویں باب میں امام صاحب کے اوپر سے قلت حدیث کے اعتراض کو قوی دلائل سے دفع کیا گیا ہے۔ چھٹے اور ساتویں باب میں امام صاحب کی تصانیف ان کی افادیت و اہمیت بالخصوص "کتاب الآثار" پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں امام صاحب کے اہم ترین اور مجرب العقول کا زائما "تدوین فقہ اسلامی" پر بھی شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں ابواب بطور خاص قابل مطالعہ ہیں۔ آٹھویں باب میں امام صاحب کے تبحر علمی، ان کی ذہانت و فطانت، مکتہ رسی، دقیقہ سنجی، حسن اخلاق اور کریم النفسی کو واقعات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ نوویں باب میں امام صاحب کے مجاہدہ و ریاضت، ورع و تقویٰ، توکل و استغفار، تواضع و انکساری، شفقت علی الخلق اور انسانی مروت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی ذیل میں دیگر فقہائے احناف کے سیرت و کردار کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ دسواں باب امام صاحب کی وصایا اور نصائح پر مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے بعض تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف اور یوسف بن خالد سمعی وغیرہ کو زبانی یا تحریری کی تھیں جن میں سربراہ مملکت کے ساتھ اہل علم کا رویہ، شہری آداب، ازدواجی آداب، معاشرتی آداب، مجلسی آداب، زندگی گزارنے کے طریقے، تزکیہ نفس اور نیک و بد کی پہچان، فرق مراتب اداۓ حقوق وغیرہ کے سلسلے میں گرانقدر ارشادات و نصائح ہیں۔

گیارہواں باب ۱۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں امام صاحب کے نظریہ انقلاب اور سیاسی مسلک کو بڑی تحقیق و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں امام صاحب کے تیار کردہ سیاسی لائحہ عمل، قانون کی بالادستی، احترام امت، اور جبر و ظلم کے مقابلے میں ان کی سہولت و پامردی اور حق کی حمایت و نصرت وغیرہ امور پر سیر حاصل بحث ہے۔ درحقیقت یہ باب کتاب کی جان ہے۔ اور بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

بارہویں باب میں قیاس و اجتہاد کی شرعی دائینی حیثیت، حدیث و قیاس کا ملازم، قیاس درائے کے رہنا اصول وغیرہ پر تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں امام صاحب کو

اہل رائے کہہ کر ان پر طعن و تشنیع کرنے والوں کے جوابات بھی دئے گئے ہیں۔ اور ان بیجا اعتراض کرنے والوں کی علم و عقل سے تہی دستی دے مانگی کو ظاہر کیا ہے۔ یہ بات بھی دیگر ابواب کے مقابلے میں مفصل ہے۔

تیسری اور آخری باب میں تقلید کی ضرورت و اہمیت، اجتہاد مطلق کی شرعی حیثیت، تقلید شخصی کے وجوب، عدم تقلید کی مضرت اور بیجا توسع کی مذمت پر بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں پاکستان کے مشہور صاحبِ قلم و صحافی ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ نیم تقلید کی بحث بھی آگئی ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کے اس جدید فلسفہ کو تعلیمات اسلامی کی روح و مزاج کے خلاف بنایا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات کے عنوان سے ماخذ و مصادر کی طویل فہرست دی گئی ہے جن میں ۷۰ کتابیں اور ۵ رسالے ہیں۔ اس فہرست سے مؤلف کی تلاش و جستجو اور محنت و کاوش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ کتاب اپنے موضوع پر جامع مستند اور کتابیات کی دنیا میں ایک قابل ذکر افتخار ہے۔ البتہ چونکہ مؤلف خطہ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو ان کی زبان نہیں ہے۔ اس لئے کہیں کہیں لسانی و ادبی خامیاں رہ گئی ہیں۔ بعض جگہ نقل میں بھی غلطی ہو گئی ہے مثلاً ص ۳۲ پر علامہ اقبال مرحوم کے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ یوں نقل کیا گیا ہے، "ستیزہ کار رہی ہے ازل سے تا بہ ہنوز، جبکہ صحیح "ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا مرد زہ ہے۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں بھی ہیں۔ ان معمولی (اور قابلِ نظر انداز خامیوں) کے باوجود کتاب اپنے مستند مواد اور صحیح نقول کی جامعیت کے لحاظ سے قابلِ قدر ہے اور یقین ہے کہ اہل علم کے حلقہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

مغزلہ

سید محمود رزمی ڈاکٹر

حیاتِ موت کا عنوان ترے طرزِ سخن میں ہے،
مزاجِ باغباں کے ساتھ نظمِ گلستاں بدلا،
شرافت، خلق، ہمدردی، اخوت، جذبہٴ اہل
جنوں نے روند ڈالا رفعتِ ادراکِ انساں کو
فرزِ دار پر چڑھ کر ہوا منصورِ وارفتہ
لکھے تھے کچھ ورق میں نثری غفلتِ شعرا پر
قرینہ آگیا خاروں کو پالوسی کا اے ہمد
پگھلنے کا سلیقہ دیکھئے چشمِ تحیر سے،
عروسِ نقتہ کا جلوہ فروغ بانگین میں ہے
گلوں کی آبرو باقی کہاں سخن چمن میں ہے
یہ سب موجود ہے لیکن کتبِ باگین میں ہے
خرد کی چیر دستی کیوں حجابِ فکر و فن میں ہے
زبانِ عشق گو یا حلقہٴ دار و رسن میں ہے
حکایت اس کی کچھ نہاں گلوں کے پیرن میں ہے
مزا چلنے کا اب صحرا میں اور شہتِ دمن میں ہے
کہ سب سوز و گداز دل چسراغِ انجمن میں ہے

یہی سیمائی رزمی محبتِ روتے شیریں ہے۔

مزاجِ ناشکیبائی خمیر کو بہن میں ہے،

کلام اللہ علی

سرپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم کالج العلوم اسلامیہ

مدینہ

خیبۃ الرحمن قاسمی

جگایا کاشانی صاحب مطابع فریدی ۱۹۸۷ء

دارالعلوم

ماہنامہ

98

شمارہ نمبر ۵ | بابہ ماہ فروری ۱۹۸۶ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَضْرَتُ مَوْلَانَا مَعْرُوفُ رَبِّ الرَّحْمٰنِ ضَامِعًا مَعْمَارِ الْعُلُوْمِ

مدینہ

فی پٹیہ 3/-

مکمل ناچیبیہ الرحمن لقاوی - 30/-

رسالہ

سسالانہ بدل اشتراک { سعودی عرب، کویت، ایلوہی، جنوبی و مشرقی افریقہ - برطانیہ/ 160
 بیرون ممالک سے { امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایر میل — 160/-
 پاکستان - 50/- ہندوستانی - بنگلہ دیش - 50/- ہندوستانی
 سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا۔

فہستہ مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	عقائد اہل سنت والجماعت عقائدنا مشرتہ	"	۷
۳	حضرت نانوتوی اور عشق رسول صلعم	مولانا حافظ محمد اقبال ماچسٹر	۲۲
۴	تحقیق حدیث و مجال پر ایک نظر	مولانا عبدالقدیر انصافی	۳۱
۵	روس میں ترجمہ قرآن مجید	مولانا ابوالکلام قاسمی	۳۷
۶	{ ایک عظیم مہنت ادرا چاریہ کا قبول اسلام	ادارہ	۴۶
۷	نعت شریف	صاحبزادہ سید محمود رزوی دیکٹ الہ آباد	۴۸

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں کو ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرست میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۷ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھجویں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

(۳) خسر یا حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں خط کتابت کے وقت خریداری نمبر ضروری لکھیں۔

والسلام
مینجمرستالہ

فراز

حَبِيبَةُ الرَّحْمَةِ الْقَائِمَةُ

دارالعلوم دینیوں اور اس کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کھائے دیوبند کا مزاج مسلمانوں کی تعمیر کا ہے۔ تخریب کا نہیں، وہ وحدتِ ملی کے داعی ہیں تفریق و تحزب کے نہیں۔ ان کا نصب العین دائرۃ اسلام میں وسعت دینا ہے، تکفیرِ مسلم کا نہیں۔ ان کی جدوجہد کا موضوع و محور علوم کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت ہے مناقشہ و مکارہ نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اثباتِ حق و تردیدِ باطل چھلانے دیوبند کو کوئی سرکار نہیں اور وہ اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی سے گریزاں ہیں۔

تاریخ شاہد اور زمانہ گواہ ہے کہ طاقت و کثرت، علم و فکر، دجل و تبلیس، جہل و افتراء جس راہ سے بھی حوزہ اسلام میں دراندازی کی کوشش کی گئی۔ اسلام کے دفاع میں ہر اہل دستے کی خدمت اسی طاقت منصورہ نے انجام دی ہے۔ اسلامی شعائر و مآثر کو مسخ و محو کرنے کے لئے جب بھی کسی طوفان نے سراٹھایا ہے۔ علانے دیوبند نے اپنے علمی رسوخ و روحانی نفوذ کے ذریعہ اس کا سرکپل دیا ہے۔ آریائی پٹھتوں اور عیسائی پادریوں کیسے نازک اور ہمت شکن وقت میں اسلام پر حملہ آور ہوتے تھے تاریخ ہند کا علم اس سے ناواقف نہیں ہے۔ لیکن اکابر دیوبند نے حالات کی انتہائی یسٹینگی کے باوجود جان و مال اور عزت و آبرو کے زیاں سے بے پرواہ ہو کر ان کا تعاقب کیا اور انہیں

شکست پر شکست دیکر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر سدھی دستگیر کن کا نکتہ کس قوت و شدت کے ساتھ برپا کیا گیا تھا؟ اس کی تباہ کاریوں کو دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں مگر اسلام کے یہ فداکار سپاہی کو ہر استقامت بن کر اس کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اور بالآخر ہمیشہ کے لئے اسے گمنامی کے گورستان میں دفن کر دیا۔

جب جماعتِ مسلمین میں سے سرسید احمد خاں نے بیستہ ترقین کے بجا اعتراضات سے مرعوب ہو کر معجزات وغیرہ اسلام کے منصوص و متواتر مسلمات میں دو دراز کار تاویلات کا باب کھول دیا۔ تو اس وقت کے اکابر دیوبند نے ان کی غلط اور بے بنیاد تاویلوں پر کھل کر علمی انداز سے تنقیدیں کیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی مشہور تصنیف "تصفیۃ العقائد" اسی سلسلہ کی اولین کڑی ہے۔ اس اہم ترین علمی اختلاف کے باوجود تو اسی بالحق کار شمشہ ان سے قائم رکھا اور ان کے ساتھ تعاون علی البر میں ادنیٰ کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے کالج میں دینیات کا شعبہ قائم کیا تو حضرت نانوتوی کے داماد اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل مولانا عبدالرشید انصاری اور پھر ان کے صاحبزادے مولانا احمد میاں انصاری نے اس شعبہ کی نظامت کے فرائض انجام دیکر یہ ثابت کر دیا کہ علمائے دیوبند کا سرسید احمد خاں سے علمی و دینی اختلاف امور غیر میں ان کے ساتھ تعاون میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اسی طرح جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی نفسانی اغراض کی تکمیل کے لئے اسلام کے دلکش و عطر بیز لباس میں بدعات و خرافات کا بد نما و متعص پیوند لگانا چاہا تو علمائے دیوبند نے ان کی اس ناروا جسارت پر بر ملا نیکیر کی۔ لیکن اس علمی و فقہی اختلاف کو کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں بنایا۔ اگرچہ مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے فرقہ کی طرف سے علمائے دیوبند کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ انھیں کافر تک کہا اور کہلایا گیا لیکن علمائے دیوبند اپنی اعتدال پسندی پر قائم رہے اور علمی اسلوب میں ان کے ہر اعتراض اور الزام کا جواب دے کر احقاقِ حق و ابطالِ باطل بلکہ فریضہ کی انجام دہی کرتے رہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جس وقت اپنے آقائے فرنگ کی ہدایات پر مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے اور ان کی جماعت میں انتشار و افتراق کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے ثابت شدہ قطعی و لازمی عقیدہ "ختم نبوت" کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی جعلی نبوت کا اعلان کر کے خود اپنے ہاتھوں کفر پر مہر ثبت کر لی تو علمائے دیوبند کیلئے علمی و شرعی اعتبار سے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اس مسئلہ ہند کے خارج از اسلام ہونے کی وضاحت کر دیں۔ تاکہ امت اس کے دجل و تمییس کے دام میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے۔

فرد اثناعشر یہ بھی اپنے ائمہ کے بارے میں جس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے اس سے حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ گروہ تحریف قرآن اور باستثناء پانچ صحابیوں کے جملہ حضرات صحابہ کے (نعوذ باللہ) فسق و کفر کا قائل ہے جو کھلا ہو کفر ہے۔ اس لئے ان کے خارج از اسلام قرار دئے جانے پر جو لوگ منہ بگاڑتے ہیں۔ وہ یا تو اسلام کی حقیقت کو سمجھتے ہی نہیں یا جانتے ہوئے اپنی خود ساختہ وسعتِ ظنی اور رواداری کا عوام پر سکے جانے کے لئے علمائے دیوبند پر کفر سازی کی بھتی کتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ رواداری نہیں بلکہ مدائنت فی الدین ہے جس کی آخرت میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ - وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ

ایک شعر
ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے تو من

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اذا فعلت امتی خمس عشر خصلۃ حلت بہا البلاء وفیہ واتخذ القیان و

المعازف (رواہ الترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے گی اُسے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آپ نے ان پندرہ چیزوں میں سے دس چیزیں وہ بیان فرمائیں جب گانے والیوں اور باجے کا رواج ہو جائے۔

تشریح مذکورہ حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ نزول مصائب کے اسباب میں سے مغنیہ عورتوں اور موسیقی کی کثرت اور رواج بھی ہے۔ آج امت مسلمہ جس طرح ہر جہاں طرف سے آلام و مصائب میں گھری ہوئی ہے۔ جس کی نظیر گذشتہ زمانے میں کمتر نظر آئی ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہماری ناپاج باجوں سے غیر معمولی دلچسپی بھی ہے۔ اس لئے کم از کم ہمیں اپنی دنیا کی عافیت و راحت کے لئے ہی ان محرمات سے الگ ہونا چاہئے جو آخرت کو تباہ کرتی ہیں۔ ہماری دنیا بھی برباد کر رہی ہیں۔

(ایک صاحب خیر)

حَبِيبَةُ الْجَلِيْفَةِ تَأْتِيهِ

عَقَائِدِ اَهْلِ سُنَّتِ وَالْجَمَاعَةِ وَعَقَائِدِ شَيْعَةٍ اِيك تَفَالِي مَطَالَعَةٍ

عَقَائِدِ اِهْلِ سُنَّتِ وَالْجَمَاعَةِ دَرَبَابِ

الْهَيَاتِ :- اس باب میں اہل سنت والجماعت سے ۲۲ عقائد میں شیعہ مختلف ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (عقائد اہل سنت والجماعت)

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا شرعاً واجب ہے، نہ کہ عقلاً یعنی قطع نظر حکم خداوندی کے از روئے عقل معرفت خداوندی میں غور و فکر واجب نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حیات کے ساتھ زندہ ہے۔ علم کے ساتھ عالم ہے، قدرت کے ساتھ قدیر ہے یعنی جس طرح ان امور کے شقائق کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست ہے اس طرح خود ان امور کا بھی اطلاق صحیح ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجوب سے پہلے جانتا ہے یہی تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شے کا اندازہ ہے کہ یہ ایسی اور ویسی ہوگی اور اس کے مطابق وہ چیز اپنے وقت میں پُر و جود میں آتی ہے۔

(۴) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں تعریف یا کفر زیادتی نہ اب تک ہوتی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔

(۵) حق تعالیٰ کے لئے بداجائز نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو اس کے خلاف مصلحت نظر آئے جو پہلے معلوم نہ تھی لہذا پہلے ارادہ کو ترک کر کے دوسرے ارادہ کو اختیار کرے۔ کیونکہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے لئے جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ امور کے نتائج سے واقف نہیں ہے اور نعوذ باللہ من الغیب انہ لیس ہے۔

رسالہ اعلام الہدیٰ فی تحقیق البراہین "بدا" کی تحقیق یوں کی گئی ہے۔

یقال بدالہ اذا ظہر لہ ذائی مخالف للسرائ الاول وهو الذی حققہ الشیخ فی العمدۃ وابوالفتح الکرآجکی فی کنز الفوائد والذی حققہ المرتضیٰ فی الذریعۃ ویشعر بہ کلام الطبرسی وهو ان معنی قولنا بدالہ تعالیٰ انہ ظہر لہ من الاعور ما لم تکن ظاہراً الی آخرہ۔

ان تحقیقات کے نقل کرنے کے بعد صاحب اعلام الہدیٰ نظام الدین جیلانی یکے از محققین شیعہ ان..... کا خلاصہ یوں نقل کرتے ہیں۔ الحاصل ان علمہ سبباً نہ بالحوادث حادث علی ما دل علیہ الاحادیث والایۃ المذکورۃ ونظائرہا وصرح بہ المرتضیٰ والطبرسی والمقداد قدس اللہ ارواحہم یعنی حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم نہیں ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و کراہی پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد ہے
لا یرضی لعبادۃ الکفر،

(۷) اللہ تعالیٰ ہر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۸) آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔

عقائد اثنا عشریہ

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا عقلاً واجب ہے، یعنی قطع نظر شرع کے اندرون عقل ہر مکلف پر واجب ہے کہ خدا کو پہچانے۔ یہ عقیدہ الالہ الحکم، لامعقب لحکمہ

وَمَا كُنْتُمْ مَعَدَّيْنِ حَتَّىٰ بُعِثَ رَسُوْلًا كَيْفَ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ عٰقِلِيْنَ
واجب ہوتی تو رسول کی بعثت سے پہلے عذاب دیا جاسکتا تھا۔

(۲) امامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صفات سے عاری ہے۔ البتہ ان صفات کے شتقات اس کی ذات پر برلے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو حی - سمیع - بصیر، علیم وغیرہ کہنا جائز ہے لیکن اس کے لئے علم، قدرت، سمیع اور بصیر کا اطلاق درست نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات سے باری تعالیٰ کے لئے ان صفات کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اَنْزَلْنٰہُ بِعِلْمِہٖ - وغیرہ۔

(۳) اثنا عشریہ کے مقدّمین و متاخرین کی ایک جماعت جن میں مقدار اکثر العرفان کا مصنف بھی شامل ہے، کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو ان کے وجود سے پہلے نہیں جانتا یہ عقیدہ قرآن کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے - اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِیْمٌ - قد احاط بكل شیئی علماً، ما اصاب من مصیبتہ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان ینزلھا۔ انا کل شیئی خلقناہ بقدر، ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ العرغلبت الروم فی ادنی الارض وهم من بعد غلبہم سیغلبون۔ اور یہ آیت فارس پر روم کے غلبہ سے پہلے کی ہے۔

(۴) اثنا عشریہ کلام مجید میں تحریف اور کمی و زیادتی کے قائل ہیں۔ یہ عقیدہ انما انزلناہ الذکر وانا لہ الحافظون ۵ اور آیت شریفہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیه ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید کے بالکل خلاف ہے۔

(۵) فرقہ امامیہ جو اثنا عشریہ کی ایک شاخ ہے اور خود اثنا عشریہ بھی پدا کے قائل ہیں چنانچہ کلمنی میں زراہ بن امین سے مروی ہے کہ اللہ کے پاس یا سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں ما عظم اللہ بمثل البداء۔ اور ابن صلت رضی اللہ عنہما

سے ناقل ہے کہ ما بعث الله نبياً قط الا يتحرم الخمر وان ينقر له المبدأ
شیعوں کے نزدیک بڑا اپنی ہر سہ اقسام برفانی الاخبار، برفانی التکوین، برفانی التکلیف
اللہ تعالیٰ کیلئے جائز بالفاظ دیگر برفانی العلم، برفانی الارادہ، برفانی الحکم اللہ کیلئے ثابت ہے
(۶) اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ وہ شیعہ کے علاوہ دوسروں کے کفر پر راضی ہے چنانچہ صاحب
محاسن نے امام موسیٰ کاظم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لا تعلموا هذا الخلق اصول
دینہم وارضوا لهم بما رضى الله لهم من الضلال۔

(۷) شیعہ سب کے سب متفق ہیں کہ بقاضائے عقل بہت سی چیزیں اللہ تعالیٰ پر واجب
ہیں جو یا عقل کا رخنہ قدرت میں شریک ٹھہری، اور خدا عقل کا محکوم یہ خیال مرتبہ الوہیت
و ربوبیت کے سراسر منافی ہے۔

(۸) شیعہ میں سبہ فرقہ کے علاوہ سب متفق الخیال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے
ان کا یہ عقیدہ آیت پاک وجوہ يومئذ ناضرة الى ربها ناطقة وغيرہ آیات کے باطل
خلاف ہے۔ شیعہ کے پاس اس مسئلہ میں عقل کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے وہ غائب کو
ظاہر پر قیاس کرتے ہیں جو انتہائی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے کہ اپنی ناقص عقل کو انہوں
نے آیت قرآنیہ کے مقابلہ میں ترجیح دی۔

عقائد اہل سنت والجماعت درباب

رسالت پندرہ عقیدوں میں اختلاف ہے۔

(۱) صرف اہل سنت والجماعت ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی فرقوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ
جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوقات میں سب سے افضل اور بزرگ ہیں ثواب
اور قرب رتبہ میں ان کی ہمسی کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ ان سے افضل ہو۔

عقائد شیعہ

جب کہ امامیہ کے نزدیک حضرت علیؑ اولوالعزم انبیاء کے علاوہ تمام نبیوں سے افضل ہیں

اس عقیدہ کا کتاب و سنت کے خلاف ہر نابالکل ظاہر ہے۔ جس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ شیعوں کا فرقہ زید یہ خود اس سنہ میں امامیہ اثنا عشریہ کا مخالف تھا انکی پر زور تردید کی ہے۔ امامیہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں غلو کی چند مثالیں۔

(۱) یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے اور عارضی ہے اصل مقصد ائمہ کو پیدا کرنا ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ائمہ کی اطاعت پر فرشتوں اور نبیوں سے عہد لیا ہے اور اس سلسلے میں وہ متعدد روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ جسے شیخ ابن بابویہ نے ذکر کیا ہے۔ - انه لما سري به وكلمه ربه قال بعد كلام انك رسولى الى خلقى وان عليا دى امير المؤمنين اخذت ميثاق النبیین وملائكتى وجميع خلقى بولايتہ۔ ابن صفار نے بھی اس بات میں ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ ان الله اخذ ميثاق النبیین بولايتہ على بن ابى طالب۔ ان روایتوں کی تضعیف و تکذیب کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود ان کے ایک مشہور عالم شریف تفسی نے جو علم البدی کے نقیب سے یاد کئے جاتے ہیں اپنی کتاب الدرر والغری میں ان ميثاق کی روایتوں کی بڑی شد و مد سے تکذیب کی ہے۔ - دکنى الله المؤمنين القتال

(۳) کہتے ہیں کہ انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس نور کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل کے قطعاً خلاف ہے کہ اگلا پھیلے کی اقتدا کرے اور ان سے فیض حاصل کرے۔ اور اس باب میں بھی انھوں نے ابن بابویہ کی زنجیل سے ایک روایت ابو محمد حسن عسکری کی جانب منسوب کر کے نکال لی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ اعوذ بالله من قوم حذوا محکمات الکتاب و سوارب الارباب و النبى و ساقا الکوثر يوم حساب و لعلی الطامة الكبرى و نعیم دار المتقين فنحن السام الاهظم و فیما النبوة و الولاية و اکرم فنحن من اولادى العروة الوثقى و الانبياء كانوا یقتبسون من النورنا و یقتفون آثارنا و سیظهر حجة الله

على الخلق والسيف المسلول لافظها والحق - اس عبارت کا جعلی اور من گھڑت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۴) کہتے ہیں کہ بروز قیامت حضرت امیر اور ائمہ کا درجہ بلند و بالا تر ہوگا۔ چنانچہ ابن ابی یوسف معانی الاخبار میں یہ روایت ذکر کرتا ہے کہ حضرت امیر نے فرمایا۔ انا یوم القيامة على الدرجة الرفیعة دون درجة النبی واما الانبیاء والرسل فدونا على المراتی۔

عقائد اہل سنت والجماعت

رسالت (۲) حضرات انبیاء و رسل گوی اور بہتان طرازی سے عمداً، سہواً بعد از نبوت و قبل از نبوت ہر حیثیت سے پاک اور متبر ہیں۔

(۳) حضرات انبیاء کا قبل از بعثت اور بعد از بعثت واجبات ایمان سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ فقائد میں جہالت کفر و زندقیت کا سبب ہے اور یہ ممکن نہیں کہ حضرات انبیاء (نمود باشر) اس قسم کی جہالت میں رہیں۔ ہاں نزولِ وحی سے پہلے احکام شریعہ سے انہیں لاعلمی ہوتی ہے چنانچہ اسی کی طرف اشارہ و حکمتاً ما لعل تکن تعلم، وکلا اتینہ حکماً و علماً۔ و اتینہ الحکم صبیحاً، و اتیناکم الحکمة و فصل الخطاب، اور بعض مقامات پر اس مضمون کے بعد بعثت، رسالت، وحی، نزول کتاب کا ذکر آیا ہے بلکہ حضرت لقمان کے حق میں حکمت کا لفظ آیا ہے۔ جن کے پاس نہ وحی آئی اور نہ انہیں نبوت ملی۔

(۴) کسی نبی نے ادائیگی فرائض رسالت سے معافی نہیں چاہی اور نہ احکام خداوندی کی بجا آوری سے معذرت چاہی۔

(۵) حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو کسی کے پاس پیغام رساں بنا کر نہیں بھیجا۔ اور سلسلہ وحی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

(۶) کوئی امام اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ احکام شریعہ میں سے کسی حکم منسوخ یا تبدیل کر دے۔

عقائد شیعہ (رسالت)

۱۱) امیہ کہتے ہیں کہ انبیاء کیلئے کذب جائز ہے اور لمحاظ تقیہ واجب ہے۔

(۳) امیہ کا عقیدہ ہے کہ بعثت کے وقت بلکہ بوقت مناجات (جو جناب باری تعالیٰ سے بشری قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے) حضرات انبیاء کو اصول عقائد کی معرفت حاصل نہیں ہوتی دلیل میں محمد بن یعقوب کلینی کی کافی میں بیان کردہ روایت کو پیش کرتے ہیں جسے کلینی نے ابو جعفر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ ان موسیٰ ابن عمران صلوات اللہ وسلامہ علیہ سال اللہ تعالیٰ یا رب بعید، انت معی فانادیک ۴۱ قریب فانما جیک، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مناجات کے وقت باری تعالیٰ کے قریب بعد مکانی سے پاک ہونے کا انھیں علم نہیں تھا۔

(۴) امیہ کہتے ہیں کہ بعض اولوالعزم رسولوں نے ذمہ داری رسالت سے سبکدوشی حاصل کرنی چاہی ہے اور مال مٹول، حیلے حوالے اور عذر کئے ہیں۔

حالانکہ رسالت سے معافی وہی کو رد کرنا ہے۔ اور حکم خداوندی کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ اور

انبیاء اس سے معصوم ہیں۔

(۵) امیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت امیر کے پاس وحی آئی تھی آپ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں صرف آنا فرق ہے کہ آنحضرتؐ کو فرشتہ دیکھائی دیتا تھا اور حضرت امیر اس کی صرف آواز سنتے تھے دیکھتے نہ تھے چنانچہ کافی میں سجاد علیہ السلام سے کلینی نے نقل کیا ہے کہ۔ ان علی بن ابی طالب کان محدثاً وهو الذی یومئز اللہ الیہ الملک فیکلمہ ویسمع الصوت ولا یرى الصورة۔

اثناعشر یہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کو احکام میں تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ یہ عقیدہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ امام تو دراصل پیغمبر کا نائب اور اس کی شریعت کی اشاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر اس کا حکام میں رد و بدل کرنے کا اختیار دید جائے تو یہ اس کا

مخالف ہو جائے گا نہ کہ نائب۔

اور ظاہر ہے کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ شمس لکم من
الدین ما دقتی بہ نوحًا، ولکن جعلنا منکم شرعہ و منہاجًا۔

امامت (عقائد اہل سنت والجماعت)

اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں اور
مشریعت کی روشنی میں اس کی اتباع اپنے اوپر لازم جانیں اور امور شرعیہ میں اس کی معاد
کر لیں۔ البتہ شارع نے امیر کے اوصاف، شرائط اور لوازم کو بیان کر دئے ہیں تاکہ ان
کی رعایت سے ریاست بدلی اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو۔ شریعت کا قانون یہی ہے کہ وہ
ان عمومی شرائط اور لوازم کی وضاحت کر دیتی ہے جو صلاح و فلاح کا باعث ہیں
اور تعین و تخصیص عقل کے حوالہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ نکاح کے باب میں منکوحہ کے اوصاف
اور شرائط نکاح (کفالت، شہادت، مہر و ولایت) اور اس کے لوازم نان و نفقہ اور مکان
وغیرہ کی تصریح کر دی گئی۔ اور منکوحات کے تعین کے بارے میں کوئی تعین نہیں کیا گیا کہ فلاں
کا نکاح فلاں سے اور فلاں کا فلاں سے کیا جائے۔ یہی حال تمام معاملات بلکہ امور دینیہ کا ہے
چنانچہ فرمایا گیا۔ فاسئلوا اهل الذکر ان یتعلمون ۵ اور علماء مجتہدین کی کوئی
تخصیص نہیں فرمائی۔

(۲) امام کی امامت کیلئے اس کا ظاہر ہونا شرط ہے۔

(۳) امام کا علم و اجتہاد میں خطا سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ گناہ سے معصوم ہونا شرط
ہے۔ البتہ بوقت تقرر اس کا گناہ کبیرہ سے پاک ہونا اور صغیرہ پر اصرار سے بری ہونا چاہئے

(۴) امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل زمانہ میں سب سے
افضل ہو۔ چنانچہ طاہوت کو حق تعالیٰ نے حور اپنے حکم سے امام بنایا تھا حالانکہ حضرت قسومیل
اور خود حضرت داؤد موجود تھے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں حضرات طاہوت سے افضل تھے۔

(۵) جمیع اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلافاصلہ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ و امیر ہیں۔

عقائد شیعہ

(۱) امامیہ کہتے ہیں کہ امیر و امام کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ واجب ہے۔
 (۲) شیعہ امام کے ظاہر ہونے کی اس شرط کو نہیں مانتے۔
 (۳) شیعہ کے نزدیک امام کا خطا سے پاک ہونا اور معصوم ہونا شرط ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا۔ لَہٰذَا طَالُوتُ وَاجِبُ الْاِطَاعَةِ اِمَامٌ ہُوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کیا حالانکہ بالاجماع یہ معصوم نہیں ہیں۔

(۴) ان کے نزدیک امام کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا ضروری ہے۔
 (۵) شیعہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے تمام فرقے اس انکار میں متفق ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام بلافاصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوبکر فاصب تھے۔

عقیدہ معاد (عقیدہ اہل سنت والجماعت)

(۱) قیامت کے دن بندوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بعث و نشر ایک وقوع میں آنے والا امر ہے تاکہ وعدہ خلافی لازم نہ آئے۔

(۲) عذاب قبر حق ہے۔

(۳) مردوں کی قیامت سے پہلے دنیا میں واپسی نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں میں سے جسے چاہے گا عذاب دیگا اس کو کسی فرقہ کا پاس دلچاط اس سے روک نہ سکے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ یُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَ یَرْحَمُ مَن يَشَاءُ۔

عَقِيدَةُ مَعَادٍ (عقائد شیعہ)

(۱) امامیہ کے نزدیک بعثت و نشرِ اِشْرَاقِ پر واجب ہے الٰہیات کے باب میں گذر چکا کہ اِشْرَاقِ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۲) شیعوں کے اکثر فرقے حتیٰ کہ زیدیہ بھی عذابِ قبر کے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے۔

(۳) امامیہ سب کے سب اور رافضیوں کے اکثر اس کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر، وہی سبطین اور ان کے دشمن یعنی ہر سہ خلفاء و اماموں، زید، مردان اور دوسرے ائمہ اور ان کے متبعین حضرت مہدی کے ظہور کے بعد زندہ ہوں گے اور حادثہ دجال سے پہلے ان سب تصور داروں کو عذاب دیا جائے گا۔ اور ان سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر وہ مر جائیں گے اور قیامت میں پھر زندہ کئے جائیں گے۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔ خود فرقہ زیدیہ نے اس عقیدہ کی پُر زور تردید کی ہے۔

(۴) امامیہ کا شفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ کسی امامیہ کو گناہِ صغیرہ اور گناہِ کبیرہ کسی پر بھی عذاب نہ دیا جائے گا۔ اسی لئے وہ ترکِ واجبات اور ارتکابِ معاصی پر جری ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نجات اور خلاصی کے لئے حضرت علی کی محبت کافی ہے۔ دراصل یہ عقیدہ یہود سے لیا گیا ہے۔

اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ان کے علاوہ تمام فرقے شیعوں وغیرہ کے دوزخ میں رہیں گے۔ نبی صرف اثنا عشریہ ہیں۔ ان کا مشہور مذہب یہی ہے۔ ابنِ مطہر علی شریحِ تجرید میں لکھتا ہے کہ ان فرقوں کے بارے میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انھیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں لایا جائیگا۔

مسلم پرسنل لا کی حیثیت و اہمیت

مولانا عبدالحمید نعمانی — شعبہ تالیف جمعیتہ علماء ہند

مسلم پرسنل لا کی ملکی اہمیت | مسلم پرسنل لا کے جتنے بھی مسائل ہیں یا تو وہ کتاب سنت میں مراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ یا کتاب سنت سے، ثابت ہیں۔ بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب: کتاب تشریح اصل ہے۔ جس سے شریعت بنتی ہے۔ حدیث تشریح اصل ہے جس سے شریعت کھلتی ہے اور فقہ تفریح اصل ہے جس سے شریعت پھلتی ہے۔ اور منضبط ہو کر قانون کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا کی بنیاد ان ہی تینوں پر ہے۔ یا یہ کہنے کے مسلم پرسنل لا کا نام خدا کا کتاب و سنت، اجماع، اور قیاس شرعی ہیں۔ اسی بنا پر اسے دینی و ملکی حیثیت سے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس پر مسلمان کے مسلمان رہنے کا مدار ہے۔ اسلام کے عالمی اور شخصی قانون کی بقا کے بغیر امت اسلامیہ کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ وہ روح ملت کا محافظ ہے۔ ملت کے عالمی قانون کی بقا سے ہی عقائد و افکار کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ وہ شجرۂ اسلام کی شاخوں اور ٹہنیوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح جڑ کاٹ دینے سے شاخ اور پتے خم ہو جاتے ہیں اسی طرح بارہا دیکھا گیا ہے کہ شاخ اور پتے کاٹ دینے سے آہستہ آہستہ درخت

بھی سڑ گئی کر ختم ہو جاوے جس طرح درخت کی زندگی کا اندازہ پتوں اور ساقوں کی ہر پالی سے لگایا جاتا ہے اسی طرح افکار و تصورات کی زندگی کا اندازہ شخصی مظاہرے سے ہوتا ہے۔ ان عمل مظاہر کے میدان حیات سے ختم ہو جانے سے عقائد و افکار کی بنیاد بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

اگر غرور سے دیکھا جائے تو مسلم پرسنل لارہی اسلامی اقدار کا منظر ہونے کے ساتھ مسلمانوں کے اندر ایمانی تقاضوں کے سونے رکھنے کا ناگزیر وسیلہ اور خدا پرستی کا ناگزیر لازم ہے۔ اس کو ختم کر دینا یا اس میں تبدیلی کر دینا مسلمانوں کی انفرادیت کو ختم کرنے کے ہم معنی ہے۔

کتاب سنت کا سرسری مطالعہ
مسلم پرسنل لارہ کتاب سنت کا اہم باب بھی یہ جاننے کیلئے کافی ہے کہ

مسلمانوں کے معاشرتی زندگی سے اکثر متعلق مسائل کتاب سنت میں صراحت کیساتھ مذکور ہیں۔ اور کسی حکم کا کتاب و سنت میں مذکور ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کی پابندی لازم ہے۔ اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ مثلاً نکاح کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم کہتا ہے! کتاب اللہ علیکم، طلاق و خلع کے سلسلے میں یہ تنبیہ کی ہے۔ تلاف حد و د اللہ۔ مستحقین کے حصے کو نصیباً مفرطاً سے تعبیر کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی سے مسلم پرسنل لارہ کی شرعی و ملی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کے پرسنل لارہ کی دینی و شرعی اہمیت
مسلم پرسنل لارہ کی تہذیبی اہمیت کو جان لینے کے بعد اب ذرا پرسنل لارہ

کی تہذیبی اہمیت پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس بات سے ہر باشعور انسان واقف ہے کہ شخصی قوانین کی پابندی و عدم پابندی پر قوموں کی بقا و فنا کا مدار ہوتا ہے۔ اور ان کو

تہذیبی حیثیت سے ایک اہم ترین مقام حاصل ہے۔ کوئی قوم اپنے شخصی امتیازات کو کھو کر زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔ پرسنل لار قوموں کے نظریہ زندگی کی پیداوار ہے۔ اس کے قومی فکر کو عملی رنگ ملتا ہے۔ اسی کے اندر مذہب و تہذیب کی روح جذب ہوتی ہے۔ اور اس سے قوم کا شبہ روز سابقہ پڑتا ہے۔ عائلی قوانین ایسے ضوابط ہیں جو ان کے بنیادی عقائد و تصورات کی سر زمین سے جنم لیتے ہیں۔ اور جن کے مطابق اس کی زندگی کا پورا نظام چلتا ہے۔ ان کے بغیر قوموں کا تشخص باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ جب عام قوموں کے پرسنل لار کی اہمیت کا یہ حال ہے تو پھر مسلمانوں کے اس پرسنل لار کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ جس کا سرچشمہ خالق کائنات کا کلام جاوید اور رسول پاک کا خالق کے سرچشمے سے مقبس اسوہ ہے۔ جو مسلم تہذیب و تمدن کا واحد مظہر اور تنہا نشان ہے۔ جس کی فناء و بقا سے مسلمانوں کے مذہبی و ملی اقدار کی موت و حیات وابستہ ہے۔ جو ان کے فکر و عقیدہ کے لئے جسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر ان کے عقیدہ و ایمان کا مدار ہونے کے ساتھ اس کے وجود کا انحصار ہے۔ جس کو اپنائے بغیر مسلمانوں کی دینی زندگی کا رشتہ برقرار نہیں رہ سکتا۔

مسلم پرسنل لار سے سماجی ارتقار کا گہرا تعلق ہے۔ اگر مسلمانوں کے فطری عائلی قانون کا رشتہ ان کی زندگی سے کاٹ دیا جائے تو فطرت کی فلک بوس مہارت چشم زدن میں زمین پر آ رہے گی۔ عائلی قانون وہ پیٹری ہے جس پر مسلمانوں کی زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو مسلم پرسنل لار کے تابع کرنے کے بجائے اس کا اپنے تابع کریں گے تو پیٹری گاڑی اور گاڑی پیٹری بن جائے گی۔ اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو گیا تو انجام معلوم۔

ہمیں دوسری قوموں کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہنا ہے۔ ابھی تو صرف مسلم قوم کے بارے میں کہنا ہے اور پورے یقین و اعتماد سے کہنا ہے کہ اس کو ہمیشہ

کیا جاسکتا کچھ مسلم ممالک کے بوقت شدید ضرورت ایک مکتب فکر کی فقہ کو چھوڑ کر دوسرے مکتب فکر کی فقہ کو اپنانے کو "تبدیلی" کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ جس ملک میں جہاں بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا گیا وہاں کے زندہ دل علماء اور مسلم عوام نے اس کی پُر زور مخالفت کی۔

یہاں پر یہ بھی قابلِ لحاظ نکتہ سامنے رہنا چاہئے کہ اسلامی حکومت اور مسلم حکومت ایک نہیں ہیں۔ کسی مسلم حکومت کا اسلامی قانون میں تبدیلی کا شیطانی اقدام مسلمانوں کیلئے محبت نہیں بن سکتا۔ اسلامی شریعت میں ترمیم کا حق کسی کو نہیں پہنچتا ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات سراسر لایعنی اور لغو ہے کہ مسلمانوں کے پرنسپل لاء میں تبدیلی ان کے کہنے پر ہوگی۔ ان کی مرضی کے خلاف تبدیلی نہیں ہوگی۔ مسلمان شرعی احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے نہ کہ ان میں تبدیلی و ترمیم کا حقدار۔

مذکورہ تفصیل سے یہ حقیقت رز رکوشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مسلم پرنسپل لاء اسلامی شریعت و قانون کا اٹوٹ حصہ دین کا لاینفک جزء ہے، جو جامع، مکمل اور ناقابلِ تبدیل ہونے کے ساتھ وقت کے تمام پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

لیکن اسی سے صرف ہمارا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا | **مسلمانوں کے کرنے کا کام** | بلاشبہ ہمارا پرنسپل لاء، جامع مکمل اور ناقابلِ

تبدیل ہے۔ تاہم مسلمانوں کو بھی اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا۔ مثلاً (۱) مسلم معاشرے سے ان نا انصافیوں اور مشکلات کو دور کرنا جن سے اس وقت معاشرہ دوچار ہے (۲) مسلم پرنسپل لاء کو استعمال کرنا اس پر عمل کرنا (۳) علم کو فروغ دیکر جہالت کو دور کرنا (۴) معاشرے کو صحیح اسلامی معاشرہ بنانے کی جدوجہد کرنا (۵) اور لیک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی۔ اگر مسلمان ان باتوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو بہت سے وہ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے جو بہت سے لوگوں کے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔

قسط ۷

حضرت نانوتوی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا حافظ محمد اقبال مانچسٹر،

حضرت نانوتوی اور عقیدہ ختم نبوت | عقیدہ ختم نبوت اسلام کا ایک اہم اور
 بنیادی رکن ہے اسے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو شخص حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر رسول نہیں مانتا یا آیت ختم نبوت میں تاویل و
 تخریف کرتا ہے۔ اس کا اسلام سے قطعاً تعلق نہیں وہ بے ایمان اور دائرہ اسلام سے
 خارج ہے۔ یہی عقیدہ تمام اہل اسلام علمائے دیوبند اور حضرت نانوتوی کا بھی ہے۔
 حضرت نانوتوی نے اسی عقیدے کی تائید کے لئے ایک مختصر مگر بھرپور علمی رسالہ
 ”تخذیر الناس“ تحریر فرمایا جس میں اس عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے مختلف علمی دلائل دیئے
 اور اعتراضات و اشکالات کا جواب دیکر ہر تاویلات فاسدہ کی ناکہ بندی کی۔ حق تو یہ تھا کہ
 ہم حضرت نانوتوی کے احسان مند ہوتے کہ آپ نے اتنی بڑی علمی خدمت سر انجام دی مگر
 حیف در حیف کہ کچھ لوگوں نے الٹا انہیں ہی طنز و تشنیع کا نشانہ بنا دیا۔ اور انہیں ہی اس
 عقیدہ کا منکر بتلا کر تیغ تکفیر بے نیام کی۔

حضرت نانوتوی نے جس دور میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں
 اور بھی مدارس اور خانقاہیں تھیں۔ ان تک بھی یہ کتاب پہنچی تھیں۔ مگر کسی نے اس رسالہ

میں کوئی قابل احترام مسئلہ نہیں دیکھا۔ نہ صراحتاً نہ کنایتاً۔ البتہ بریلی کے ایک اعلیٰ حضرت جو مولانا احمد رضا خاں کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں نے یوں ہی ایک الزام سرخوہپ دیا کہ اس کتاب میں انکار ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے۔

سننے والے حیران تھے کہ ہم نے پوری کتاب مطالعہ کی مگر کہیں نام و نشان نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت معر رہے کہ اس میں موجود ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک بریلوی عجائبات کے اکابر ہوں یا اصاغرا اسی لکیر کے فقیر بنے رہے اور یہی الزام عائد کرتے رہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ الزام آج تک الزام ہی رہا کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکا۔ اگر واقعہ وہ بات ہوتی جو اعلیٰ حضرت کے علم مبارک سے بیان ہوئی تھی تو ضرورتاً بت ہوتی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ تو ان کے کسی اکابر نے نہ کسی اصاغرا نے اعلیٰ حضرت کی کتاب "حسام الحرمین" کی وہ عبارت جو مولانا نانوتویؒ کے سرخوہپ دی گئی تھی، تذییر لکھا، سے دکھائی ہے۔ اور قیامت تک نہیں دکھا سکیں گے اس لئے کہ ایسی کوئی عبارت جو "حسام الحرمین" میں ہے۔ تذییر الناس میں نہیں پائی جاتی ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی کتاب میں یہ عقیدہ موجود نہیں۔ پھر یہ الزام کیسے اور کیوں لگایا گیا؟ اس کے جواب کیلئے ہمیں تاریخ کے اوراق اٹھنے پڑیں گے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں علما دیوبند کے یہ اکابر پیش پیش تھے۔ انگریز چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان ہی افتراق انتشار پھیل جائے اور لڑاؤ اور حکومت کردہ کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ مجاہدین اسلام کے اس منصوبہ کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ مسئلہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کے رسالہ میں سے تین مختلف صفحات کی تین مختلف سطریں سیاق و سباق سے الگ کر کے ایک مربوط عبارت ترتیب دی گئی؟ آخر کیوں؟ آخر تین مختلف صفحات کی تین مختلف سطریں کن کن مصلحتوں کے پیش نظر ملائیں گئیں

اور اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ کہ "بفضلہ تعالیٰ ہندوستان دارالاسلام ہے" (احکام شریعت) کیوں چلتا رہا۔ اور آخر کیوں اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام رسالہ شائع ہوتا رہا۔

میرا خیال ہے کہ تاریخ عالم میں کسی نے اپنے مخالفین کے رسائل میں اس طرح کی خیانت کا ارتکاب نہ کیا ہوگا جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کیا تھا۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جب اس عبارت کو ترتیب دے رہے تھے اور اس کو لیکر جا رہے تھے تو جانے سے پہلے اکابر دارالعلوم سے کیوں رجوع نہ کیا گیا؟ ان سے براہ راست مسئلہ اور عقیدہ کیوں نہ پوچھا گیا؟ دارالعلوم دیوبند نہ سہی۔ ہندوستان میں اور بھی مدارس اور دارالافتاء موجود تھے ان سے کیوں رجوع نہ کیا گیا؟ کیا مفتیانِ کرام کا وجود نہ تھا؟ کیا علمی مدارس اور خانقاہیں ختم ہو چکیں تھیں؟ کیا حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ اور متوسلین موجود نہ تھے؟ چلئے کچھ نہ سہی۔ حضرت حاجی امداد شاہ صاحب مہاجر مکی رحمہ سے ہی رجوع فرمالتے جن کے حضرت نانوتویؒ مرید بھی تھے اور مجاز بھی۔ اور یہی وہ حضرات حاجی صاحبؒ ہیں جن کے بارے میں بریلوی مکتب فکر مولانا سعید احمد کاظمی (پاکستان) نے لکھا ہے کہ آپ علمائے حق اور علمائے اہلسنت میں سے ہے۔

والحق البینین (۱۲) بات صحیح تھی یا غلط فوراً فیصلہ ہو جاتا اور اتحاد امت پارہ پارہ نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ ان تمام باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے سب کچھ کر لیا گیا اور پھر بھی حضرت ہی رہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ علمائے دیوبند کی ان عبارات کا خود ہی عربی میں ترجمہ کیوں کیا؟ خود ہی سائل کیوں بنے؟ خود ہی مجیب کیوں ہوئے؟ خود ہی فتویٰ کیوں دیا؟ ان کے ناموں کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کا نام کیوں جوڑا؟ پھر جو عربی ترجمہ کیا تھا اس میں اضافہ و ترمیم کیوں کی؟ کسی غیر جانبدار عربی داں سے ان تراجم کی تصدیق کیوں نہ کرائی؟ اور پھر یہ کہ ان کے پاس کیوں گئے جو اردو زبان ماہر تھے

ان سوالات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مخالفین کی عبارات میں قطع دہرید کرنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عادت شریفہ تھی اور اپنے مخالفوں کے ساتھ یہ سلوک کہ ان کی عبارات کچھ کی کچھ بنا دیں ان کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ جمعیت انوار خواجہ شریف کے ناظم اور خواجہ قمر الدین سیالوی کے استاذ مولانا معین الدین صاحب مرحوم جو ایک غیر جانبدار بزرگ ہیں (جو نہ علمائے دیوبند کے استاذ ہیں نہ شاگرد نہ ہی ارادت و عقیدت کا تعلق بلکہ بعض فردی مسائل میں اختلاف بھی رکھتے تھے) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ان عبادات سے سخت پریشان تھے ان کی کسی کتاب کے ساتھ بھی ایسا ہمدردی پیش آیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رسالہ تجلیات انوار المعین میں اعلیٰ حضرت کے اس فعل کا رد نامہ دیا ہے۔ موصوف اعلیٰ حضرت کی خصوصیت ۲ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:-

الزام بمالایلتزم یعنی جس امر کا مخالف کو التزام نہ ہو نہ شرفاً نہ عرفاً اس کا لزوم ہو اس کو اپنے مخالف کے سر تھوپ دینا اعلیٰ حضرت کی صفت خاصہ ہے جس کا اکثر مواقع میں ظہور ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کے طور پر مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ:-

(تجلیات انوار المعین ص ۸)

خصوصیت ۳ بیان کرتے ہیں کہ

مخالطہ دہما یہ خاصیت اعلیٰ حضرت کی تمام تالیفات کی بانی اور روح رواں ہے اس کی مثالیں آپ کی تالیفات میں بکثرت ہیں جس کے احاطہ کے لئے ایک دفتر بھی کفایت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ مجبوراً دو مثال پراقتصار مناسب

سمجھا گیا۔۔۔۔۔ (ص ۹)

خصوصیت ۴ بتان طرازی اور اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آخر میں خصوصیت ۵ بیان کرتے ہیں کہ - خلاف بیان ص ۱۱

اس کے ضمن میں اپنے رسالہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جو ہاتھ کی صفائی دکھا کر

ان کی عبارات کا جو مطلب بیان کیا تھا اس کی شکایت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:-
 پھر آپ کو کیا حق ہے کہ غلط نسبت کر کے یہ الزام قائم کریں (مسئلہ ۱)
 اور اعلیٰ حضرت سے گزارش کرتے ہیں کہ:-

آپ کو اگر اس کے اجماعی ہونے میں کلام ہے تو شوق سے اس کا اجماعی ہونا باطل
 کیجئے گو بے سرو پایا بیانات سے سہی لیکن خدا را یہ ستم ظریفی تو نہ کیجئے کہ جو بات آپ کا
 مخالف نہ کہے اس کو بھی اس کے سر تھو پیں (مسئلہ ۱)

غور کیجئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کہاں کہاں ہاتھ کی صفائی دکھایا کرتے تھے۔ اور کس
 طرح علماء حقانی کو بدنام کیا کرتے تھے۔ پیش نظر ہے کہ "تجلیات انوار المعین" اعلیٰ حضرت
 فاضل بریلوی کی زندگی میں طبع ہو چکی تھی مگر اس کے جواب کے لاپار تھے؛ علاوہ ازیں بریلوی کتبہ
 فکر ہما کے ایک اور عالم مفتی خلیل احمد خاں قادری برکاتی مجبوری ثم البدالیونی جو پہلے اعلیٰ حضرت
 فاضل بریلوی ہی کے ہنوا دم مشرب دہم مسلک تھے۔ مگر انکشاف حق کے بعد اپنے اس
 سابقہ عقائد سے توبہ کرتے ہوئے اسی نام "انکشاف حق" سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے
 جو مسئلہ کو بدایوں ہی سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی اسی بات کا رد ناما دیا گیا ہے۔
 مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:-

سمجھ لیجئے کتاب موجود ہے اس میں ملا کر دیکھ لیجئے اول فقرہ مسئلہ کا ہے
 اور دوسرا مسئلہ ۲۸ کا ہے اور تیسرا مسئلہ کا یہ تین جگہ کے ٹکڑے ملا کر ایک
 عبارت بنائی گئی جس میں کفری مضمون پیدا کیا گیا ہے ان فقرات کو بھی اس طور سے
 نقل کیا گیا ہے کہ کوئی علامت ایسی نہ قائم کی گئی جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ عبارت
 ایک جگہ کی نہیں ہے۔ بلکہ چند مقامات سے مختلف فقروں کو ایک جگہ کیا گیا ہے
 پھر ان فقرات کا سیاق و سباق غائب۔ مسلمانو!۔ بڑی حیرت کا مقام ہے کہ
 کجا فاضل بریلوی کی شان اور کجا یہ صنعت کہ آگے کا فقرہ پیچھے اور پیچھے کا فقرہ آگے۔

اس صودت میں تو کفری مضمون آپ ہی ہو جائے گا۔ اگر قرآن کریم کی آیت غریبہ میں بھی کوئی بد بخت ایسا تصرف کرے تو کیا کفری مضمون نہ ہو جائے گا۔ مثلاً

ان الابرار لفي نعيم وان الفجار لفي جحيم میں صرف اس قدر تحریف کر دے کہ

نعيم کی جگہ جحيم اور جحيم کی جگہ نعيم پڑھے تو بالکل مطلب الٹا ہو جائے گا اور کلام مرتع کفر ہو جائے گا حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن پاک کے ہیں صرف دو لفظوں کی جگہ بدل گئی ہے الخ (انکشاف حق ص ۱۴۵)

منفی صاحب موصوف نے ایک جگہ یہ بھی چیلنج دیا ہے کہ :-

حسام المرین میں جو عبارت تحذیر الناس کی تبدیل و تحریف لفظی و معنوی کے ساتھ نقل کی گئی ہے وہ بہت ہی افسوسناک ہے۔ فقیر سچائی کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ اگر تحذیر الناس کی عبارت جس طور و ترتیب سے حسام المرین میں نقل کی گئی ہے۔ تحذیر الناس کے کسی ذرق میں دکھادیں تو فقیر کے اختلاف کا اسی وقت فیصلہ ہو جائے گا۔ (انکشاف حق ص ۱۴۱)

آپ نے غیر جانبدار علماء کی شہادت سن لیں۔ جو کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ حضرت نانوتویؒ تو عقیدہ ختم نبوت کے قائل بلکہ اس پر ہونے والے اشکالات و اعتراضات کا مدلل جواب دے رہے تھے۔ مگر انہی کو مورد الزام اور قابلِ گردن زدنی قرار دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ جو بھی ان سے عقیدت کا اظہار کرے بلکہ انہیں صرف مسلمان ہی سمجھے انہیں بھی تکفیر کی تلوار سے گھائل کر دیا گیا۔ انا بشر وانا الیہ راجعون۔

حضرت نانوتویؒ کا ختم نبوت کے باب میں کیا عقیدہ تھا اسے ملاحظہ فرمائیے!

۱۔ اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تاویل کرے۔ اسے کافر سمجھتا ہوں۔ (اجوابات مخدورات صفحہ ۲)

۲۔ خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق قہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں (ص ۳۱)

۳۔ جیسے آفتاب پر سلسلہ فیض نور ختم ہو جاتا ہے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فیض نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات ص ۹۵)

۴۔ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہنے کہ منکر دین کیلئے گنجائش انکار نہ چھوڑی انصافیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جمادینے اور نبیوں پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ (مناظرہ عجیبہ منہ)

(۵) جب حضرت خاتم النبیین خاتم مراتب علیہ د خاتم مراتب نبوت حکومت ہوئے تو نہ ان کی تعلیم کے بعد کوئی معلم تعلیم آسمانی لیکر آئے اور نہ ان کے بعد اور کوئی حاکم خدا کی طرف سے حکم نامہ لائے۔ (آریہ سماج کو جواب ترکی بہ ترکی ص ۵۵)

۶۔ اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال اسی طرح ختم ہو گئے۔ جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اس لئے آپ کے دین کے ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی ان کا اتباع ضرور ہوگا کیونکہ حاکم اعلیٰ کا اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہے رعایا تو کس شمار میں ہیں علاوہ بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع ضروری ہے۔ اس وقت احکام لارڈ ناٹھ بروک کا اتباع کافی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بابرکات میں اور ان کے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہاں کا مرسل

آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم نہیں کیونکہ حسب اشارہ مثال بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہاں کا سردار ہو۔ اس وجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعویٰ خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہاں کے سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ دیتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں (حجۃ الاسلام ۳۵)

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو اور نبیوں کی نبوت سے بالاتر ہے۔
(ہدیۃ الشیعہ ص ۵۷)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ :-
یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیاء کے فائدہ کے سالار اور سب رسولوں کے سردار اور سب افضل اور سب کے خاتم ہیں
(میلہ خدا شناسی ص ۲۳ سوانح قاسمی ص ۲۳۷)

آپ کا یہ ارشاد بھی پڑھئے۔
آج کل نجات کا سامان بجز اتباع نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ نہیں۔ (مباحثہ شاہجہاں پور ص ۷۷)
پھر یہ ڈوٹوگ بات بھی ملاحظہ کیجئے!
کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اور دل کا اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا جس کا حاصل کفر والحادی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۷۷)

پھر یہ بھی منادی کر دی گئی کہ :-

عذابِ آخرت اور غضبِ خداوندی سے نجات اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے۔ (سوانح قاسمی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں !

لفظِ خاتمِ الصفات میں بھی اس طرف اشارہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اس لئے بھی فرمایا گیا ہے کہ آپ خاتمِ الصفات ہیں یعنی اس صفتِ خاص کے منظرِ کامل ہیں جس سے اوپر اور کوئی صفت نہیں جو مخلوقات میں سے کسی کو عطا کئے جانے کے قابل ہو۔ (انتصار الاسلام صفحہ ۱۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں !

ہم اسی کو عبدِ کامل اور سید الکونین اور خاتم النبیین کہتے ہیں اور وجہ اس کہنے کی خود اسی تقریر سے ظاہر ہے اب کلام اس میں رہا کہ وہ کون ہے ؟ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ایضاً صفحہ ۱۲۳)

ایک جگہ فرماتے ہیں :-

آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے چونکہ دینِ حکم نامہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہو گا۔ وہی شخص سردار ہو گا کیونکہ اس کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔ (قبلہ نمائندہ ۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں :-

ایک بار وہ دین تمام عالم میں پھیل جائے اور کوئی فرد بشر بظاہر ایسا نہیچے کہ وہ دینِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند نہ ہو۔ (انتصار الاسلام صفحہ ۱۲۵)

حضرت مولانا ناتویؒ کی ان عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر سمجھتے تھے آپ کے ان عقائد کے خلاف جو بھی آپ پر لڑا گیا ہے وہ حقیقت وہ اپنا خبیث باطن ظاہر کرتا ہے اور امت میں افتراق و انتشار پیدا کرتا ہے۔

قسط ۳

مولانا عبدالدیان اعظمی

تحقیق حدیث دجال پر ایک نظر

مولانا کی تحقیق!

آیت ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“... کے خلاف

تحقیق میں مولانا کا یہ فرمانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ دجال کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا۔۔۔ وغیرہ، ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ میرے نزدیک آیت ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ ان ”هُوَ الْإِدْوِيُّ الْيُوحَنَّا“ کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں مولانا اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے زمانہ خروج و مقام خروج وغیرہ کی خبریں جو امور دین و علم غیب سے متعلق ہیں بغیر علم وحی کے اپنی طبیعت سے اور اپنے خیالات کے زیر اثر دیں جب کہ آیت میں صراحتاً بغیر رضی الہی اپنی طبیعت اور اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر کوئی بات کہنے کی نفی آتی ہے۔

مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ترجمان السنۃ حصہ اول مسلا کے

حاشیہ میں آیت مذکورہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

مولوی اسلم صاحب اس آیت (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ) ان ”هُوَ الْإِدْوِيُّ الْيُوحَنَّا“

کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق

کی مطلقاً مدح مقصود ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کیلئے تمام جگہ تلاوت یا قرات کا

لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو دوماً یَنطِقُ کی بجائے
 وَمَا يَشْكُرُوا وَمَا يُفْقَرُونَ کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ منکرین حدیث چونکہ حدیث
 کے سرے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسول کو کسی ایسی صفت کے ساتھ
 موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امر اور حکام سے کوئی
 خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اپنی ذات اور تمام صفات
 میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے کان وہ سنتے ہیں جو
 عام مخلوق کے کان نہیں سنتے، ان کی آنکھیں وہ دیکھتی ہیں جو عام آنکھیں
 نہیں دیکھتیں۔ اسی لئے فرمایا "إِنِّي أَدْعِي مَا لَا تَرَوْنَ" یہی حال ان کے
 نطق کا ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنے منکر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ
 سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا۔ حتیٰ کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی
 فرمایا "إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا" (میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں)
 اسی لئے فرمایا کہ غفہ اور رضامندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب
 لکھ لو وہ حق ہی حق ہو گا۔ جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس
 کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ صدق و صفا کی کس منزل پر ہو گا۔ یہ بات یاد رکھنا
 چاہئے کہ یہاں قرآن نے آپ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش
 نہیں کی یعنی وَمَا يَنْطِقُ بِالْقُرْآنِ وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ معقول کو حذف کیا ہے
 لہذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود
 ہی نہیں بلکہ صرف آپ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے ۱۱

(ترجمان السنۃ حصہ اول ص ۱۱۱ حاشیہ میں)

اس تفسیر کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام
 کلام نبی بردی ہیں جو جانے کہ مجال کے متعلق خبریں جو امور دین اور غیب کی پیشین گوئیوں پر

مشکل ہیں ان کو علم وحی سے خارج اور منہی برقیاس اور خیالات کے زیر اثر قرار دیا جائے۔

یہ تفسیر ہم نے ترجمان السنہ سے لکھی ہے۔ مگر ہمیں تو خود مولانا ہی کی دوسری تحریر کی تلاش ہے۔ اور انہیں کی تحریر سے ثابت کرنا ہے کہ ان کی تحقیق کا دعویٰ باطل ہے تاکہ یُوْخَذَ الْمَرْءُ بِاَسْرَارِهِ کے تحت خود ان کی اپنی ہی تحریر ان پر محبت ہو۔ لہذا دو تحریریں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولانا نے اپنے بیان "کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فاضل حج کا یہ عقیدہ کہ "حضورؐ اپنے خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے" قرآن کی آیت "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ....." کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"..... یہ بات نہ قرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور نہ عقل اس کو باور کر سکتی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائن حضور پر عائد کئے گئے تھے..... ان کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات و خواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دئے گئے تھے بلکہ آپ وحی کی رہنمائی کے پابند تھے۔ اِنْ اَتَّبَعُ الْاِنَّمَا يُؤْمَرُ بِاِحْسَانٍ (الانعام) قُلْ اِنَّمَا اتَّبَعُ مَا يُوْحٰى اِلَيّْٰ مِنْ رَّبِّي (الاعتراف ۲۰۳) مَا هُمْ اِلَّا نَسُوْنُ مَا كُنُوْا عَلٰى وَاَنْتَ عَلٰى سَبِيْلٍ مُّبِيْنٍ (النجم ۲-۳-۴) رِبِّ عَقْلٍ تُوْحٰى (ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ۱۱۱)

اس تقریر سے صحاف طور سے معلوم ہوا کہ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر کلام کرنا قرآن کے خلاف اور نطق عن الہویٰ کے مراد ہے جس کی گنجائش فرائن و خدمات کی

انجام دہی میں بالکل نہیں ہے۔ پھر کیسے تسلیم کیا جائے کہ دجال کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے خلاف اپنے قیاس و خیال کے تحت خبریں دیں جب کہ دجال کی خبر اخبار غیب سے متعلق ہے جس کے فتنہ سے امت کو ڈرانا فرائن نبوت میں سے تھا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے تمام نبیوں نے اس فریضہ کے تحت اپنی اپنی امتوں کو اس کے فتنہ سے ڈرایا۔ کیا یہاں موجب تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی خیالات و خواہشات سے خبریں دینے کے لئے آزاد چھوڑ دئے گئے تھے کہ جو خیال میں آتا گیا کہتے گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں وحی کی رہنمائی کے پابند نہیں تھے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ نبوت میں وحی الہی کے ساتھ اپنے قیاس سے باتیں کر کے وحی الہی کو بھی مشکوک کر رہے تھے؟

۲۔ مولانا نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اس سے بھی دجال کے متعلق دی گئی خبروں کے قیاسی کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ جو کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے وہ تین ہی قسموں پر ہو سکتے ہیں۔ اول وہ جو تبلیغ دین و دعوت الی اللہ سے یا احکام قرآن وغیرہ کی تشریحات

لے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ لم یکن نبی بعد نوح الا قد انذر اللہ لہ قومہ وانی انذرکم وہ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا نہ ہو۔ اور میں بھی تم لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں۔ دوسری حدیث میں فرمایا: ائی انذرکم کما انذر بہ نوح قومہ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ بیشک میں تم لوگوں کو ڈراتا ہوں۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا۔ تیسری حدیث میں فرمایا: وما من نبی الا قد انذر امتہ الا عور الکنذ اب الا انہ اعور وان ربکم لیس باعور۔۔۔ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی امت کو کانے کذاب (دجال) سے نہ ڈرایا ہو۔ (لہذا، آگاہ ہوا جو بیشک وہ دجال کا ناہوگا اور تمہارا رب کا ناہوگا)

سے متعلق ہیں۔ دوم وہ جو آپ اعلیٰ کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور اقامتِ دین کی خدات کے سلسلے میں کرتے۔ اپنے اصحاب سے مشورہ فرماتے اور اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے قبول کر لیتے۔ ان کے دریافت کرنے پر کبھی کبھی یہ صراحت بھی فرمادیتے کہ یہ بات میں خدا کے حکم سے نہیں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں۔ یا آپ نے اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہی اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف ہدایت اور تنبیہ آگئی۔ سوم وہ انسان ہونے کی حیثیت سے نبوت کے پہلے بھی فرمائے اور نبوت کے بعد بھی۔ ان تینوں قسموں میں سے اول کی بابت مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بالکل مبنی بر وحی ہیں اور سوم کی بابت فرماتے ہیں کہ اس نجی پہلو میں بھی کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں نکلی۔ اس میں بھی درحقیقت وحی کا نور کار فرما تھا۔ رہے قسم دوم کے کلمات تو ان کی بابت مولانا فرماتے ہیں کہ۔

”بجز ان باتوں کے جن میں آپ نے خود تفریح فرمائی ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے نہیں ہیں یا جن میں آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا ہے اور ان کی رائے قبول فرمائی ہے۔ یا جن میں آپ سے کوئی قول و فعل صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف ہدایت نازل فرمادی ہے۔ باقی تمام باتیں وہی طرح وحی ضمنی پر مبنی تھیں جس طرح پہلی نوعیت کی باتیں.....“

پھر آگے فرماتے ہیں کہ :-

”..... اس معاملے میں آپ نے جو باتیں اپنے اجتہاد سے کہی ہیں ان میں بھی آپ کا اجتہاد اللہ کو پسند تھا۔ اور علم کی اس روشنی سے ماخوذ تھا جو اللہ نے آپ کو دی تھی۔ اس لئے جہاں آپ کا اجتہاد ذرا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہے وہاں فوراً وحی جلی سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے آپ کے بعض اجتہادات کی یہ اصلاح بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے باقی اجتہادات عین مرضی الہی کے مطابق تھے۔“

عاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے

کوئی صاحب تفہیم القرآن سے آیت کی پوری تفسیر پڑھ کر ہمیں بتلائیں کہ دجال سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان مذکورہ تینوں قسموں میں سے کسی قسم میں سے داخل کئے جاسکتے ہیں۔ اگر پہلی یا تیسری قسم میں داخل کیجئے تو وہ ارشادات لائمی طوطہ پر وحی نخی پر مبنی ہوں گے یا وحی کا نور ان میں کار فرما ہوگا جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے اور اگر دوسری قسم میں داخل کیجئے تو سوال ہے کہ کیا دجال کا معاملہ بھی کوئی مشورہ کی چیز ہے یا اس سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت اور تلبیہ آئی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فرمایا ہے کہ میں یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں جب کوئی بات نہیں ہے تو پھر یہ بر بنائے وحی کیوں نہیں ہیں؟ اور مولانا اپنی اس تفسیر کے بعد کس رو سے انہیں قیاسی ٹھہراتے ہیں۔ هَا تُوَابِرْهَا نَكُمُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝

۱۷ حاشیہ صفحہ ۳۵ کا) مولانا مورودی صاحب کے بیان سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی اجتہاد جو اللہ تعالیٰ کی پسند سے ذرا بھی ہٹا بغیر اصلاح کے نہ رہا۔ اور اصلاح بھی کی گئی تو وحی جلی سے یعنی قرآن میں کی گئی۔ لہذا اگر کسی اجتہاد کی اصلاح کا ذکر قرآن میں نہ ہو تو ذکر کا نہ ہونا خود دلیل ہے اس کے صحیح اور میں مرضی الہی کے مطابق ہونے کی۔ مولانا جو اپنی تحقیق میں دجال کے زمانہ خروج وغیرہ کی حدیثوں کو قیاسی اور غلط ٹھہرا رہے ہیں تو کاش وہ اپنی ہی تفہیم القرآن میں ان کی اصلاح کا ذکر بھی دکھا دیتے ورنہ یہی کہا جائے گا کہ جب ان کی اصلاح کا ذکر نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات میں مرضی الہی کے مطابق صحیح ہیں اور مولانا کی تحقیق باطل۔

قسط دوم

روس میں ترجمہ قرآن مجید

مولانا ابوالکلام قاسمی سہیلیم

پہلی مرتبہ ۱-

شاہ کارٹرین ثانی نے جب جزیرہ القرم (جو روس میں شامل کر لیا گیا تھا) کا دورہ کیا تو ان تاتاری مسلمانوں کی توجہ کیلئے ۱۸۷۶ء میں پہلی مرتبہ بطر سبورغ کی اکیڈمی سے پورا قرآن شریف عربی میں چھپوایا

مولانا عثمان ابراہیم تاتاری نے قرآن شریف کو جمع کیا اور اس پر حاشیہ اور شرح بھی لکھی۔ صرف اس کی خاطر عربی الفاظ ڈھالے گئے۔ اور اس کی طباعت ہوئی۔ ان ڈھالے ہوئے الفاظ اور مخطوط کے درمیان ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ اس زمانہ کے مشہور

دو مسلمان کاتبوں میں سے ایک کاتب کا خط تھا۔ اور یورپ میں عربی رسم الخط کی سب سے خوبصورت شکل تھی۔ اور دنیا میں قرآن شریف کی یہ تیسری طباعت تھی اس سے قبل صرف دو مرتبہ مترآن چھپا تھا۔ یہ طباعت اپنی عمدگی میں یورپ کے سابقہ دونوں طباعتوں پر فوقیت لے گئی۔ جس کی وجہ سے مزید شہرت ہو گئی۔ ۱۸۷۹ء اور ۱۸۷۹ء

اور ۱۸۷۹ء اور ۱۸۷۹ء میں یہ قرآن شریف بار بار طبع ہوتا رہا۔ اور جب یورپ پہنچا تو یورپ میں رائج پڑائی مارشی اور منکلاما کی طباعت والے قرآنوں کی مانگ کم ہو گئی۔ اور مغربی مستشرقین نے سیلفرڈی ساسی اور کریستون نے آگے

بڑھکر اس قرآن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت تعریف کی۔ روس میں تو انیسویں صدی کی تمام طباعت اسی قرآن کی تھی۔ ۱۸۷۰ء میں دینی اور مذہبی کتابوں کی نشر و اشاعت جو قیدیں تھیں وہ تمام ختم کر دی گئیں اس قانون کے آتے ہی، "فازان" نامی شہر میں صرف اسلامی کتابوں کی طباعت کیلئے ایک مطبع شرعی کیا گیا۔

بطرسبورغ اکیڈمی کے ڈھلے ہوئے حروف ہی اس پریس میں استعمال ہوتے "فازان" کے پریس نے اپنے ابتدائی سال میں "۴۱۲۰۰" قرآن شریف طبع کئے ۱۸۴۳ء اور ۱۸۵۲ء کی قلیل مدت کے مابین اس کی تعداد "۶۰۰۲۳۶" ہو گئی۔ اور ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۶ء کی مدت میں "فازان"، اور بعض خاص پریسوں میں قرآن چھپنے کی تعداد "۸۲۳۰۰" نسخہ تک ہو گئی۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام نسخے بطرسبورغ کے پہلے ڈھلے ہوئے حروف پر مبنی تھے جو ۱۷۸۶ء میں ڈھلے گئے تھے۔

مزید برآں یہ قرآن صرف روسی مسلمانوں کے ہاں نہیں بلکہ روس سے باہر بھی مقبول ہوئے۔ اور اس کی مانگ بہت بڑھ گئی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں پورے عالم اسلامی، ترکی، مصر، ہندوستان اور "جزیرۃ القرم" بقیہ صرامی میں اور خود روس میں یہ مطبوعہ قرآن بہت زیادہ پھیل گیا۔ قرآن شریف کی اس پہلی کامل طباعت کے بعد تیسرا روسی قرآن کا ترجمہ شائع ہو گیا۔ جو ۱۷۹۹ء ڈی ریڈ فرانس کے پُرانے ترجمہ سے کیا گیا تھا۔ اور یہ ترجمہ روس کے مشہور انشاء پرداز مینائیل فیرومنین ۱۷۳۲ء-۱۷۹۵ء نے کیا تھا۔ اور یہ اس وقت فازان کے اسکولوں کے ڈائریکٹر تھے۔ اور انہی کی معمولی کوششوں سے ان مدتوں میں شرقی زبانوں کی تعلیم ہونے لگی۔ دو سال بعد بطرسبورغ سے چھوٹا ترجمہ قرآن کریم شائع ہوا۔ (تیسرا مطبوعہ چونکہ دوسرا ترجمہ طبع نہیں ہوا تھا، جس کو لماکوف متوفی ۱۸۷۰ء

نے انگریزی سے روسی زبان میں نقل کیا تھا۔ اور یہ انگریزی ترجمہ پادری جورج سائل نے کیا تھا۔ جو فرانسیسی ترجمہ کے مقابلہ میں اچھا اور کامل تھا۔

میخائیل فیرو منپکین کے ترجمہ نے روسی ادب

میں ایک اہم رول ادا کیا کیونکہ مترجم جو ایک

ایک اہم دور

بڑے انشاء پرداز اور مصنف اور ڈرامہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ میں بلندیات ادب کو سودیا۔ جس کی وجہ سے بہت سے روسی انشاء پرداز قرآن شریف کی طرف متوجہ ہوئے۔

بڑے بڑے ادیب جو اس ترجمہ سے متاثر ہوئے ان میں سے روس کے مشہور شاعر بوشکین بھی ہیں۔ جن کو قرآن کے بلیغ اور فصیح اسلوب اور طرز نگارش نے متاثر کیا۔ اور انھوں نے اقرار کیا کہ قرآن شریف پہلی دینی کتاب ہے۔ جس نے ان کے خیالات میں جلا بخشی۔ اور ان کے جذبات کو ابھارا ہے۔ اس زمانہ میں بوشکین جنوبی روس میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بوشکین روسی نظریہ سے کافی متاثر تھے لیکن جب ان کو قریب سے دیکھا کہ وہ ظلم و زیادتی سے دوچار ہیں۔ تو اس روسی بھران سے نکلنے اور صحیح راستہ کو اختیار کرنے کیلئے بیچین ہو گئے۔ اور انسانی تہذیبی لٹریچر کی طرف ان کی توجہ مبذول ہو گئی۔

اس بھرائی زندگی میں قرآن شریف بھی ایک وہ کتاب تھی جو اس ادیب کے مطالعہ میں تھی۔ جس نے حقیقی صورت حال ان پر منکشف کر دی۔

نیز میخائیل کے روسی ترجمہ کو پڑھنے کے بعد بوشکین کے جذبات ابھر جاتے ہیں اور، قرآن کی وحی، والی اپنی مشہور نظم قلم بند کئے دیتے ہیں۔ ۱۲۳ آیتوں کو اپنے شعروں میں انھوں نے نظم کیا۔ ان کی اس نظم میں سورہ نجم اور دوسری وہ آیتیں جس میں قسم کھائی گئی ہے۔ اس کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ روس کے اس بڑے

شاعر نے اپنے بلیغ شعروں میں دین اور تشریح کے فلسفہ کو بیان کیا ان کے اس تصدیقہ نے قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کی ایک بنیاد ڈالی اور اس کی راہ ہموار کی اور بڑی حد تک روسی زبان دانوں کی توجہ تشریح کی طرف ہو گئی۔

لیکن یہ تراجم ان روسیوں کے بڑھتے ہوئے شوق کو پورا نہ کر سکے۔ باوجودیکہ وہ اس وقت میں ایک نادر علمی مجموعہ شمار کئے جاتے تھے۔

اس کے پیش نظر ۱۸۶۲ء میں ماسکو میں ایک نیا ترجمہ قرآن شریف کا شائع ہوا جس کو ایقان نیکو لائیف نے کیا اور یہ ترجمہ بھی اس زمانہ کے مشہور فرانسیسی ترجمہ سے کیا گیا۔ جس کو مستشرق اور مشہور سفارت کار کار کا زلمیکر سکی نے کیا تھا۔

جو بولان کے اصل باشندے تھے۔ اور یہ ترجمہ ۱۸۴۲ء میں ہوا پوری انیسویں صدی میں یہ ہی ترجمہ چلتا رہا۔ اور نصف صدی سے کم میں تقریباً پانچ مرتبہ اس ترجمہ کی طباعت ہوئی (۱۸۶۲ء - ۱۸۶۶ء، ۱۸۶۶ء، ۱۸۸۰ء، ۱۹۰۰ء) اور یہ ترجمہ وہ آخری ترجمہ ہے جس کو کسی غیر عربی داں نے کیا ہو۔

مذکورہ بالا ترجموں میں بہت سے عیوب اور کیاں تھیں باوجود اس کے ان تراجم نے ایک اہم ردول ادا کیا۔ اسلام اور قرآن کے بارے میں جو غلط خیالات اور تصورات تھے۔ اس کے ازالہ میں بڑا ردول ادا کیا، اسلام اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ طیبہ کے بارے میں جو غلط تصورات اور صورت روسیوں میں آئی اس کا اصلی سبب یونانی تاریخی کتابیں اور سیمی تالیفات ہیں۔

یوغسلافی کی کوششیں

انیسویں صدی کے ساتویں دہائی میں بیک وقت براہ راست دو ترجمہ قرآن کریم کے ہوئے اور ایک دوسرے سے بالکل الگ چنانچہ ۱۸۷۱ء جنرل دمتری یوغسلافی

(۱۸۲۶ء - ۱۸۹۳ء) نے روسی زبان میں براہ راست عربی زبان سے نیا قرآن کریم کا ترجمہ تیار کیا۔ لیکن یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ بطر سبورٹا یونیورسٹی میں ریسرچ کے دوران یوغلانسکی نے بڑی معلومات عربی لٹریچر کے بارے میں حاصل کر لیں تھیں۔

آستانہ میں کئی سال فوجی معاون کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ تو ان کی توجہ مشرقی علوم کی طرف اور زیادہ بڑھ گئی۔ جیسا کہ ان کے تعلقات شام کے مختلف مسلم انشاپرواز اور بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ تھے۔ مثلاً شام کے مشہور ادیب رزق اللہ حسون جنہوں نے روس کے مشہور شاعر ایفان کرلیوف کے قصوں کا عربی مطبوعہ ترجمہ اور اس کے علاوہ اپنا کلام پیش کیا۔ یوغلانسکی ترکی میں قیام کے دوران قرآن کریم کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا یہ ترجمہ ادبی اور باریک بینی کے لحاظ سے بہت فائق اور بلند تھا۔ بڑے بڑے نقادوں نے اس کو بہت سراہا اور تعریف کی۔ مثلاً نکلور رفدین، اگنائوس، کرانسکوئسکی وغیرہ کے نزدیک۔ لیکن۔ یوغلانسکی جب روس لوٹے تو معلوم ہوا کہ اسی سال (۱۸۷۹ء) میں نارمان سے قرآن شریف کا ایک نیا ترجمہ کیا گیا، اس ترجمہ کا نام گولوزی سابلوکوف ۱۸۷۲ء - ۱۸۸۰ء تھا۔ تو یوغلانسکی اپنے ترجمہ کی اشاعت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پس پیش میں پڑ گئے۔ جس کی تیاری میں انہوں نے کئی سال لگائے تھے۔

قصہ مختصر عربی زبان سے براہ راست روسی زبان میں ترجمہ کرنے کا سہرا گوری سابلوکوف کے سر باندھا جاتا ہے جنہوں نے ذاتی شوق اور شرقی ممالک کے علوم سے دلچسپی کی بنا پر بہت سی زبانیں بغیر کسی استاد کے سیکھ لیں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے روس کو مشرقی علوم سے مالا مال کرنے میں ایک زبردست پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ ان کی تالیفات اور تاریخی بحثیں اور آثار قدیمہ وغیرہ کے مقالے قرآن شریف کے معانی و مفہوم سے بہت زیادہ وابستہ ہوئے۔ کیونکہ سابلوکوف نے اپنی پوری زندگی قرآن شریف

کے ترجمہ کیلئے وقف کر دی تھی۔ چنانچہ جب وہ بہتر سال کے تھے اس وقت ان کا ترجمہ تشریح کریم اتمام کو پہنچا۔ اس عربی دانوں کے حلقہ میں اس ترجمہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ نیز ان کی وفات کے بعد دوبارہ ۱۸۹۲ء اور ۱۹۰۲ء میں اس کی طباعت ہوئی۔ اخیر کی اشاعت میں تشریح کریم کے الفاظ بھی موجود تھے۔ اس وقت کے روسی معاشرہ کی ضروریات اور سائنسی معلومات کے بارے میں بھی اس ترجمہ کے اندر روشنی ڈالی گئی تھی۔

حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کا قرآن

۱۹۰۵ء بطبرسبورغ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی فوٹو آفسیٹ لے کر طبع کیا گیا تھا۔ جس کو آٹھویں صدی عیسوی میں نقل کیا گیا تھا۔ اس نسخہ کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی توجہ اس طرف ہو گئی۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں تشریح کریم اور اسلام کے بارے میں ریسرچ کی مزید زیادتی ہو گئی۔

اسلام اور قرآن کے متعلق بڑے بڑے روسی عربی دانوں نے علمی محبتیں اور علمی مکالمے کئے۔ مثلاً وکٹور روزین (۱۸۳۹ء - ۱۹۰۸ء) نیشالی نرغاس (۱۸۳۵ء - ۱۸۸۴ء) اور فاسیلی بارٹولڈ (۱۸۶۶ء - ۱۹۳۰ء) کنڈر سیٹ (۱۸۶۱ء - ۱۹۳۹ء) آغا فاضل کریمسکی (۱۸۶۱ء - ۱۹۴۱ء) اور مغربی مستشرقین نے بھی روسی زبان کو بہت کچھ دیا۔ اس زمانہ میں بھی اسلام اور قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مفصل جائزہ لیا گیا۔ نیز طباعت و اشاعت کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ عربی پریس روسی سہنشاہیت کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئیں تھیں۔ خاص کر، بطبرسبورغ، اور فاران، ایریلورغ، اور باکو تفلیس، اور تیسرے خاں ٹولڈ اور، طاقتمند جیسے بڑے بڑے شہروں میں۔ اسی دوران "آذربائیجان" اور تاتاری زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمہ کی۔

کوشش کی گئی تھی۔ روسی تاتاری مسلمانوں کی رضا اور خوشنودی کیلئے جو عربی زبان سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ادیب موسیٰ بیغیف نے پہلا تاتاری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ لیکن یہ ترجمہ نثر میں نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مسلمانوں نے صرف قرآن کے ترجمہ کے پڑھنے کو حسرام قرار دیا تھا۔ لیکن محمد کابل تحفۃ الدین نے ۱۹۱۴ء میں قرآن شریف کے عربی الفاظ کے ساتھ تاتاری ترجمہ نشر کیا یہ تو ترجموں کی نسبت سے ہم نے کچھ لکھا۔ لیکن بغیر ترجمہ کے کتنے قرآن چھپے اس کی کوئی عدد اور گنتی نہیں ہے۔ اور یہ تمام تراشا عنیں انھی پرانے، "قازان"، کی پریس کے طباعت کے مطابق ہوتی رہیں۔

روس میں جو کتابیں تالیف ہوئیں ان میں قابل ذکر کتابیں "بار تولد" کی ہیں "الاسلام" "سیلہ" "قرآن و سمندر" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق "حضرت محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح روسی عربی داں کینا کاشتا لیف ۱۸۹۶ء "۱۹۳۹ء کی اہم بحثیں جو قرآن اور اس کے طرز نگارش کے متعلق تھیں۔ نیز پرویز اسحق فینکیوف، بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکالمے اور بعض آیتوں کی تفسیر میں

کراتشکوفسکی کا کردار

۱۹۶۳ء میں ماسکو کی غیر ملکی زبانوں کی نشر و اشاعت کے شعبہ سے ایک ترجمہ شائع ہوا جس کو عربی سے روسی زبان میں مستشرق اغناطیوس کراتشکوفسکی نے انجام دیا تھا۔ اور ان کا یہ ترجمہ سا بلوکون کے ترجمہ کو نئے ڈھنگ میں پیش کرنا تھا جو موجودہ سائنسی ضروریات کا حامل تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی کراتشکوفسکی اس کی طرف توجہ کرنے لگے۔ تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ایک مقالہ شائع کیا۔ جس میں جرمن کے مستشرق غوستاف فلوغیل کی پریسی اور خود ترجمہ کی

غلطیوں کی طرف نشاں دہی کی گئی تھی۔ جیسا کہ کراتشکوفسکی نے پہلا لکچر بطر سبورغ کی یونیورسٹی میں شرقی زبانوں پر دیتے ہوئے بتایا۔ یہ قرآن شریف کے متعلق لکچر دیتے رہتے تھے۔

کراتشکوفسکی نے ۱۹۱۶ء میں لیننغراڈ یونیورسٹی کے امیشیا روموزیم میں قرآن کے محفوظ مخطوطات کا ایک جائزہ لیا۔ اور ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء میں کئی مقالے اور بحثیں لکھیں جو پندرہویں صدی اور سترہویں صدی میں بیلوروسی زبان میں ترجمہ قرآن کے متعلق تھیں۔ جو تاتاری بلتوانیاں کے باشندے تھے۔

اور ۱۹۳۰ء میں انکا ایک مقالہ لفظ،، نخم، کے بارے میں شائع ہوا ۱۹۳۳ء ۱۹۳۰ء میں کراتشکوفسکی اور یوغلانسکی کے ترجموں کے بارے میں مقالے لکھے۔

۱۹۱۹ء میں کراتشکوفسکی نے انکشاف کیا کہ ان کا پختہ ارادہ ہے کہ وہ قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ کریں۔ اور اس کو عالمی لٹریچر کے کتب خانہ سے نشر کریں۔ جس کے نگران اعلیٰ اس وقت مشہور دانشا پر دواز مسکیم غوری تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں ترجمہ کا آغاز کیا۔ جس کا سلسلہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تک رہا۔ کراتشکوفسکی نے نو سال روسی زبان میں ترجمہ قرآن کرنے پر گزارے ۱۹۳۰ء میں اپنے مسودہ سے فارغ ہوئے۔ لیکن جس بڑے کام کا انھوں نے آغاز کیا تھا اس کا یہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد وہ ان کتابوں میں غور و خوض کرنے لگے۔ جو یورپی اور عربی زبانوں میں قرآن شریف کے متعلق لکھی گئی تھیں۔

اپنے ترجمہ میں شرح اور وضاحت اور حاشیہ کے لئے جن کتابوں کو انتخاب کیا اس کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔

عصر حاضر کی کتب لغات کو کراتشکوفسکی نے ترجمہ قرآن کیلئے پیش نظر رکھا نیز قرآن کے ریسرچ اور مطالعہ کے لئے قرن اول کے مفسرین اور بڑے بڑے

فقہار کی روش اختیار کی۔ شرآئی ترکیبات، اور مفردات، اور تعبیرات کو، بخوبی سمجھنے لگے۔ جامی شعراء کے اشعار، اور جزیرۃ العرب کے ان شاعروں کے دیوانوں کا بھی مطالعہ کیا، جو سرکارِ دہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہے۔ اسی طرح سے حدیث کا پہلا مجموعہ بھی۔ لیکن ان کے اس عظیم کارنامہ کے پورا ہونے سے قبل موت نے ان کو اکھیرا،

(بقیہ صفحہ ۴۶ کا)
- اسی طرح کا خواب اسی رات کو میری اہلیہ نے بھی دیکھا۔ اسی دن سے ہم اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح باقاعدہ کلمہ پڑھا جائے۔ آخر کار قسمت نے علماء کے شہر بھوپال میں پہنچا دیا اور اسی سال ۱۹۸۶ء کو رمضان المبارک کی چاند رات میں۔ میں میری اہلیہ اور میری جوان سال بیٹی اس مبارک مذہب اسلام میں داخل ہو گئے۔
اس وقت ڈاکٹر صاحب تبلیغ دین کی کوشش میں مصروف ہیں اور عملی طور پر مندرجہ ذیل امور کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

(۱) دفاع و تحفظ اسلام، (۲) مسلمانوں کو دنیوی و دینی قدروں کے دائرہ میں سنبھالے رکھنا، (۳) پورے عالم کو ان کی ہی زبانون میں دعوت دین پہنچانا۔
ڈاکٹر صاحب کارہائشی منظر و کتابت کا پتہ درج ذیل ہے۔ لہذا جو حضرات ان سے مراسلت کرنا چاہیں اس پتہ پر انھیں خطوط بھیجیں۔

روحانی کلینک ۱۵ انیلیم کالونی نزد مسجد ضوابط لائن ملی ٹاکنز
بھوپال (ایم پی)

ادارہ

ایک عظیم مہنت اور اچاریہ کا قبولِ اسلام

۱۰۔ ارمی ۱۹۵۷ء کو ہندو دھرم کی ایک اہم ترین شخصیت ڈاکٹر سوامی شو شکتی سرو پت مہاراج ادا سین، اپنی بیوی، اور بیٹی کے ساتھ بھوپال میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اب ان کا اسلامی نام ڈاکٹر اسلام الحق، بیوی کا نام خدیجہ اور صاحبزادی کا نام عائشہ حق رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم آشرم میں ہوئی، پھر الہ آباد یونیورسٹی سے اور نیٹلزم میں ایم اے کیا۔ گروکل کانگریسی سے اچاریہ کی ڈگری حاصل کی اور آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ سے ڈی، ڈی، یعنی (Doctor of Divinity) دنیا کے دس بڑے مذاہب میں اور پی، ایچ۔ ڈی۔ اس طرح ڈبل پی۔ ایچ، ڈی کے بعد پوپ پال ششم کی دعوت پر اٹلی گئے۔ جہاں پر انھوں نے سات مختلف موضوعات پر کامیاب تقریریں کیں۔ جن سے متاثر ہو کر پوپ پال نے انھیں (O-F-M-C.A.P) کے اعزاز سے نوازا۔

ڈاکٹر صاحب بارہ زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ جن میں۔ انگریزی، سنسکرت، گریک، ڈبرو، ہندی، پراکرتک، پالی، گورکھی، مراٹھی۔ گجراتی، اُردو اور عربی شامل ہیں ان بارہ زبانوں میں سے انگریزی، سنسکرت، ہندی، اُردو، گورکھی اور عربی سے انھیں زیادہ دلچسپی ہے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے دنیا کے دس بڑے مذاہب کا براہ راست مطالعہ کر رکھا ہے اور ان میں ڈگری یافتہ ہیں۔ اس لئے اسلام کی حقانیت و صداقت کے وہ پہلے ہی سے معترف تھے۔ ان کے ہم عصر دن میں ہندو دنیا کے بڑے بڑے جگت گردو۔ شکر اچاریہ، مثلاً رام گوپال شال والے، پوری کے شکر اچاریہ، اکھنڈ انند جی، گردوگو الکر بابا صاحب، دیشمکھ، بال ہاکر، ناٹا صاحب دیشمکھ، دنوباجھادے وغیرہ ہیں۔ اور یہ حسب ان کا سید احترام کرتے تھے۔ اچاریہ دنوباجھادے نے ۱۹۸۱ء میں انھیں اپنے آشرم پر دم دھام میں تقریر کے لئے مدعو کیا تھا۔ اس وقت وہاں ہندو دھرم کے بڑے بڑے مہنت موجود تھے جن میں ایک دادا دھرم ادھیکاری بھی ہیں۔ دادا دھرم ادھیکاری نے اس موقع پر ڈاکٹر صاحب سے ایک دن یہ غیر معمولی سوال کر لیا کہ سوامی جی آپ نے دنیا کے تمام دھرموں کا مطالعہ کیا ہے آپ کو ان کیلئے سب سے بہتر دھرم کون سا لگا۔ ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا کہ "اسلام" اس پر وہ بولے کہ اسلام تو بہت بندھا ہوا دھرم ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو بندھا ہے دہا آزاد کرتا ہے۔ اور جو پہلے سے ہی آزاد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بانڈھ دیتا ہے اس لئے دھرم کی پر آدمی کو ایک عرصے سے بندھے ہونے دھرم کی ضرورت ہے۔ جو اسے دنیا میں اچھی طرح بانڈھ کر پریوک میں کھولے اور ایسا دھرم میری نظر میں صرف اسلام ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۸۷ء میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بڑی جماعت میرا پیچھا کر رہی ہے۔ اور میں اس کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا۔ ایک لمحہ کے بعد اچانک ہاتھوں نے مجھے سہارا دیکر اٹھایا۔ اٹھ کر میں اس روشن اور تابناک چہرے کو نگہبلی لگا کر دیکھنے لگا لیکن پہچان نہیں پارتا تھا کہ یہ کون ہے جس نے مجھے سہارا دیکر کھڑا کیا پاس ہی کھڑے ایک صاحب نے کہا کہ یہ پھر وہی ہیں جو برائے ایک کیفیت طاری ہو گئی آپ نے فرمایا کلمہ پڑھو اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر جیسے جیسے وہ پڑھتے گئے میں بھی بڑھتا گیا اور پھر آپ نے مجھے سینہ سے لگایا ۲۵ ہفتہ ۲۵ ہفتہ

مختصر

بمختصر سرور کائنات، مطلع دیوان نبوت، مقطع قصیدہ رسالت
امام الانبیاء، سید البشر جناب سیدنا و مولانا، شفیعنا، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبزادہ سید محمود رمزاید و کیٹ الہ آبادی

لہجہ ہی اُن کا دیکھتے رحمت شعار ہے ﴿ ان کا خیرام ناز ہی پیہم بہا رہے
اے مصطفیٰ تو آیت پروردگار ہے، ﴿ منشانے کبریا کا تو ہا شاہکار ہے
تلوؤں کی چھوٹ ہی سے ہی کہکشان شب ﴿ نقش قدم بھی تیرا عجب نور بار ہے
کل تک جو سر زمین تھی صحرائے بے گیاہ ﴿ تیرے کرم سے آج دی لالہ زار ہے
قرآن میں ہے سورہ محمد کے نام کا! ﴿ ذکر جمیل ان کا بہت خوشگوار ہے
پیتا ہے جو شراب دلائے رسول پاک ﴿ سبح پوچھتے تو دہر میں وہ بادہ نوار ہے
گیتی پہ جو ہے خواجہ بدر جنین و عشق ﴿ وہ حشر میں بھی نازشیں صد نوہار ہے
پھینٹیں پڑی ہیں جس سے شفاعت کی چار سو ﴿ ختم رسل ہی حشر میں وہ آبشار ہے
ملت کی سمت دیکھ لے آقلے کائنات ﴿ اس کو کرم کا تیرے بہت انتظار ہے
نعت نبیؐ کے پڑھنے سے عزت ملی تجھے۔

اے رمز تیرے واسطے یہ انعتا رہے،

دارالعلوم دیوبند کا ترجمہ

کتاب التعمیر





با ستم نماند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

کتاب الصلوة

شماره نمبر ۶ | با تیر ماہ مارچ ۱۹۸۶ء مطابق جب ۲۰۰۶ء | جلد نمبر ۱

تذکرہ ان
حضرت مولانا غوث الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم

مدینہ
مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پریچہ 3/-
سآل اللہ 30/=

سآلانا بدل اشتراک بیکر ان مالک

سودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ۔ برطانیہ/ 160/ = امریکہ۔ کنٹلاڈیو
بزرگ ایریل = 160/ = پاکستان = 70/ = ہندوستانی۔ بنگلہ دیش = 50/ = ہندوستانی

سرخ نشانی اسم بات کم علامتہ ہد کہ آپ کا رتعاورم ختم ہو گیا
(مطبوعہ تجویہ پریس دیوبند)

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین نگار	نمبر شمارش	نمبر شمار
۳	حبیب الرحمن قاسمی	حرف آغاز	۱
۷	مولانا عزیز ایشتر قاسمی	کفایت کی رعایت کہاں تک ؟	۲
۲۳	مولانا امام علی دانش رادارہ محمودیہ	پیغمبر اعظمؐ اور ان کے اصحابؓ	۳
-	نگہیم پورہ		
۳۳	مولانا حافظ محمد اقبال باپخسٹر	حضرت نانوتویؒ اور عشق رسولؐ	۴
۲۲	مولانا عبدالدیان غفلی	مولانا مودودی کی تحقیق حدیث رجال پر ایک نظر	۵
۴۸	ادارہ	اگر آپ چاہتے ہیں ؟	۶

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں کی ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں کی ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اڈل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ - ۷۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دار معلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔
والسلام منبر رسالہ

حرف آغاز

حَبِيبِ الْعَرَبِ فِي قَارِئِهِ

۱۸۵۵ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغلیہ سلطنت جو اپنے تمام ترامینازات و تشخصات کے باوجود ہندوستان کی سیاسی وحدت کی ضامن تھی یہاں پہنچ کر دم توڑ دیتی ہے۔ اور اس کے ملبہ پر ایک جدید حکومت کا قہر اقتدار تعمیر ہوتا ہے۔ اس انقلاب کو چشم ظاہر ہیں نے اگرچہ ایک سیاسی کھیل سمجھا جسے سیاست دانوں کے بازیگر زندگی کی فیلا میں کھیلتے رہتے ہیں۔

باز بچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے ہوتا ہے نیا روز تماشائے میرے آگے

لیکن ارباب بعیرت اور سیاسی عروج و زوال کے عوامل و محرکات پر نظر رکھنے والے واضح طور پر سمجھ رہے تھے اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ یہ محض سیاسی بازیگری اور اقتدار کا تبادلہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے عوامل نہایت دور رس اور ہمہ گیر ہیں۔ یہ انقلاب زندگی کے پورے محور کو بدل کر رکھ دے گا۔ اس کی طوفانی موجیں عیشت و معاشرت، تہذیب و تمدن، افکار و نظریات اور اعمال و اخلاق کی پُرانی قدروں کو ملیا میٹ کر دیں گی سیاسی انقلاب کی اس ہمہ جہت شکست و ریخت کو قرآن حکیم نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں مکتوب سبأ بقیس کی زبانی یوں واضح کیا ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمَلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا مَدِيْنَةً فَاصْبَحُوْا
وَجَعَلُوْا اَهْلَهَا اَهْلًا اَذَلَّةً ، (ترجمہ) وہ بولی بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے خراب کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں اس کے سرداروں کو ذلیل ،

اب سلمان ارباب فکر و علم کے سامنے دورا ستم تھے یا تو وہ حالاً کے سامنے سرنگون ہو کر اس

سجرتہ کر لیتے اور اطمینان و سکون سے اسی ڈگر پر چل پڑتے جس پر اس وقت کے حالات انہیں لے جا رہے تھے۔ چنانچہ ایک بھلوت پسند مفکر قوم کو اسی بات کی تلقین کرتا ہے۔

سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چسکتی ہذا چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور یا تو زمانہ یا تو نسا زد تو بازمانہ ستیز، کے جرات مندانہ فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے حالاً کو بدلنے کیلئے اس سے برسر پیکار ہو جاتے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ فتویٰ دار الحرب حالہ سے نبرد آزما لیا کھلا ہوا ایک اعلان تھا۔ دار الحرب تو دیکھنے میں ایک چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن جو لوگ اس کی اصطلاحی حقیقت اور ہندوستان کی دینی و علمی اور سیاسی بساط پر خاندان ولی اللہی کے اثرات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کی اہمیت اور وسعت کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کی تحریک کی بنیاد و حقیقت حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا یہی فتویٰ تھا۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے دونوں اصحاب حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور قطب رشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کو اس فتویٰ مجبور کیا تھا کہ وہ تلوار لیکر شامی کے میدان میں نکل پڑیں۔ یہی وہ فتویٰ ہے جس کے مقضیات کو بروئے کار لانے کے لئے دیوبند میں ایک مرکز قائم کیا گیا۔ آج دنیا دارالعلوم دیوبند کے نام جانتی ہی پانتی ہے۔ یہی فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کو آمادہ کرتا ہے کہ ریشمی رومال کی تحریک مرتب فرمائیں اور اُسے مؤثر بنانے کیلئے ضعف پیری اور کثرت امراض کے باوجود طول طویل اسفار کریں۔ اور مالٹا میں اسیری کی زندگی گزاریں۔ یہی وہ فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کو بچپن کرتا ہے کہ وہ مکملہ و خالقہاء کے گوشہ عافیت سے نکل کر خارزار سیاست کی باویہ پیمائی کریں اور قید و بند کی بے پایاں صعوبتیں برداشت کریں۔

مقام فیض کوئی راہ میں چننا ہی نہیں جو کوئے یار سے نکلے تو سوتے دار چلے
 برس حکومت جو ملک عزیز پر تسلط قائم کر لینے کے بعد یہ خواب دیکھنے لگی تھی کہ یہاں کے
 باشندوں کے مذہب و مسلک کو تبدیل کر کے سب کو اپنے مزاج و مذاق کے مطابق بنا لے چنانچہ
 لارڈ میکالے نے، راج ۱۹۳۹ء کو تعلیمی کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے جو رپورٹ پیش کی تھی اس میں
 وہ صاف طور پر لکھتا ہے۔

ہمیں ایک جماعت چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور
 ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون و رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق احمدی

الفاظ اور سمجھ (فکر) کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (علماء حق، ص ۱۳۹)

زمانہ گواہ ہے کہ حضرات اکابر رحمہ اللہ نے اپنی پامردی، استقامت، جوش عمل اور جہد مسلسل سے
 نہ صرف یہ کہ اس ظالم حکومت کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیا بلکہ ایک دن وہ بھی آیا کہ اپنی
 تمام تر قوت و شوکت کے باوجود اس جاہل و متکبر قوم کو بے نیل و مرام یہاں سے جانا پڑ گیا۔ اور اس
 طرح سے ایسے عظیم فتنہ سے جس میں ملتِ اسلامیہ گھر گئی تھی اور قوی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس سیلاب
 بلاخیز میں وہ اپنے امتیازات و تشخصات کو محفوظ نہ رکھ سکے گی نجات ملی۔ (شکراً للہ سبحانہ
 وجزاھم اللہ عنی وعن سائر المسالین جزاء حسناً)

آج کل کے حالات بتا رہے ہیں کہ اسلام مخالف طاقتیں ایک بار پھر اسلام اور مسلمانوں کے
 خلاف محاذ آرائی کے درپے ہیں۔

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے ۷۷ کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے ؟
 اسلام دشمن طاقتوں کو ملک عزیز میں مسلمانوں کا وجود کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اور اس
 کانٹے کو نگلنے کیلئے وہ پوری قوت سے میدان میں آگئی ہیں۔ مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی
 علمی اور دینی اعتبار سے بے جان کر کے انہیں ہضم کرنے کی نکر میں ہیں اسی لئے مسلمانوں کے

اقتصادی محرک کو تاک تاک کر نثر اند بنایا جا رہا ہے اور دیکھتے دیکھتے لاکھوں اور کروڑوں کی اٹاک کو خاکستر کے ڈھیر میں بدل دیا جاتا ہے۔ اور یہ عمل ایسے مرتب اور منظم طریقے پر انجام دیا جاتا ہے کہ ایک جگہ کے مسلمان اجماع سنبھلنے نہیں پاتے کہ دوسری جگہ خاک و خون کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ بھونڈی، بمبئی، حیدرآباد، موناٹھ بھجن، احمدآباد اور گجرات کے شہروں میں جس طرح ایک طرف قتل و غارتگری ہوئی ہے وہ ہماری بات کا کھلا ثبوت ہے۔ اسی کے ساتھ اب تو مسلمانوں کی مشہور اور قدیم مساجد پر بھی لگا ہوا اٹھنے لگی ہیں اور باقاعدہ تنظیم کے تحت یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان مسجدوں کی قدیم اور تاریخی دینی و مذہبی حیثیت کو ختم کر کے انھیں اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔ بابر کی مسجد اور دھیا جس کا زندہ ثبوت ہے کہ تقریباً پونے پانچ سو سال کی قدیم مسجد کو کس ڈرامائی انداز میں مندر میں تبدیل کر دیا گیا اور سیکولر و جمہوریت کی بالادستی کا گلا پھاڑ پھاڑ کر نعرہ لگانے والے ہندو فرقہ پرستی کے اس ننگے نالج کو دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں۔ مسلم اوقاف کا جو حشر ہو رہا ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لاہ فطرے کی زد سے محفوظ نہیں ہے۔ اور یکساں سول کوڈ کے سہارے سرکاری سطح پر کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے ملکی تشخص کو مٹا دیا جائے تاکہ زندہ اور متحرک قوم، بیجان ہو کر رہ جائے۔ تعلیمی اور سیاسی اداروں سے مسلمانوں کو جس طرح بے دخل رکھا جا رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے یہ تمام کارروائیاں ایک عظیم طوفان کا پتہ دے رہی ہیں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان! تمہارا تذکرہ تک بھی نہ ہو گا داستانوں میں۔ ان حالات میں ہمارے سامنے بھی وہی دورا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم حالات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ہوائے زمانہ جس سمت لے جانا چاہتی ہے۔ بغیر کسی مزاحمت کے ہم اس رخ پر چل پڑیں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے دین اپنے تہذیب و تمدن اور اپنی جان مال کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنے اکابر و اسلاف کے اسوہ کے مطابق استقامت و پامردی اور ہمت، جرأت کے ساتھ ہر مخالف قوت کا مقابلہ کریں۔

(دقیقہ صفحہ ۴۶ پر)

کفارت کی رعایت کہاں تک؟

مولانا عزیز اللہ صاحب مدظلہ امداد العلوم کو بآگنجہ اعظم کلام

- ۱۔ شرعی نقطہ نظر سے کفارت کی حیثیت کیا ہے؟
 - ۲۔ کیا ہر دور میں اس کی پابندی ضروری ہے؟
 - ۳۔ اور کفارت میں حسب نسب، دیانت، دولت اور حرمت جملہ پہلو کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یا کسی پہلو سے صرف نظر بھی ممکن ہے۔؟
 - ۴۔ موجودہ دور میں غیر کفو میں شادی ہونے پر اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا یا نہیں؟
 - ۵۔ موجودہ وقت میں کفارت کی پابندی کہاں تک ہونی چاہئے اور کن امور میں؟
- یہ چند سوالات ہیں جو مسلم معاشرہ میں حسب نسب اور مال و دولت جیسی فانی چیزوں پر مبنی ادنیٰ تیغ اور تفریق سے قوم و ملت کے ایک درد مند اور غیر تمند کے دل میں پیدا ہوتے ہیں
- شرعی نقطہ نظر سے کفارت کی حیثیت کیا ہے؟ | اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ سمجھنی چاہئے کہ

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم - خبر دار عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی

الاء، لایزوج النساء الا اولیاء کریں۔ اور صرف کفو میں کریں۔

ولا یزوجن الا من الکفاء

• • • • •

لے فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۸۵۔

جس سے فقہار کرام زیر بحث مسئلہ میں استدلال کرتے ہیں، ضعیف ہے۔ محمد بن نے اس کے رواد پر کلام کیا ہے۔ اس لئے اس سے استدلال کرنا محل نظر ہے۔ اگر شوہر و نفلہ کی بنیاد پر قابلِ حجت مان لی جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم خانگی امور اور اس سے متعلق دیگر مصلحتوں کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام نے حدیث بالاکا روشنی میں کفارت کے تشریحی پہلو پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قلنا مقتضى الأدلة التي ذكرناها
الوجوب اعني وجوب نكاح الاكفاء و
تعليلها بانتظام المصالح له
مذکورہ دلائل کا مقتضی کفر میں نکاح
کا واجب ہوتا ہے اور اس کی علت
خانگی مصالح ہیں۔

درحقیقت نکاح میں کفارت کا منشاء اور حسب و نسب اور حرمت و دیانت کی رعایت کا بنیادی مقصد خانگی امور کو برقرار رکھنے اور میاں بیوی کے تعلقات کو صمیم و صنگ سے قائم رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ میں آتا۔ اگر کفارت کی زحمت کوئی لازمی شے ہوتی تو اس میں اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مگر اختلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ امر "خانگی مصلحت کے مد نظر ہے۔"

اس سلسلہ میں ائمہ کی کیا رائیں ہیں اسے بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔
یہ امام مالکؒ ہیں آپ کی رائے یہ ہے کہ کفارت کا اعتبار صرف "دین" میں ہونا
چاہئے۔ باقی دوسری چیزوں میں نہیں۔

وقد جزم بان اعتبار الكفاءة مختص
بالدين مالكؒ
امام مالکؒ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا
ہے کہ کفارت کا اعتبار دین کے ساتھ خاص آ
سفیان ثوریؒ کا خیال یہ ہے کہ کفارت کا اعتبار ہی نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الناس سوا سببہ کا سنان المشط
لا فضل لعربی علی عجمی انما
الفضل بالتقویٰ لہ

امام کرخیؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ نکاح میں کفارت کی بالکل رعایت
نہیں ہونی چاہئے۔

عن الکرخی انہ کان یقول الاصحح
عندی انہ لا تعتبر الکفاءة اصلاً لہ

امام شافعیؒ نے بعض چیزوں میں کفارت کا اعتبار کیا ہے۔

ونقل ابن المنذر عن البویطی ان
الشافعی قال الکفاءة فی الدین لہ

البتہ فقہ حنفی میں کچھ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور کفارت میں حسب ذمہ
اور حرمت و دیانت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا خیال کیا گیا ہے
تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ثم الکفاءة تعتبر فی النسب لانه
یقع به التفاخر فقریش بعضهم
الکفاء لبعضہ

لہ فتح القدر ج ۳ ص ۱۸۶ - لہ کفایۃ علی ہامش فتح القدر ج ۳ ص ۱۸۸ -

لہ فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۳ - لہ حدایہ مع فتح القدر ج ۳ ص ۱۹۰ -

۱۱) انما الموالی فمن كان له ابوان
فی الاسلام فضاعداً فهو من
الاکفاء یعنی من له ابوان فی
الاسلام لان تمام النسب بالاب
والجد ومن اسلم بنفسه لا یكون
کفوً لمن له ابٌ واحد فی الاسلام
۰ ۰ ۰ ۰ ۰

۱۲) وتعتبر ایضاً فی الدین ای الدیانة
وهذا قول ابی حنیفة ر و
ابی یوسف وهو الصحیح لان من اعلى
المفاخر والمرءة تعیر بفسق الزوج
فوق ما تعیر بضعفة نسبه ۰

۱۳) وتعتبر فی الحال وهو ان یكون
مالکاً للمهر والنفقة وهذا هو
المعتبر فی ظاهر الروایة حتی ان
من لا یملکها اولاً یملک احدهما
لا یكون کفوً لان المهر بدل البضع
فلا بد من ایفاء ۰

۱۴) وتعتبر فی الصنائع وهذا عند
ابی یوسف ومحمد وحن ابی حنیفة

جس کے باپ دادا اور تک مسلمان ہیں وہ
برابر ہے جس کے صرف باپ دادا مسلمان
ہیں یعنی آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔ اور
اسکی وجہ یہ ہے کہ نسب باپ دادا سے مکمل
ہوتا ہے۔ اور جو تنہا مسلمان ہے وہ کفو نہیں ہے
جس کا باپ مسلمان ہے (یعنی نو مسلم اس کی
بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا ہے)

امام ابو حنیفہ اور یوسف کے نزدیک دینداری
میں بھی برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ
یہ سب سے بڑی فخر کی چیز ہے
عورت ضعفِ نسب سے اتنا عار نہیں کرتی جتنا
شوہر کی بددینی سے کرتی ہے۔

مال میں برابری کا لحاظ ہو گا اس کا مطلب
یہ ہے کہ شوہر میں مہر اور نان و نفقہ کے
دیئے کی استطاعت ہو۔ اگر کسی میں دونوں کی
یا ایک کی بھی استطاعت نہیں ہے تو وہ کفو
نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ مہر بدل ہے اور
اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

صاحبین کے نزدیک پیشہ کے لحاظ سے بھی
برابری دیکھی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ سے

اس بارے میں دو روایت ہے۔ امام یوسف سے منقول ہے۔ جب پیشہ میں زیادہ تفاوت ہو جیسے تھام۔ زرہاف، رنگریز۔ تب اعتبار ہو گا ورنہ نہیں۔ کیونکہ لوگ پیشہ کی شرافت اور عدم شرافت سے فخر دہا کرتے ہیں۔ دوسرے قول کا وجہ ہے کہ پیشہ کوئی دائمی چیز نہیں ہے۔ آج معمولی پیشہ کل اچھا بن سکتا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کفارت کے جو یہ پانچ شعبے بیان کئے گئے ہیں ان کی احادیث میں کہاں تک صراحت موجود ہے۔ اور نیز ان پانچوں شعبوں کا موجودہ وقت میں لحاظ کرنا کس حد تک ضروری ہے۔

نسب کے بارے میں حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ

کفارت بالنسب میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعہ "العرب بعضهم أکفاء بعض الخ" جس کی بزار نے تخریج کی ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

اور بیہقی نے حضرت داؤد کی حدیث مرفوعہ ان اصطفی الخ سے استدلال کیا ہے یہ حدیث تو اپنی جگہ صحیح ہے اور سلم نے

في ذلك روايتان و عن ابى يوسف انه لا تعتبر الا ان تفحش كالجأ والحالك والدباغ وجه الاعتبار ان الناس يتفاخرون لشرف الحرف ويتعديرون بدنائتها وجه القول الآخر ان الحرفة ليست بلازمتہ يمكن التحول عن الخبيسة الى النفيسة منها له

لم يثبت في اعتبار الكفاءة بالنسب حدیثاً وما اخرجہ البرزازی من حدیث معاذ رَفَعَهُ "العرب بعضهم أکفاء بعض والموالی بعضهم أکفاء بعض" فاسنادها ضعیف۔۔۔۔۔ واحتم البیهقی من حدیث واثله مرفوعاً ان الله اصطفی ابی کنانہ من بنی اسماعیل۔ الحدیث، و

ہو صحیحہم اخرجہ مسلم . لکن بھی اس کی تخریج کی ہے لیکن زیر بحث
فی الاحتجاج ج ۱ بہ لذلک نظرہ مسئلہ میں اس سے استدلال کرنا محض نظر ہے

دیکھا آپ نے یہ علامہ ابن حجر ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ نسب کے سلسلہ میں
کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ ایک دو حدیث ایسی ہیں جن سے استدلال کر سکتے
ہیں لیکن ان سے بھی استدلال محض نظر ہے۔ نیز صحابہ کرام کی مبارک زندگی سے
اور ان کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نسب میں برابری کوئی لازمی نہیں ہے
حضرت مقداد ابن اسود کندی ہیں اور ضباعہ بنت زبیر کے شوہر ہیں اور ضباعہ
ہاشمیہ ہیں اور نسباً مقداد ابن اسود سے اعلیٰ ہیں۔ سوچنے کی بات ہے اگر کفارت ضروری
ہوتی تو ان کیلئے یہ نکاح جائز نہ ہوتا۔

فلولا الکفاءة لا تعتبر بالنسب اگر نسب میں کفارت کی پابندی ضروری
لما جاز له ان يتزوجها لانہا ہوتی تو ان سے نکاح کرنا جائز نہ ہوتا۔
فوقہ فی النسب ۱۵ اس لئے کہ ضباعہ ان سے نسب میں اعلیٰ تھیں

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ مولانا تقی امینی نے اپنی کتاب میں "ازالة الخفاء"
حصہ دوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ

حضرت عمرؓ نے دلی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کا حکم دیا۔ جس کی صورت
یہ ہوئی کہ موالی (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے قریشی کی بہن کو
پیغام بھیجا۔ قریشی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ۔

ان لنا حسباً دانه لیس بہنا ہم حسبے نسب و آپس اور وہ لڑکی کا
بکفوء۔ کفو نہیں۔

جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو اپنے قریشی کو بلا کر کہا وہ مالدار بھی
... ہے اور پرہیزگار بھی۔ اگر بہن راضی ہے تو نکاح کر دو۔

زَوْجِ الرَّجُلِ اِنْ كَانَتْ رَاضِيَةً اِذَا لَزِمَ رَاضِيَةً
 چنانچہ بھائی نے جا کر پوچھا تو لڑکی راضی ہو گئی۔ اور نکاح کر دیا گیا۔
 فَرَّاجِعُهَا اِذَا خَوَّاهَا فَرَضِيَّتٌ
 بھائی نے جب اس سے مراجعت کی تو وہ
 فَرَّاجِعُهَا مِنْهُ رَاضِيَةٌ
 راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کر دیا۔
 یہ کوئی معاشقہ کا معاملہ نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ نے مجبور ہو کر فیصلہ کیا ہو بلکہ
 حسب و نسب کے "بُت" کو توڑنا، مقصود تھا جس کے آہنی پنجے میں اب مسلم
 معاشرہ گرفتار ہو گیا ہے۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں اور واقعات ہیں کوئی استقصاء مقصود نہیں بطور نمونہ
 درمٹالیں پیش کر دی گئیں۔

نکاح میں اسلام کے لحاظ سے بھی کفارت (برابری) کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یعنی
 لڑکی کے باپ مسلمان ہوں تو لڑکے کے باپ بھی مسلمان ہوں۔ لڑکی کے باپ و دادا دونوں
 مسلمان ہیں تو لڑکے کے باپ و دادا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لڑکا تو مسلم ہے اور
 لڑکی مسلمان ہے اور اس کے باپ بھی مسلمان ہیں تو ان دونوں میں نکاح نہیں
 ہو سکتا۔

لیکن اس سے متعلق ناچیز کی نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گذری جس میں اسکی
 صراحت موجود ہو۔ اگر نکاح میں اس کا خیال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو مسلم
 بے چارہ موروثی مسلمان کا کفو ہو ہی نہیں سکتا اور اس کی لڑکی سے رشتہ مناکحت
 بھی نہیں کر سکتا۔

سوچنے کی بات ہے اگر اسلام میں اس کا خیال کیا جاتا تو قرن اول میں جو بہت
 سے صحابہ اسلام میں داخل ہوئے اور وہ کسی کے غلام یا آزاد شدہ غلام تھے۔ وہ
 دو سکر صحابہ کے کفو نہیں ہو سکتے اور ان کی لڑکیوں سے شادی نہیں کر سکتے تھے مگر

ایسا بالکل نہیں تھا۔ اور اس کے ملحوظ نہ ہونے کی سبب بڑی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ کا نکاح ایک ہاشمی خاتون زینب بنت جحش سے کر دیا۔ پھر اس نیک بی بی کی قسمت دیکھیے کہ آگے چل کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجاتی ہیں اور دنیا کے مسلمانوں کی ماں بن جاتی ہیں۔ یہ سچ پوچھتے تو فقہ کے اس باب سے غیروں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم اخوت و مساوات پر کاری ضرب لگتی ہے۔ اور العیاذ باللہ اسلام کا دامن وسعت کے باوجود تنگ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک دو نہیں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے۔ ہمارے مسلم معاشرہ میں اس تنگی کو دیکھ کر کئی ایک خاندان اسلام قبول کرتے کرتے رک گئے کہ ہماری بچیوں کا کیا ہو گا۔

نہایت انسوس کی بات ہے۔ آج بھی یہ نظریہ مسلم معاشرہ میں موجود ہے اور نو مسلم کو اپنی بیٹی دینے اور لینے میں عار اور ذلت محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ انصار نے اس کو فخر سمجھا اور مہاجرین کی جہاں مال و دولت گھر بار سے مدد کی وہیں اپنی زائد بیویوں کو طلاق دے کر اور نیز اپنی رفیقیوں سے شادی کر کے تعاون باہمی کی اعلیٰ مثال قائم کرنا

فجزاھم اللہ جزاء ادائمہا قائمًا الی یوم القیامۃ

اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یقیناً جلتے ہم ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر رہے ہیں۔ اور اسلام کے دامن کو باوجود وسعت کے محدود کر رہے ہیں۔ اور ان کے اسلام کے لئے روک بن رہے ہیں۔ جب کہ اسلام سب کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فعل کو معاف نہیں کر سکتا ہے۔ ہم کو اس قید و بند سے اپنے معاشرہ کو پاک کرنا چاہئے۔ لعل اللہ یجدث بعد ذلک امرًا

کتب فقہ میں کفارت کا ایک شعبہ صنعت و حرفت (دستکاری اور پیشہ) میں کیا گیا ہے۔ یعنی نکاح میں اس لحاظ سے بھی برابری کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کا

بھی دار و مدار دیگر شعبوں کی طرح باہمی تفاعل کے سوا اور کچھ نہیں۔ حدیث میں کہیں وضاحت نہیں کہ لڑکے اور لڑکی پیشہ کے لحاظ سے برابر ہوں اگر پیشہ میں مختلف ہوں گے تو ان میں شادی درست نہیں ہوگی۔

درحقیقت نکاح میں حسب نسب، مال و دولت اور صنعت و حرفت کا خیال باہمی تفاعل پر مبنی ہے جن کی ہمارے ناقص خیال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہاں تو صرف اور صرف تقویٰ و طہارت کی قدر و قیمت ہے۔

إِنَّ الْكِرْمَ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ
 میں سب سے زیادہ متقی ہے

اس لئے کہ حسب و نسب، مال و دولت اور صنعت و حرفت کوئی مستقل چیز نہیں ہیں۔ آج جاہ و جلال ہے کل اس سے محرومی ہے۔ آج ایک آدمی مالدار اور صاحب ثروت ہے کل وہی کاسہ گدائی لئے در بدر پھرتا نظر آتا ہے۔ آج ایک شخص فقیر ہے کل مالدار ہے۔ غرض مال و دولت آنے جانے والی چیز ہے۔

العمال عاۓ و راجح - مال صبح آیا شام کو چلا گیا۔ شام کو آیا صبح چلا گیا جس چیز کی یہ پوزیشن ہو اس پر فخر کرنا اور اس میں برابری کا خیال کرنا بے کار سمجھاتا ہے۔ حرفت و پیشہ کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہے۔ آج ایک پیشہ باعزت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن وہی پیشہ بعد میں کسی وجہ سے حقیر سمجھا جانے لگتا ہے۔ آج ایک پیشہ حقیر ہے کل وہی باعزت ہے۔ پیشہ کی حقارت و عزت کوئی مستقل نہیں ہے۔ حالات کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔

إن الحرفة ليست بلازمة ويمكن
 پیشہ کوئی لازمی شے نہیں ہے۔ معمولی پیشہ
 التحول عن الخسيسة الى النفيسة
 کل اچھا بن سکتا ہے۔

اور بات دراصل یہ ہے کہ پیشہ جائز ہے تو اس کے اپنانے اور اختیار کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ کسب حلال کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ہے۔ برعکس اس کے ایک پیشہ لوگوں میں باعزت ہے لیکن اس کے ذرائع آمدنی خلاف شرع ہیں تو باوجود باعزت و شرافت کے وہ پیشہ عمداً شرعاً مبعوض ہے۔

حاصل یہ کہ پیشہ کی شرافت و حقارت کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس کی وجہ سے آدمی شریف و حقیر بنتا ہے۔ اس لئے نکاح میں اس پہلو سے برابری ہمارے خیال میں مناسب نہیں۔ مختلف پیشے کے لوگ آپس میں رشتہ مناکحت قائم کر سکتے ہیں۔

محدث کبیر اور محقق شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی جن کی بات بہت تحقیقی ہوتی ہے اور دلیل میں پیش کی جاتی ہے۔ اپنی تازہ تصنیف "تذکرۃ النساء" میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو پڑھنے کے ساتھ سبق لینے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں۔

قتیلہ بنت قیس۔ یہ باعزت خاتون اشعث بن قیس صحابی کی بہن تھیں۔ ان کا ذکر بھی صحابہ کے ذیل میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہو سکا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اشعث کے والد کپڑا بننے میں بڑے ماہر اور ان کو بڑی دلچسپی تھی اس کی شہادت حضرت علیؑ نے دی ہے۔ وہ اشعث کو حاکم بن حاکم کہا کرتے تھے۔ قتیلہ انھیں قیس کی بیٹی اور اشعث کی بہن تھیں۔ اللہ نے اس کپڑا بننے والے کو وہ عزت بخشی جس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہو سکتی۔ یہ کپڑا بننے والا اس بات پر جتنا فخر کرے کم ہے کہ سرکارِ دو جہاں اشرف انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لڑکی قتیلہ کو قبول فرمایا تھا قتیلہ مین میں تھیں۔ اور ان کے بھائی اشعث نے دنی بن کر ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ میں کر دیا تھا یہ نکاح منسلک کے آخر میں ہوا تھا قتیلہ مین سے ابھی حضرت ہو کر نہیں آئی تھیں کہ نصف صفر ۱۱ھ

میں حضور کی بیماری شروع ہوئی۔ اور ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۱۱۱ء کو آپ کی وفات سے دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ وفات سے دو ماہ پیشتر نکاح ہوا۔ تیسرا بیان یہ ہے کہ آپ کی آخری بیماری میں نکاح ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت کی تھی کہ ان کو اختیار ہے کہ دوسری ازدواج مطہرات کی طرح ان پر بھی قانون حجاب نافذ اور حجاب قائم ہو ایسی صورت میں میرے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ طلاق قبول کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ انھوں نے دوسری صورت اختیار کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عکرمہ (صحابی) سے نکاح کر لیا۔

بُنکر گھرانے میں سب سے اعلیٰ اور نبی کا یہ رشتہ ان دستکاروں کیلئے سب سے بڑا مایہ افتخار ہے اور یہی اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ بننے والے کی ٹیٹی ایک عربی بلکہ قریشی و ہاشمی بلکہ سب سے اشرف و اکرم ہاشمی کی کفوف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وہ اس کی بھی کفوف ہو سکتی ہے جو یہ پیشہ نہیں کرتا ہے۔

اس واقعے کے نقل کرنے کے بعد حضرت والائے کیا۔ بات لکھی ہے جو سب کے لئے قابلِ لحاظ ہے۔ لکھتے ہیں۔

اس بحث میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا ہے۔ وہ سب غلط نہیں رہتی آ۔

اس بحث میں اصل چیز دینداری ہے نکاح میں کوئی چیز پیش نظر رکھنے کے قابل ہے تو وہ دینداری ہے۔ "دینداری" زندگی کا اصل معیار اور ان کا اصل سرمایہ ہے۔ اسلئے اگر مہیاں بیوی دونوں دیندار ہیں تو ہم سمجھتے ہیں ان سے بہتر کوئی ہمسفر اور زندگی کا ساتھی نہیں۔ پیشہ مختلف ہو۔ حسبِ نسب میں فرق ہو۔ لیکن تقویٰ و طہارت کی دولت نصیب ہو تو یہ ساری چیزیں ایک طرف اور دینداری ایک طرف۔ یقین جانتے

ان میں کبھی پیشہ اور نسب کے اختلاف اور ذاتی امتیاز کا تصور پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب بھی ہوگا دینداری اور خوفِ الہی مانع ہوگا۔ اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید کے ساتھ فرمایا۔

تسلك المرأة لا بدع لملها ولا حسبها
ولجملها لها ولدینہا۔ فاظفر بذات
الدين۔ قربت يذالك (الحديث)

عورت سے چار چیزوں کی بنا پر شادی کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ مال۔ حسب۔ نجومی صورتی اور دینداری۔ سو دیندار والی سے شادی کر کے کامیابی حاصل کرو۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (ایسا نہ کرو تو)

اس لئے اگر ہم پورے جزم کے ساتھ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ نکاح میں صرف دینداری کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ حسبِ نسب اور دوسری چیزوں کو پیش نظر رکھنا بے سود ہے۔

”امداد الفتاویٰ“ کتاب النکاح جلد دوم میں کفارت سے متعلق ایک سوال وجواب ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حسبِ نسب اور دوسری چیزوں میں کفارت کا دار و مدار عرف پر ہے۔ اور عرفی مسائل میں ہوتا یہ ہے کہ عرف بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ سو کسی زمانہ میں حالات ایسے رہے ہونگے جس کے مد نظر نکاح میں ان امور کا خیال کیا گیا۔ اب چونکہ مسلم معاشرہ میں خانہ زاد رسم و رواج اور مال و دولت اور نسب و پیشہ کی قید و بند کی وجہ سے بڑی پریشان کن صورت پیدا ہو گئی ہے۔ بہت سی مسلم بچیاں ان قید و بند سے بھور ہو کر یونہی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں کفارت کی پابندی ہمارے خیال میں مزید الجھن کا باعث بنے گی۔ اس لئے موجودہ وقت میں اس کی رعایت ضروری نہیں ہونی چاہئے۔

لڑکی غیر کفو میں شادی کر لے تو اس کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ ولی کو حق نسخ حاصل ہوگا۔ قاضی کی عدالت میں نکاح ختم کروا سکتا ہے۔

لیکن اگر کسی طبقے کے افراد اس بات پر رُخ ہوں کہ نہیں اسوقت بھی کفایت کی پابندی ضروری ہے تو ہم بعد ادب ان سے پوچھیں گے کہ نو مسلم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ موردی مسلمان کا کفر ہے یا نہیں۔ اس کی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ فقہی کتابوں سے سہارا لیں گے تو جواب نفی میں ملے گا اسوقت وہ نو مسلم کیا سوچے گا، اسلام کے بارے میں کیا خیال کرے گا۔ اسلام کی جاب سے اس کا دل مترد نہیں ہوگا، یقیناً ہوگا۔ اور خطرہ ہے کہ اسلام سے پھر جانے العیاذ باللہ۔

چنانچہ اس مجبوری کی وجہ سے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے

نو مسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہو سکتی ہے یہ بات نہیں ہے۔ نو مسلم اولاد کی شادی نو مسلم کے ساتھ ہو جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نو مسلم کی اولاد کی شادی نو مسلم سے ہونا چاہئے وہ جاہل ادرا اسلامی احکام سے نادانگ ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو موردی مسلمان ہو یا نو مسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ہر مسلم و نو مسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کر سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے جو مسلمان اپنے نو مسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوسرے کو اب کا مستحق ہوگا۔

اشرف الانبیاء سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے کام کرنے والے قمیص کی لڑکی قتیلہ سے عقد فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں قتیلہ کے بھائی اشعث سے اپنی بہن ام فردہ کی شادی کر دی۔ حضرت عمر بن خطاب نے ایک قریشی لڑکی کو ایک آزاد شدہ مسلمان غلام کے عقد میں دینے کا حکم دیا۔

اسی طرح حضرت مقدا دین اسود کی شادی ضباعہ بنت زبیر سے ہوئی۔ یہ اور ان جیسے صحابہ کرام کے دوسرے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کفار کی پابندی لازمی نہیں تھی۔ اگر بالفرض ہوتی تو یہ مبارک ہستیاں کبھی اس کے خلاف نہیں کرتیں۔

باتی یہ کہنا کہ یہ عقد نکاح ان کے اولیاء کی رضامندی سے ہوا اس وجہ سے درست ہے۔ اگر اسے تسلیم بھی کریں تو ہم پوچھیں گے غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح ہو تو اولیاء کو حق فسخ کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کسی روایت میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ لڑکی غیر کفو میں شادی کرے تو ولی کو نکاح فسخ کرنی کا حق ہوگا۔ جو لوگ حدیث پاک

ألا، لا یزوج النساء الا اولیاء عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کی رضامندی سے
ولا یزوجن الا من الاکفاء لہ اور کفو ہی میں ان کا عقد کریں

اور اس جیسی دوسری حدیث سے حق فسخ ثابت کرتے ہیں۔ درست نہیں ہے

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں حدیث مذکور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں
ولاد لالتہ فیہ علی انتہا اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں
اذ ازوجت نفسہا من غیر ہے کہ جب عورت اپنا نکاح غیر کفو میں
الکفو ثبت لہم حق الفسخ لہ کرے تو اس کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا
آگے لکھتے ہیں۔

فالجواب ان حاصلہ انتہا اس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کو منع کیا گیا
منہیۃ علی تزویجہا نفسہا ہے کہ وہ غیر کفو میں نکاح کرے اور جب
بغیر الکفو فاذا باشرت لزمتها ایسا کرے گی تو معصیت کی مرتکب ہوگی
المعصیۃ ولا یستلزم ان للولی (اس سے یہ) لازم نہیں ہوتا کہ ولی کو اس کے

فسخ کا حق ہوگا۔ ہاں اگر اس نکاح سے
دلی کو کوئی ضرر پہنچ رہا ہو تو اسے اس کے
دفع کرنے کا اختیار ہوگا۔ لیکن یہ نص کا
مدلول نہیں ہے۔

مذکورہ دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے عہدت غیر کفو میں نکاح کرنے تو دلی کے
لئے نص (حدیث مذکور) سے توجیح نسیح ممانعت نہیں ہوتا ہے۔ تاہم فقہاء نے
تصریح کی ہے کہ غیر کفو میں شادی سے اگر اولیاء کو کوئی خاص ضرر پہنچ رہا ہو
تو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ مثلاً عورت نے کسی غیر دیندار، شرابی اور کبابی
سے شادی کر لی تو ایسی صورت میں اولیاء کو یقیناً حق حاصل ہوگا تاہم نص کی علت
میں نکاح ختم کرا سکتے ہیں۔

دوسری عبارت کے پہلے جزو سے کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب غیر
کفو میں نکاح سے ممانعت ہے اور ایسا کرنے سے عورت گنہگار ہوتی ہے۔ تو
اس کا یہی مطلب ہے کہ کفارت کا اعتبار ہے ورنہ محصیت کا کوئی سوال نہیں۔
اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ وہ یہ کہ حدیث مذکور کے رداۃ پر مقلدین نے
کلام کیا ہے اور اس سے کفارت پر استدلال کرنا محل نظر ہے۔ پھر تعلیہا
بانتظام المصالح سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی علت خانگی مصالحت ہیں اور
بس۔ سو اگر یہ مصالحت کفارت کی پابندی کے بغیر حاصل ہو جائیں تو اس کی ضرورت
نہیں ہے۔

سب تو سب نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کے طرز عمل
اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف اقوال سے بھی یہی آشکارا ہوتا ہے کہ کفارت کی پابندی
کوئی ضرورتی نہیں ہے۔

پیغمبرِ اعظم اور ان کے اصحاب

از مولانا امام علی دہلوی - ادارہ محمودیہ محمدیہ لکھنؤ پور

جس کے پاس کسی معیاری طبیہ کالج کی سند ہو۔ جس کے اخلاق و کردار سے مرہض مطمئن ہو۔ جو نرم گفتار اور خوش اطوار ہو۔ جس کے طریق علاج میں سہولت ہو جو کم خراج، صحت بخش دوا میں تجویز کرتا ہو اور جسے قدرت نے ایسا دستِ شفا عنایت فرمایا ہو کہ مایوس و نامراد بیمار بھی اس کے مطب سے صحت یاب ہو رہے ہوں ایسی خصوصیات رکھنے والا معالج صلاحیت و افادیت میں ممتاز اور ماہر فن قرار دیا جاتا ہے۔ عوام و خواص میں اس کی قابلیت کی دھوم مچ جاتی ہے۔

بلاشبہ اس مثال سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی معالج بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ وہ اعتقادی و عملی فساد دور کرنے والے ربانی مصلح ہوتے ہیں رسالت و نبوت کے منصب پر فائز ہونے میں کسب و ارادہ کا قطعی دخل نہیں ہے۔ نبی دراصل ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے وہ جسے مناسب سمجھتا ہے اس کے پاس وحی

بیٹتا ہے حضرات انبیاء کی تعلیمات ان کا طریق اصلاح اور انداز تربیت پروردگار عالم کا تجویز کردہ ہوتا ہے۔ وہ اخلاق و عادات میں تمام دیگر مخلوق سے برتر ہوتے ہیں۔ اور ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں ہادی کاہل کی حیثیت رکھتا ہے۔

سب سے آخری دور میں سرور کائنات مخرموجودات
خاتم النبیین کی شان | حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ جن کو نبی اور رسول بنانے کے ساتھ ہما خاتم النبیین کا تمغہ عنایت ہوا۔ جن کو سید الاولادین والاخرین اور امام الانبیاء بنایا گیا۔ جو لوہارِ التمجید کے حامل اور صاحب مقام محمود ہوں گے۔ میدانِ حشر میں شفاعت کبریٰ کا تاج جن کے سر پر ہوگا۔ جن کی شہادت دائمی اور آفاقی ہے۔ جن پر نازل کی جانے والی کتاب محفوظ ہے اور تمام سابقہ کتب و صحائف کے لئے ناسخ ہے۔ جن کا پیش کردہ دستور تمام قوموں، ملکوں اور زمانوں کے لئے کافی ہے۔ جن کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ کے لئے مشعلِ ہدایت اور منارۃ نور ہے۔ جن کی آمد کا مردہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان سے قبل کے تمام پیغمبروں نے سنایا جن کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعائیں مانگیں جن کی ذات ستودہ صفات کی مدح سرائی اور جن کے اصحاب کی توصیف تورات و انجیل میں بیان ہوئی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحبہ و بارکاتہ وسلم۔

انہی اکرم کو خلقِ عظیم کا حامل بنایا گیا۔ ان کی صداقت و
اخلاق و کردار | دیانت مسکین نوازی یتیم پروری کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا۔ اخلاق و عادات کی پاکیزگی و بلندی کا یہ عالم تھا کہ جو مخالفین دعوتِ الیٰ اللہ کی ذمہ داری ادا کرنے کو جرم سمجھتے تھے اور ہر طرح مزاحمت کرتے تھے راستہ میں کانٹے بچھانا پتھر برسانا۔ اہل ایمان کو پریشان کرنا، استانا جن کا مشغلہ تھا جنہوں نے وطن سے نکلا۔ جائیدادوں کو غصب کیا۔ قتل کرنے کی سازشیں کیں

میدانِ جنگ میں مقابلہ پر نکلنے کے لئے مجبور کیا ان مخالفین اور اعدائے دین کی ہدایت کے لئے پیکرِ احسان و کرم رحمۃ اللعین دعائیں کرتے رہے۔ اور جب خدائے پاک نے غلبہ تسلط دیا اور مکہ فتح ہو گیا۔ کفناروح پر درہے وہ اعلانِ جو زبانِ رسالت مآب سے ادا ہوا کہ

”آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو“

کوئی انتقام نہیں لیا سب کو معاف فرما دیا بلکہ مزید احسانات سے نوازا۔ ابن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ ہمیشہ مارا ستین بن کرنقصان پہنچانے کی سازشیں کرتا رہا جب وہ فوت ہوا اس کے صاحبزادے جو مومن مخلص تھے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کی درخواست پر حضور اکرم نے اپنا کرتا عنایت کیا کہ اس میں اپنے منافق باپ کو کفنا دو پھر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اپنا پاک لعاب دہن اس منافق کے منہ میں ڈالا۔ اس طور سے اپنے مخلص و وفادار شخص (یعنی ابن ابی کے فرزند) کی غم خواری و دلجوئی فرما کر اس غم کو ہلکا کر دیا۔ جو ایک لڑکے کو باپ کی جدائی پر فطری طور سے ہوتا ہے۔ اور منافق کے احسان کا بدلہ بھی اسی دنیا میں چکا دیا۔ جو اس نے اپنا کرتا ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو دیکر کیا تھا۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبا میں دیں،

اسوۂ نبوی رحمت و شفقت، مودت و الفت، احسان و کرم کے پھولوں سے

آراستہ ہے جس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئے۔

تعلیماتِ نبویؐ کی خصوصیت | ان کی پیش کردہ تعلیمات انتہائی جامع و مکمل اور سادہ و آسان ہیں اور ہمیشہ کے لئے

مخفوف ہیں کلام اللہ اس کی مشہادت دے رہا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ خبر

سنایا گیا۔

۱۰ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے

لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (تسراں حکیم)

یہ خوشخبری سن کر ایک یہودی کہنے لگا ہمارے یہاں اگر اس قسم کی آیت

کسی دن نازل ہوتی تو ہم اُسے یوم عید بنا لیتے۔ محترم صحابی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ انعام ایسے دن فرمایا جو پہلے ہی سے روز عید ہے۔ دین محمدی کے بارے میں یہ ناطق فیصلہ کر دیا گیا۔

۱۱ بلاشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اور جو شخص بھی اسلام کے علاوہ

کسی دین کو اختیار کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔ (تسراں حکیم)

دائمی حفاظت کا وعدہ اس طرح کیا گیا۔

۱۲ بلاشک ہم نے ہی ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی ضرور اس کی حفاظت

کرنے والے ہیں۔ (تسراں حکیم)

۱۳ اسی اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ تمام دنیوں پر غلبہ

دلا دے۔ اگرچہ شرک کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار ہو، (قرآن حکیم)

دین کی اتباع اور قبولیت خداوندی کو پیغمبر کی پیروی میں مختصر کر دیا گیا۔

۱۴ آپ کہتے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے

محبت کرنے لگے گا۔ (قرآن حکیم)

۱۵ شریعت اسلامیہ کے محفوظ و مکمل ہونے کی تائید عقلی و تاریخی شہادتوں سے

بھی ہوتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں شریعت رہنمائی نہ کرتی ہو۔

۱۶ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مقامی معاملہ ہو یا بین الاقوامی، ظاہری آراستگی ہو یا

باطنی اصلاح، اقتصادی، سیاسی، تمدنی، معاشی وغیرہ ہر سطح پر ہر قدم پر شریعت

کی روشنی رہبری کرتی ہے۔ شریعت کا بنیادی ماخذ کتاب اللہ ہے جس کی عملی تفسیر سنت مصطفیٰ ہے۔ کتاب اللہ کی طرح سنت مصطفیٰ بھی محفوظ ہے۔ ایک عیسائی مؤرخ اسوہ نبوی کے زندہ جادواں ہونے کی تاریخی شہادت دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

”یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کی تمام مشہور شخصیتوں میں سے کسی کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس کی زندگی کے حالات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی کی طرح پوری دیانت و صحت اور تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں“ (بحوالہ مکتوبات نبوی ص ۳۸)

شریعت کا تیسرا اور چوتھا ماخذ اجماع امت اور اجتہاد فقہاء ہے یہ دونوں ماخذ علی الترتیب قیامت تک پیش آنے والے مسائل و حوادث میں عقل و فکر اور علم و تقویٰ کی روشنی میں ایسا حل پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ جس سے ہر قسم کی وقتی ضرورت اور رہنمائی کی طلب پوری ہو سکتی ہے۔ اور مجدد اللہ فقہاء امت نے اجماع و اجتہاد کے ماخذوں سے کام لیکر شاندار خدمت انجام دی ہے تاریخ ملت جس کی شاہد ہے۔ یہ صرف امت مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ ان کو پانی سے پاکی حاصل کرنے میں دشواری ہو تو مٹی سے پاک ہونے کی اجازت دی گئی، پہلا کی ادائیگی میں قدرت و استطاعت کی قید لگائی گئی۔ معاملات میں تنگی و پریشانی دور کرنے کی گنجائش رکھنے کا علماء کو حکم دیا گیا۔ دفع حرج کو فقہ میں اصول مسلمہ کے طور پر استعمال کیا، خالق و مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں توازن و اعتدال برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ سہولت و تسہیل اور کمال و جامعیت اسلامی شریعت کے علاوہ کسی بھی نظام حیات اور مذہب میں موجود نہیں ہے۔ دین اسلام خدائی دستور ہے وہ نظرت انسانی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب کبھی کسی فرد یا جماعت نے اسلام کی اتباع کو اپنی جدوجہد کا محور و مرکز بنایا اس کا مستقبل

ہر قدم پر دونوں جہاں کی کامرائیوں نے کیا۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں جماعت صحابہ کی
نبوی تعلیم و تربیت کی اثر انگیزی ہے جو براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم و تربیت سے شرفیاب ہوئے جو ماہتاب نبوت سے اقتباس نور کر کے نجوم
 ہدایت بنے۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ پس ماندہ تھے وہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ بن گئے
 شرک و کفر اور معصیت و طغیان کی موجوں میں ڈوبے ہوئے رشد و ہدایت، توحید
 حق پرستی اور علم و عمل کے پیکر بن کر کشتی انسانیت کے ماخذ بن گئے، اختلاف و
 انتشار نفرت و تعصب کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے اتحاد اتفاق اور محبت و ایثار کی
 روشنی کا منارہ انوار ہو گئے۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا : دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
 خونہ تھے جو راہ پر ادروں کے ہادی بن گئے : کیا نظر تھی جس نے مردوں کو سجا کر دیا
 تیس سال کی مختصر ترین مدت میں خاتم النبیین کی تعلیم و تربیت سے جو انقلاب عظیم
 رونما ہوا اس کی مثال کسی مذہبی، تاریخی اور اصلاحی انقلاب میں نہیں پیش کی
 جاسکتی۔ جس سے تعلیمات نبوی کی اثر انگیزی اور انداز تربیت کی دانشیں کا اندازہ بخوبی
 لگایا جاسکتا ہے۔

صحابہ کرام کی عظمت | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض محبت اور تعلیم و
 تربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرام کی وہ مقدس و پاکیزہ

جماعت تیار ہوئی جس کے فضائل و کمالات کا بیان کلام ربانی میں موجود ہے سورۃ
 الفتح میں آنحضرت کے رسول ہونے کا دعویٰ کر کے صحابہ کرام کے اسوہ و کردار کو
 بطور دلیل پیش کر کے حجت تمام کی گئی ہے فرمایا گیا۔

”محمد و آلہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں“

اور آپس میں نرم دل ہیں آپ دیکھتے ہیں ان کو رکوع میں اور سجدے میں ڈھونڈتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشی ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدہ کے اثر سے۔ یہ ان کی مثال تورات میں ہے۔ اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے جیسے کھیتی نے نکالا اپنا اکھوا پھر اس کا تنا مضبوط ہوا پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی شاخ پر کھیتی والوں کو پسند آتا ہے تاکہ ان سے کافروں کا دل جلے !

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام دین کی ایسی کھیتی ہیں کہ جس کی سرسبزی و شادابی دیکھ کر ایمان والے خوش ہوتے ہیں اور کافر جلتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں صحابہ کرام کی باہمی محبت و مؤدت کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے کہ :-

اور اللہ کا احسان یاد کرو اپنے اوپر جب کہ تمھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تمھے نار دوزخ کے گڈھے کے کنارے پھر تم کو اس سے نجات دیا سورۃ حجرات میں ان کے مومن کامل ہونے کی بشارت کتنے بلیغ انداز میں دی گئی ہے ارشاد ہے :-

” اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور تمہارے دلوں میں اس کی رونق پیدا کر دی اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر و گناہ اور نافرمانی کی۔ یہی لوگ نیک راہ پر ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے“

سورۃ انفال میں ان کے لئے مغفرت و اجر عظیم ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ :-

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا

اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ سب بچے ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت اور عزت والی رخصتی ہے۔

سورہ توبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت رکھنے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے کو بعد والوں کے ایمان و قبولیت کا قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

« اور ایمان و عمل میں آگے بڑھ جانے والے مہاجرین و انصار اور جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکی میں انہیں ان سے راضی ہوا اور وہ ان سے راضی ہوئے۔ ان کے لئے جنتیں ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ہمیشہ وہ ان میں رہیں گے۔ »

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خلافت و حکومت اور امن و استحکام دینے کا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ قرآن پاک میں کیا تھا اُسے پورا فرمایا جو ان کی مقبولیت اور ایمان و عمل میں کاملیت کی روشنی دلیل ہے۔

قرآن مجید کے مضامین کی تائید و تشریح احادیث طیبہ معیارِ حق و صداقت میں شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درسگاہ کے ابتدائی شاگردوں کو امتیاز و فضیلت کی اعلیٰ سند عنایت فرمائی ہے۔ جہاں ایک طرف آپ نے یہ فرمایا:

« میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت (موظا امام مالک)

دہاں دوسری جانب یہ بھی فرمایا۔

« بنی اسرائیل بہتر فرقتے ہو گئے تھے اور میری امت میں بہتر فرقتے ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہیں۔ حاضرین نے پوچھا وہ کون فرقہ ہے آپ نے فرمایا ما انا علیہ واصحابی۔ جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (ترمذی)

کتاب و سنت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار بہت سے افراد اور فرقے ہو سکتے ہیں۔ ان تمام میں حق پرست اور صداقت شعار وہی قرار پائیں گے جو کتاب و سنت کے فہم اور اس کی تشریح و تہمیل میں اصحاب نبوی کے نشانات قدم پر گامزن ہوں گے۔ فرقہ بندی و نفیس پرستی کے دور میں حق و صداقت کا معیار صحابہ کرام علیہم السلام اس مضمون کی توثیق کے لئے درج ذیل ارشادِ نبوی و کفار کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے بعد بندوں کے قلوب کو دیکھا تو ان کے اصحاب کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں سے اچھا پایا یا اسی بنا پر ان کو اپنے نبی کا وزیر بنایا۔ سو جس کو مسلمان (صحابہ کرام) اچھا سمجھیں وہی اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ (مسند احمد)

۱۲) جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا۔ سو تم لازم کرو میرے طریقہ کو اور میرے خلفاء راشدین بیکر ہدایت کے طریقہ کو اسی پر اعتماد کرو۔ اسی کو دانستوں سے پکڑو اور خبردار دین میں نئی باتوں سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۳) میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے نجات پا جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ)

۱۴) میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو اعتراض و تنقید کا نشانہ مت بنا لینا جو ان سے محبت کرتا ہے۔ درحقیقت اس کو مجھ سے محبت ہے جس کے باعث ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض و نفرت رکھتا ہے، درحقیقت اس کو مجھ سے بغض و نفرت ہے جس کے

سبب ان سے بغض رکھتا ہے جو ان کو تکلیف دیتا ہے۔ وہ مجھے تکلیف دیتا ہے اور جو مجھے تکلیف دیتا ہے خدا کو تکلیف دیتا ہے اور جو خدا کو تکلیف دیتا ہے، اُسے خدا تعالیٰ ضرور سزا دے گا۔ (ترمذی)

(۵) جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برائی سے یاد کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو تمہاری برائی پر اللہ کی لعنت ہو (ترمذی)

صحابہ بدر، اصحاب بیعت رضوان اور عشرہ مبشرہ و ازواج مطہرات اور بنات مطہرہ کے فضائل الگ سے بھی روایتوں میں آئے ہیں۔ جن سے صاف طور پر متعین ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام اسی کا معتبر و مستند ہے جو اصحاب نبویؐ سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور حق و صداقت کا حامل و ہما سمجھا جائے گا۔ جو طریق صحابہؓ کو راہ عمل بنائے رہے گا۔ یہ وہ پاکباز، وفا شعار، حق پرست، صداقت نواز جماعت ہے۔ جس کی صلاحیت و راستبازی کا یقین و اعتراف کرنے پر ہر انصاف پسند مجبور ہے۔

غیر مسلم عیسائی کا اعترافِ حق | ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے۔

”عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ محمدؐ کی تعلیم نے اس درجہ دینی نشران کی پیردی کرنے والوں میں پیدا کر دیا تھا کہ جس کی مثال عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور ان کا مذہب اس تیزی سے پھیلا کہ جس کی مثال دین عیسویؑ میں نہیں ہے۔ چنانچہ پچاس سال سے کم مدت میں اسلام بہت سی عالیشان سرسبز سلطنتوں پر غالب آ گیا۔“

دشمنانِ اسلام کی خفیہ سازش اور اس کا مقابلہ | اسلام کے دشمنوں نے میدانِ مقابلہ میں حجت و برہانِ محمدیؐ و مسلمانوں کو ہر طرف شکست کھا جانے کے بعد مسلمانوں کو اسلام

کے خلاف ایسی خوفناک سازش کی جس سے ملتِ اسلامیہ کلر شدہ اسلام سے منقطع ہو جاتا۔ اگر دین کی حفاظت کا دعوائی دھڑہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ سب سے پہلے ابن سبا یہودیوں نے منافقانہ طور پر اسلام کا لبادہ پہن کر درگاہِ نبوی کے ابتدائی متعلمین و مستشرقین صحابہ کرام کے خلاف نفرت و عداوت کی ہم چلائی اور جھوٹی محبت اہل بیت کا نعرہ بلند کیا جس کے پس پردہ اسلام کے حاملین اولین سے مسلمانوں کو بدظن کرنا مقصود تھا اس فتنہ کی انتہا یہ ہوئی کہ اسلام کے نام پر اسلام کے مقابل ایک متوازی مذہب تیار ہو گیا۔ جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے۔ کہ دھالِ نبوی کے بعد سوائے تین چار حضرات کے سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ (معاذ اللہ) یہ فتنہ آج بھی زندہ ہے اسی کی ایک شاخ خوارج تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہما و امیر معاویہؓ دونوں حضرات اور ان کے ماننے والوں کو کافر کہتے تھے۔ اسکے بعد عقل و استدلال کے نام پر اعتراض کا فتنہ رونما ہوا جس میں صحابہ کرام کے فہم پر اعتماد کرنے کے بجائے کتاب و سنت کی من مانی تشریح پر زور دیا گیا۔ اس فتنہ کی مثال موجودہ نیچری اور سائنسی نظریات سے مرعوب لوگ ہیں جو اسلامی عقائد و احکام کی تشریح و توضیح میں صحابہ کرام اور اسلاف کو بنیادی اہمیت دینے سے گریز کرتے ہیں اور کچھ لوگ خاندانی دہلی رواجوں اور خیر القرون کے بعد کی رسموں کو دین میں شامل رکھنے پر مصر ہیں۔ اسی طرح اسلام کے احیاء کا خوشنام عنوان اختیار کر کے کچھ حضرات نئے نئے سیاسی نظریات جیسی تعبیر و تشریح کے سانچہ میں اسلام کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اور صحابہ کرام و اسلافِ امت کی فہم و بصیرت اور اسوۃ و نمونہ عمل میں نقص تلاش کرنے کو حق پرستی سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے تمام گروہوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ دین کے ابتدائی حاملین و مشارحین کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایسے دہرے فتنے میں شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات کی حفاظت

قِسْط ۳

حضرت نانوتوی اور عشق رسول

از حافظ مولانا محمد اقبال صاحب ماسٹر

حضرت نانوتوی کے خلاف فاضل بریلوی نے جس عبارت کے ذریعہ کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ آپ کی عبارت ہرگز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت نانوتوی پر جو الزام منسوب کیا ہے پہلے اس عبارت کو پڑھئے!

اور قاسمیہ قاسم نانوتوی کی طرف منسوب جس کی تحذیر الناس ہے اور اس نے اپنے رسالہ میں کہا ہے کہ بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدیم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فصیلت نہیں۔

(حسام الحرمین)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نقل کردہ یہ عبارت "تحذیر الناس" میں اس طرح کسی مقام پر بھی نہیں ملتی۔ البتہ تحذیر الناس میں تین مختلف صفحات کی یہ تین مختلف سطر میں ہیں۔

مثلاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نقل کردہ عبارت میں
(۱) بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور
باقی رہتا ہے۔ - (تخذیر الناس کے ص ۱۱۱ پر ہے۔)

۲۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہوا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق
نہ آئے گا۔ - (تخذیر الناس ص ۱۱۱ پر ہے۔)

(۳) طوام کے خیال میں..... فضیلت نہیں۔ (تخذیر الناس ص ۱۱۱ پر ہے)
اس کے علاوہ عربی ترجمہ میں ایک نہایت ہی افسوسناک خیانت اور تحریف کا ارتکاب
کیا ہے۔ - تخذیر الناس ص ۱۱۱ کی عبارت اس طرح تھی۔

مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ مگر
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا عربی ترجمہ اس طرح کر کے پیش کیا!

مع انه لا فضل فيه اصلاً عند اهل الفہم

جس کا معنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں اہل فہم کے نزدیک
بالکل فضیلت نہیں۔ فاضل بریلوی اس کا یہ ترجمہ کرتے ہوئے شاید خوف آخرت سے
بالکل بے فکر ہو گئے ہوں گے۔

۴۔ حضرت مولانا نانوتوی کی عبارت میں بات بطور شرط "اگر بالفرض کے ساتھ
بیان کی جا رہی تھی۔ اُسے خواجہ حضرت نانوتوی کا عقیدہ قرار دینا سراسر انصافی اور
زیادتی ہے۔ کسی نہ ہونے والی بات کو بطور فرض کے بیان کرنا کبھی اہل علم کے یہاں قابل
اعتراض نہیں سمجھا گیا ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے۔

لو كان فيهما الهة الا الله لفسدنا

اگر ہوتے دونوں زمین و آسمان میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک زبان زد عوام و خواص ہے کہ:

لوکان بعدی بنی لکان عمر (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) اگر میرے بعد کوئی بنی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔

غور فرمائیے! اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور قضیہ فریضہ کے بیان فرما رہے ہیں۔ نہ کہ اسکا اثبات فرما رہے ہیں۔ سیدنا مجدد الف ثانی اشیح احمد السمرہندیؒ نے بھی فرمایا کہ:

اگر فرضاً دریں امت پینے کے مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل میکرد (مکتوبات و فتاویٰ) ۲۸۲

اگر حضرت نانوتویؒ "اگر بالفرض" کہہ کر دائرہ ایمان سے خارج ہو گئے تو پھر ان کے نزدیک سیدنا مجدد الف ثانیؒ سے بھی یہی تصور سرزد ہوا ہے۔ اور وہ بھی ان کے فتوے کے زو میں آگئے۔ خدا جانے اب کیا فتویٰ ہو گا؟۔ اگر سیدنا مجدد الف ثانیؒ اس عبارت کے باوجود مجدد الف ثانیؒ ہی ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر حضرت نانوتویؒ پر انکا ختم نبوت کی تہمت آخر کن سیاسی مفاد کیلئے تھی؟

۳۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں جگہ جگہ ختم نبوت زبانی کا اثبات فرمایا ہے مگر افسوس کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان تمام عبارات کو یکسر انداز کر دیا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

بمجلہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ

علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور

زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ (تحذیر الناس صفحہ ۶)

مطلب یہ ہے کہ کائنات کا مقصود اعظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور قانون یہ ہے کہ کسی چیز کی حرکت اپنے مقصود پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے پر زمانہ کی حرکت ختم ہو جانی چاہیے۔ حالانکہ یہ حرکت جاری ہے تو اسکا حضرت نانوتویؒ جواب دیتے ہیں کہ حرکات مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک حرکت ہے

رسالت و نبوت کی۔ یہ حرکت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور آپ مقصوداً عظیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر ختم ہو گئی۔ اب یہ حرکت ختم ہو چکی ہے۔ اس حرکت کے اجراء کا قائل صریح اور قطعی کافر ہے۔ البتہ زمانہ کی باقی حرکات باقی ہیں۔ مثلاً انسانوں کی پیدائش، جمادات و نباتات کی تخلیق وغیرہ۔ (حاشیہ تحذیر للناس) حضرت نانوتویؒ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ اتنا اہم اور بنیادی ہے کہ جو شخص بھی اس کا انکار کرے آپ کے نزدیک وہ کافر ہے فرماتے ہیں۔

سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ الترامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات ثبوتی مثل انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انتہ لابی بعدی اذکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بظاہر بطرز مذکور اس لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔ گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہو سکیں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہو گا جیسا تواتر احادیث و روایات و غیرہ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعر تعدد رکعات متواتر نہیں جیسا کہ ان کا منکر کافر ہو گا۔ ایسا ہی ان کا منکر بھی کافر ہو گا۔ (تحذیر للناس ص ۷۷)

حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا قرآن کریم کی آیت "ما کان محمداً الا نبی" سے بطور دلالت مطابقی یا الترامی کے ثابت ہے۔

(۲-۳) احادیث متواترہ اور اجماع امت بھی ثابت ہے۔

اور اس کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ تعداد رکعات کا منکر کافر ہے۔
غور کیجئے۔ حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو دلائل
علیہ سے ثابت فرما رہے ہیں اور اس کے منکر کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیتے
ہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت بریلوی یہ شور مچاتے ہیں کہ محمد قاسم نانوتوی کا عقیدہ ہے کہ حضور
آخری نبی نہیں..... (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

وہ بات سارے فسائے میں سسکاؤں کو نہیں پڑے وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے۔
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے حضرت نانوتویؒ کی مندرجہ بالا
عبارت کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ

دیکھئے اس عبارت میں کس طرح تصریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزماں ہونے
کی فرما رہے ہیں۔ اور آپ کے خاتم زمانی ہونے کے منکر کو خود کافر کہہ رہے ہیں۔ پس
اس شخص گمراہ کسندۂ عالم، مجدد الدجالین کی جرأت و دروغ گوئی کو دیکھئے کہ کس طرح
ان کی نسبت لکھتا اور تشہیر کرتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزماں
ہونے کے منکر ہیں۔ اور آپ کے بعد دوسرے نبی کے آنے کو جائز فرما رہے ہیں۔ بھلا اس
خیانت اور نجاست کا کیا ٹھکانہ ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۷۷)

الغرض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خیانت۔ فریب کاری اور قطع و برید کے بعد
ضرورت نہ تھی کہ اس مسئلے پر کچھ لکھا جائے اس لئے کہ عبارات کی قطع و برید اور
مختلف صفحات کی مختلف سطروں کو ملانا ہی اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اصل عبارت
میں کوئی شک اور قابل اعتراض بات نہ تھی۔ بلکہ اعلیٰ حضرت نے قابل اعتراض اور تکفیری
عبارت بنانے ہی کے لئے یہ مذموم حرکت کی تھی۔ جس کی جواب دہی کے لئے وہ وہاں
جلاچکے ہیں جہاں سب کو جانا ہے۔

تاہم کتاب تحذیر الناس چونکہ بہت علی کتاب ہے (مگر اپنے موضوع پر نہایت

صاف اور واضح ہے، اس لئے اکابر دیوبند نے اس کی تشریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی کتاب "سراج منیر" شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی "الشہاب الثاقب" شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی "تکلمہ تہذیر الناس" مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہ کی سیفِ میمانی "فیصلہ کن مناظرہ" شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صدر مدظلہ کی "عبارات اکابر" اور محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ کی "عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوة" اس موضوع پر نہایت بہترین اور مفصل اور مدلل کتابیں ہیں۔

اب اس کے باوجود کوئی شخص ضد کی لکیر پیتتا رہے اور حضرت نانوتویؒ پر کفر کے الزام لگاتا رہے تو یہ اس کی بدستی اور بدعتی ہے کہ وہ آخرت کی فکر اور جواب دہی سے بلہ پرواہ ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے بھی اسی کو فرمایا ہے کہ

اس پر بھی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی دہی مرغی کی ایک ٹانگ کھے جائے تو اس کا کیا علاج منہ کے آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں۔ جو چاہو سو کہو مگر فکر آخرت بھی ضرور ہے
(تجدد اسلام ص ۳۹)

ہم آخر میں بریلوی مکتبہ فکر کے ممتاز عالم جناب پیر کرم شاہ صاحب اور خواجہ قمر الدین سیالوی کی دو تحریروں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ حضرت نانوتویؒ کی کتاب "تہذیر الناس" بالکل برحق اور اعلیٰ حضرت بریلوی اپنے موقف میں بالکل غلط اور کاذب ہیں۔

جناب خواجہ قمر الدین سیالوی فرماتے ہیں :-

میں نے "تہذیر الناس" کو دیکھا میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے خاتم النبیین کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین

کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ (فقیر الدین سیال شریف)
 (ڈھول کی آواز مؤلفہ مولانا کامل الدین رتو کالوسی ص ۱۱۶ مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا)
 جناب پیر کرم شاہ صاحب بھیرہ شریف والے ابھی ماشاء اللہ حیات میں اور پاکستان
 میں جسٹس کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔ ان کی اپنے ہاتھ سے لکھی تحریر ہمارے پاس
 دستخط شدہ موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسیٰ بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و
 تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔۔۔۔۔ جہاں تک فکر
 انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ مادر تحقیق گئی شہرہ چشموں
 کے لئے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فرشتگانِ سماں مہظوظ
 تو ان کے لئے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی دار فکلیوں میں اصاف کا
 ہزار سامان اس (تحذیر الناس) میں موجود ہے۔۔۔۔۔ ختم نبوت کا یہ ہمہ گیر مفہوم
 جو مبدأ و آل اور ابتداء و انتہاء کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اگر امت
 مرزائیہ وغیرہ کی علمی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا تصور ہے۔
 (محمد کرم شاہ من علامہ الازہر الشریف سجادہ نشین بھیرہ ضلع سرگودھا ۲۲ جون ۱۹۶۵ء)
 پیر کرم شاہ صاحب کے اس فتویٰ پر مولانا ابوسعید مدرس مدظلہ رضویہ مسجد کھجورالی طیبانی
 ضلع سرگودھا کی تصدیق بھی ان الفاظ میں موجود ہے۔

هذه الكلمة صحيحه هندی۔ اس سے ختم نبوت ثابت ہے نہ کہ اجرائے نبوت
 (۸ اگست ۱۹۶۵ء)

مگر افسوس کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کہتے ہیں کہ وہ کافر تھا اور جو اس کے کفر میں
 شک کرے وہ بھی کافر ہے (العیاذ باللہ) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس فتویٰ مبارک سے
 مندرجہ بالا ہستیاں بھی اسلام سے ٹھنسیں اور علاوہ ازیں ان سے پہلے کے وہ اور بزرگوں کے

دین و ایمان کا بھی جنازہ نکل گیا۔ ایک ان میں مولانا دیدار علی شاہ الوری جو مولانا ابوالحسنات اور مولانا ابوالبرکات سید احمد کے والد محترم تھے۔ انھوں نے حضرت نانوتویؒ کو مرحوم و مغفور لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے!

مولانا استاذنا رئیس المدینین استاذ مولانا محمد قاسم صاحب مغفور حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم مغفور محدث سہارنپوری کے فتویٰ اجوبہ سوالات خمسہ کی نقل زمانہ طالب علی میں کی مولیٰ احقر کے پاس موجود ہے۔

درسالہ تحقیق المسائل ۳ مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس لاہور طبع ثانی ۱۳۳۹ھ) اور دوسری شخصیت جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گوڑوی مرحوم کی ہے۔ انھوں نے حضرت نانوتویؒ کے بارے میں جس قسم کا اظہار عقیدت کیا ہے انھیں ملاحظہ کیجئے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گوڑوی مرحوم کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے دریافت کیا کہ :-

آپ مولوی قاسم صاحب کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں ؟
آپ نے جواباً فرمایا۔

تم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھتے ہو۔
سائل نے عرض کیا۔ جی ہاں، انہی کے متعلق۔ آپ نے فرمایا :-

وہ حضرت حق کی صفتِ علم کے مظہر اتم تھے۔ (جو انہ اسوۃ اکابر و علماء مولانا
(محمد بہار الحق تاسمی)

پیر صاحب مرحوم کے اس ارشاد کے بعد وہ بھی اعظمت کے نزدیک دین اسلام
فدائے ہو گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ نَاجِعُوْنَ۔

الحاصل حضرت اقدس نانوتویؒ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق۔
اور فدائی تھے۔ آپ کی کتاب زندگی اس امر کی شاہدِ عدل ہے کہ آپ کے قلب میں

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت - عقیدت - عزت و عظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسی کی خاطر اعدائے اسلام سے مناظرے و مباحثے کئے۔ اسلام کے فضائل بیان کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو مدلل بیان فرمائے۔ اعدائے اسلام کی جانب سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی ہر موڑ پر حفاظت کی سر بلندی اسلام کی خاطر علم جہاد بلند کیا۔ علوم اسلامیہ کی اشاعت کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی فرمائی۔ سیکڑوں ایسے تلامذہ تیار کئے جنہوں نے اسلام کے نام کو روشن کیا۔ مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی! اور فسق باطلہ اور اعدائے اسلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کی۔ اور کرتے رہے اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے!۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ - آمین یارب العالمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا السَّبَاحُ -

(بقیہ ص ۳۲ کا) اشاعت پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کی جائے جو خوش نصیب اس خدمت میں مشغول ہونگے وہی تجدید و احیائے دین کرنے والے اسلاف و اکابر کے پتے متبع ہوں گے اور نلاج دارین سے بہرہ ور ہوں گے۔

اللَّهُمَّ وَتَقْنَا

قِسْطًا

مولانا مودودی کی تحقیق حَدِيثِ دَجَالٍ پَر اِيكے نَظَرُ

مولانا عبد الدیان اعظمی

مولانا کی تحقیق۔ ایت "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" کے خلاف مولانا اپنی تحقیق میں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ دجال کب ظاہر ہوگا۔ اور کہاں ظاہر ہوگا وغیرہ۔ ان امور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حدیثوں میں فرمایا ہے۔ وہ بغیر علم کے محض اپنے قیاس و خیال اور تخمین ذہن سے فرمایا ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑی جسارت ہے۔ کیونکہ بغیر علم کے کوئی بات کہنا ایک عامی شخص کیلئے بھی عیب کی بات ہے۔ چہ جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسی بات کہی جائے جب کہ بطور خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم الہی ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ (پارہ ۱۵، رکوع ۴) یعنی آپ اس بات کے پیچھے مت پڑیے۔ جس کا آپ کو علم نہیں ہے اس آیت میں ظن کی پیروی کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ مولانا کی تحقیق پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس آیت پر تھا یا نہیں۔ تو مولانا

کی تحقیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (نہوذ بالشر) اس آیت پر نہیں تھا۔ کیونکہ وہ حال کے زمانہ و مقام وغیرہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ بغیر علم کے دی تھیں جیسا کہ مولانا لکھتے ہیں کہ "آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ کب ظاہر ہوگا۔ اور کہاں ظاہر ہوگا۔۔۔۔۔ ان امور کے متعلق۔۔۔۔۔ دراصل آپ کے قیاسیات ہیں" مگر قرآن و حدیث دونوں شاہد ہیں کہ مولانا کا یہ جواب غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی عمل قرآن کے منشاء کے خلاف نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کی عملی تفسیر تھے۔ آپ کا ہر قول اور ہر فعل قرآن کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرمائیے تو فرماتی ہیں کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ یہ قرآن ہی آپ کا خلق تھا۔ کان خلقہ القرآن (ماخوذ از ترجمان السنہ اول مکمل)

ایک طرف آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ کے منشاء کو دیکھئے دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کان خلقہ القرآن ملاحظہ فرمائیے پھر آپ کے اقوال و اعمال کا عین مقتضائے الہی کے مطابق ہونے کی شہادت خود قرآن ہی کے الفاظ میں سنئے۔ ارشاد ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر علم وحی کے اپنی خواہشات نفس سے نہیں بولتے۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔ جو آپ پر نازل کی جاتی ہے اور ارشاد ہے إِنْ تَبِعُوا مَا يُرْسَلُ إِلَىٰ رِئَاسَاتِهِمْ مِنْكُمْ فَإِنَّ لَهُمْ مِنْكُمْ جُحُودًا وَإِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب) یعنی (فرما دیجئے کہ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامع صحیح میں ایک باب بایں الفاظ قائم کرتے ہیں "بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَهُ مِمَّا نَزَلَ عَلَيْهِ مِنَ الْوَحْيِ"

فیقول لا ادری اولم یجب حتی ینزل علیہ الوحی ولم یقل

برای ولا یقیاس۔۔۔۔۔ الخ (صحیح بخاری پ ۲۹)

یعنی باب اس کا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جاتا تھا۔ ایسی چیز کے متعلق جس کے بارے میں وحی آپ پر نازل نہیں کی گئی۔ تو آپ یہ فرمائیے کہ میں نہیں جانتا یا آپ کچھ جواب نہ دیتے۔ یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہو جاتی۔ اور آپ رائے اور قیاس سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔

آیت مذکورہ کے امتثال پر قرآن وحدیث کی اس شہادت کے بعد یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر علم اور بغیر وحی الہی کے آیت ولا تقف ما لیس لك به علم کے خلاف قیاس وظن کی پیروی کرتے ہوئے دجال کے زمانہ ومقام وغیرہ کے بارے میں اپنی جانب سے خبر دی۔ جبکہ بغیر علم کے کوئی بات کہنا ایک عاکی شخص کے لئے بھی عیب کی بات ہے۔

کیا میں مولانا سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دے رہے ہیں کہ جس کا تم کو علم ہو بیان کر دو۔ جس کا تم کو علم نہ ہو اس کو عالم کتاب کی جانب سپرد کر دو۔

(مشکوٰۃ ۲۱۹)

تو کیا اس تعلیم کے باوجود وہ خود بغیر علم کے اُنکل بچھو بات کر رہے تھے۔ نعوذُ باللہ من ذلک) اور وہ بھی جب کہ دجال کا معاملہ غیب سے متعلق ہے۔ اور غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام اُنکل اور قیاس سے نہیں دیتے۔ غیب کی خبر اُنکل اور قیاس سے دینا کائناتوں کا کام ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا ہن نہیں ہوتے۔ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۚ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ

قليلًا ما تذكرون ۛ

ایک اشکال اور اس کا جواب | یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بخاری کے باب میں تو یہ کہا گیا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے مگر مسلم میں جو باب باندھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے فرماتے تھے۔ باب یہاں وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معالیش الدنیا علی سبیل الرائ

(یعنی باب اس بیان میں کہ واجب صرف ان ارشادات کی پیروی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی حیثیت سے فرماتے ہیں۔ نہ کہ ان باتوں کی جو دنیا کے معاملات میں آنحضرت نے اپنی رائے کے طور پر بیان فرمائی ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم کے باب میں دنیاوی امور کی قید لگی ہوئی ہے درجہ دینی امور تو اس کے متعلق خود اسی مسلم کے باب کے ذیل میں آنے والی حدیث تا میر نخل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب میں تمہیں تمہارا دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں تو اسے فوراً بلا پس و پیش اختیار کر لو۔۔۔۔۔۔" اس سے بات صاف ہو گئی کہ بخاری میں جو باب باندھا گیا ہے۔ وہ دینی امور سے متعلق ہے۔ اور مسلم کا باب دنیاوی امور کے بارے میں ہے۔ (فالفق واضح)

دینی امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ اور یہاں بحث دینی امور سے ہی متعلق ہے۔ کیونکہ دجال کے متعلق دی گئی خبریں دینی اور غیبی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ کہ دنیاوی امور سے۔

وجوب امتثال ارشادات رسول | مسلم کے باب پر غور کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ

کسی امر کے امتثال کا واجب نہ ہونا غلطی کو مستلزم نہیں۔ بہت سی سنن و سنتجات کا امتثال واجب نہیں ہے۔ کسی امر کا واجب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جزا نما فرمانے پر منحصر ہے۔ خواہ دینی امر ہو یا دنیاوی، سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ میں امر انکرہ ہے۔ جو علوم چاہتا ہے۔ پس اس میں اور دینی و دنیاوی بھی آگئے جن کے کرنے کا جزا حکم دینے کے بعد نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ حصر آغاز ص ۶ کا)

بطور خاص حضرات علمائے کرام کو نیکو کرنا ہے کہ وہ ملت کی کشتی کو کس سمت لے جائیں گے۔ کیونکہ خود رائی و خود پسندی کی غوی نفا کے باوجود آج بھی بڑی حد تک ملت کی زمام قیادت علماری کے ہاتھ میں ہے اور انھیں کے سامنے اپنے اکابر کے جہد و عمل کی مکمل تاریخ بھی ہے۔ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ایثار و قربانی اور استقامت و پامردی کی تاریخ کو پھر سے زندہ کریں۔ یہی اسلاف کا اسوہ ہے، یہی اور صرف یہی حیات و نجات کا راستہ ہے

یہ مصرع کاشش نقش ہر در و دیوار ہو جائے !
جسے جینا ہو مرنے کیلئے تیار ہو جائے !

بیانِ ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم بابتہ حبیب الرحمن

ایکٹ فارم نمبر ۷

رسالہ دارالعلوم	نام
ماہانہ	وقف اشاعت
مولانا مرغوب الرحمن صاحب	پرنٹر و پبلشر
ہندوستانی	قومیت
دارالعلوم دیوبند	پتہ
مولانا جمیل الرحمن صاحب قاسمی	ایڈیٹر
ہندوستانی	قومیت
دارالعلوم دیوبند	پتہ
دارالعلوم دیوبند	مالک

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق درست ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمن صاحب

۷ مارچ ۱۹۸۶ء

اگر آپ چاہتے ہیں کہ

● عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● مسیّدہ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں ۔
 اس متنبی کا ذب پر آسمان فرنگ سے اترنے والی دھیوں سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعوہات سے عقل و نقل کی روشنی پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں ۔ جو عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے ۔ اور اپنے احباب اور قرب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطال قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں ۔
 صفحہ ۱ - قیمت، تاریخ اشاعت اور دیگر ضروری امور کا جلد اعلان کیا جائے گا

(منجبر رسالہ)

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

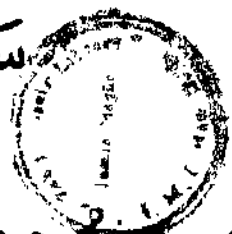
کتاب السنن



1 APR 1901

710

سری سنن



حضرت مولانا غوث الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدین

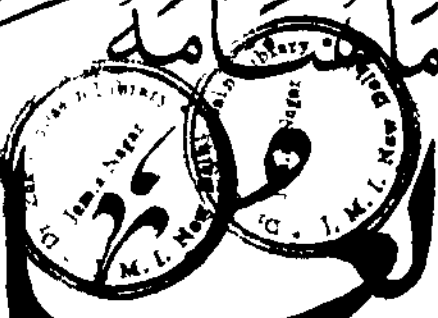
حبيب الرحمن قاسمی

شعبان المعظم ۱۳۱۰ مطابق اپریل ۱۹۸۷ء



دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم



شماره ۱۱۱ بابہ ماہ اپریل ۱۹۸۶ء بک المعظم ۱۴۰۷ھ جلد نمبر ۱۱۱

تنگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

فی پینچہ ۳/- مولانا حبیب الرحمن قاسمی ۳۰/- سالانہ

سالانہ بدل اشتراک (سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ/160/-
بیرون ممالک سے امریکہ، کناڈا وغیرہ وغیرہ بذریعہ ای میل = 160/-
پاکستان ۵۰/- ہندوستانی ۵۰/- بنگلہ دیش = ۵۰/- ہندوستانی ○
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حسرت آغاز	حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	حضرت گنگوہی و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا حافظ محمد اقبال صاحب پانچسٹر	۷
۳	ایں پر بوہی است	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	۱۷
۴	یکس سولی کوڈ کے مفسرات	ڈاکٹر رشید الوحیدی جامعہ ملیہ دہلی	۳۲
۵	مولانا مودودی کی تحقیق حدیث و مجال پر ایک نظر	مولانا عبدالدیان صاحب اعظمی	۳۷
۶	کوائف دارالعلوم	ادارہ	۴۵
۷	یاد رفتگان	ادارہ	۴۶

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

- ۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کا اطلاع پاکر اڈل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔
- ۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۷۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدلستار صاحب مقام کرم علی وال تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔
- ۳۔ خریدار حضرات پتر پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ والسلام
مئی ۱۹۸۷ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

حَبِیْبُ الرَّحْمٰنِ قَاسِمِی

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام کے نام لیوا اور اس کے شیدائیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مخالفین و معاندین کی تعداد ہر دور اور ہر زمانہ میں زیادہ رہی ہے اور اسلام کو اپنے ابتدائے قیام سے آج تک نہ جانے کتنے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اس تاریخی شہادت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ علماء اسلام اور صلحاء امت نے ان تمام فتنوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا ہے اور اسلام کے حریفوں کو ہر محاذ پر شکست دیکر اسلام کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔

چنانچہ اسلام پر اول ترین حملہ بادیت کی راہ سے ہوا اور وٹنی حکومت کے تسلسل اور دولت و ثروت کی فراوانی سے اسلامی معاشرہ میں تعیش اور راحت پسندی کا عمومی رجحان پیدا ہو گیا تھا جس سے یہ خطرہ ہو چلا تھا کہ خدا نخواستہ ملت اسلامیہ بھی اگلی امتوں کی طرح تعیش کی تدریج ہو جائے اس فتنہ کے مقابلہ کیلئے حضرات تابعین کی جماعت میدان میں نکل پڑی اور اپنے وعظ و نصیحت و دعوت و تبلیغ اور حرارت ایمانی کے ذریعہ ادیت کے اس سیلابِ بلاخیز کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور امت کو اس طوفان سے بچایا۔

اسکے بعد اسلام پر دوسرا حملہ عقلیت کی راہ سے ہوا، یونانی فلسفہ نے سطحی ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے کر اسلامی عقائد و اعمال کے خلاف ایک طوفان کھڑا

کر دیا جس سے متاثر ہو کر امت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک کی قیادت فقہاء اور محدثین کر رہے تھے اور دوسرے کی عقلیت زدہ معتزلہ یہ فتنہ چونکہ علمی انداز میں ابھرا تھا اور بد قسمتی سے حکومتِ وقت کی اسے سرپرستی بھی حاصل ہو گئی تھی اسلئے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اسلامی علوم و عقائد یونانی افکار و نظریات کے مقابلہ میں اپنی توانائی اور سر بلندی قائم نہ رکھ سکیں گے ان سنگین حالات میں علماء ہی کی صف سے ایک بزرگ سر سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور اس جرأت و استقامت کے ساتھ خلیفہ وقت مامون الرشید کے تہدید پر فرامین اور معصوم باللہ کے طوق و سلاسل اور تازمانے ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کر سکے بالآخر مردِ جلیل کی ثابت قدمی کی برکت سے یہ فتنہ سرد پڑ گیا اور امت ایک عظیم خطرہ سے مامون و محفوظ ہو گئی۔

تیسری صدی میں معتزلہ نے اپنی عقلیت پسندی اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کے سہارے اس سوائے ہوئے فتنہ کو پھر سے جگانا چاہا، لیکن امام ابو الحسن اشعری پہلے کیمپ کے ایک فرد تھے اور ان کے تمام ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف تھے، ان کے مقابلہ میں آگئے اور بحث و مناظرہ اور زبانی تفہیم و تقریر کے ذریعہ ان کے حوصلوں کو پست کر دیا اور آئندہ ان کے مقابلے کے لئے ایک سو سے زائد نہایت اہم اور دقیق کتابیں بھی تصنیف کر دیں اور ساتھ ہی اپنے تلامذہ کی ایک اچھی خاصی جماعت بھی تیار کر دی جس نے ہر عالمی محاذ پر معتزلہ کا تعاقب کیا اور انھیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

معتزلہ کی اس شکست کے بعد اسی فلسفہ یونان کی کوکھ سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا جو اسلام کے حق میں اعتراض سے بھی زیادہ خطرناک تھا، یہ تھا باطلیت کا فتنہ! اس فتنہ کے بانیوں نے اپنی ذہانت اور یونانی فلسفے

کی مدد سے دین اسلام کے اصول و نصوص اور قطعیات میں تحریف و تسیخ کا دروازہ کھولنے کے ساتھ اسلام و اہل اسلام کے خلاف قوت و طاقت کا بھی مظاہرہ کیا جس کی بناء پر اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں۔

اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھی صفِ علماء ہی سے ایک مردِ کامل آگئے جنہیں ہم امام غزالی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، انہوں نے براہِ راست باطنیوں سے مقابلہ آرائی کے لئے فلسفہٴ یونان کو نشانہ بنایا جو اکثر فریقِ باطلہ کا ماخذ و مصدر تھا اور اپنے علمی تجربہ، قوت استدلال سے اسکی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان فتنوں کے چشمے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، امام غزالی کے ساتھ اس اہم خدمت میں امام رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔

خیر یہ سارے واقعات تو زمان و مکان کے اعتبار سے آپ سے دور ہیں خود اپنے ملک ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالئے، عہد اکبری میں "دین الہی" کے عنوان سے اسلام کے خلاف جو عظیم فتنہ رونما ہوا تھا جس کی پشت پر اکبر جیسے مطلق العنان فرماں روا کی جبروتی طاقت بھی تھی، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے ہم نوا علماء نے اپنے پایۂ استقامت سے اس فتنہ کے سر کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا۔

اور اس آخری دور میں سلطنتِ برطانیہ کے جلو میں الحاد و زندگی کا فتنہ نمودار ہوا اس کے مقابلہ میں بھی اگر کوئی جماعت نہ ہو آتما نظر آتی ہے تو وہ علماء ہی کی جماعت ہے جنہوں نے سفید قام انسان نما وحشی دزدوں کے ہر جور و ستم کو برداشت کر کے اسلام اور آئین اسلام کی حفاظت کی اور شہر شہر، قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ مارس کی شکل

میں اسلام کی چھاؤنیاں قائم کر کے پورے ملک میں اسلام کے سپاہیوں کا ایک بحال بچھا دیا۔

چنانچہ ان مدارس کے ذریعہ اس طوفان کے رُخ کو نہ صرف موڑ دیا گیا بلکہ اسلام کی جڑیں ملک ہندوستان میں اس درجہ مضبوط و مستحکم کر دی گئیں کہ دیگر بلاد اسلامیہ میں یہ استحکام تلاش کرنے کے باوجود بھی نہیں ملے گا۔

آج ہندو احمیا پرستی نے ایک بار پھر ہمارے جذبہ ایمانی کا امتحان لینے کے لئے اسلامی انکار و نظریات پر حملہ کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے شعائر و آثار پر حملہ شروع کر دیا ہے وہ ہماری مقدس کتاب ہمارے مائے و معاشرتی قوانین اور ہماری عبادت گاہوں کو ہم سے چھیننے کے درپے ہے، اپنے اکابر و اسلاف کی طرح ہمیں اس چیلنج کو قبول کرنا ہے اور ماضی کے فتنوں کی طرح اپنے جہد و عمل اخلاص و لئہیت اور علمی و روحانی رسوخ کے ذریعہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہے، اگر خدا نخواستہ ہم نے اس چیلنج کے قبول کرنے سے پہلو تہی کی تو مستقبل کا مورخ ہماری اس بزدلی کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

حضرت گنگوہیؒ و عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا حافظ محلا اقبال رنگوہی (مانچسٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم !

امام ربانی قطبِ زمانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ صحابی رسول حضرت ابویوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں، علم، تفقہ و تدین و تقویٰ کی حیثیت سے نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کی ممتاز و منفرد شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہاجرہ کی مرید اور خلیفہ خاص تھے، آپ نے قرآن و حدیث اور علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور علم دین کے تمام شعبوں (شریعت و طریقت دونوں) میں بے پایاں خدمات انجام دیکر امت مسلمہ کے کئی مشکل مسائل کا حل فرمایا، آپ نے حضرت حاجی صاحب سے تمنا بھون میں بیعت فرمائی اور چالیس دن میں خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت حاجی صاحب نے تحریر فرمایا کہ !

میاں مولوی رشید احمد، جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔

پھر ایک خط میں تحریر فرمایا کہ !

از فقیر امداد اللہ معنی عنہ ! بخد مت فیض درجت، منبع علوم شریعت و طریقت عزیزم مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سلمۃ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ آپ کو مکروہات داریں
سے محفوظ رکھ کر قرب مراتب و درجات عالیہ عطا فرماوے اور آپ
ذات بابرکات کو ذریعہ ہدایت خلق فرماوے، آمین۔

ایک خط میں تحریر فرمایا کہ

ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ
سمجھتا ہے اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا
مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شئی اس کو ہلا نہیں سکتی اور جو کوئی فقیر کو دوست

رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے

چند فتنہ پرداز لوگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں خطوط لکھے کہ
حضرت گمنگونیؒ ایسے ہیں ویسے ہیں گستاخ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان
اقدس میں یوں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان تمام خطوط کے جوابات
ایک اشتہار کی شکل میں طبع کرا کر تقسیم فرمانے کا حکم فرمایا۔۔

فقیر کی طرف سے مشہر کرا دو کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی ماہل
حقانی ہیں، سلف صالحین کا نمونہ ہیں جامع بین الشریعت والطریقہ ہیں،
شب و روز خدا اور اس کے رسول کی رضامندی میں مشغول رہتے ہیں،
حدیث شریف پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں، مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب
دمرٹ دہلویؒ کے بعد اس قسم کا فیض علم دین کا مولوی صاحب سے
جاری ہوا، ہندوستان میں مولوی صاحب ایک فرد واحد ہیں، مسائل مشکوٰۃ
کی عقدہ کشائی مولوی صاحب سے ہوتی ہے ہر سال پچاس آدمی کے
قریب علم حدیث پڑھ کر مولوی صاحب سے سند لیتے ہیں اتباع سنت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہیں محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور عشق خداوندی میں مستغرق ہیں، حق گو ہیں لایسٹا فون لومہ لائم کے مصداق ہیں خدا کے اوپر پورے طور سے توکل رکھتے ہیں بدعات سے پورے طور پر مجتنب ہیں اشاعتِ سنت ان کا پیشہ ہے، بد عقیدوں کو خوش عقیدہ بنانا ان کا حرف ہے، ان کی صحبت اہل اسلام کے واسطے کیمیا اور کسیر اعظم ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے، یہی اللہ والوں کی علامت ہے۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھئے، فقیران کو اپنے واسطے ذریعہ نجات کا سمجھتا ہے اور میں صاف کہتا ہوں کہ جو شخص مولوی صاحب کو برا کہتا ہے وہ میرا دل دکھاتا ہے میرے دو بازو ہیں ایک مولوی محمد قاسم مرحوم اور دوسرا مولوی رشید احمد صاحب، ایک جو باقی ہے اس کو بھی نظر لگاتے ہیں، میرا اور مولوی صاحب کا ایک عقیدہ ہے میں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی نسبت مجھے کوئی کلمہ بے ادبی کا نہ سناوے اور نہ تحریر کسے، مجھ کو ان امور سے سخت ایذا ہوتی ہے، عجیب بات ہے کہ میرے لخت جگر کو ایذا پہنچائیں اور اپنے آپ کو میرا دوست سمجھیں، ہرگز نہیں۔ مولوی صاحب کے حنفی المذہب، صوفی المشرک باخدا ولی کامل ہیں، ان کی زیارت کو غنیمت سمجھیں (دستخط امداد اللہ از مکہ معظمہ)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا! ضیاء القلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے (اور وہ) یہ ہے، ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کر جامع بجمع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند و صحبت اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چناں کساں دریں زماں نایاب اند (مخلصاً از ضیاء القلوب) وہ آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا القار ہوا ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلا دے یا مار
وہ شخص مذہب ہے جو تم مقدس و مقتدا کے نام سے کچھ دل میں کینہ
یا سوز ظن یا بد عقیدگی یا عداوت و رنج رکھے فقیر تو آپ سب کی حرکات
وسکناات و اقوال و افعال کو منتہی حسنات و برکات و موافق شریعت و
طریقت سمجھتا ہے اور کل امور میں مخلص و صادق یقین کرتا ہے۔

(بیس بڑے مسلمان ۲۱۶)

حضرت حاجی صاحب نے حضرت گنگوہیؒ کی بابت جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ
کے علم و عین متبع سنت و عاشق رسول جامع بین الشریعہ و الطریقہ اور ولی کامل
ہونے کی کھلی شہادت ہے، اگر آپ کے دیگر حالات و واقعات منصفہ شہود پر نہ
بھی آتے تو صرف یہ ہی تحریرات حضرت گنگوہیؒ کے فضل و کمال کی شاہد تھی۔
اب بھی اگر کوئی زمانے تو یہی کہا جائے گا کہ

گر نہ بیند روز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ
اور بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

نور گیتی فسوز چشمہ ہور زشت باشد چشم موشک کور
اب آپ چند واقعات کی روشنی میں حضرت گنگوہیؒ کے عشق رسولؐ کے درجہ کو
ملاحظہ فرمائیے!

حجرہ شریفہ کے خلاف سے محبت | قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے یہاں

تبرکات میں حجۃ شریفہ کے خلاف کا ایک
بزرگ بھائی تھا، ہر روز جمعہ حاضرین و خدام کو ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے

لے یاد رہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بریلوی علماء سبھی علماء حق اور علماء ہاں سنت
میں سے تھے (دیکھئے الحق المبین ص ۱۷۱ مولوی احمد سعید کاظمی)

تو مندر و چم خود اپنے دست سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اڈل اپنی آنکھوں پر لگا دیتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔

حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں جب مدینہ منورہ کے کھجوروں سے عقیدت

کبھی مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت و حفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہِ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم و ادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور امانت جنت ہاتھ آگئے ہیں، حالانکہ بصرہ اور سندھ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھیں مگر ان کی وقعت ان سے زیادہ ہرگز نہ تھی

مدنی کھجوروں کی گٹھلیوں کا ادب

مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی گٹھلیوں کی گٹھلیاں بھی نہایت حفاظت سے رکھتے، لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود بھینکتے تھے بلکہ ہاں کو کٹوا کر نوش فرماتے اور مثل چھانیوں کے کتروا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

تاکہ مبارک شہر سے آئی ہوئی ان گٹھلیوں سے بھی نورانیت حاصل کی جائے نہ کہ باہر ان کو پھینک کر بے ادب بنا جائے اسلئے کہ ادب ہی سے انسان سب کچھ حاصل کرتا ہے۔

از خدا جو نایم تو نین ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب
روضہ اطہر کی خاک کا سرمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی فرماتے ہیں کہ احقر اربعہ الاولیاء

میں بہرہا ہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت اقدسؒ نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں؟ چونکہ وہ (خاک) احقر کے پاس موجود تھی اس لئے باادب استادہ پیش خدمت کیا تو نہایت دقت و عظمت سے قبول فرما کر سرہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد نماز عشاء آرام فرماتے وقت اس سرہ کو آنکھوں میں لگاتے رہیں میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک مبارک تھی، اور آخر عمر تک استعمال فرماتے تھے (الشہاب الثاقب ص ۵۲)

مدینہ کی ہوا تو لگی ہے | بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کئے، حضرت نے

نہایت تعظیم اور دقت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا، بعض طلباء حضار مجلس نے عرض کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی یورپ کا بنا ہوا ہے تا جرمدینہ میں لائے وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے اس میں کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوتی، حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے، اس وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی ہے۔ (الشہاب الثاقب)

ظاہر ہے کہ انسان کو جب کسی کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے تو اس کے تمام تعلقات سے بھی الفت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ حضرت گنگوہیؒ کے قلب میں حق تعالیٰ شانہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہو گئی تھی اس لئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے!

حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ حرمین شریفین کی چیزوں، زمزمی کے

ٹین اور تخم خرما کو یوں ہی پھینک دیتے ہیں، یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۴۸)

حجرہ شریف کے زیتون کا جلا ہوا تیل | مدینہ منورہ سے بعض خدام نے (حضرتؐ کے عشق رسولؐ)

کے پیش نظر حجرہ شریف کے جلا ہوا زیتون کا تیل حضرتؐ کیلئے ارسال کیا، حضرت نے باوجود نزاکت طبع کے اس کو پی لیا، حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے، ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے مگر وہاں سے عاشق سید الرسل و شیدائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس نزاکت طبعی کے اسے بلا تامل لذیذ چیز سمجھ کر ادراپنے محبوب کے در سے آئی ہوئی نعمت جان کر نوش فرمایا اور اسے بجائے اس کے کہ کل کر جزو بدن بنائے پی کر جزو بدن بنالیا۔

عربی ہینوں کے ناموں سے الفت | حضرت گنگوہیؒ کا سنت مصطفویہ کے ساتھ عشق اس

درجہ کامل اور فائق تھا کہ آپ کو عربی ہینوں کے اسماء چھوڑ کر بلا ضرورت انگریزی ہینوں کے ناموں کا استعمال بھی گراں گذرتا تھا، مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ حضرتؐ کی خدمت میں ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ گویا رجب جاؤ گے انہوں نے جواب دیا جولائی کی فلاں تاریخ کو حضرت گنگوہیؒ نے تأسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ادراہ و تاریخ نہیں ہے جو انگریزی ہینوں کا استعمال کیا جاوے۔

ہمانان رسولؐ کا خادم ہوں | مولانا نور محمد صاحب فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں مجھے گنگوہ کی حاضری

نصیب تھی اور حضرت سے حدیث شریف پڑھا کرتا تھا طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک حضرت اپنا مہمان سمجھتے اور دسترخوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگو کر اپنے روبرو کھلایا کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۵۷۱)

یہ مہمان نوازی اور طلبہ کی خدمت گذاری صرف کھانے پینے تک محدود نہ تھی بلکہ آپ تو ان مہمانانِ رسول کی جوتیاں اٹھانا بھی اپنے لئے باعث برکت و سعادت سمجھتے تھے

ایک مرتبہ صحن مسجد میں طلباء کو درس دے رہے تھے کہ بارش ہونے لگی طلبہ کتابیں اور تپانیاں لے کر اندر بھاگے حضرت مولانا نے اپنی چادر بچھائی اور تمام طالب علموں کے جوتے اٹھا کر اس میں ڈال کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے طلباء نے جب یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہوئے اور بعض طلباء کو روک کر حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ طلبہ کے لئے چونٹیاں اپنے بلوں میں اور چھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں ایسے لوگوں کی خدمت کر کے میں نے یہ سعادت حاصل کی ہے آپ مجھے اس سعادت سے کبھی محروم کرتے ہیں رئیس بڑے مسلمان (۱۱۷)

قول رسول پر سچیتہ یقین | ایک مرتبہ وعظ کے دوران فرمایا۔

میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے طفولیت ہی میں مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا اور جمعہ کا وقت آجاتا تو کھیل چھوڑ کر چلا جاتا اور لڑکوں سے کہہ دیتا تھا کہ میں نے اپنے ماموں سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین جمعہ کا چھوڑنے والا منافق لکھا جاتا ہے، لوگوں کو کہتا ہوں کہ آخر مسلمان ہیں، خدا و رسول پر تو یقین ہوگا

ہی، پھر ایسے فافل کیوں ہیں؟

جس فرماں رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگ بڑے ہو کر غفلت برتتے ہیں فوراً فرماتے حضرت گنگوہیؒ اپنے بچپن میں کتنا خیال فرماتے تھے اور کیسا پختہ یقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر رکھتے تھے یہ حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جسے اپنا بنانا چاہیں بچپن ہی سے اس کے آثار واضح ہونے شروع ہو جاتے ہیں، یہی حال حضرتؒ کا تھا اور اسی کا اثر تھا کہ حضرتؒ اپنے خدام و متوسلین کو اتباع سنت کی بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اتباع سنت کی تاکید | مولانا عاشق الہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ سالک کو اب جو کچھ تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کا خلاصہ صرف اس قدر تھا کہ حق تعالیٰ کی سچی محبت سودائے قلب میں راسخ ہو جائے جس کا ثمرہ ہر حال میں اتباع شرع اور قدم قدم پر محبوب رب الطین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع و اقتدار ہے (تذکرۃ الرشید)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ!

سب کو محض فضل حق تعالیٰ کا جاننا چاہئے اور اپنے پرشکر اور ندامت و انفعال لازم ہے اور امید و رحمت حق تعالیٰ کا رہنا چاہئے اور اتباع سنت کا بہت بہت خیال رہے (مفارقات رشیدیہ ص ۱۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں!

اتباع سنت کا خیال ہر امر میں پیش نظر رہے کہ اس کے برابر کوئی امر دنیا میں رضائے حق تعالیٰ کے واسطے نہیں، قال اللہ تعالیٰ قل ان کتمتم تجہون اللہ فاجعلنی الایۃ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اس دستور عمل سے زیادہ بہتر کوئی دستور عمل نہیں پایا (مفارقات رشیدیہ ص ۱۹)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جہا جرمی فرماتے ہیں کہ !
 حضرت گنگوہیؒ کے وصیت نامہ میں بہت زور سے لکھا ہے کہ اپنی زوجہ اپنی
 اولاد سب دوستوں کو تباکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت
 ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں، تھوڑی سی مخالفت کو بھی اپنا بہت
 سخت دشمن جانیں (اکابر علماء دیوبند ص ۲۹)

ان چند اقتباسات سے واضح ہے کہ حضرت گنگوہیؒ اتباع سنت کی بہت
 ہی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اس کی مخالفت کو بہت زیادہ خطرناک سمجھتے تھے،
 کیونکہ

حال است سعدی کہ لاوصفا تو ان رفت جز برے مصطفیٰ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت
 مطہرہ سے آپ کو حد درجہ الفت و عقیدت
خلاف شرع حرکت سے ناگواری
 تھی آپ کے اخلاق اس امر کے شاہد عدل ہیں، آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کا کوئی
 قدم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کے خلاف پڑے، شریعت
 مقدسہ کی تقلید پر آپ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکے تھے۔

ایک مرتبہ بعد نماز اشراق آپ تشریف لائے اور خلاف معمول منہ پر چادر
 لپیٹ کر ایک جگہ لیٹ رہے، ایک دن قبل کزنال سے ایک بارات گنگوہ آئی
 ہوئی تھی جس میں ان لوگوں نے رفاصہ کو بھی ساتھ لیا تھا، اس بارات میں آنے
 والے چند ایک حضرت کے واقف تھے جو سلام کی غرض سے حاضر ہوئے تو دیکھا
 کہ حضرت منہ پر چادر ڈھانپ کر لیٹے ہیں دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے
 چادر نہ ہٹائی آخرش ایک صاحب نے کہا کہ ہم تو سلام و زیارت کے لئے حاضر ہوئے
 ہیں آپ نے چادر ہی میں جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ یعنی جب تم

اس چہرہ پہلی سہ ماہی

مولانا محمد ایوسف لارہیانوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى افا بعد
 نصف صدی پہلے کا قصہ پارینہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں حضرت شیخ الاسلام
 مولانا سید حسین احمد دہلوی (قدس سرہ) نے دور جدید کے نظریہ قومیت کا تذکرہ کرتے
 ہوئے فرمایا کہ، موجودہ زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں، لیکن
 اخبارات نے حضرت کے خلاف بی پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ وہ ملت از وطن است کے
 قائل ہیں اور مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ مذہب کے بجائے وطن کو قومیت
 کی بنیاد بنائیں، یہ پروپیگنڈا اتنا شدید تھا کہ پورے ملک میں حضرت کے خلاف
 طوفان بدتمیزی برپا کر دیا گیا، اس اخباری مشاغبہ سے متاثر ہو کر علامہ سر محمد اقبال
 مرحوم نے بھی حضرت کے بارے میں مشہور نظم، ”عجم نہور ندانند روموزیں ورنہ، لکھ کر
 اخبارات میں شائع کرا دی۔“

علامہ عبد الرشید نسیم (جو طائوت کے قلمی نام سے متعارف تھے) حضرت مدنی اور
 اقبال مرحوم دونوں کے عقیدت مند تھے انھوں نے اس قضیہ کو سلجھانے کیلئے حضرت
 مدنی (نور اللہ مرقدہ) کی خدمت میں اصل واقعہ کی تحقیق کے لئے ایک، عرضیہ لکھا
 حضرت نے اس کا بہت ہی طویل اور مفصل جواب تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

• ملت از وطن است۔ کا نظریہ لنگی اخبارات کی تراشیدہ خالص تہمت ہے میں نے اپنی تقریر میں دور جدید کا یہ نظریہ ذکر کیا تھا کہ "قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں" مولانا طالوت مرحوم نے اس مکتوب مدنی کے اقتباسات علامہ اقبال کو لکھے تھے، علامہ اقبال نے حضرت مدنی کی وضاحت سے مطمئن ہو کر اپنا اعتراض واپس لے لیا اور اخبار میں اس تنقیدی نظم سے رجوع کا اعلان کر دیا چنانچہ علامہ کا یہ تردیدی بیان اخبار "احسان" لاہور میں مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء کو شائع ہوا جس کا پورا متن اخباری سُرخ کی ساتھ حسب ذیل ہے۔

میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا
(حضرت مدنی کا بیان)

مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

(علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیت و وطنیت کے مسئلہ پر ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ

جناب ایڈیٹر صاحب "احسان" لاہور السلام علیکم
میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں میں نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد "راز حال میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" محض برسپیل تک کہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، اور اگر مولانا نے مسلمان ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ قومیت کو اختیار کر لیں تو دینی پہلو سے مجھے اس پر اعتراض ہے، مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوا ہے، مندرجہ ذیل الفاظ ہیں۔

ہذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے

ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق اہل کیلئے کوئی رشتہ اتحاد و بھرتی قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے۔
ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہند کو مشورہ دیا ہے اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار "احسان" میں شائع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طاہر صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو ارسال کی ہے، اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اسکے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اور وطن سے بنتی ہیں، یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے، یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو اب کرنا چاہیے یہ خبر ہے انشا نہیں ہے، کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہذا میں اس بات کا اعلان مزوری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے ان عقیدوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں، خدائے تعالیٰ ان کو مولانا

کی صحبت سے زیادہ مستفید فرمائے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حیثیت
دینی کے احترام میں۔ میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں

(محمد اقبال) (اقبال کے مجدد علامہ ص ۱۸۶، ۱۸۷)

اس اعلان کے ذریعہ اقبال مرحوم نے ان اشعار سے رجوع کر کے گویا
انہیں اپنے کلام سے قلمزد کر دیا، اگر ایسا آخری مجموعہ کلام "ارمغان حجاز" وہ
خود اپنی زندگی میں مرتب کرتے تو یہ منسوخ شدہ تین شعرا اس میں راہ نہ پاتے لیکن
اس اعلان کے تین ہفتہ بعد ۲۱ اپریل ۱۹۳۵ء کو علامہ اقبال مرحوم دارفانی سے
رحلت فرما گئے ان کی وفات کے بعد اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ان کا آخری مجموعہ و ارمغان
حجاز کے نام سے شائع ہوا اسکے آخر میں یہ شعر بھی حسین احمد کے عنوان
سے شامل کر دیئے گئے۔

حالانکہ دیانت و امانت کا تقاضا تھا کہ یہ قلمزدہ اشعار اس میں شامل نہ
کئے جاتے اور اگر مرتبین کے نزدیک یہ تین شعرو جی مقدس کا درجہ رکھتے تھے جس
کی حفاظت ان پر لازم تھی تو دیانت و امانت کا کم سے کم تقاضا یہ تو تھا کہ ان پر
ایک نوٹ لکھ دیا جاتا کہ مصنف نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء کو اس وحی مقدس سے
رجوع کا اعلان کر کے اس کو منسوخ کر دیا تھا۔ اقبال کے مجدد علامہ کے
مصنف جناب قاضی افضل حق قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

• اقبال اور مولانا مدنی "کا قضیہ جناب طاہر کی کوششوں سے اختتام
پذیر ہوا، دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھا اور بالآخر حضرت
علامہ نے فرمایا! میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا سے
اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ مولانا کی حیثیت
دینی کے احترام میں۔ میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں (انوار اقبال ص ۱۰)

لیکن نجانے ارمغانِ حجاز کے مرتبین نے پھر بھی کن مصلحتوں کے تحت وہ اشعار کتاب میں شامل کر لئے، حضرت علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرینِ اقبالیات کی رائے ہے کہ اگر یہ مجموعہ حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتا تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے۔ جناب خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں۔

ارمغانِ حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی (اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶۷)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "سرگذشتِ اقبال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگر وہ ارمغانِ حجاز کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی (سرگذشتِ اقبال ص ۴۷)

(اقبال کے ممدوح علماء ص ۸۸-۸۹)

آج کی صحبت میں اس قصہ پاریزہ کو زیر بحث لانے سے میرا مقصد نہ تو حضرت شیخ الاسلام (نور اللہ مرقدہ) کا دفاع ہے اور نہ ان غلطیوں کی نشاندہی ہے جو اقبال مرحوم سے اس تین شعری نظم میں شعری حیثیت سے سرزد ہوئیں، یہ دونوں بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں امید ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ و مقام سے جو انھیں اللہ تعالیٰ کے یہاں حاصل ہے آگاہ ہو چکے ہوں گے۔

حدیث میں ہے

لا تسبوا الاموات فانہم
قد افضوا الی ما قدموا
(صحیح بخاری ۱/۱۶۷)

(مسلمان) مردوں کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں۔

اس لئے آج کی گفتگو سے مقصود کسی بزرگ کی تقریظ یا تنقید نہیں، بلکہ صرف

اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ان منسوخ شدہ اشعار کو کلیاتِ اقبال سے خارج کیوں

نہیں کیا گیا، اس کے اسباب و علل کیا تھے؟ اسکے ظاہری اسباب تو "ارمغان حجاز" کے مرتبین کے علم میں ہوں گے یا علامہ مرحوم کے صاحبزادہ جناب حبیب الرحمن صاحب اقبال صاحب ان اسباب و علل سے پردہ ہٹا سکیں گے مرتبین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ اقبال کے آخری شعر

مصطفیٰ برسوں خویش را کردیں ہمہ اوست
گرہ اور سہی ہمہ بولہی اوست

میں ایک حکیمانہ اور جادو دانی پیغام تھا اس لئے ان کو گوارہ نہ ہوا کہ اس پیغام کو ضائع کر دیا جائے اور اسے آئندہ نسلوں تک نہ پہنچایا جائے، اس کے باوجود یہ سوال پرستور باقی رہتا ہے کہ ان اشعار کو اگر ناگزیر مصلحت کی بنا پر "ارمغان حجاز" میں بھرتی کرنا ہی ضروری تھا تو کم سے کم اس مضمون کا نوٹ ہی لکھ دیا جاتا کہ :

مولانا حسین احمد مدنی کی طرف ان اشعار میں جو بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ "ملت از وطن است" کے قائل ہیں، قطعاً خلاف واقعہ ہے، علامہ اقبال کو ایک غلط اطلاع کی بنا پر غلط فہمی ہوئی تھی، اس لئے انھوں نے محبت اسلامی کے جذبہ سے مولانا مدنی پر شدید تنقید کی لیکن جب موضوع کو حقیقت حال پر اطلاع ہوتی تو انھوں نے اپنی یہ تنقید واپس لے لی، اور ۲ مارچ ۱۹۳۵ء کے اخبار "احسان" لاہور میں اپنا بیان شائع کروایا کہ اس کے بعد مجھے مولانا پر کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔

ایسا نوٹ لکھنا جس طرح ۱۹۳۵ء میں فرض تھا، آج نصف صدی بعد ۱۹۸۴ء میں بھی فرض ہے اور "ارمغان حجاز" کے مرتبین اور اقبال کے وارثین کے بارے میں خواہ کیسے ہی حسن ظن سے کام لیا جائے وہ اس خلاف دیانت کارروائی سے کبھی عہدہ برائے نہیں ہو سکتے، ہم علامہ اقبال مرحوم کے فرزند ارجمند جناب حبیب الرحمن صاحب اقبال

سے گذارش کریں گے کہ یہ خلاف دیانت کارروائی ارمغان حجاز کے لئے اس کے مرتبین کیلئے بلکہ خود ان کے والد گرامی قدر علامہ اقبال مرحوم کے لئے بھی نہایت ننگ و عار کی موجب ہے، ان کا فرض ہے کہ اس خیانت و بددیانتی اور اس ننگ و عار کے فیض و حصے سے کتاب کو پاک کریں اور مندرجہ بالا مضمون کا نوٹ لکھ کر اخبارات میں شائع کر دیں، جس سے نہ صرف پچاس سالہ خیانت و تہمت تراشی کے گناہ سے توبہ ہو جائے گی بلکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی سنت ایلٹا پھر تازہ کرنے والے ہوں گے۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ظاہر ہے کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود رہے گی اس تہمت تراشی کا گناہ ہمیشہ ان کے حصہ میں آتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر کسی ناکردہ گناہ کا الزام ماند کرنا تہمت اور بہتان ہے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (نور اللہ مرقدہ) جیسے سرتاج اویار ایسی تہمت تراشی ایک جھلک زہر ہے، جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب ان اشعار پر ایسا وٹ شائع کر کے آج بھی اس زہر کا تریاق ہسیا کر سکتے ہیں، لیکن کل جب آنکھیں بند ہو گئی تو اس کا کوئی تدارک وہ نہیں کر سکیں گے۔

من نمی گویم کہ در بند زیاں یا سود باش

اے ز فرصت بے خبر در ہر یہ خواہی زود باش

حق تعالیٰ شانہ کے ہر کام میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمة کا مقولہ زباں زد خاص و عام ہے راقم الحروف ایک دن اس پر غور کر رہا تھا کہ آخر اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہوگی کہ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مدنی (نور اللہ مرقدہ) کے بارے میں کہے گئے اشعار سے رجوع کر لیا تھا مگر ان اشعار نے اقبال سے آج تک رجوع نہیں کیا، وہ نصف صدی سے کلام اقبال میں چلے آتے ہیں، اقبال کے کسی خیر خواہ اور کسی نیاز مند کو آج تک ان پر نوٹ لکھنے کی جی توفیق نہیں

ہوئی اور ان اشعار کی آڑ نے کرایسے لوگ بھی حضرت شیخ الاسلام مدنی دنوار اللہ
مرقدہؒ کی پوستین درمی کرتے آرہے ہیں جن کے دل میں رائی کے دانے کے
برابر بھی ایمان نہیں، یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے، چنانچہ ابھی چند دن پہلے ایک
صاحب نے روزنامہ جنگ کے کالموں میں اقبال کے انہی اشعار کے حوالے سے
گل افشائیاں کی تھیں آخر ایسا کیوں ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت۔
کار فرماتھی۔؟

حق تعالیٰ شانہ کے کاموں کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے مگر غور و فکر کے دوران
اس ناکارہ کا ذہن دو باتوں کی طرف گیا۔

ایک یہ کہ کسی مقبول بارگاہِ خداوندی کو بالفرض اگر ساری دنیا بھی برا کہتی پھرے
تو اس سے اس برگزیدہ شخصیت کی مقبولیت عند اللہ بر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ ظاہر ہے
کہ جو شخص اس بارگاہِ عالی میں مقبول و محبوب ہو تو اس کے بارے میں اہل دنیا کی طعن
و تشنیع، غوغائے سگان، کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر مخلوق کی زبانِ طعن سے جب اللہ
تعالیٰ اور اس کے رسول بھی محفوظ نہیں، تاہم دیگر ان پر رسد؟ دراصل سنت اللہ
یونہی چلی آتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بعض برگزیدہ ہستیوں کی محبت و عداوت کو اہل
حق اور اہل باطل کی شناخت کا معیار بنا دیتے ہیں، مثلاً،

قافلۃ النسانیت میں سب مقدس ترین جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے
جن سے محبت و عداوت ایمان و کفر کا معیار ہے لیکن کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو
سبھانے مان لیا ہو بلکہ ہر نبی کے مقابلے میں بدبختوں کا ایک ٹولہ ہمیشہ رہا جو ان مقدس
ہستیوں پر زبانِ طعن دراز کر کے اپنے لئے جہنم کا گڑھا کھودتا رہا، قرآن کریم میں
ارشاد ہے

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا دوسرے ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے، سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پر دازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے (ترجمہ حضرت تھانوی)

(الانعام: ۱۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل و برگزیدہ جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے اور اس جماعت کے سرکردہ اور کل سرسبد حضرات خلفائے راشدین ہیں، بعد از انبیاء انہی کا مرتبہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے ان کے مرتبہ کا کوئی شخص ہوا نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل (علی الترتیب) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی عظمت و تقدس، ان کے فضائل و کمالات ان کے مرتبہ بلند اور ان کی جلیل القدر خدمات تقاضیہ تھا کہ پوری امت اسلامیہ ان کی احسان شناس مدح خواں ہوتی، ان کی رفعت و جلالت اور امت پر ان کے احسانات کے آگے پوری امت کی گردنیں جھک جائیں اور کسی کو بھی ان کی ذات گزری سے اختلاف نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی ایسا نہیں ہوا بلکہ بے دینیوں کا ایک ٹولہ ہے جو اپنے تئیں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں شمار کرتا ہے، حضرات خلفائے راشدین سے بغض و عداوت ہی کو دین و ایمان سمجھتا

ہے اس کے نزدیک ان مقدسین پر تبرے بولنا ہی بڑی عبادت اور کارِ ثواب ہے
اس کے خیال میں پوری نسلِ انسانی میں خلفائے راشدینؓ سے بدتر کوئی آدمی شاید
پیدا نہیں ہوا نعوذ باللہ، استغفر اللہ، اور انھیں مار قین کا ایک گروہ خلیفہ چارم
امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو "شرابریہ" تصور کرتا ہے

ظاہر ہے کہ ان بدباطنوں کی اس ہرزہ سرائی سے حضراتِ خلفائے راشدین
رضی اللہ عنہم کا کیا بگڑتا ہے وہ تو آج بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت
سے پیٹے ہوئے ہیں اور پس از مرگ بھی "محمد رسول اللہ والذین معہ" کی جیستی جاگتی
شہادت پیش کر رہے ہیں البتہ ان کا وجود گرامی اہل حق اور اہل باطل
کی شناخت کا معیار بن گیا ہے، ان اکابر سے بغض و عداوت رکھنے والا خود اپنے
خبتِ باطن کا اظہار کرتا ہے اور اسکی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے درجہ ذیل
ارشادات کا مصداق ہے۔

نو تب ما تولىٰ و نصله جھنم
(النار: ۱۵)

ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے
اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

اور لیغیظ بہر الکفار
(الفتح: ۲۹)

تا کہ ان سے کافروں کو جلا دے

اور خلفائے راشدینؓ کے خلاف بدباطنوں کی ہرزہ سرائی ان اکابر کے رفعِ درجات
کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

ائمہ مجتہدین میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا جو مقام ہے وہ کسی صاحبِ علم
و دانش سے مخفی نہیں انھیں تاجِ نبوت کا شرف حاصل ہے ان کے علم و فضل اور شرف
و منزلت کی بنا پر اس کا بر امت نے انھیں نقیۃ الآت نقیۃ الحقت، امام الاممہ اور
الامام الاعظم ایسے القاب سے یاد کیا لیکن حرامِ نصیبوں کا ایک گروہ ہمیشہ سے

چلا آیا ہے جو ان کی عیب چینی اور پوستیں درمی پر فخر کرتا ہے اور حضرت الامام سے ایسے گھناؤنے الزامات منسوب کرتا ہے جن کا کسی ادنیٰ مسلمان کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک طرف حضرت الامام کیلئے رفیع درجات کا سامان کر دیا اور دوسری طرف اہل حق اور اہل بطلان کی شناخت کا ان کی شخصیت کو معیار بنا دیا، اپنی کتاب "اختلاف امت" اور صراط مستقیم حصہ دوم میں امام عبدالعزیز بن ابی رزادہ (۱۵۹ھ) کا قول نقل کر چکا ہوں۔

"جو شخص امام ابوحنیفہ سے محبت رکھے وہ سستی ہے، اور جو ان سے بغض رکھے وہ بدعتی ہے" اور ایک روایت میں ہے "ہمارے پاس لوگوں کے جانچنے کے لئے ابوحنیفہ معیار ہیں، جو ان سے محبت اور دوستی رکھے وہ اہل سنت میں سے ہے اور جو ان سے بغض رکھے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدعتی ہے" (النجرات الحسان ص ۲۲)

حافظ مغرب ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد ابن عبدالبر القرطبی المالکی (۳۲۷ھ) حضرت الامام کی برأت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"داناؤں کا قول ہے کہ گذشتہ بزرگوں میں کسی شخصیت کے عقبہ حکم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے بارہ میں دو متضاد انتہا پسندانہ رائے ہوں جیسے حضرت علیؓ کو اللہ وجہہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے، ایک حد سے بڑھ کر دوستی کرنے والا اور دوسرا حد سے بڑھ کر دشمنی کرنے والا، اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ "تیرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک محب مفرط، دوسرا مبغض مفرط، اور وہ عقبی شخصیتیں جو دین و فضل میں آخری حد تک پہنچ گئی ہوں، ان کے بارے میں لوگوں کی آرا اسی طرح متضاد اور انتہا پسندانہ ہوا کرتی ہیں"

ہمارے دور میں شیخ الاسلام الجاہدنی بسبیل اللہ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بھی یہی سنت اللہ رونما ہوئی، حضرت کی جامع شخصیت بھی ایسی ہی معیاری تھی جس نے متفرق کمالات میں بلندیوں کی آخری حدوں کو چھویا تھا اور جس کے بارے میں لوگوں کی انتہا پسندانہ متضاد آرا قائم ہوئیں حضرت کی جامعیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف، نورانی رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے، حضرت، نورانی تحریر فرماتے ہیں:

قدرت نے حضرت علیہ الرحمہ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے اضداد جمع کئے تھے کہ حقیقت انانہ معلوم ہوتی ہے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علماء ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی ردو بط پیدا کرنے آیا تھا وفد کے رئیس شیخ ابراہیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم تھے اور نہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے، شیخ جبالی اپنے رفقاء الاستاذ عبدالوہاب النجار اور شیخ احمد الحدادی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم کے صدر تھے اور حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے اس زمانہ میں سیاسی معرکے آرائی کا بازار گرم تھا، مسلم لیگ کا عروج شروع ہو گیا تھا اور مسلم لیگ کی مخالفت یا زموافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عثمانی نے ان کا شایان شان استقبال کیا، حضرت مولانا مدنی جو کبھی اپنا دورہ ملتوی کرنے کے لئے تار دینا کر وہ تشریف لائیں لیکن حضرت نے اپنے دورہ کو جاری رکھا ضروری سمجھا اور

ماضی کے لئے معذرت پیش کی اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمہ سے نہ ہو سکی، میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھا اور اسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بحیثیت مولانا سید احمد رضا صاحب، بخنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مہر کا سفر پیش آیا قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی، بے حد اکرام سے پیش آئے اور پر تکلف دعوتِ طعام سے تواضع کی ملاقات کے دوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مدنی کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ میری ملاقات خود براہ راست موصوف سے نہ ہو سکی تاکہ میں خود کوئی رائے قائم کرنا لیکن ان کے مخالفین اور ان کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظریہ رائے قائم کی ہے۔

”ہو امامک و اما شیطان“ پھر فرمایا کہ تم فیصلہ کرو کہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے، میں نے عرض کیا نعوہو ملک جی ہاں وہ فرشتہ تھے“

(روزنامہ ”الجمیۃ“ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرت کی سیاسی رائے سے تو دیانتداری کے ساتھ اختلاف ہو سکتا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اکابر کو ہوا بھی، اختلاف رائے ایک فطری امر ہے لیکن جو حضرت کی روحانی مرتبہ و مقام سے آگے تھے وہ حضرت کی شان میں سو ادب کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے حضرت اقدس مولانا محمد ایاس دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ شورش کاشمیری مرحوم نے نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا، ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ عام تھا، کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ کے مقامی رہنما مولانا محمد ایاس بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے، خوب دھواں دھار تقریریں ہوئیں، تقریباً تمام آبادہ گو مقروں نے مولانا حسین احمد

مدنی کے خلاف انتہائی گندہ زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا یہی ان کا سراپہ تھا، اور شاید وہ اس کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے ان کا خلاصہ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نہیں، مولانا محمد الیاس ہیں اور ان کی تعریف میں دو چار زرد درکلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دیتے، آخر میں مولانا محمد الیاس نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم فرمادی، مولانا نے فرمایا کہ :

مولانا کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالاتر ہے، اگر میں ان سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا لیکن میں ان کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لاکر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مرتبہ سے آگاہ ہوں، اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کر سکتے ہیں جو حسین احمد کے درجہ و مقام سے واقف نہیں ہیں اور نہ قرآنی اخلاق کی اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں (ماہنامہ الرشید، ساہیوال، مدنی و اقبال نمبر ص ۳۳۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جو حضرت مدنی کے سب سے بڑے سیاسی حریف تھے ان کا ایک ارشاد حضرت کے بارے میں حضرت بنوری نے ایک واقعہ کے ضمن میں نقل کیا ہے، حضرت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

”دارالعلوم دیوبند میں ایک مرتبہ طلبہ اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہو گئی طلبہ مظلوم تھے اس لئے ان کو انتقام کی فکر تھی جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی صدارت میں اساتذہ و طلبہ کا ایک اجتماع ہوا اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی، ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے مستاز خطیب نہ تھے کہ صرف زرد خطابت سے مجمع پر قابو پاتے لیکن قدرت نے جو

روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر جو اس کا ظہور ہوا اور جس مؤثر انداز میں تقریر فرمائی آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے، موضوع تقریر یہ تھا کہ مظلوم بنتا کتنا مفید ہے اور اشتقاق اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے میں نے درجنوں تقریروں حضرت کی سنی تھیں لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے ایسی مؤثر ترین قرآنی ایسا محسوس ہوا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے جذبات مشتعل ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا ہر طرف سکون ہی سکون تھا حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت علیہ الرحمہ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت کا حضرت مولانا سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں ۵

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کا یہ فقرہ نقل کر کے حضرت بنوری لکھتے ہیں "جب وقت کے بڑے محقق و اہل کمال حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی خصوصیات و کمالات میں آیات اللہ اور حجۃ اللہ علی الخلق سمجھتے تھے تو میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جاسکے ۵ (حوالہ مذکور)

اسکے برعکس حضرت رومی کی شان میں سوراہا ہل باطل و اہل بطالت کا شعار رہا ہے، تحریکات کے زمانہ میں جن لوگوں نے بیگیت کے جوش جنوں میں حضرت کی توہین و تمزیل کے کہ اپنی بد نصیبی کا مظاہرہ کیا اسے تو بعض لوگ وقتی اشتعال و میجان کہہ کر ٹال سکتے ہیں لیکن قدرت کو منظور تھا کہ امت کی دیگر نابغہ شخصیتوں کی طرح حضرت شیخ الاسلام (باقی ملکہ پر)

یکساں سول کوڈ

کے مضر اثرات

ڈاکٹر رشید الوحیدی، جامعہ ملیہ، نئی دہلی
یہ مسئلہ تو اپنی جگہ اہم ہے ہی کہ کساں سول کوڈ سے مسلم پرسنل لاپروکشن زبردست
زد پڑے گی اور پھر اس زد سے مسلمانوں پر گس قدر ڈور رس اثرات مرتب ہوں گے
مگر یکساں سول کوڈ سے صرف یہی ایک نقصان نہیں ہے، یہ تو اس سے پیدا ہونے
والے نتیجے کا صرف ایک پہلو ہے جس کا تعلق مسلمان فرقے سے ہے، ہمارا یہ اندازہ تجربات
اور دلائل پر مبنی ہے کہ اس کے نقصانات سے ملک اور ملک میں بسنے والے دوسرے فرقے
بھی متاثر ہوں گے،

غور فرمائیں، یکساں سول کوڈ، "صرف مسلم پرسنل لا کے مقابلے پر آنے والا نیا
قانون نہ ہوگا بلکہ یہ مطلق پرسنل لا کی نفی کرتا ہے وہ پرسنل لا ہندو، سکھ، جیسائی اور
دوسرے فرقوں کا بھی ہو سکتا ہے اور تب ان تمام مذہبی اکائیوں کو سوچنا ہوگا کہ کیا وہ
"سول کوڈ" کی قربان گاہ پر اپنی صدیوں کی مذہبی و رواجی باندیوں کو قربان کر دیں گے
واقعہ یہ ہے کہ اگر انصاف اور صاف ذہن سے مذکورہ مذاہب کے نمائندے غور فرمائیں، تو
اندازہ ہو جائے گا کہ یکساں سول کوڈ کے مقابلے پر قانونی جدوجہد کرنے والے تنہا اپنے ہی
لئے نہیں بلکہ پورے ملک میں بسنے والی تمام اقلیتوں اور مذہبی فرقوں کے لئے میدان میں
کھڑے ہوئے ہیں، یہ ضرور ہے کہ مسلمان اپنے اللہ اور رسول کے تمسین و وفاداری اور

جواب دہی کے تصور سے کچھ زیادہ ہی بے چین ہے مگر آخر بھگوان گرد اور ولہ گرد کے ساتھ جذباتی وابستگی اور فرما برداری کا معاہدہ تو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے فرقوں کو بھی ہے تو کیا وہ دوسرے فرقے یہ سمجھتے ہیں کہ یکساں سول کوڈ کے بعد وہ معاہدہ باقی رہ سکے گا اور کیا یہ سب لوگ پارلیمنٹ کے وضعی قانون کے بعد اپنے پرسنل لاپر عمل کر سکیں گے؟ مسلمان اور دوسرے تمام فرقے اس معاہدے اور اس فرض میں لاکھ کمزور رہی اور یہ بھی درست ہے کہ عملی اعتبار سے ہم سب اپنے مذہبی احکام اور مذہبی اصولوں سے بہت دور جا پڑے ہیں اس کو ہم اپنی کوتاہی کہیں گے مگر اسکے ساتھ یا ہم میں سے ہر ایک کے یہ اطمینان اور فخر تو ہے کہ ہمارا قانون، ہمارا مذہبی رواج، ہمارے مذہبی اصول اپنی جگہ محفوظ اور اعلیٰ ہیں حکومت یا کوئی اور طاقت اس قانون اور اس بنیاد کو مٹا نہیں رہی ہے تو کیا یکساں سول کوڈ لاگو ہو جانے کے بعد ہمارے اطمینان اور فخر باقی رہ سکے گا، یہ یاد رہے کہ یہ ساری باتیں تنہا مسلمان ہی کے لئے نہیں کہی جا رہی ہیں، سنجیدہ اور انصاف پسند اور مذہب سے معمولی سا بھی تعلق رکھنے والے ہر فرقے اور ہر مذہب کے افراد کے سامنے یہ سوال ہے، جب یہ بات صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو چاہیے کہ مسلمانوں یا کسی بھی فرقے یا جماعت کی اس کوشش کو کہ "حکومت یکساں سول کوڈ کی تجویز واپس لے لے" سب مل کر سراہیں اور اس آواز میں آواز ملائیں اس سے الگ الگ قومی امتیاز بھی باقی رہے گا اور مشترکہ طور پر قومی اتحاد کو بھی طاقت ملے گی۔

اب ذرا مسئلے کو ملک کے مفاد اور نقصان کی سطح پر سوچئے، کم از کم ہمارے ملک بھارت کے لئے فائدہ مند یہ بات ہوگی کہ یہاں کا ہر شہری اور یہاں رہنے بسنے والے ہر فرقے کا ہر فرد اپنے ملک کی بھلائی اور ترقی کے لئے سوچے اور کوشش کرے اور یہ

چیز تبھی ممکن ہے جب انھیں سکون و اطمینان امن و شناختی میسر ہو، بے شک سکون اطمینان امن و شناختی کا تعلق بہت سی چیزوں سے ہے مثلاً عوام کی اقتصادی حالت درست ہو ان کے ہر ہر فرد میں تعلیم ہو تاکہ اس تعلیم کی وجہ سے وہ اچھے مہذب شہری بھی ہوں اور جمہوری اقدار کی خوبیوں کو بھی پہچان سکیں تبھی تو فرض اور حق کے اصول کو سمجھ سکیں گے اس طرح امانداری محنت ترقی، غرض امن و شناختی کا ان سبب رشتہ ہے اور جتنا زیادہ یہ خوبیاں فرد میں اُبھر کر سامنے آئیں گی زندگی پُر سکون ہوگی، مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ان تمام باتوں میں جو چیز اجتماعی اور انفرادی طور پر بول کھلا دینے والی اور انہوں کو بے چین کر دینے والی ہے وہ ہے کسی انسان کے عقیدے، مذہب اس کے پرسنل لا اور اس کے بنیادی اصولوں پر حملہ یا دست درازی یہ ایک ایسا حملہ ہے کہ انسان سارے آدمیوں بلند و بانگ دعووں سارے امن و سکون کو پس پشت ڈال کر مال و نتائج سے بے پروا ہو کر ان کی حفاظت میں لگ جائے گا، پھر اُسے وطن چھوڑ کر ترقی تو کجا اپنے جان و مال کی بھی فکر نہ رہے گی اور وہ اس کے لئے سب کچھ کر گذرے گا، اب تصور کیجئے اگر انتشار و ہنگامے کا یہ دور ملک میں زیادہ عرصہ نہیں تھوڑی ہی مدت کے لئے باقی رہتا ہے تو اس عرصے میں ایک چھوٹا سا فرقہ سہی آخر اس فرقے کے افراد ملک کی بھلائی، ترقی، تجارت، زراعت سب سے غافل نہ رہیں گے اور پھر نہ صرف وہی بلکہ ان کی وجہ سے ملک کی انتظامیہ حکومت اور دوسرے افراد ان کی اس حالت کو کنٹرول کرنے یا سدھارنے کے لئے مصروف ہو جائیں گے اور پھر کچھ ان کا ساتھ دیتے ہوئے کچھ ان کی مخالفت میں لگ جائیں گے، غرض کتنا بڑا طبقہ اور کتنی بڑی طاقت اپنے اصلی مقصد سے ہٹ کر ایک انتشاری کیفیت میں ضائع ہوگی، تو کیا یہ ملک کی کمزوری نہ کہلائے گی؟ کیا

اس سے ملک بجائے ترقی کرنے کے ایک نقطہ پر ٹھہر نہیں جائیگا۔ اور پھر سچے نہیں ہٹے گا، یہ ہے نتیجہ عوام سے چھڑ خانی کرنے کا۔ ” اور بھی کام ہیں دنیا میں محبت کے سوا۔“

کیا حکومت نے ملک کی ساری خرابیاں دُور کر دی ہیں اور کیا ملکی ترقی و بھلائی کے سارے مقامات طے کر لئے ہیں کہ بس یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہی رہ گیا ہے اسے نافذ کیا اور سارے ہفتخوال طے ہوئے، ملک اپنی خوبی کے مزاج پر ہوگا، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس بھیانک زخم کو کیریدنے سے جس طرح ناسور رسنے لگے گا وہ تمام جسم کے لئے فساد کا سبب بن جائے گا کچھ لوگ ایسے ہیں جو ارنا نہیں مرنا جانتے ہیں، حکومت سے نکرانا یا قانون کو ہاتھ میں لینا نہیں، ہاں قانونی جدوجہد میں مقصد حاصل کرنے کا فن انھیں آتا ہے، اگر ان کا امتحان لینا ہے تو بسم اللہ ادھر آستمر گنہر آزمائیں۔

اس گفتگو سے الگ اگر صرف مسلمان کو سامنے رکھیں تو اب ایک اور حیثیت سے غور کیجئے، یکساں سول کوڈ کا قانون پارلیمنٹ بنائے گی جس کے تحت مسلمانوں کے عائلی اور شخصی معاملات طے پایا کریں گے، اگر ایک مسلمان بحیثیت مسلمان اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے تو اس کے اثرات معلوم ہے کہاں تک پہنچیں گے؟ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خاص معاملے یعنی اپنے عائلی و شخصی احکامات میں وہ قرآن و حدیث کے فرمان کو چھوڑ رہا ہے اور اس کے بجائے پارلیمنٹ کے وضعی قانون کو اختیار کر رہا ہے، ظاہر ہے یہ الہی قانون کی خلاف ورزی اور انسانی قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنا ہوا، اور یہ صریح فسق ہے، اب یہاں یہ تاویل کرنی کہ وہ بعض معاشرتی معاملات ہی میں پارلیمنٹ کے فیصلے کو تسلیم کرتا ہے جو تشریحی سے زیادہ معاشرتی اور دنیاوی

ہیں یہ برابرتہ غلط ہے اسلئے کہ مسلمان کا عائلی قانون ہو یا معاشرتی سبب دین ہے اور الہی قانون ہے، ایک مسلمان خدا کے قانون کو ماننے میں اپنے نفس، اپنی خواہش یا کسی مصلحت کی پیروی ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ الہی قانون کے اختیار کرنے میں خود مختار نہیں ہے، یہ اختیار خدا کا تفویض کردہ ہے اسلئے اس کا یہ اختیار اللہ کے حدود اور قوانین کے اندر ہی رہے گا اور اللہ نے یہ قوانین نسل انسانی کے اس کائنات پر وجود کے ساتھ ہی نازل فرمادیئے ہیں اور پھر وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی کے لئے، بگڑی ہوئی انسانیت کو پھر اسی راستے پر لانے کے لئے رسول بھی بھیجتا رہا اور آخر میں نبی آخر الزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی آخری فیصلہ بھی فرمادیا وہی لویحکو، مما انزل اللہ فادلتکھو الفاسقون، جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ نافرمان ہیں۔ بتائیے کہ پارلیمنٹ کے اتارے ہوئے قانون یکساں سول کوڈ کے مطابق ہم کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں۔

(بقیہ ملا) حضرت گنگوہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے سنت مطہرہ کا ہی خیال نہ کیا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب کیا اور رقص و سرور کی محفل سجائی تو مجھ سے ملاقات کرنے کا کیا فائدہ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸) غیر تو غیر رہے جب اپنے فرزند ارجمند کی حالت بھی خلاف شرع دیکھتے تو فوراً اس پر ناراٹھگی کا اظہار فرماتے اور کلام و سلام بند کر دیتے تھے (بقیہ آئندہ)

(بقیہ ملا) ایسا چہ بولہی است

مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت کو بھی اہل بطالت کی شناخت کا معیار بنا دیا جائے اور وہ ہمیشہ اپنا نام عمل سیاہ کر کے حضرت، یہ کی بلندی درجات کا سامان کرتے رہیں، یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خفیہ ہاتھوں نے اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کو کلام اقبال سے حرف نہیں ہونے دیا (باقی آئندہ)

جزو پنجم

مولانا مودودی کی تحقیق

حدیث دجال پر ایک نظر

مولانا عبدالدیان اعظمی

انکار حدیث ۱۔ مولانا کی اس تحقیق سے انکار حدیث کی بوائی ہے کیونکہ جن حدیثوں کو انہوں نے اپنی تحقیق میں تباہی اور جزر و دم کی حیثیت دے کر غلط اور ناقابل نقل و روایت قرار دیا ہے ان کو برحق اور سند و حجت ماننے سے انکار نہیں تو اور کیا ہے۔

حدیث کا انکار کرنے والے دو طرح سے حدیثوں کا انکار کرتے ہیں پہلی صورت یہ کہ کسی حدیث کو سرے سے حدیث رسول ہی نہیں مانتے کہتے ہیں کہ سرے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا قول ہے ہی نہیں جو واجب التسلیم ہو اور دوسری صورت یہ کہ حدیث کو حدیث رسول تو مانتے ہیں کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے مگر ساتھ ہی اس میں کوئی لم لگا کر یا کوئی میخ نکال کر اسے غلط اور بے وقعت ٹھہرا دیتے ہیں کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قول ہے جب بھی میخ نزدیک قابل قبول نہیں یا میخ لے آئین و قانون نہیں، یا اسکی اطاعت کا پابند نہیں یا میخ لے یہ سند و حجت نہیں وغیرہ۔

(نعوذ باللہ) — انکار حدیث کی یہ دونوں صورتیں گمراہی ہیں مگر دوسری

صورت اتنی سخت گمراہی ہے کہ کفر تک پہنچا دیتی ہے چنانچہ خود مولانا کا اس پر فتویٰ ہے، وہ ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ۱۲۳ میں فرماتے ہیں کہ :-
 "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تحقیق میں فلاں سنت ثابت نہیں ہے اس لئے میں اسے قبول نہیں کرتا تو اس قول سے اسکے ایمان پر قطعاً کوئی آخ نہ آئے گی یہ الگ بات ہے کہ ہم علمی حیثیت سے اس کی رائے کو صحیح سمجھیں یا غلط لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ واقعی سنت رسول ہو بھی تو میں اس کی اطاعت کا یا بند نہیں ہوں تو اس کے خارج از اسلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ وہ رسول کی حیثیت حکمرانی AUTHORITY کو چیلنج کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش دائرہ اسلام میں نہیں ہے" (منصب رسالت نمبر ۱۲۳ زیر عنوان ایمان و کفر کا مدار یہی فتویٰ دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے -

"ایک شخص اگر تحقیق کر کے ان میں سے کسی روایت کو سنت کی حیثیت سے تسلیم کرے اور دوسرا تحقیق کر کے اسے سنت نہ مانے تو دونوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروانے جائیں گے، البتہ ان لوگوں کو حضور کا پیرو نہیں مانا جاسکتا جو کہتے ہیں کہ حضور کا قول و فعل اگر ثابت بھی ہو کہ حضور ہی کا قول و فعل ہے تب بھی وہ ہمارے لئے آئین و قانون نہیں ہے" (منصب رسالت ۱۵۷ احادیث ۱۷)

یہی فتویٰ تیسری جگہ ان لفظوں میں ہے -
 "اگر کوئی شخص کسی شہادت کو گمزدور یا کر یہ کہتا ہے کہ اس حکم کا ثبوت حضور سے نہیں ملتا اس لئے میں اس کی پیروی نہیں کرتا تو اس کی یہ رائے بجائے خود غلط ہو یا صحیح بہر حال یہ موجب کفر نہیں ہے، بخلاف

اس کے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ حکم حضور ہی کا ہو تب بھی میرے لئے یہ سند و حجت نہیں، اس کے کافر ہونے میں قطعاً شک نہیں کیا جاسکتا یہ ایک سیدھی اور سچی بات ہے جسے سمجھنے میں کسی معقول آدمی کو الجھن پیش نہیں آسکتی۔ (منصب رسالت نمبر ۲۳۶، ص ۱۲۷)

یہ ہے مولانا مودودی صاحب کا اپنا فتویٰ۔ جس میں کہا گیا ہے کہ کسی حدیث کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مان کر اس کو اپنے لئے سند و حجت تسلیم نہ کرنا اور کوئی لم لگا کر ناقابل قبول ٹھہرانا کفر ہے، اب تحقیق پر نظر ڈالئے جس میں خروج و جمال کے زمان و مکان وغیرہ سے متعلق احادیث رسول کو مولانا یہ تو کہہ نہیں رہے ہیں کہ میرے نزدیک ان کا احادیث رسول اور حضور سے منقول ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ کہہ یہ رہے ہیں کہ "ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ اور آپ کا (قیاس و) گمان وہ چیز نہیں ہے جس پر ایمان لانے (اور برحق تسلیم کرنے) کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہوں، یعنی ان احادیث کو احادیث رسول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تو مانتے ہیں مگر منقول مان کر ان کو اپنے نزدیک برحق اور سند و حجت قرار نہیں دیتے اور قیاس و خیال کی لم لگا کر ان کو غلط اور ناقابل قبول و ناقابل نقل و روایت ٹھہراتے ہیں، یہ انکار حدیث نہیں تو اور کیا ہے؟ اور وہ بھی انکار حدیث کی وہ صورت جو نہایت خطرناک ہے۔ اب مولانا خود ہی بتلائیں کہ وہ خود اپنے ہی فتوے کی رو سے کیا ہوتے ہیں، مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اور یہ بھی بتلائیں کہ اس انکار حدیث کے بعد کیا وہ اب منکرین حدیث سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو حضور کی اطاعت کا مطلق حکم دیا گیا ہے اس لئے ہم بطور خودیہ فیصلہ کر لینے کے مجاز

نہیں ہیں کہ ہم حضور کی فلاں بات مانیں گے، کیونکہ وہ بحیثیت رسول آپ نے کیا
 کہی ہے اور فلاں بات نہ مانیں گے کیونکہ وہ (آپ کے قیاس اور) آپ کی شخصی
 حیثیت سے تعلق رکھتی ہے (منصب رسالت مطلقاً)
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز بلند
 کرنا موجب جہط اعمال ہے (سورہ حجرات) چہ جائیکہ ان کے ارشادات کا انکار
 کر کے رسول کی حیثیت حکمرانی کو چیلنج کرنا۔

رفع اصوات فوق صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا کی عقیدت میں ان کی تحقیق پر کوئی جیسا بھی حسن ظن رکھے مگر میرے
 نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں رفع اصوات فوق صوت النبی -
 (صلی اللہ علیہ وسلم) پایا جاتا ہے، نبی کے آداب میں آتا ہے کہ ان کے سامنے
 بلند آواز سے نہ بولا جائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا
 اصواتکم فوق صوت النبی
 ولا تجہروا له بالقول کجہر
 بعضکم لبعض ان تحب
 اعمالکم وانتم لا تشعرون
 اے یہاں والو تم اپنی آوازیں پیغمبر
 کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ
 ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم
 آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر
 بولا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال
 برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔
 (حجرات)

نبی کی شان تو یہ ہے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا موجب جہط اعمال
 ہے چہ جائیکہ ان کی رائے پر اپنی رائے، ان کی بات پر اپنی بات کو بلند کرنا۔
 حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز نہ چکا کرنا جب عمل

کو اکارت کر دیتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو متقدم کر دینا اعمال صالحہ کے لئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔

(ترجمان السنہ حصہ اول ص ۱۳۲ بحوالہ اعلام ج ۱ ص ۴۲)

مولانا بدر عالم صاحب ترجمان السنہ میں فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے کلام یعنی حدیث شریف کو سن کر اس کا معارضہ و مقابلہ کرنا، اس کا مذاق اڑانا، تن آسانی اور ہوا پرستی کے لئے اسکی تاویلات کرنا یہ سب آپ کی ہی گستاخی کے برابر ہے۔ (ترجمان السنہ اول ص ۱۳۳)

رسول و احادیث رسول کا یہ ادب و احترام جو اس تشریح سے معلوم ہوا اگر تسلیم ہے اور رسول کی بات کو غلط قرار دے کر اپنی بات کو برتر کرنا رفع اصوات و گستاخی رسول میں داخل ہے تو عرض ہے کہ مجھے اس تحقیق میں اسی طرح کی گستاخی محسوس ہو رہی ہے چنانچہ اس میں حدیثوں کو بزعم خود قیاسی کہنا اور قیاسی کہہ کر ان کو برحق ماننے سے اعراض و انکار کرنا ان کو ناقابل سند و حجت ٹھہرانا، اسلامی عقائد سے خارج کرنا یہاں تک کہ نقل و روایت کے قابل بھی نہ سمجھنا یہ سب رسول و احادیث رسول کے ساتھ گستاخی اور ان سے مقابلہ و معارضہ نہیں تو اور کیا ہے۔

لخود مودودی صاحب بھی تفہیم القرآن میں اس ادب کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب احادیث رسول بیان کی جائیں تو یہ ادب ملحوظ رکھنا چاہئے، چنانچہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”یہ ادب اگر پرہیزی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے لئے سکھایا گیا تھا اور اسکے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضور کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں۔ (تفہیم القرآن)

احادیث رسول کے آداب و احترام کی نزاکت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ "ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرماتے تھے اور ان کے مقابلے میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو کو پسند نہیں ہے تو اس نے محل انکار پر اس کے کفر کا اندیشہ ہے" (ترجمان السنن اول ص ۳۱۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ کدو طبعاً پسند نہیں ہے مگر حضور کی پسندیدگی کو سن کر معاً بعد یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں، انتہائی گستاخی اور رسول و حدیث رسول کا صورتہً مقابلہ کرتا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے امراض میں مبتلا ہونے اور اس پر صبر کے ثواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں بیماری کا نام بھی نہیں جانتا اور نہ خدا کی قسم اب تک کبھی بیمار پڑا ہوں آپ نے فرمایا "جا ہمارے پاس سے اٹھ جا، تیرا ہم سے کوئی واسطہ نہیں" (ترجمان السنن اول ص ۳۱۷ بحوالہ ابوداؤد)

صبح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کی ممانعت کی ہے۔ ان کے فرزند نے کہا ہمارے زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، ہم تو ضرور روکیں گے اس پر ابن عمر نے اتنا برا بھلا کہا کہ شاید کبھی عمر بھر کسی کو نہ کہا تھا اور مسند امام احمد میں ہے کہ پھر مرتے دم تک ان سے بات نہ کی (ترجمان السنن ص ۳۱۷)

یہ واقعات نقل کر کے مولانا بدر عالم صاحب فرماتے ہیں کہ "ان سب مقالات پر بات خواہ کتنی ہی سچی ہے مگر آغاز چونکہ گستاخانہ تھا اس لئے دونوں جگہ

عتاب ہوا ایسے وقت جبکہ رسول مسلمانوں کے حق میں بیماری کے فضائل بیان کر رہا ہے، یہ کہنا کہ میں تو بیماری کو جانتا بھی نہیں کسے کہتے ہیں، یا حدیث رسول سن کر یہ کہنا کہ ہم تو روکیں گے خود رسول اور حدیث رسول کا صورتہ مقابلہ کرنا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو سن کر فوراً یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں انتہائی گستاخی و بدتمیزی ہے، اسی لئے امام ابو یوسف نے تو ایسے شخص کے قتل کا حکم دیدیا تھا (ترجمان السنہ اول ص ۱۹۱) تحقیق کے قبول کرنے کا لازمی نتیجہ | احترام حدیث کے سلسلے میں ایک طرف ان تذکرہ بالا واقعات

کو پیش نظر رکھتے دوسری طرف تحقیق کو قبول کرنے کا جو لازمی نتیجہ ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے کہ ایک صاحب جنہوں نے مولانا کے ساتھ غلو عقیدت کی بنا پر تحقیق کو برحق سمجھ رکھا ہے انہوں نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی کہ "آپ نے فرمایا دجال مشرق میں ملک خراسان سے نکلے گا" تو سن کر فوراً بول پڑے کہ اس کے سچ ہونے کی کیا گارنٹی ہے یہ تو قیاس و خیال کی باتیں ہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح ایک صاحب حدیث تمیم دارمی سن کر کہنے لگے یہ کاناد جال وغیرہ تو افسانے میں کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔

اب ناظرین کرام ہی بتلائیں کہ احادیث رسول کی شان میں یہ گستاخی کس نے سکھائی؟ یقیناً مولانا مودودی صاحب کی اسی تحقیق نے سکھائی جس کو بعض حضرات نے وحی من السماء سمجھ رکھا ہے، کاش کہ وہ لوگ ایسا سمجھنے کے بجائے سورہ حجرات آیت مذکورہ کی تفسیر خود مولانا کی تفہیم القرآن سے ملاحظہ فرما کر کچھ نصیحت پکڑتے اور احادیث رسول کا ادب ملحوظ رکھتے

ورنہ مجھے ایک بات یاد آرہی ہے، وہ یہ کہ قرآن میں آتا ہے
 اتخذوا احبارہم ودرہبانہم انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور
 اربابا من دون اللہ (توبہ آیت ۳۱) مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔
 حضرت عدی ابن حاتم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انہوں
 نے اپنے عالم اور درویشوں کو نہیں پوجا۔ فرمایا، ہاں علماء اور درویشوں نے
 حلال کو ان پر حرام اور حرام کو ان پر حلال کر دیا تھا، انہوں نے ان کی پیروی
 کی یہی ان کی عبادت واسطے علماء اور درویشوں کے ہوئی۔ روایت کیا اس
 کو احمد اور ترمذی اور ابن جریر نے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل علماء مشائخ
 کی بے سند باتوں کو ماننا ہی ان کو خدا ٹھہرانا اور ان کی عبادت کرنا ہے، ہم
 اس پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ رسول کے بھی ارشادات کو چھوڑ کر اس کے
 بالمقابل غیر رسول کی باتوں کو ماننا گویا ایک درجے میں اسی غیر رسول کو رسول
 ماننا ہے، ہمارے اس قیاس کی تائید مولانا بدر عالم صاحبؒ کے ایک جملے سے
 ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

”جو شخص اپنے فیصلوں کو رسول کے فیصلوں کے ہم پلہ سمجھتا
 ہے وہ درحقیقت رسول کا منکر ہے۔“

(ترجمان السنہ اول ۱۶۲)

کوائف دارالعلوم

امتحان سالانہ کی ہماہمی | دارالعلوم دیوبند میں آج کل سالانہ امتحان کی تیاریاں

پورے شباب پر ہیں ایک طرف طلبہ رات دن ایک کئے ہوئے ہیں دوسری طرف دفتر تعلیمات امتحان کے سلسلہ میں دفتری امور کی تکمیل میں

مصروف کار ہے، ایک عجیب ہماہمی کا عالم ہے جسے دیکھنے اپنی ذہن میں لگا ہوا ہے

واردین و صادرین | (۱) گذشتہ ماہ جماعت تبلیغی کے اہم ترین داعی حضرت مولانا محمد عمر صاحب دارالعلوم تشریف لائے ان کے

اعزاز میں حضرت مہتمم صاحب نے دفتر اہتمام میں عصرانہ دیا جس میں بہان محرم کے ساتھ دارالعلوم کے تمام اساتذہ نے چائے نوش کی، اس موقع پر حضرت مولانا نے دعوت و

تبلیغ کے عنوان پر ایک موثر تقریر فرمائی، پھر رات کو دارالحدیث تھکانی میں جلسہ عام ہوا جس میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ و طلبہ شریک ہوئے

(۲) کل گذشتہ ہفتہ افریقہ کے مشہور و محترم عالم و تاجر مولانا عبدالحق عمر جی دارالعلوم

کی سیر کو آئے حضرت مہتمم صاحب اور دیگر حضرات اساتذہ سے ملاقاتیں کیں بعض دفاتر کو بھی دیکھا مولانا نے ایک گفتگو میں دارالعلوم کی تعلیمی و انتظامی حالت پر مسرت و اطمینان

کا اظہار کیا۔

مسجد دارالعلوم کی تعمیر | دارالعلوم دیوبند کی جوڑہ مسجد کی تعمیر کا کام بحمد اللہ

شروع ہو گیا، تعمیر کا ابتدائی کام گذشتہ سال ہی

شروع کر دیا گیا تھا مگر بعض ٹیکنیکل دشواریوں کی وجہ سے کام رک گیا تھا اور رکنا ہی رہا اب بحمد اللہ یہ تمام دشواریاں دور ہو گئی ہیں اور تعمیر کا کام تیزی کیساتھ جاری ہے ۴۴

باقی برصغیر

مولانا اپنے پیچھے عقیدتمندوں کی ایک بڑی جماعت کو سوگوار چھوڑ کر راہی ملکِ عم ہو گئے، مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، جس محفل میں بھی موجود ہوتے اسے اپنی بذلہ سنجیوں سے زعفران زار بنائے رہتے تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا مانیؒ سے خصوصی تعلق تھا، عملیات میں مولانا کی ذات آج کل ایک مرجح کی حیثیت رکھتی تھی دارالعلوم اور اسکے اکابر کے سوانح و حالات کے سلسلے میں مولانا ایک نسا نکلوی پڑا کی حیثیت رکھتے تھے، احقر اس سلسلہ میں مولانا مرحوم سے استفادہ کرتا رہتا تھا، مرحوم تقریباً نصف صدی سے زائد تک دارالعلوم سے وابستہ رہے اور مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے اور صاحبزادگان و اہلیہ محترمہ و دیگر متعلقین کو بھر جمیل عطا فرمائے

مولانا حفیظ الرحمن واصف دہلوی کی رحلت | مفتی اعظم حضرت

دہلوی کے صاحبزادہ جناب مولانا حفیظ الرحمن واصف صاحب کا بھی اسی ماہ میں انتقال ہو گیا مولانا حفیظ الرحمن صاحب علوم دینیہ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، اردو ادب میں مولانا کی ذات ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی تھی، حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ جو مختلف رسائل و اخبارات اور جسطوں میں منشر تھے واصف صاحب نے ان تمام فتوؤں کو نہایت سلیقہ سے مدون و مرتب فرما کر کفایت المفتی کے نام سے عرصہ ہوا شائع کر دیا تھا، مولانا مرحوم کا یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جو علمی حلقہ میں ہمیشہ بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔



گراپ چاہتے ہیں کہ

● عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● مسلمہ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں ● اس منہی کاذب پر آسمان فرنگ سے اترنے والی وحیوں سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعمات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں جو عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے اور اپنے احباب اور قرب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطال قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

صفحات قیمت، تاریخ اشاعت اور دیگر ضروری امور کا اعلان الگ الگ کیا جائیگا

(نیو رسالہ)

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

کتاب الفہم

دارالعلوم دیوبند کا نوجوان
ماہنامہ
دارالعلوم

شمارہ نمبر ۲ | بابت ماہ مئی ۱۹۸۷ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ | جلد نمبر ۱

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مستم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

سالانہ
30/=

فی پیکچہ
3/=

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے

160/= سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ - برطانیہ

160/= امریکہ، کیناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل

پاکستان - 70/- روپے ہندوستان - بنگلہ دیش - 50/- روپے ہندوستان

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا نقد تعاون ختم ہو گیا ہے۔

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	نگارش	نمبر شمار
۳	ادارہ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی	حرف آغاز نئے دین کی تعمیر	۱ ✓
۱۱	مفتی دارالعلوم دیوبند		۲ ✓
۱۸	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی	ایں چہ بوالعجبی است ہندوستان میں امامت شریفیہ کی مختصر تاریخ	۳ ✓
۲۹	مولانا حبیب الرحمن قاسمی دبیر		۴ ✓
۴۱	مولانا عبدالدیوان اعظمی	مولانا مودودی کی تحقیق حدیث نبوی پر ایک نظر	۵ ✓

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع باکراؤل فہست میں اپنا چنڈہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ مئی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چنڈہ مبلغ 75/- روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی دال تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چنڈہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں

(۳) خسریا حضرات پتہ پردہ شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے وقت خسریا نمبر ضرور لکھیں

والسلام

میخبر رسالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

ازدختر اہتمام

۱۹۷۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں جدید طلبہ کیلئے ضروری

قواعد داخلہ
اور قدیم طلبہ کی ترقی و تنزیل اور تکمیلات و دیگر شعبوں میں
داخلے کے ضابطے

ذمہ داران مدارس عربیہ سے درخواست

حامدا ومصليا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبہ عزیز کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت فرمائی

ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

بے شک بہت سے لوگ زمین کے گوشہ گوشہ

ان رجالا یا تو نکم من اقطار

سے علم دین میں تفقہ حاصل کرنے کیلئے تمہارے

الارض یتفقہون فی الدین فاذا

پاس آئیں گے جب وہ آئیں تو تم ان کے پاس

اتوکر فاستوصوا بہم خیرا

خیر خواہی کی وصیت قبول کر لو۔

(رواہ الترمذی)

اس لئے طلبائے عزیز کے ساتھ خیر خواہی تمام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کا فرض اولین ہے

طلبہ کے لئے بہتر تعلیم، عمدہ تربیت، اچھا نظام، اور حساب استطاعت راحت رسانی، خیر خواہی

کے ضمن میں آتی ہے۔ اور الحمد للہ مدارس عربیہ کے ذمہ دار اس وصیت پر عمل پیرا ہیں۔

ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کی ترقی، علم دین کی

ترقی، دین و دیانت کی ترقی اور مسلمانانِ عالم کی ترقی ہے۔ انہیں چیزوں کے پیش نظر ذمہ دارانِ مدارس کی خدمت میں یہ عرض کیا جا رہا ہے کہ وہ طلبہ کی استعداد سازی پر سب سے زیادہ توجہ صرف فرمائیں۔ اور دارالعلوم میں جس جماعت میں داخلہ کا ارادہ ہے وہاں تک کی تاہن اعتماد استعداد کا پیدا ہو جانا دارالعلوم میں حاضری سے پہلے ضروری سمجھیں اور اسی لئے چند سالوں سے ماہ شعبان ہی میں ضروری اصول و ضوابط کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔“

آپ حضرات سے مخلصانہ گزارش ہے کہ ان چیزوں پر عملدرآمد کے سلسلہ میں خدام دارالعلوم کا تعاون فرمائیں۔

عربی درجات میں جدید داخلے کے قواعد

(۱) ۱۹۸۷ء کے تعلیمی سال میں دارالعلوم کے تمام شعبوں میں مجموعی طور پر زیادہ سے زیادہ ڈھائی ہفتہ ۲۵ تہذیبی و جدید طلبہ کو تفصیل ذیل داخل کیا جائے گا۔

۱۲	دارالافتار	۶۰۰	دورہ حدیث شریف
۲۰	تکمیل العلوم	۴۲۵	سال ہفتم
۲۰	تکمیل اللہب	۳۰۰	سال ششم
۳۰	شعبہ کتابت	۲۰۰	سال پنجم
۱۲۵	شعبہ تجوید	۱۶۰	سال چہارم
۱۰	شعبہ دارالصنائع	۸۰	سال سوم
۱۷۵	شعبہ حفظ	۵۰۰	سال دوم
۱۶۵	شعبہ دینیات اردو فارسی	۲۰	سال اول

(۲) مندرجہ بالا جماعتوں میں دارالافتار تکمیلیات، کتابت، دارالصنائع قریم طلبہ

میں سے جلالین شریف، حسامی اور میبذی کا تیسری امتحان ہوگا۔ دورہ حدیث کیلئے سال ہفتہ کی تمام کتابوں یعنی ہدایہ آخرین مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف شرح عقائد، شرح مخزنہ الفکر اور سراجی کا تیسری امتحان ہوگا۔

نوٹ ۱۔ ۱۹۸۸ء میں داخلہ کے امتحان میں ہر جماعت کیلئے دارالعلوم کے نصاب تعلیم کے مطابق پچھلی جماعت کی تمام کتابوں میں امتحان ہوگا۔
(۹) سال اول و دوم میں نابالغ بیرونی، بچوں کا داخلہ نہ ہوگا نہ ان درجات میں امداد ہوگی۔

(۱۰) جو طالب علم اپنے ساتھ صغیر السن بچوں کو لائے گا اس کا داخلہ ختم کر دیا جائے گا
(۱۱) جن امیدواروں کی وضع قطع طالب علمانہ نہ ہوگی مثلاً غیر شرعی بال، ریش تراشیدہ ہونا۔ ٹخنوں سے نیچے پا جامہ ہونا یا دارالعلوم کی روایات کے خلاف کوئی بھی وضع، اُن کو شریک امتحان نہ کیا جائے گا۔

(۱۲) سرحدی صوبوں میں سے آسام اور بنگال کے امیدواروں کو تصدیق نامہ وطنیت پیش کرنا ضروری ہوگا۔ تصدیق نامہ کی اصل کاپی پیش کرنا ضروری ہے۔
فوٹو اسٹیٹ کاپی قبول نہ کی جائے گی۔ اور یہ تصدیق نامہ وطنیت کسی بھی وقت واپس نہ ہوگا۔

(۱۳) جدید امیدواروں کیلئے سابقہ مدرسہ کا تعلیمی و اخلاقی تصدیق نامہ اور مارک شہادت و نبرات کتب) کا پیش کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۴) نئی تصدیقات یا سماعت وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۵) بنگلہ دیشی امیدوار حسب ذیل علماء کرام کی تصدیق لے کر آئیں۔

(۱) مولانا فرید الدین مسعود صاحب ڈھاکہ (۲) مولانا مقصم ہاشمی صاحب مال بلخ بازار

ڈھاکہ (۳) مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جامعہ حسینہ، ارض آباد میر پور ڈھاکہ (۴)

مولانا حافظ عبدالکریم صاحب، جو کی دیکھی محلہ سلہٹ،
 قنبلیلے، طلبہ کو خاص طور پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امتحان کی کاپیاں
 کو ڈنمبر ڈال کر محقق کو دی جاتی ہیں تاکہ امیدوار کو صرف استعداد کے مطابق نمبر
 دئے جائیں۔ اس لئے امیدوار صرف انہی سالوں میں امتحان دیں جن کی تیاری وہ
 مکمل کر چکے ہوں۔

نوٹ :- امتحان داخلہ میں انتخاب میں آجانے کے بعد فارم داخلہ دیا جائیگا۔
 قدیم طلبہ کیلئے :- (۱) جو طلبہ تمام کتابوں میں کامیاب ہوں گے ان کو ترقی
 دیا جائے گی۔ (۲) جو طلبہ بعض کتابوں میں کامیاب بعض میں ناکام ہوں گے اگر وہ
 پچھلے کتابوں میں کامیاب ہوں اور اوسط بھی ۳۰ ہو تو امداد دیدی جائے گی ورنہ
 بلا امداد سال بھر کیلئے اعادہ سال کر دیا جائے گا۔ اعادہ سال کی رعایت صرف
 ایک سال کیلئے ہوگی۔ اگر دو سال بھی اعادہ کی نوبت آئی تو داخلہ نہیں
 ہو سکے گا۔

(۳) تجویز کتابت، اختصار شفاہی کے نمبرات بسلسلہ ترقی درجہ اوسط میں شمار نہ ہونگے
 (۴) تکمیلات میں صرف ان فضلاء کا داخلہ ہو سکے گا۔ جن کا دورہ حدیث کے سالانہ
 امتحان میں اوسط کامیابی ۴۲ ہو اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہوں اور ان امیدواروں
 کا مستقل امتحان بھی لیا جائے گا۔

(۵) امیدواروں کے زیادہ ہونے کی صورت میں نمبرات کو وجہ ترجیح بنایا جائے گا۔
 (۶) ایک تکمیل کے بعد دوسری تکمیل میں داخلہ کیلئے ضروری ہوگا کہ امیدوار نے سابقہ
 میں کم از کم ۴۴ اوسط حاصل کیا ہو، اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہو۔
 (۷) ایک تکمیل کی درخواست دینے والے دوسری تکمیل کے امیدوار نہ ہو سکیں گے۔
 یہ کہ ان کے مطلوبہ درجہ تکمیل میں تعداد پوری ہونے کے سبب ان کا داخلہ نہ ہو سکا ہو۔

- (۸) دارالافتار کے فضلا رکاح کسی شعبہ میں داخلہ نہ ہوگا۔
 (۹) کسی بھی تکمیل میں داخلہ کی تعداد ۲۰ سے زائد نہ ہوگی۔
 (۱۰) جس کی کوئی بھی شکایت دارالافتار تعلیمات یا اتہام میں کسی بھی وقت درج ہوئی ہے اسکو دورہ حدیث کے بعد کسی بھی شعبہ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔
 (۱۱) کسی بھی شعبہ میں داخلہ لینے والے قدیم فضلا رکو، فراغت کے بعد ہی سند فضیلت

دیجائے گئے دیگر شعبوں کے بارے میں

دارالعلوم دیوبند کا بنیادی کام اگرچہ عربی دینیات کی تعلیم ہے۔ لیکن حضرات اکابر نے مختلف دینی اور دنیوی فوائد اور مصالح کے پیش نظر متعدد شعبے قائم فرمائے شعبہ تجوید اُردو عربی، شعبہ خوش نویسی والاصنائع وغیرہ، ان شعبوں میں داخلہ کے لئے درجہ ذیل قواعد پر عمل ہوگا۔

شعبہ دینیات اُردو، فارسی، شعبہ حفظ قرآن

- (۱) شعبہ دینیات اُردو فارسی اور شعبہ حفظ میں تقاضا پتوں کو داخلہ دیا جائے گا
 (۲) سال اول دینیات اُردو، اور شعبہ حفظ میں داخلہ ہر وقت ممکن ہوگا۔
 (۳) بقیہ درجات میں داخلہ ذی الحجہ کی تعطیل تک لیا جائے گا۔

شعبہ تجوید حفص اُردو عربی

- (۱) حفص اُردو میں وہ طلبہ داخل ہو سکیں گے جو حافظ ہوں، قرآن کریم ان کو یاد ہو اور وہ اُردو کی اچھی استعداد بھی رکھتے ہوں، نیز ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو ان طلبہ میں تیسس کی امداد جاری ہو سکے گی۔

- (۲) حفص عربی میں ان طلبہ کو داخل کیا جائے گا جنہیں قرآن کریم یاد ہو اور وہ عربی میں شرح جامی یا سال سوم کی تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔ ان طلبہ میں دس کی امداد جاری ہو سکے گی۔

اور مطلوبہ معیار کی جا پرخ بھی کی جائے گی
(۳) ان طلبہ کی اوقات مدرسہ میں حاضری ضروری ہوگی۔

قِرَاءَتِ سَبْعَةِ عَشْرَةَ

اس درجہ میں داخلہ کیلئے حافظ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ عربی کی ساٹھ چہارم تک کی جیتا استعداد رکھتے ہوں۔ (۲) اس درجہ میں داخلہ طلبہ کی تعداد دس سے زائد نہ ہوگی اور ان دس کی امداد بھی جاری ہو سکے گی۔

شعبہ خوش نویسی

- (۱) اس شعبہ میں داخلہ طلبہ کی تعداد تیس ہوگی اور ان تیس کی امداد جاری ہو سکے گی۔
- (۲) داخلہ کے امیدواروں میں فضلاء دارالعلوم کو ترجیح دیا جائے گی۔
- (۳) شعبہ میں مکمل داخلہ کے امیدواروں کو امتحان داخلہ دینا ضروری ہوگا۔ اور صرف اس فن کی ضروری صلاحیت رکھنے والوں کو داخلہ کیا جائے گا۔
- (۴) قدیم طلبہ اگر فن کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں تو ناظم شعبہ کی تصدیق اور سفارش پر ان کا مزید ایک سال کیلئے غیر امدادی داخلہ کیا جاسکے گا بشرطیکہ ان کی کوئی شکایت نہ ہو۔
- (۵) جو طلبہ مکمل امدادی یا غیر امدادی داخلہ لیں گے ان کو اوقات مدرسہ میں پورے چھ گھنٹے درسگاہ میں بیٹھ کر مشق کرنا ضروری ہوگا۔

(۶) جو طلبہ عربی تعلیم کے ساتھ کتابت کی مشق کر چکے ہوں اور ناظم شعبہ ان کی صلاحیت کی تصدیق کریں تو دودھ حدیث کے بعد مکمل داخلہ اور امداد میں ان کو ترجیح دیا جائے گی

(۷) تمام طلبہ کیلئے طالب علمانہ وضع اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

(۸) پہلی سہ ماہی میں مقرر کردہ تمرینات کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا

دَارُ الصَّنَائِعِ

(۱) طالب علمانہ وضع قطع کے بغیر داخلہ نہیں لیا جائے گا (۲) معلم دارالصنائع

- جن کی صلاحیت کی تصدیق کریں گے اُن کو داخل کیا جائے گا۔
 (۳) پہلی سہ ماہی کے کام کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔
 (۴) اس شعبہ میں داخلہ دہش سے زائد کا نہیں ہوگا اور ان سب کی صرف امداد طعام جاری ہو سکے گی۔ (۵) ادقات مدرسہ میں پورا وقت حاضر رہ کر کام کرنا ضروری ہوگا۔

دارالافتاء

- (۱) دارالافتاء میں داخلہ کے امیدواروں کیلئے وضع قطع کی درستگی کی اہمیت سب سے زیادہ ہوگی
 (۲) دورہ حدیث سے دارالافتاء کیلئے صرف وہ طلبہ امیدوار ہوں گے جن کا اوسط کامیابی ۴۴ ہو
 (۳) کسی بھی تکمیل سے دارالافتاء میں داخلہ کے امیدوار کیلئے سابقہ تکمیل میں ۴۵ اوسط حاصل کرنا ضروری ہوگا (۴) ان تمام امیدواروں کا الگ سے بھی امتحان لیا جائے گا۔
 (۵) دارالافتاء میں داخلہ کی تعداد بارہ سے زائد نہ ہوگی۔ اور کوشش کی جائے گی کہ معیار مذکور پورا کرنے والے ہر صوبہ کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے لیکن اگر کسی صوبہ سے کوئی امیدوار مندرجہ بالا شرائط کا حامل نہ پایا گیا تو دوسرے صوبوں سے یہ تعداد پوری کرنی جائے گی۔
 (۶) ان بارہ طلبہ کی امداد جاری ہو سکے گی۔
 (۷) دارالافتاء میں ممتاز نمبروں سے کامیاب ہونے والے دو طلبہ کا انتخاب تدریس فی الافتاء کے لئے ہوگا۔ یہ انتخاب دو سال کا ہوگا۔ اور ان کا وظیفہ ۳۰۰ روپے ماہوار ہوگا۔

نئے دین کی تعمیر

از مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب غیر آبادی مفتی دارالعلوم دیوبند

شیعان کو فو نے حضورؐ کے محبوب نواسے حضرت حسینؑ کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا۔ اور اس جسمِ عظیم کے بعد اپنی حرکت پر نادام ہو کر رونا، پٹینا اور ہائے حسین ہائے حسین کر کے ماتم کرنا شروع کیا اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یزید پر پھینکا کرنے لگے۔ حضرت زین العابدین، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ بنت حسین اور حضرت حسین کے خادم حضرت بریر بن حفص نے ان کو بددعائیں دیں۔ کہ اب تم لوگ ہم پر روتے ہو۔ خدا تمہاری آنکھوں کو خشک نہ کرے۔ اب تم ماتم کر کے ہمارے طرف دار بنتے ہو۔ تو بتاؤ ہمیں کس نے قتل کیا؟

(جلاء العیون ص ۴۶)

غرض ان اہل بیتِ مظلومین کی بددعاؤں کے صلہ میں ماتم اور عزاداری اس فتنے کیلئے گلے کا ہار بن گئی۔ اور شریعتِ اسلام کے اتباع سے یہ کوسوں دور ہو گئے۔ انہوں نے سانحہ کربلا کی بنیاد پر ایک نیا دین تعمیر کیا۔ جس میں حضرت حسینؑ اور شہداء کربلا کے جسم و خون کا مصالحہ لگایا، دوسری اور تیسری صدی کے زرارہ، شتام، جابر جعفی وغیرہ جیسے لوگوں کی روایات کے تانے بانے کا لٹیر لگایا۔ اور چوتھی اور پانچویں صدی میں اپنی چادر

لہ (۱) کافی از محمد یعقوب کلینی (م ۲۱۲) (۲) الاستبصار (۳) تہذیب الاحکام از ابو جعفر طوسی ص ۱۲۷

(۴) سن لایحضرہ الفقیر از شیخ صدوق ابن بابویہ (م ۳۸۴) ص ۱۲

مستند کتابیں تصنیف کر کے اس چھت کو مکمل کیا۔ پھر نویں صدی ہجری (عہدِ صفوی) میں اس نئی عمارت کو کراہیہ پر چڑھایا اور ایران کے شاہ عباس صفوی کے دور میں شہر "قم" کے شیعہ علماء بورڈ نے شیعہ ازم مرتب کیا۔ اور اسے سرکار کا مذہب قرار دیا۔ اور زبردست خانہ جنگی کے بعد یعنی تقریباً چالیس لاکھ سنی مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے اس مذہب کو پھیلا یا (حرمتِ ماتم ص ۱۸)

یوں تو حضورؐ کے لائے ہوئے حقیقی اسلام اور اس نئے نام نہاد اسلام میں الف سے یا تک تقریباً ہر مسئلہ میں اختلاف ہے جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس موضوع پر نصوصِ الشیعہ، تحفہ امامیہ، حرمتِ ماتم، اسلام اور شیعہ مذہب، شیعوں کے چالیس عقیدے غرض بہت سی کتب چھپ چکی ہیں۔ البتہ نمونہ کے طور پر اپنے سنی بھائیوں کی معلومات کیلئے ہم یہاں کچھ چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مذہبِ اسلام میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کو سمجھ کر اور پختے اعتقاد کے ساتھ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے مگر شیعہ مذہب میں یہ کلمہ طیبہ ناقص ہے۔ محض اتنا کلمہ پڑھنے سے ہرگز مومن مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اسکے آگے عَلِيٌّ وَاَوْلِيَ اللّٰہِ، وَصِيٌّ رَسُوْلُ اللّٰہِ خَلِيْفَةُ بِلَا فَصْلِ، ملانا ایمان و اسلام کیلئے شرط ہے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۲) قرآن کی رُو سے خدا کی ذات اجزاء اور اولاد سے پاک ہے۔ مگر شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ ان کے بارہ امام اجزاء خداوندی ہیں، نور من اللہ اللہ کے نور میں سے ایک نور ہیں) اور بشری رُوپ میں ہیں۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۳) مذہبِ اسلام کی رو سے تمام جائزہ حاجتیں اور دُعائیں صرف اللہ سے مانگنی چاہئیں کیونکہ وہی حاجت روا ہے۔ شیعہ مذہب یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین حاجت روا اور مشکل کشا ہیں اور گنہگار بندوں کو انہیں سے

تعلق قائم کرنا چاہئے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۴) صحیح احادیث میں ہے کہ نذر و نیاز اور منت عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نذر و نیاز دین لین جائز نہیں ہے مگر شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت جعفر صادق وغیرہ کی نذر و نیاز دینی یعنی چاہئے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۵) ہم اہل اسلام قرآن کی رو سے صرف اللہ کو ہر چیز پر قادر مانتے ہیں کیونکہ وہی بارش برساتا، فصل اُگاتا، دریا بہاتا، پہاڑ نکالتا، ہوائیں چلاتا، فریاد سنتا، مصائب ٹالتا، زمین میں لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بناتا، خشکی اور سمندر میں گم شدگان کو راستہ دکھاتا، وہی مارتا اور چلاتا ہے۔ اور صرف وہی عالم الغیب ہے ان اوصاف میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں مگر شیعہ حضرات حضرت علیؑ کو تمام امور پر قادر و مختار مانتے ہیں۔

علی کا معجزہ اک اک ہے نادری علی کی ذات ہے ہر شے پر قادر

(تاریخ الامم)

(۶) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں۔ اور نبوت کا منصب سب سے اعلیٰ منصب ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں ان کے بارہ خود ساختہ امام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور امامت کا درجہ نبوت سے افضل ہے

(حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۷) دجی یا آسمانی کتاب یا کوئی صحیفہ خدا کی طرف سے صرف انبیاء کرام کو ملتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے علاوہ اور کسی کے اوپر یہ سب چیزیں نازل نہیں ہوتی ہیں۔ اور شیعہ مذہب میں ان کے بارہ اماموں پر بھی دجی آتی رہی۔ اور ان پر خدا کی طرف سے صحیفے نازل ہوتے رہے ہیں۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۸) قرآن کی رو سے تمام دنیا کی ہدایت نبی آخر الزماں سے ہوئی، مگر شیعوہ مذہب میں دنیا کو ہدایت امام مہدی کے ہاتھوں ہوگی۔ یعنی ان کے عقائد کے مطابق وہ آخر زمان میں آئیں گے۔ اور ہدایت، عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیں گے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۹) قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ و تعلیم کی بدولت لاکھوں نفوس کو نومن بنایا۔ لیکن شیعوہ حضرات فرماتے ہیں کہ ۵-۷ آدمی کے علاوہ کوئی شخص بھی آپ پر ایمان نہیں لایا اور جو ۵-۷ ایمان لائے وہ بھی حضرت علیؓ کے واسطے سے اسلام لاتے (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۱۰) مذہبِ اسلام میں یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نبوت اور عصمت آپ پر ختم ہے۔ آپ کے بعد کوئی معصوم نہ ہوگا۔ شیعوہ مذہب یہ کہتا ہے کہ ان کے بارہ امام بھی انبیاء کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۱۱) مذہبِ اسلام میں کسی حکم کو حلال یا حرام کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے انبیاء و کرام کو صرف ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن شیعوہ مذہب میں ان کے بارہ اماموں کو پورا حق حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال بنائیں جس چیز کو چاہیں حرام بنائیں۔ (کافی ص ۱۹)

(۱۲) مذہبِ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت دین ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت نبویؐ جو فتلیں کہے جاتے ہیں ان ہی دونوں کا اتباع دین ہے۔ لیکن شیعوہ مذہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ناممکن اور منسوخ کہتا ہے۔ اور صرف کتاب اللہ اور اہل بیت کے اتباع کو دین کہتا ہے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۹)

(۱۳) مذہبِ اسلام میں تقیہ کرنا (جھوٹ بولنا) اور دین کا چھپانا گناہ اور حرام ہے اور نبوت کے مقصد کے خلاف ہے۔ لیکن شیعوہ مذہب میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ تقیہ کرنا سب سے

بڑی نیکی حتیٰ کہ دین کے دس حصوں سے نو حصے جھوٹ بولنا بتایا گیا ہے۔ اور ان حضرات کے عقیدے کے مطابق انبیاء کرام بھی تقیہ کرتے تھے۔

(اصول کافی ص ۲۲۲ ج ۲)

(۱۴) مذہبِ اسلام میں ہمارے نبی آخرا الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال برحق ہیں۔ ان کی تصدیق ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اور شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ صرف آپ کے وہ اقوال برحق ہیں جو آپ کے آل و اولاد کی درج اور تعریف میں ہیں۔ اور بقیہ آپ کے تمام اقوال و اعمال میں ظاہر داری اور مصلحت کا احتمال ہے۔ (حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۵) مذہبِ اسلام کی رو سے ایمان و ہدایت میں تمام انسان بشمول حضرت علی رضی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں۔ لیکن شیعہ مذہب یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور باقی ائمہ پیدائشی ہدایت یافتہ ہیں اور ایمان و ہدایت میں لوگ صرف ان کے ۱۲ اماموں کے محتاج ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہیں۔ (حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۶) مذہبِ اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ قرآن و حدیث لازم و ملزوم ہیں قیامت تک انہی دونوں چیزوں سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ اور شیعہ مذہب میں قرآن اور اہل بیت لازم و ملزوم ہیں لیکن چونکہ لوگوں نے اہل بیت کو پہنچنے نہ دیا تو لوگ اصلی قرآن کی رہنمائی سے امام مہدی کے ظہور تک محروم ہو گئے۔ یعنی قرآن و حدیث ہر دو سے رہنمائی کی چھٹی ہو گئی۔ (حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۷) مذہبِ اسلام کے عقیدے کے مطابق موجودہ قرآن ہی اصلی قرآن ہے اور لوح محفوظ میں مرتب و موجود ہے۔ شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ موجودہ قرآن کی ترتیب بالکل غلط ہے اصلی اور صحیح ترتیب دیا ہوا قرآن حضرت امام مہدی کے پاس ہے۔

(حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۸) مذہبِ اسلام میں ہے کہ قرآن آسان اور عام فہم کتاب ہے، ہر کوئی اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ (حروف مقطعات وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) لیکن شیعہ مذہب میں یہ ہے کہ قرآن نہایت مشکل اور ناقابلِ فہم کتاب ہے۔ انکے بارہ اماموں کی مدد کے بغیر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اماموں کی حدیث کے بغیر قرآن سے دلیل پکڑنا بھی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (مجالس المؤمنین)

(۱۹) مذہبِ اسلام میں ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس سے عرب و عجم، اپنے اور بیگانے غرض تمام سب لوگ فیضیاب ہوتے۔ شیعہ حضرات کے مذہب میں یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کسی کے دل میں نہ بھیجی اور حضرت علیؓ اور اماموں کے علاوہ کوئی صحابی (بخسزدو کے) اور کوئی قرآن سے ہدایت یافتہ نہ ہو سکا، نہ ہو سکتا ہے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۱)

(۲۰) اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس سے بھی موجودہ قرآن مراد ہے۔ جو لاکھوں حفاظ کرام کے سینے میں محفوظ ہے شیعہ حضرات کا مذہب یہ بتاتا ہے کہ وعدہ خداوندی جس قرآن کے ساتھ ہے وہ مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور وہ امام مہدی (امام غائب) کے پاس ہے اور وہ سب اماموں کو یاد تھا، یہ موجودہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے اس کے لئے خدا نے حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا نہ ہی اس قرآن کا یاد کرنا ضروری ہے بلکہ

(اصول کافی ص ۲۲۵ ج ۱)

لہ قرآن پر عقیدہ رکھنا اہل اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اور ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اہل قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھنا یا اس کے ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے۔ شیعہ حضرات کی متواتر روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس موضوع پر نہایت تحقیقی کتاب "تنبیہ الحائرین" امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب غازی کفری (بقیہ جلد ۱ ص ۱۰۰ پر)

(۲۱) قرآن کی رو سے مذہبِ اسلام میں فرشتوں کو ماننا بنیادی عقائد اور دین و ایمان کے اصول میں داخل ہے۔ شیعہ مذہب میں فرشتوں پر ایمان لانا اصولِ دین میں سے نہیں ہے، ان کے یہاں توحید، امامت، نبوت، آخرت اور عدل پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (حرمتِ ماتم ص ۱۷)

(۲۲) مذہبِ اسلام کی رو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام فرشتے گناہوں سے معصوم اور روزخ میں جانے سے محفوظ ہیں۔ لیکن شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ جب سرتیل دیکھنا میل کے دل میں ذرہ برابر بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی محبت ہوگی تو یہ روزوں جہنم میں جلیں گے۔ (جلاۃ العیون)

(جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶ کا) نے لکھی ہے اب یہ کتاب "شیعہ اور مسترآن" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ امینیہ دہلی، دارالعلوم حسینہ چلہ امرہسہ، مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ، اور گونجسرا والہ پاکستان کے علماء کرام اور مفتیانِ عظام نے شیعوں کا فرہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ فتویٰ اب سے پچاس ساں پہلے شاہی پریس لکھنؤ میں طبع ہو کر دفتر دارالبلغین لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔ - ۱۲

قسط ۷

ایں چہ بو العجمی است

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کے باقی رہنے کی حکمت کے سلسلہ میں دوسری بات یہ ذہن میں آئی کہ اقبال کے آخری شعر سے

بہ مصطفیٰ برسوں خولیش را کہ دیں ہمہ ادست

گر بہ ادتہ رسی ہمہ بو لہبی است

میں ”دطنی قومیت“ کے نظریہ کو ”بو لہبی“ کہا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان اشعار کے ساڑھے نو سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں دنیا کے مطلع پر ”پاکستان“ طلوع ہوگا۔ اور یہ ملک جسے مانگنے والوں نے خدا اور رسول کے نام پر مسلم قومیت کا واسطہ دیکر مانگا۔ اس میں اسی ”دطنی قومیت“ کا سکہ چلے گا۔ جسے اقبال ”بو لہبی“ فرما رہے ہیں اس وقت بو لہبوسوں کے اس ٹولہ میں، جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بیخ پاپے۔ ایک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اس بو لہبی کو اپنانے پر لب کشائی کرے بلکہ سب کی زبانیں اس وقت گنگ ہو جائیں گی۔ اقبال کے ان اشعار کا محفوظ رہنا بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ اقبال کے ہی اشعار اس وقت ”آئینہ بو لہبی“ کا کام دیں گے جس میں ان لوگوں کو ان کا بھیانک چہرہ دکھایا جاسکے گا۔

پاکستان میں اس ”بو لہبی“ کا کس طرح تسخیر ہوا۔ اور اس نے یہاں کیا کیا کھل

کھلائے۔ اس کی ایک دو جھلکیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا، اور اس سے تین دین پہلے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح نے دو قومی نظریہ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ یہ کہانی شاہراہ پاکستان کے مصنف چوہدری خلیق الزماں صاحب سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”سر سید کے بعد نواب محسن الملک نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کر کے اُسے بڑھ

گورنمنٹ سے قبول کرا لیا، گو مسٹر جناح جداگانہ انتخاب کی ۱۹۳۵ء تک ہمیشہ

مخالفت کرتے رہے مگر ۱۹۴۳ء میں انھوں نے بھی مسلمانوں کو ایک علیحدہ

نیشن کہنا شروع کیا۔ اس کا کوئی خاص فرق ہندوستانی سیاست میں اس

دقت تک نہ پڑا جب تک انگریزی اقتدار قائم رہا۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس سے

غیر ممالک میں مسلم لیگ کا مطالبہ زائد صحیح بنیاد پر نظر آنے لگا۔ مگر اس کا اتنا

مہلک اثر مسلم اقلیتوں پر تقسیم ہند کے بعد پڑا کہ اشک پناہ یعنی ۱۵ اگست

۱۹۴۷ء کو چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں نہ پاکستانی تھے اور نہ ہندوستانی

مختلف مذہبی اقلیتیں تو ایک ملک میں رہ سکتی ہیں مگر مختلف نیشنل اقلیتیں

بہ حیثیت شہری کے ملک میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور تمام عربوں کے مسلمان

فوراً تقسیم کے بعد اس کس پیرسی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب مسٹر جناح نے

پاکستان کو دس کروڑ مسلمانوں کا ہوم لینڈ یا وطن کہا تھا۔ تو انہیں مسلمانوں

کے ہندوستان سے انخلا کا سامان بھی ہتیا کر لینا تھا۔ چہ جائیکہ تقریباً نصف

مسلم آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

یہ دو نیشن نظریہ دو قوم نہیں بلکہ نیشن اپنے تمام وسیع معنوں میں تقسیم

ہند کے بعد ان چار کروڑ مسلمانوں کے لئے جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔

بڑا ہولناک ثابت ہوا۔ کیوں کہ ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ نہ پاکستانی

نیشن رہ گئے اور ہندوستانی، جس کی وجہ سے ان پر بڑترین مصائب نازل ہوئے، یکم اگست ۱۹۴۷ء کو مسٹر جناح نے ہندوستان کے اقلیتی نمائندوں سے رخصت ہونے کے لئے ان کو بلوایا، اس موقع پر سید رضوان اللہ سکریٹری یوپی مسلم لیگ اور ممبر کانسی ٹیوٹ اسمبلی نے اقلیتی مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق جناح صاحب سے کچھ بہت ٹیڑھے سوالات کئے جن سے وہ بہت پریشان نظر آئے، اس سے پہلے انھیں اس قدر پریشان میں نے نہیں دیکھا تھا گفتگو کی یہ نوعیت دیکھ کر میں نے اسے ختم کرانا ہی مناسب سمجھا اور رضوان اللہ سے کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسکے بعد ہم سب ان سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ اس گفتگو کا اثر مسٹر جناح پر اتنا گہرا اور عمیق پڑا کہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو بحیثیت ہونے والے گورنر جنرل پاکستان اور پاکستان کانسی ٹیوٹ اسمبلی کے پریسیڈنٹ کے انھوں نے اولین موقع پر دو قومی نظریہ کو اپنی ایک تقریر کے ذریعہ بالکل ختم کر دیا۔ ان کی تقریر یہ تھی۔

”اب اگر ہم پاکستان اسٹیٹ با فراغت اور خوش دیکھا چاہتے ہیں تو ہم کو کلیتہً عوام کی خصوصاً غریب کی خدمت میں لگ جانا چاہئے اگر ہم سب گذشتہ واقعات کو بھلا کر اور اختلافات کو ختم کر کے متحدہ طور سے کام میں مشغول ہو جائیں تو ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ اگر ہم اپنا ماضی بدل ڈالیں اور سب مل کر ایک جہتی سے کام شروع کر دیں۔ خود تم کسی قوم کے ہو۔ خواہ تمہارا آپس کے تعلقات پہلے کچھ ہی رہے ہوں۔ خواہ تمہارا رنگ ذات اور دین کچھ ہی رہا ہو مگر وہ اب ہر صورت سے پاکستان کا شہری ہے۔ جس کے تمام وہی حقوق اور وہی ذمہ داریاں ہیں جو کسی اور کے۔ میں اس سے زائد اور اس پر زدنیں دے سکتا۔ ہم کو اسی جذبہ سے کام کرنا ہے اور تھوڑے عرصے میں اکثریت

اور اقلیت ہندو قوم اور مسلم قوم کے قہقہے ختم ہو جائیں گے۔ کیوں کہ خود مسلمانوں میں پٹھان، پنجابی اور شیخو سنی وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح ہندوؤں میں برہمن دیش کھتری اور بنگالی اور مدراسی وغیرہ یہ سب دور ہو جائیں گے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں یہ مختلف حالات ہار ج رہے ورنہ ہم بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے۔ آپ کسی مذہب ذات یا عقیدے کے ہوں اس کو اسٹیٹ کے کام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہ واضح اور روشن تبدیلی ہمارے سیاسی مسلک میں ایسے وقت آئی جب کہ لاکھوں مسلم جاہلی جاچکی تھیں اور لاکھوں کی نوبت آرہی تھی اور اس سے زائد یہ کہ لاکھوں خاندان اور افراد اپنے آبائی وطن اور ماحول کو خیر باد کر کے پاکستان کی طرف چل پڑے تھے۔ (شاہراہ پاکستان صفحات ۹۴۲ تا ۹۴۴)

محمد علی جناح کے مصنف نے قائد اعظم کی تفسیر کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔
 ”اب تم سب آزاد ہو اور پاکستان میں تمہیں اس بات کا پوری آزادی ہے کہ اپنے مندروں اور سجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جا کر اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرو۔ ہمارا یہ بنیادی اصول ہے کہ ہم سب ایک مملکت کے شہری اور مساوی حقوق کے مالک ہیں۔ یہ اصول مذہب معتقدات اور ذات پات کے امتیاز سے بالاتر ہے، اگر ہم سب اس اصول کو اپنا معیار بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصے بعد نہ ہندو ہندو رہیں گے۔ نہ مسلمان مسلمان اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم نہ رہیں گے مطلب یہ ہے کہ سیاسی اعتبار سے اور پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہوں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے یہ ہر فرد کے ذاتی

اعتقاد کا معاملہ ہے۔“ (محمد علی جناح ص ۱۹۱) ناشر مرکزی مآخذ دیوبند لاہور
 (بجوالہ انہامۃ الرشیدہ“ سماجی فال“ مدنی و اقبال نمبر)

یہ وہی بات ہے جو حضرت مدنیؒ نے فرمائی تھی، اور جسے اقبال نے

عزاد نہ رکھی ہمہ بولہمی است۔

فرمایا۔ البتہ حضرت مدنیؒ کے بیان میں اور بانی پاکستان کے اعلان میں چند وجوہ سے فرق تھا۔

الف۔ حضرت مدنیؒ "وطنی قومیت" کو اہل تہذیب کے طور پر بیان نہیں فرما رہے تھے بلکہ دورِ جدید کا نظریہ قومیت نقل فرما رہے تھے۔ جب کہ بانی پاکستان "وطنی قومیت" کو بطور اصول کے پاکستان میں نافذ فرما رہے تھے۔

ب۔ حضرت مدنیؒ "وطنی قومیت" کے مغربی ہتھیار کو خود مغرب ہی کے خلاف استعمال کرنے اور اس کے ذریعہ غلام ہندوستان کو آزاد کرانے کی دعوت دے رہے تھے۔ اور بانی پاکستان ایک نیا قوم اور آزاد اسلامی مملکت کو، جو صرف اسلام کی خاطر حاصل کی گئی تھی۔ "وطنی قومیت" کی یہ جگہ گھٹی دے رہے تھے،

ج۔ حضرت مدنیؒ اس نظریہ کو متحدہ ہندوستان میں پیش فرما رہے تھے، اور اس کے ذریعہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کو ہندوؤں کی اکثریت کے برابر کھڑا کر کے انہیں دیگر مسلم وطنوں کے مساوی حقوق دلانا چاہتے تھے۔ جبکہ بانی پاکستان ایک اسلامی ریاست میں، جو صرف مسلم قومیت کی بنیاد پر حاصل کی گئی تھی۔ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنے اور ان کو مساوی حقوق دینے کا اعلان فرما رہے تھے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے غیر مسلم ذمیوں کے لئے ان شرعی حقوق کا اعلان کیا جاتا، جو شریعت اسلامیہ نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر پاکستان میں بھی غیر مسلموں کو تمام حقوق میں مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنا تھا تو بوجھنے والا یہ دریافت کر سکتا تھا کہ پھر آپ نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا تکلف ہی کیوں فرمایا تھا۔ انگریزوں نے ایک طرف حضرت مدنیؒ کے موقف کو رکھتے اور دوسری طرف بانی پاکستان کے اس اعلان کو۔ اور ان دونوں کا فرق و تضاد

ملاحظہ فرمائیے ع ”بہیں تفاوتِ راہ از کجا است تا کجا“
 اگر حضرت مدنیؒ کا وہ نعتیہ اقبال کے نزدیک بولہبی تھا، تو تازہ اعظم کے
 اس اعلان کو کیا نام دیجئے گا؟ لیکن گز گز کی جوز بائیں حضرت مدنیؒ کے خلاف کھل
 تھیں، اقبال کا شعر اپنے والی زبانوں نے بانی پاکستان کے بارے میں بھی کوئی جنبش
 کی؟ اور پاکستان کی جنم گھٹی ”میں جو وطنی قومیت شامل کی جا رہی تھی کیا کسی کو اس پر
 ذرا بھی ملال ہوا؟ اگر حضرت مدنیؒ (نعوذ باللہ) ہندوؤں کے ایجنٹ تھے تو بانی پاکستان
 کس کے ایجنٹ تھے؟ کیا پرستارانِ اقبال، اقبال کے پیش کردہ ”آئینہ بولہبی“
 میں اپنا منہ دیکھنا پسند کریں گے؟

۲۔ مملکتِ خداداد پاکستان کی پہلی کابینہ تشکیل دی گئی تو اس میں ایک وزیر ہندو
 تھا یعنی مسٹر جوگندر ناتھ منڈل، اور ایک سڑا ہوا قادیانی مسٹر ظفر اللہ خاں تھا
 جس نے بانی پاکستان کا جنازہ تک نہیں پڑھا، اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی
 گئی تو کہا،

”آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں، یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر“

(ملتِ اسلامیہ کا موقف ص ۴۳)

پاکستان کا پہلا چیف جسٹس ایک عیسائی ”کارٹیس“ کو بنایا گیا۔ اور افواج کا کمانڈر
 انچیف ایک انگریز کو۔ جب اب تک سول اور فوج کے نازک اور حساس مناصب
 پر قادیانی، عیسائی، ہندو، دہریے، اور رافضی فائز چلے آتے ہیں۔ فرمایا جائے کہ یہ اقبال
 کے الفاظ میں ”بہ مصطفیٰ برسوں خویش را“ کا مظاہرہ تھا۔ یا ”ہم بولہبی است کا؟“
 کیا حضرت مدنیؒ کے کسی ناقد کو اقبال کے پیش کردہ اس ”آئینہ بولہبی“ میں اپنی
 شکل دیکھنے کی بھی کبھی توفیق ہوئی؟

۳۔ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا ”قومی پارٹی پورٹ“ جاری کیا گیا تو اس میں

”قومیت“ پاکستانی“ کا اندراج کیا گیا ”مسلم قومیت“ کا سرے سے تصور ہی نہ تھا۔ اور پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ہی غائب تھا۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ پاکستان میں قومیت کی بنیاد صرف وطن ہے۔ ریاست کو باشندگان مملکت کے مذہب و ملت سے کوئی سروکار نہیں۔ بعد میں قادیانیوں کی شناخت کے لئے علمائے کرام کے مطالبہ پر پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بڑھایا گیا۔ لیکن قومیت پھر بھی وہی پاکستانی رہی۔

کیوں صاحب! یہ نظریہ کہ ”اس زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں“ تو حضرت مدنیؒ نے مغربی اقوام کے حوالے سے نقل کیا تھا۔ جس پر آپ نے حضرت مدنیؒ کو منہ بھر کر گالیاں دیں تھیں۔ اور شاعرِ ملت علامہ اقبال نے چھوٹے ہی حضرت پر ”چہ بے خبر از مقام محمد عربی است“ اور ”ہمہ بولہبی است“ کے فتوے صادر فرمادیئے تھے، یہ آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے مملکت خداداد پاکستان میں حضرت مدنیؒ کا نقل کردہ مغربی نظریہ قومیت اپنالیا۔ اور یہاں سے تمام شہریوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت ایک ہی قوم بنا دیا۔ جس کی رو سے مسلم، ہندو، سکھ عیسائی، یہودی، پارسی، تادیانی وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی قوم قرار پائی، اگر یہ اقبال کے بقول: ”مقام محمد عربی سے بے خبری“ اور ”ہمہ بولہبی“ تھی تو آپ کے لئے پاکستان میں یہ بولہبی کیسے حلال اور طیب ہو گئی، جس کی رو سے مولانا شاہ احمد نورانی اور لالہ جگن ناتھ ایک ہی قوم قرار پائے، علامہ اقبال مرحوم کے فرزند گرامی قدر جناب جسٹس جاوید اقبال اور سردار بلونت سنگھ ایک ہی قوم کے دو فرد بن گئے۔ جناب محمد صنیف رائے اور مرزا طاہر قادیانی کی ایک ہی قوم بن گئی؟ کیا حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے ناقدین کو اس آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آئے گا؟ اور انھیں اس سے کچھ عبرت ہوگی؟ ع ”حذر اے چہرہ داستان سخت ہیں فطرت کی تعزیریں“

ہم — پاکستان میں، ہاں اسی پاکستان میں، جو صرف اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا تھا۔ جب مسلم قومیت کے تصور کو کچل دیا گیا۔ اور اس کی جگہ وطنی قومیت، کو جسے اقبال نے ”بلوہی“ کہا تھا۔ بطور ایک عقیدہ اور نظریہ کے اپنا لیا گیا تو اس ”بلوہی“ نے پر پرزے نکالے اور پاکستانی قومیت کی جگہ یہاں الگ الگ وطنی تشخصات ابھرنے اور صوبائی بنیاد پر مختلف قومیتوں کے نعرے لگنے لگے۔ سب سے پہلے ”بنگلہ قومیت“ کا فتنہ اٹھا، جس کے نتیجے میں نہ صرف ملکِ دولت ہوا۔ بلکہ مسلمانوں پر وہ قیامت بیت گئی۔ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور جس کی وجہ سے آج تک انسانیت کا سرشرم سے جھکا ہوا ہے ”بنگلہ قومیت کے مطابق مشرقی پاکستان کے ہندو مسلم ایک قوم تھے۔ اور شرقی و مغربی پاکستان کے مسلمان دو قومیں، اس کے بعد سندھی، بلوچی، افغانی اور پنجابی قومیتوں کے نعرے لگے۔ پھر مہاجر قومیت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ”وطنی قومیت“ کا یہ دیو عریاں رقص کرنے لگا۔

حال ہی میں کراچی اور حیدرآباد میں قومیت کے عفریت نے جو تباہی مچائی۔ اور زندگی و شیطنت کے جو مظاہرے کئے انھیں دیکھ کر شاید ابلیس بھی شرمندہ ہوگا اب ہر چہار سو ”وطنی قومیت“ اور صوبائی ذہنیت کے نعرے لگ رہے ہیں۔ اور یہ ”بلوہی“ ذہنوں پر اس طرح مسلط ہے کہ نہ کسی کو اپنے دین و ایمان کا پاس ہے، نہ ملک و ملت، نہ اسلامی اخوت کا احساس ہے، نہ خالق سے حیاء نہ مخلوق سے شرم۔ بدستان قومیت پورے ملک کی سطح پر سوچنے اور قوم و ملک کا مفاد پیش نظر رکھنے سے عاری ہو چکے ہیں، اپنے محدود مفاد کی خاطر پاکستان کو توڑنے کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ اور وہ قومیت کے جنون اور مدہوشی میں کسی شریف آدمی کی بات سننے کیلئے بھی کادہ نہیں۔ مگر اسے باوہتبا این ہمہ آوردہ تست

جب روزِ اول ہی سے پاکستان کی بنیاد "مسلم قومیت" کے بجائے "وطنی قومیت" پر رکھ دی گئی تو اس کے نتائج اس کے سوا اور کیا ہو سکتے تھے! غیریت سید عطار اشرف شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

"آج ہم کہتے ہیں نہ بناؤ۔ تم ہماری نہیں ملتے، ایک وقت آئے گا

جب ہم کہیں گے نہ توڑو، اس وقت تم ہماری نہیں سنو گے"

"قلندر ہر چو گوید دیدہ گوید" اس مرد قلندر کی یہ بات واقعہ بن کر ہماری آنکھوں

کے سامنے ہے۔

الغرض دوسری بات جو ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اقبال کے قلم زد کردہ اشعار کو ضائع ہونے نہیں دیا۔ کیونکہ اقبال کے اعلانِ رجوع سے حضرت مدنیؒ کا دامن تو پاک ہو چکا تھا۔

ظ " زینحانے کیا خود پاک دامن، ماہ کنعاں کا"

اس لئے ان اشعار کا باقی رہنا حضرت مدنیؒ کو مضر نہیں تھا، بلکہ خود اقبال کے لئے رُوح کی بے قراری و شرمساری کا سامان تھا۔ لیکن قدرت کو منظور تھا کہ جو لوگ آج حضرت مدنیؒ کی توہین کر کے "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" اور "پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ" کے گیت گارہے ہیں۔ کل جب اقتدار ملنے کے بعد یہ لوگ ایں ہمہ بولہبی است! کا راستہ اختیار کریں گے تو اقبال! کے آئینہ بولہبی! میں ان کو اپنی تصویر دکھائے جاسکے۔ اور خدا کی بے آواز لاشیں ان سے حضرت مدنیؒ کا انتقام لے سکے حدیثِ قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں

من عاذی لی وثیاً فعتد
جو شخص میرے کسی دلی سے ملامت رکھے
مذمتہ بالحروب (شکوہ میں!)
میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں

”حضرت مدنیؒ اپنے دور کے ولی کامل بلکہ سرگروہ اولیا اللہ تھے، پاکستان کی بنیاد ہی ان کی توہین اور گستاخی پر رکھی گئی۔ اور آج تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، گویا یہ لوگ خدا تعالیٰ سے مسلسل جنگ لڑ رہے ہیں، کاشش؛ کوئی دانشمندان کو فہمائش کرتا کہ آپ لوگ ایک مقبول بارگاہ الہی سے عداوت کر کے کب تک خدا تعالیٰ سے جنگ لڑتے رہیں گے؟ راقم الحروف نے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ انھیں ”حضرت مدنی قدس سترہ سے غایت درجہ کی عقیدت و ارادت تھی، اور ان کے بیحد مذاح تھے۔ ہمارے ملک پر جو آفات و بلیات کا نزول متواتر ہو رہا ہے اس کا باطنی سبب حضرت بنوریؒ کے نزدیک یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت مدنی قدس سترہ کی بڑی توہین کی ہے اور انھیں ایذا میں پہنچائی ہیں، جب تک کہ اس جسرم سے توبہ نہ کی جائے اور اس کی معافی بارگاہ و قدس سے نہ مل جائے تب تک اصلاح احوال کی کوئی صورت نہیں ہے۔“

(بینات، بنوری نمبر ص ۸۱)

ناکارہ راقم الحروف کو حضرت مدنیؒ کے مرتبہ و مقام عالی کی معرفت کا دعویٰ نہیں کہ مقام نبوت کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور مقام دلایت کو دلی کے سوا کوئی دیکھتا نہیں پہچانتا۔ دلی راوی می شناسد، مشہور مقولہ ہے۔ لیکن عمر جوں جوں دھلتی جا رہی ہے۔ حضرت بنوریؒ کے مندرجہ بالا ارشاد پر یقین و اذعان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ میں یہاں کے اربابِ حقل و عقدہ، اہل فکر و دانش، اصحابِ قلم اور عوام و خواص کی خدمت میں نہایت اخلاص و دل سوزی سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مدنیؒ کی توہین و بے ادبی کا بہت خمیازہ بھگت چکے ہیں۔ خدا را یہ سلسلہ اب بند کر دیا جائے۔ جس شخص نے بھی اپنی زبان و قلم کو حضرت مدنیؒ کی بے ادبی سے بکودہ کیا، اس نے اپنی عاقبت بربادی کا سامان کیا۔ ابھی وقت ہے اس جسرمِ عظیم سے پوری

تو توبہ کرے۔ اور اثنین اقبال کا فرض ہے کہ حضرت مدنیؒ کی خاطر نہیں تو کم از کم
روح اقبالؒ کی تسکین کے لئے اقبالؒ کے متعلقہ اشعار کو اردنجانِ حجاز سے حذف
کر دیں۔ اور اگر یہ کسی وجہ سے ممکن نہیں تو کم سے کم ان پر یہ نوٹ ہی لکھ دیں کہ اقبالؒ
نے وفات سے تین ہفتہ قبل ان سے رجوع کر لیا تھا۔ امید ہے کہ میرے اس خیر خواہانہ
پیغام پر اربابِ حلقہ و عقد بھی کان دھریں گے۔ اربابِ خاتمہ و قسطاس بھی، اور خداوندِ عالم
والصاف بھی۔ — ورنہ

ع " برسوں بلاغ باشد و بس "

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ، فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ
وَلِيُّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَبِالْحَقِّ وَالْحَقُّنِ بِالصَّالِحِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ صَفْوَةِ الْبَرِيَّةِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

نظامِ امارتِ فی الہند کی مختصر تاریخ

از۔ مولانا حبیب الرحمن قاسمی

احیاءِ دین، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام و فرمان کے نفاذ و اجراء کے لئے نظامِ امارت و تنظیمِ جماعت کی ضرورت و اہمیت کو ہمارے اسلاف نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ حالات نے جب بھی اجازت دی حسب استطاعت اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ جدوجہد کی ہے۔ اور احوال و ظروف کے مطابق توفیق ایزدی مکی و مدنی دونوں عہد کی سنتوں کو زندہ کر دکھایا ہے۔ آئندہ صفحات میں اکابرِ عظیم الشریک اسی انقلابی جدوجہد کی مختصر تاریخ پیش کی جا رہی ہے۔ انشا اللہ اس کے مطالعہ سے شبہات کے پردے ہٹیں گے۔ خدشات کے زخم مندمل ہوں گے مسافرانِ منزل کو حوصلہ ملے گا۔ اور اس راہ کی صعوبتوں کے تصور نے جن کی ہمتیں پست کر دی ہیں۔ ان میں بھی قدم سے قدم ملا کر چلنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

امارتِ شریعیہ کی تاسیس و | قیامِ امارت کی ضرورت علامتے اسلام نے
اسی وقت محسوس کر لی تھی جبکہ ہندوستان کی
سلم حکومت کا جسراغِ مفلس کے دینے کی طرح عثمان نے لگا تھا۔ چنانچہ اس عہد کے

جماعتِ عمار کے سربراہ اور خاندانِ ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرب و قیامِ امارت اسی احساس کا جراثیمدانہ اظہار تھا۔ اور اس فتویٰ کو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار جس جماعت نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا وہ بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی ساختہ پر داختہ تھی۔ یعنی حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور آپ کے رفقاء کار۔ اس اجمال کی تفصیل جناب غلام رسول مہر کی زبانی سنئے۔ مہر صاحب لکھتے ہیں۔

۱۔ سید صاحب سرحد شریف لاتے تھے تو آپ کو یقین ہو گا کہ شرع شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیت پر فداکاری میں اہل سرحد مسلمانان ہند سے فائق و برتر ہو گئے۔ لیکن یہاں پہنچ کر ڈو برس تک ایک ایک طبقے کے احوال و مراسم دیکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رسمی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا کہ اس وقت اہل سرحد کی زندگی جاہلیت کے لواٹھ سے آلودہ تھی لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرحد مسلمانان جہاد کے ساتھ ساتھ انھیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب کے اقامتِ شریعت کی بیعت بھی لی جائے۔ چنانچہ ان کی اصلاح و تنظیم کے سلسلے میں یہ دوسرا قدم تھا۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق کام کا آغاز کر دیا گیا اور منفرد ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا لیکن اصل عزمِ انفرادی قبول و پذیرائی سے پوری نہیں ہو سکتی تھی ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے طہار و اکابر کا اجتماع ضروری تھا۔ اس اجتماع کیلئے حوزہ نظام پختار سمجھا گیا۔ چنانچہ سید صاحب اپنی جماعت کے ساتھ رئیس پختار فتح خان کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی بیعتِ شریعت کے لئے دعوت عام کا سلسلہ شروع کر دیا اس سلسلے میں آپ مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے

اور علماء و اکابر کو جمع کر کے پابندی احکام اسلام کی ہدایت کرنے اور صل اور وفادار
 نصیحت کے ذریعہ سے قبول عام کا جذبہ بیدار ہو گیا تو فیصلہ ہوا کہ پختار میں اجتماع عظیم
 منعقد کیا جائے۔ جس میں سرحد کے ہر حصے سے علماء و خواتین شریک ہوں یکم شعبان
 ۱۳۸۶ھ (۶ فروری ۱۹۶۷ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا۔

خواتین و اکابر کے علاوہ ڈوہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے۔ اتنے ہی ان کے
 تلامذہ تھے (بعض مکاتیب میں ہے قریب ہزار علماء و طلبہ) اس اجتماع میں سید صاحب
 نے ایک افتتاحی تقریر فرمائی جس کے آخر میں پختار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ
 ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مان لیجئے ورنہ اتحاد کارشتہ کٹ جائے گا
 میں خدائے عزوجل کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ میری خواہش اس کے سوا کچھ نہیں
 کہ سب لوگ احکام الہی کے فرمانبردار بن جائیں۔

تقریر پوری کر کے سید صاحب خود مجمع میں سے اٹھ گئے۔ علماء آپس میں
 مشورے کرتے رہے آخر اس فیصلے پر پہنچے کہ "نظام شرعی کا قیام" لازم ہے
 نماز جمعہ کے بعد سب سے سید صاحب کے ہاتھ پر "اقامت شریعت" کے لئے بیعت کی

بیعت کے بعد ایک استفتاء علماء کی
استفتاء اور اس کا جواب خدمت میں پیش کیا گیا جس کا مضمون

یہ تھا کہ "اگر کوئی شخص امام کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے آپ پر لازم
 کر لینے کے بعد خدمت دین اور جبرائے شوع مبین کے سلسلے میں امام کے
 کسی حکم کو رد کر دے اور مخالفت پر کر بستر ہو جائے، بلکہ جدال و قتال میں لگا
 شامل نہ ہو تو اس کے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟
 علماء نے فرمودہ فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا اس کے مطلب کا

خلاصہ یہ تھا۔

- ۱۔ اثبات امامت کے بعد حکم امام سے سر تابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔
- ۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا امتیاع ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام کے حکم کو بزور مخالفوں پر نافذ کریں۔
- ۳۔ اس معرکے میں لشکر امام سے جو شخص قتل ہوگا وہ شہید سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود دہاری تصور ہوں گے۔

اس فتوے پر علمائے سرحد میں سے پچیس افراد کے دستخط تھے۔ رجن

کے نام سیرت احمد شہید میں مرقوم ہیں (

اصلاح عام | غالباً ۱۵ ارب شعبان ۱۳۲۲ھ کو جمعہ کے دن (۲۰ فروری ۱۹۰۴ء) پھر ایک اجتماع ہوا جو فتح خاں رئیس پنجتار کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعت کی ترغیب دی اور انھوں نے بطیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کرنی پھر مختلف علاقوں کیلئے سید صاحب نے قاضی مقرر فرمادئے۔ مولوی سید محمد جان کو قاضی القضاة بنایا گیا۔ ملا قطب الدین ننگر ہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ ادریس تھنچی ان کے ساتھ مقرر کئے گئے وہ قریہ قریہ اور دیہ دیہ دورہ کرتے رہے۔ جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے اس کا انداد کرتے۔

نظام امارت کا اثر | رادیوں کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں پورے علاقے کی نظام امارت کا اثر پایا پٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کر لی پتہ داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ اگر ملا قطب الدین کے آدمی دوسرے کام کے سلسلے میں بھی کسی گاؤں میں جلتے تو گاؤں والے دوڑے ہوئے آتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہتا۔

ایک سوال کیا بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیارات فرمائروائی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بیعت اقامت نے سید صاحب کو نظم و قوائے جہاد کا مجاز بنایا تھا۔ بیعت اقامت شریعت کی رو سے وہ اجزائے احکام شرعی کا مرکز بن گئے۔ رؤسا و خواتین پر صرف اس حد تک پابندی عائد ہوتی جو از روئے شریعت حقه ضروری تھیں لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔ (میرت احمد شہید ج ۲ ص ۸۳ تا ۸۷ و سید احمد شہید ج ۲ ص ۱۵۵ تا ۱۶۵)

ضرورتی تنبیہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ بیعت شریعت، بیعت جہاد سے الگ ہے۔ چنانچہ فلام رسول ہر صاحب نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ وہ بیعت جہاد کی بحث کو ختم کر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض سواخ نگاروں نے بیعت امامت جہاد اور بیعت اقامت شریعت کو مخلوط کر دیا ہے۔ حالانکہ دونوں بیعتیں الگ الگ موقعوں پر ہوتی تھیں۔ امدان میں کم و بیش دو سال دو مہینے کا فصل ہے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۸۰) س

(۲) نظام امارت کی دوبارہ تاسیس حضرت امام سید احمد شہید کے واقعہ شہادت (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ)

کے بعد باقی ماندہ مجاہدین نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو (جو امام شہید کے مخصوص احباب میں تھے) اپنا امیر بنالیا پھر ۱۲۲۷ھ میں جب شیخ نصیر الدین دہلوی داماد حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی و حضرت حاجی امداد اللہ سہاجر مکی کے مرشد اول، ہجرت مجاہدین کے مرکز استھانہ پہنچے تو تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور انھیں اپنا امیر منتخب کر لیا۔ لیکن مجاہدین کی جماعت میں حضرت امام شہید کی غیبت و رجعت کے حدید نظریہ کی وجہ سے اجتماعیت قائم نہ رہ سکی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شیخ نصیر الدین دہلوی نے اگرچہ ان کے انتشار و اختلاف کے دور کرنے کی

بہت کوشش کی مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کی بنا پر اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کا وہ سلسلہ جسے امام شہید نے جاری فرمایا تھا اور ان کی شہادت کے بعد منقطع ہو گیا تھا۔ دوبارہ شروع نہ ہو سکا۔ مجاہدین کے اسی انتشار کے زمانہ میں مولانا نعیر الدین دہلوی کا ۱۲۵۶ھ میں انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد مجاہدین کی قیادت و سیادت کی ذمہ داری مولانا دلایت علی صادق پوری نے سنبھالی۔ چونکہ نظریہ غیبت و رجعت کے مولانا زبردست حامی اور مؤند تھے اور عقیدہ کی رُو سے امام شہید کے ظہور کے بعد انہیں کی معیت میں جہاد کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے ان کے عہد امارت میں بھی حضرت امام شہید کے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی جو ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے انہیں ہندوستان میں دوبارہ اس بابرکت جدوجہد کو دوبارہ شروع کئے جانے کی بڑی تمنا تھی۔ اور اس کی تدبیروں پر اکثر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بغرض حج زیارت حرمین شریفین پہنچے اور تقریباً ۲۰ سال اس ارض مقدس میں مقیم رہے۔ اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی مجلس میں حاضری اور ان سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے انہیں جوہر قابلِ پا کر ان کی تربیت کی جانب خصوصی توجہ فرمائی اور ہندوستان میں انقلابی جدوجہد کی ہدایات دیکر واپس بھیجا چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے انہیں خطوط پر جن کی ہدایات "شاہ صاحب" نے فرمائی تھیں ہندوستان آکر استاذ الکل مولانا مملوک علی، مولانا مظہر حسین کاندھلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے اشتراک و تعاون کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

(ماخوذ از التہذیب لتعرف ائمۃ التجدید۔ تالیف مولانا عبید اللہ سندھی ص ۷۲، ۷۳، ۷۴)

بالآخر ۱۹۷۴ء میں جب کہ برطانوی سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف برسوں کی سنگتی ہوئی آگ لادابن کر پھوٹ پڑی تو ان تافلہ ولی اللہی کے مسافروں نے جو سالوں سے سامان سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے تھانہ بھون کی ایک مسجد میں بیٹھ کر طے کیا کہ اب دقت آگیا ہے کہ زمین اشترکی، حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی کا، کے جھوٹے دعوے کے خلاف اعلان کر دیا جائے کہ زمین اشترکی، حکومت اشترکی اور حکم اشترکا، ظاہر ہے کہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا بلکہ ایک ایسی جاہر و قاہر حکومت کے خلاف اعلان جنگ تھا جس کی وسیع سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک تنظیم کے تحت یہ انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ مزید غور و فکر کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تقانوی رحمۃ اللہ علیہ بحالت موجودہ اس اقدام کے شدید مخالف تھے۔ تھانہ بھون کی اسی مسجد میں ایک بار پھر مجلس شوریٰ کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھے۔ اس مجلس شوریٰ کا انعقاد کس تاریخ کو ہوا۔ ارباب حل عقد میں سے کتنے حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان تفصیلات سے تاریخ کا دامن خالی ہے، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کے بیان سے صرف درج ذیل اکابر کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، (۲) حضرت حافظ ضامن شہید صاحب (۳) حضرت مولانا شیخ محمد صاحب (۴) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب (۵) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب۔ اول الذکر تین اکابر تو تھانہ بھون ہی میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ آخر الذکر ہر دو بزرگوں کو ان کے گھر دل سے بلا یا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے کی کارروائی کی تفصیل خود حضرت مدنی قدس سرہ ہی کی زبانی

سنا جائے کیونکہ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی آپ کی قد آور شخصیت تھی۔ اس لئے ان سے زیادہ صحیح رپورٹ کون دے سکتا ہے۔ حضرت مدنی تحریر فرماتے ہیں جب ہردو حضرات (مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما) پہنچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر

گفتگو ہوئی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب کے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا (چونکہ وہ چچا پیر تھے اس لئے ہمیشہ ان کا ادب کیا جاتا تھا) حضرت کیا وجہ ہے کہ دشمنانِ دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں، ہم بالکل بے سرد سامان ہیں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزہ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن ڈبھید، صاحب نے فرمایا کہ بس مولانا سمجھ میں آگیا اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔

حضرت حاجی صاحب کی امارت پر بیعت اور تنظیم کی تشکیل حضرت حاجی املا داد صاحب

حجۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو مہتمم و میسرہ افواج کے دائیں و بائیں بازو کا افسر قرار دیا گیا۔

عام مسلمانوں کی اطاعت گزاری | چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے علم و تقویٰ و تصوف اور تشریح کا بہت زیادہ شہرہ تھا ان حضرات کے اخلاص اور لٹہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر

تھے، ہمیشہ سے ان کی دین داری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا.....
..... مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے تھانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے گئے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۲۲، ۲۳)

اس نظام امارت کا ذکر مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید میں کیا ہے مگر تذکرۃ الرشید ایسے زمانہ میں ترتیب دی گئی ہے جب کہ واقعہ کو اسکے اصل رنگ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے مولانا میرٹھی نے اجمال و توریہ سے کام لیا ہے۔ ضرورت تھی کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بات و دھات کے ساتھ حاشیہ ہی میں صحیح بیان کر دی جاتی مگر ناشروں کی سہل انگاری سے ایسا نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ اس مجل اور تالیف و توریہ کے پردے میں کہی گئی بات کو آخذ نہیں بنایا جاسکتا۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی سوانح قاسمی بروایت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اس کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام اور حضرت قاری صاحب کے بیانات میں جزوی اختلافات پایا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی شہور تصنیف التہذیب کے صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہندی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مجھ سے بیان کیا تھا مگر حضرت شیخ الہندی نے کیا تفصیلات بیان کی تھیں۔ مولانا سندھیؒ اس سے بالکل خاموش ہیں کاش کہ مولانا ان تفصیلات کو بیان کر دیتے تو ممکن تھا کہ اس واقعہ سے متعلق کچھ مزید باتیں منہ شہود پر آجاتیں۔
بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور مجاہدین حریت کی ناکامی کے بعد اس نظام امارت کا فیروزہ بھی منتشر ہو گیا۔ جس کی تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں بالخصوص نقش حیات میں

دیکھی جاسکتی ہیں۔

تنظیم جماعت کی تیسری کوشش

اس ناکامی کے بعد اگرچہ حضرت شیخ الہند اپنے پورے عہد میں "ثمرۃ الترمیت، جمعیتہ الانصار،

نظارۃ المعارف اور ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ اسی متاعِ گم شدہ کی بازیافت میں کوشاں رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک کا ردِ عمل اتنا سنگین تھا کہ اس دور میں دین و مذہب کے نام پر کسی تنظیم کی تشکیل تو دور کی بات ہے۔ زبان پر اس کا نام لانا بھی جُرمِ عظیم تھا۔ اس لئے باقاعدہ طور پر نظامِ اہل بیت کا قیام تو اس زمانہ میں نہیں ہو سکا۔ پھر بھی حضرت شیخ الہند اپنے مخصوص اور معتمد تلامذہ اور متوسلین سے خفیہ طور پر احیاءِ دین کے لئے جدوجہد پر بیعت لیتے رہتے تھے۔ بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا ندھلویؒ بھی انھیں معتمد تلامذہ کی فہرست میں شامل تھے جن سے یہ معاہدہ شرعی ہوا تھا۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، لیکن آہستہ آہستہ جب شکوک و شبہات کے بادل کچھ چھٹے یا بالفاظِ دیگر جب مجاہدینِ حریت کے پے درپے حملوں سے برطانوی سامراج کی قوت میں اضمحلال پیدا ہو گیا اور اسیرانِ ظلم و ستم کو کسی حد تک امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا تو ۶۳ سال کے طویل عرصہ کے بعد ۱۹۲۲ء میں اسی بوڑھے مجاہد اچھے درازی عمر کثرتِ امراض اور ماٹھا کی تقریباً تین سالہ قید و بند کی صعوبتوں نے چار پائی پر ٹاڈ دیا تھا۔ لیکن اس کے حوصلے جوان اور عزمِ بلند تھے، کی یہ آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے۔ میری چار پائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ لے چلو پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ لیکن بُرا ہو ہم عصری کی چشمک اور منافست کا کہ غیروں نے نہیں بلکہ خود انہوں نے اس صدائے حیات افزا کو سنی ان سنی کر دیا۔ حضرت سہبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اپنی ایک تحریر میں اسی تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اگر علماء میں مداہنت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں ارباباً جن دون اشرف

بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی امیر کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی حقیقی برکات سے متعمق ہوتا۔ ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا، (حیات سجادہ منشا) فقہ مختصر جب جمعیت علماء کے دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند جسی عظیم وہمہ گیر شخصیت کی موجودگی ادران کی شدید خواہش کے باوجود علمائے ذی مراتب امیر الہند کے انتخاب پر آمادہ نہیں ہوئے۔ تو مولانا ابوالحسن نے اپنی بصیرت سے اسی وقت بھانپ لیا کہ امیر الہند کا مسئلہ جلد طے ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے صوبائی پیمانے پر نظام امارت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور اپنے صوبہ بہار میں اس کی داغ بیل ڈالنے کی ہم شروع کر دی۔ چنانچہ ۲۳/۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ (۲۱/۲۲ مئی ۱۹۲۱ء) کو درجنگہ میں جمعیت علماء صوبہ کے اجلاس عام کے موقع پر یہ تجویز منظور کی گئی۔

» صوبہ بہار داڑیسہ (اس وقت اڑیسہ مستقل صوبہ نہیں بنا تھا بلکہ صوبہ بہار ہی کا ایک جزو تھا) کے محکمہ شرعیہ کے لئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محکمہ شرعیہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کیلئے واجب العمل ہو۔ نیز تمام علماء و مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت و حفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں۔ جو سمع و طاعت کی بیعت ہوگی۔ جو بیعت طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم چیز ہے۔ جمعیت متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر کیلئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بقام پٹنہ وسط شوال میں کیا جائے «

(تاریخ امارت ص ۵۸، ۵۹)

حسب تجویز ۱۸/۱۹ شوال ۱۳۳۹ھ (۲۵/۲۶ جون ۱۹۲۱ء) کو سیالپور پتھر کی مسجد میں مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مولانا آزاد سیاحی اور مولانا سبحان خاں کے علاوہ سو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء شریک تھے۔ چنانچہ اسی اجلاس کی

دوسری نشست میں بالاتفاق شرکائے اجلاس مولانا شاہ بدرالدین پھلواردی کو امیر شریعت صوبہ بہار اور مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۶ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا جس میں باقاعدہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا سلسلہ محمد نثر آج تک جاری ہے اب تک یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر چار امراء کا انتخاب ہو چکا ہے اور یہ سب جمعیت علماء ہی کی نگرانی میں ہوا ہے۔ فاطمہ نثر علی ذالک۔

صوبہ بہار میں انتخاب امیر اور نظام امارت

۴- ایک اور صوبہ میں امیر کا انتخاب

کے قیام کے بعد، حضرت مولانا احمد علی

لاہوری قدس سرہ کی انجمن خدام الدین، کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء کے موقع پر جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین علی پھر ادال، حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خاں، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک تھے۔ حضرت محدث کشمیری کی تحریک پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور پہلی بیعت خود حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نے کی تھی۔ اس کے بعد بیعت عامہ ہوتی (ماہنامہ الرشید، ساہیوال شمارہ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ)

اس امارت کے متعلق اس سے زیادہ معلومات پر سردست دسترس حاصل نہیں ہوئی۔ یہ ہے ہندوستان میں نظام امارت کے قیام کی مختصر تاریخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اس شرعی ذمہ داری سے عہدہ برائے ہونے کی ہر دور میں حسب استطاعت جدوجہد فرمائی ہے۔ (خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک جلینت را)

انظر تعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور حوصلہ

عطا فرمائے۔

آتا ہے اور شدید حرف آتا ہے۔ اور خود مولانا کو اس کا احساس ہو گیا مگر اس خوف سے کہ ان کا بیان کہیں اُن کے متبعین کو ان سے برگشتہ نہ کر دے اُن کو اپنی ذہنی غلامی کی گہری نیند میں سلا دینے کے لئے ساتھ ہی بار بار یہ راگ بھی گاتے جا رہے ہیں۔ کہ "اس سے حرف نہیں آتا ہے" اور یہ ہرگز قاصد نہیں ہے! "وغیرہ تاکہ ان کے متبعین حضرات غلو عقیدت کے خواب غفلت میں پڑ کر مولانا کی تحقیق کو برحق سمجھتے رہیں یہاں تک کہ مولانا کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی صرف انھیں باتوں کو صحیح مانیں جن پر مولانا صناد کر دیں۔ اور جن پر صناد نہ کریں ان کو صحیح نہ مانیں۔ چنانچہ مسئلہ دجال میں ہم اُن کے متبعین کا یہی حال دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ جو لوگ نبوت اور کہانت کے فرق سے واقف ہیں وہ اس نتیجے پر آسانی پہنچ چکے ہوں گے کہ ایک مدّعی نبوت کی پیشین گوئیاں اگر سو فیصد بھی صحیح نکل جائیں جب بھی وہ اس کے نبی برحق ہونے کی دلیل نہیں بنتیں۔ ممکن ہے کہ سبم ہو جس نے رفتار حالات کو ملحوظ رکھ کر پیچھے کے استمراری واقعات کی بنا پر قیاس آرائی کی ہو اور اندازہ صحیح لگایا ہو۔ لیکن اگر اس کی ایک بھی پیش گوئی غلط نکل جاتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل بن جاتی ہے کہ وہ نبی برحق نہیں۔ بلکہ مفتری اور کذاب ہے۔ کیونکہ نبی برحق جو بھی پیشین گوئی کرتا ہے منجانب اللہ کرتا ہے جس میں تخلف کا سوال ہی نہیں۔ اب کوئی بھی بتلائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کو غلط ٹھہرانے سے منصب نبوت پر حرف آتا ہے یا نہیں؟ جبکہ دجال کے زمانہ و مقام وغیرہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اخبار غیب پر مشتمل ہیں جن کے پیشین گوئی ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے دعویٰ نبوت کو برحق ثابت کرنے کیلئے

اپنی پیشین گوئیوں کو مدارِ ٹھہرایا تھا کہ "ہمارا صدق یا کذب جانچنے کو ہماری پیش گوئی سے بڑھکر اور کوئی محکم امتحان نہیں۔ (آئینہ کمالات منظر) جب ان کی بعض پیش گوئیاں غلط ہوئیں تو ان کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اولیٰ ان کو تاویلات کے پردے میں چھپانے اور کسی طرح توڑ موڑ کر صحیح ثابت کرنے، آخر کیوں؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے تاویلات کی زحمت تو اٹھائی مگر ان کو یہ آسان تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ کہہ دیں "یہ میں نے اپنے قیاس سے کہی تھیں اور نبی کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصبِ نبوت پر طعن کا موجب نہیں۔ اس سے میری نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا" ایسے نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی خوب سمجھ رہے تھے کہ نبی کی کسی بات کے درست نہ نکلنے سے منصبِ نبوت پر حرف آتا ہے اور شدید حرف آتا ہے۔

۴۔ مولانا بدر عالم صاحب کے ایک بیان کا حاصل ہے کہ انبیاء کی صداقت کا معاملہ بہت ہی نازک ہے۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر یہاں تمام زندگی کی خبروں میں سے ایک بھی خلاف نکل آئے تو سارا کاخانہ نبوت ہمارم برہم ہو جاتا ہے۔ اور ساری عمر کی صداقت ایک غلط بیانی سے ختم ہو جاتی ہے۔ (خلاصہ عبارت ترجمان السنہ سوم ص) یہی وجہ ہے کہ قدرت نے آپ کی رائے کو بھی عصمت دی یہاں تک کہ آپ کے خطرات و عواطف قلبیہ کو بھی وحی کی نگرانی میں رکھا کیونکہ اس قسم کی غلطیاں بھی نبوت پر حرف نہ لاسکیں۔

مولانا بدر عالم صاحب تو کہتے ہیں کہ "..... کارخانہ نبوت ہمارم برہم ہو جاتا ہے" اور مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں کہ "..... کوئی حرف نہیں آتا" یہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا کجا

۵۔ کفار مکہ اس بات کے پورے طور پر متلاشی تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی چیز ملے کہ جس سے ان پر حرف لایا جاسکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں ان کو ایک بھی چیز نہیں ملی۔ واقعہ معراج میں ابو جہل نے سوچا کہ راتوں رات بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمان پر جانا اور واپس لوٹ آنا یہ ایسی بات ہے جس سے حضور پر حرف لایا اور لوگوں کو برگشتہ کیا جاسکتا ہے۔ پس مکہ کی گلیوں میں ایک چکر لگایا کہ لوگو! جن کو تم نبی مانتے ہو وہ ایسی ایسی بات کہتے ہیں۔ وہ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب ایمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو برحق ماننے والے اور آپ کی ہر ہر آن پر جان قربان کر دینے والے تھے جنہوں نے سنتے ہی کہا کہ اگر وہ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں۔ ابو جہل اپنا سامنہ لیکر رہ گیا اور اس سے کوئی بھی یہ کہنے والا نہیں ملا کہ یہ خواب و خیال کی باتیں ہوں گی اس سے کوئی حرف نہیں آتا۔

اب کوئی بھی بتائے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد واقعی طور پر قیاسی اور غلط ہوتا تو کفار مکہ کو کیا کچھ کہنے کا موقع مل جاتا۔ مگر یہاں مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی حرف نہیں آتا۔ آج منکرین حدیث اپنا یہ عقیدہ بنا کر کہ یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے۔ اور یہ حقیقت قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔ (منصب رسالت ص ۲۱۳)

ابو جہل کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں غلطی کے متلاشی ہیں۔ کیا مولانا اپنی تحقیق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات کو قیاسی اور غلط قرار دے کر منکرین حدیث کے عقیدے کو تقویت نہیں پہنچا رہے ہیں۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ کوئی حرف نہیں آتا۔

۶۔ انبیاء علیہم السلام کی فطرت میں ابتداء ہی سے نیک نفسی اور راست گوئی

ودیعت کر دی جاتی ہے تاکہ لوگ ان کو قبل نبوت ہی اپنا معتد علیہ بنالیں
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے ہی صادق اور امین کا لقب مل
چکا تھا یہ اسی لئے تاکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کریں تو یہی اعتقاد
لوگوں کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرے کہ یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں جھوٹے نہیں۔
چنانچہ اسی پاک بازی و راست گوئی کا اثر تھا کہ آیام نبوت میں جب قریش نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو انھیں میں سے ایک رئیس نصر بن حارث
تردید کے لئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ۔

« اے قریش! محمد تمہارے سامنے بچے سے جوان ہوا وہ تم میں سب سے
زیادہ پسندیدہ، راست گو اور امین تھا۔ اس وقت تم نے کوئی بے
اعتقادی ظاہر نہ کی۔ مگر اب جب کہ اسی کے بالوں میں سفیدی آچلی
ہے تم اُسے ساجر کاہن اور شاعر کہنے لگے ہو۔ خدا کی قسم وہ ان تمام
الزامات سے پاک ہے۔ »

اب سوچئے کہ اگر نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی میں کہیں کوئی ادنیٰ
سادا واقعہ بھی صداقت کے خلاف نکلا ہوتا۔ یا کوئی بھی بات بلا تحقیق انکل بچوکی
کہی گئی ہوتی تو کیا ابن حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اس قدر پُر زور
شہادت دے سکتے تھے۔ یا مشرکین مکہ منصب نبوت پر طعن کرنے سے باز رہتے؟
یہ تو دعویٰ نبوت سے پہلے کی بات تھی۔ اب کیا عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ جس
ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت سے پہلے تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں
کیں وہی اب نبوت ملنے کے بعد جبکہ آپ پر وحی آنے لگی اپنے قیاس و خیال
سے ایسے ایسے ارشادات فرمانے اور ایسی ایسی خبریں دینے لگے جن کے
غلط نکل جانے کا امکان ہو جن کی نقل و روایت اسلام کی صحیح نمائندگی نہ ہو

اور زمانہ وحی میں اپنے قیاس و خیال سے کلام فرما کر دفعہ ذی بائند وحی الہی کو بھی مشکوک ٹھہرا دیں کہ مقصد نبوت ہی فوت ہو جائے۔ پھر بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے حرف نہیں آتا؟ لیجئے اب ہم مولانا ہی کی تحریر سے آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ حرف آتا ہے۔ اور شدید حرف آتا ہے۔

۷۔ براہ کرم مولانا کا بیان بعنوان "کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟" ایک بار پھر دیکھ جائیے اس میں فرماتے ہیں کہ۔

..... دنیا اس کے اقوال و افعال کے لئے اس حکومت کو ذمہ دار ٹھہرائی ہے جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے۔۔۔۔۔ حلیہ ہے کہ اس کی پرائیویٹ زندگی تک کہ بُرائی اور بھلائی اس حکومت کی نام درمی پراثر انداز ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے۔۔۔۔۔

..... (منصب رسالت نمبر ۳، ص ۱۳ کتاب ہذا)

اب مولانا ہی فرماتیں کہ اثر انداز ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آیا حرف آتا ہے یا حرف نہیں آتا؟ وہ بھی پرائیویٹ زندگی کی باتیں، جن کا تعلق وحی سے نہیں قیاس و گمان ہی سے ہوگا۔

۸۔ مولانا ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ۔

۱۰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خدا کے اپنے اعلان کی رو سے دنیا کے سامنے مرضیات الہی کی نمائندگی کرتے تھے اور خدا نے خود اہل ایمان کو حکم دیا تھا کہ تم ان کی اطاعت اور ان کا اتباع کرو جو کچھ یہ حلال کہیں اسے حلال مانو اور جو کچھ یہ حرام قرار دے دیں اسے حرام مان لو اس لئے ان کے قول و عمل میں یہ چھوٹی لغزشیں بھی بہت بڑی تھیں، کیونکہ

وہ ایک معمولی بشر کی نغزشیں نہ تھیں بلکہ اس شارحِ مجاز کی نغزشیں
تھیں جس کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔۔۔

(منصب رسالت ص ۸۸)

اب مولانا ہی بتلائیں کہ یہ چھوٹی نغزشوں کا بھی بڑی بن جانا حریف
آتا نہیں تو اور ہے کیا؟ جہاں ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون
سے قانون بن رہا ہو۔ جہاں قول و فعل کیا بلکہ سکوت بھی سند و محبت
قرار دیا جا رہا ہو وہاں کوئی غلط ارشاد حرف لائے گا یا نہیں؟۔
فَتَدَّبَّرُوا نِأْيًا أُولَى الْأَبْصَارِ۔

حضرت مولانا قمر الدین صاحبنا استادِ حدیث دارالعلوم دیوبند کو صدمۂ عظیم

دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے استاد حضرت مولانا قمر الدین صاحبنا کی والدہ ماجدہ
۴ شعبان ۱۴۰۷ھ کو واصلِ بحق ہو گئیں۔

مرحومہ پابندِ صوم و صلوة اور شبِ زندہ دارِ خاتون تھیں۔ اعزہ و اقربا کی خبر گیری
اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا پورا پورا خیال رکھتیں تھیں۔ پیرانہ سالی نصف
پیری کے باوجود امور خانہ داری میں بڑی مستعد تھیں۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے بیٹوں پوتوں اور
نواسوں وغیرہ سے بھرا ہوا کنبہ چھوڑا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کوڑ کوڑ جنت
نصیب فرمائے اور سپانہ گان کو صبر جمیل اور عطا جزیل سے ہمکنار کرے۔
قارئین ماہنامہ دارالعلوم بالخصوص مولانا کے تلامذہ سے اپیل ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعا حضرت
اور مولانا موصوف اور دیگر متعلقین کے لئے صبر و اجر کے لئے خصوصی دُعا فرمائیں۔

اگر آپ پاپتے ہیں کہ

• عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں • خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں • اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں • مسیلمہ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں • اس متنبی کا زب پر آسمانِ فرنگ سے اترنے والی وجوہات سے مطلع ہوں • اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہوں تو "دارالعلوم دیوبند" کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں جو عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے۔ ادراپنے احباب اور قریب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطل قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

فی طے

ماہنامہ دارالعلوم کا اگلا شمارہ "تحفظ ختم نبوت" نمبر ہوگا۔ جو سوال و ذی تعدہ دو مہینوں کا مشترکہ شمارہ ہوگا۔ اس لئے قارئین سوال کے پرچے کا انتظار نہ فرمائیں۔

انشاء اللہ یہ نمبر دو سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اور ذی تعدہ کے آخری ہفتہ میں قارئین کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔

(ایڈیٹر)

DARUL ULOOM MONTHLY

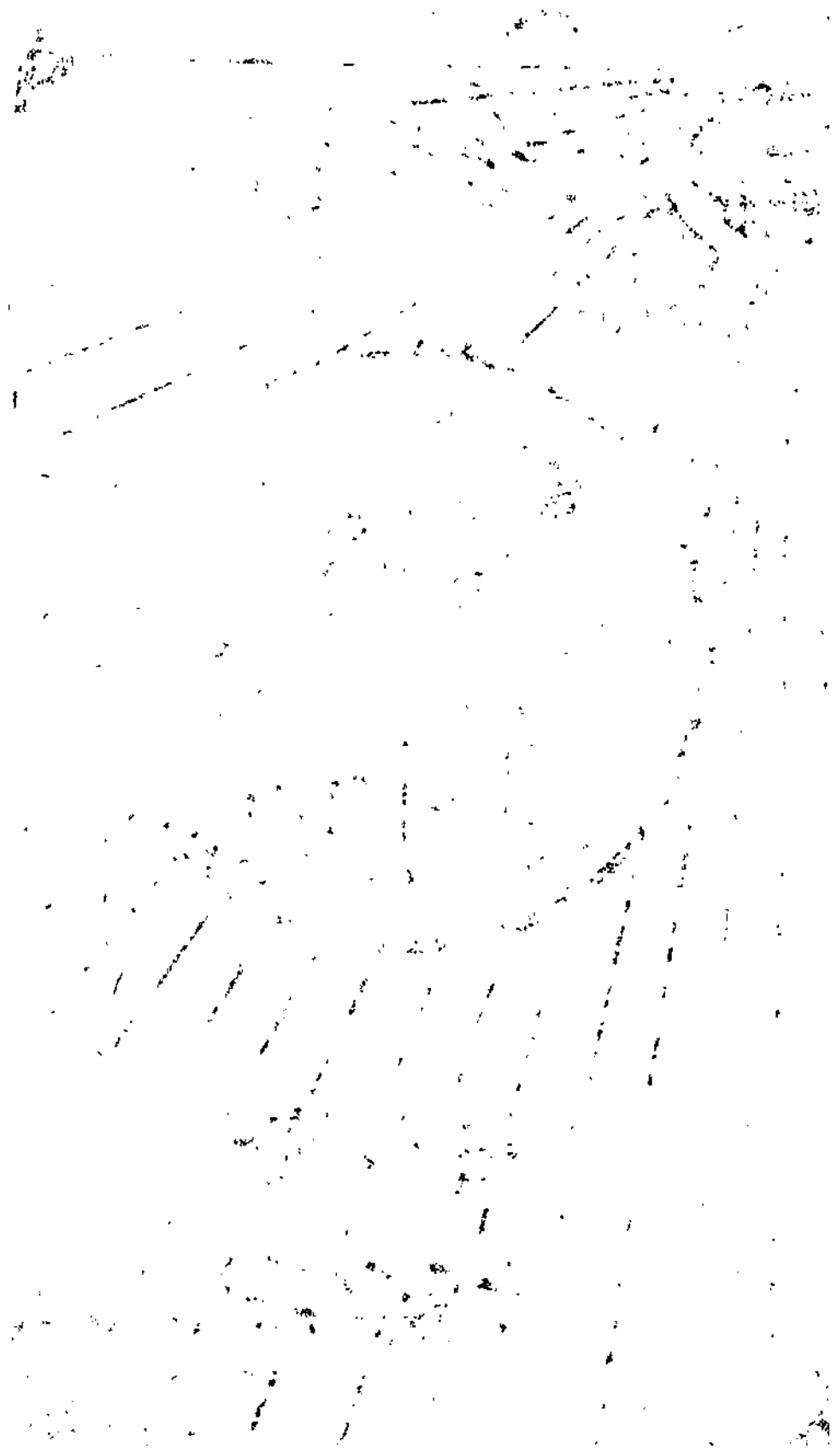
Deoband (U.P.)



فہرست مہینہ وار کتابت مکتبہ دارالعلوم دیوبند

۳۶%	۳۰۔ جماعت اسلامی کا دینی رہنما	قرآنی پیش گوئی	فناوی دارالعلوم دیوبند
	۳۵۔ مکمل درجہ ہارسر جمعیہ	انتقار از اسلام	مکمل اردو علموں میں
۶%	۳۵۔ مودودی دستور	قبلہ نما	مقامات حریری
	۳۶۔ عقائد کی حقیقت	مراہیں قاسمیہ	دیوان النبی
۶%	۳۷۔ ایمان و عمل	حکمت قاسمیہ	حسانی
۵%	۳۷۔ عقائد اہل کمال	تسلیٰ حق	ملاحس
۱/۵۰	۳۸۔ اہل ضروری مسئلے	توحید نامہ	عقیدۃ النجادی
۱۰/۶	۳۸۔ مشاہیر علماء دیوبند	معارف سہک	مشکوٰۃ الآراء
۱۳%	۳۹۔ علماء دیوبند کا علم حدیث	معارف و تراجم قرآنی	الفیۃ الخیر
۱۳%	۳۹۔ دارالعلوم کی تاریخ سیاست	۵۰۔ دینی دعوت کا قرآنی اصول	العقیدۃ
۱۰/۶	۴۰۔ کلام و مطلق	۵۰۔ اسرار	نیفۃ الادب
۲%	۴۰۔ ڈر دستور نول	۱۵۰۔ حقیقت معانی	مقدار الصلاح
۱/۵۰	۴۰۔ ڈر دستور دوم	۱۰۰۔ دارالعلوم کا ایک فتویٰ	المسائل الافرادیہ
۲۵%	۴۰۔ اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ	۲۰۰۔ اور اس کی حقیقت	الاستاء والظائر
۸%	۴۰۔ بریل میں اور ٹیپو ریل میں	۱۱۰۔ ناقابل فراموش واقعات	تفسیر مدارک التفسیر
۶%	۴۰۔ تحقیق الکفر والایمان	۵۰۔ تفسیر القرآن کا تحقیقی تفسیری ماخذ	تفسیر خود تفسیر
۱/۵۰	۴۰۔ اسلام اور قادیانیت کا اصولی اختلاف	۲۰۔ اختراع گنگوہ	آئورہ و عاتیس، دو گیس
۲%	۴۰۔ وحادی مرزا	۵۰۔ اسلامی عقائد و سائنس	مثنوی فروغ
۵%	۴۰۔ صنعت موت	۳۹۰۔ مودودی فریب	مخطوطات مکمل درود علم
۲/۵۰	۴۰۔ مسیح موعود کی پہچان	۱۰۰۔ نظریہ دو قرآن پر ایک نظر	تاریخ دارالعلوم مکمل اردو دوم
۳%	۴۰۔ قادیانیت پر بطور کرنے کا سیدھا حقائق	۳۱۰۔ مکتوب ہدایت	تاریخ دارالعلوم مکمل انگریزی
۲%	۴۰۔ آقا فضلت مرزا	۱۰/۶۔ مکتوبات تلذذ	مصابیح التزاد
۳%	۴۰۔ فلسفہ ختم موت	۱۱۳۔ انجاء العیر	سوانح قاسمی مکمل دروس علم





سید عالم علیہ السلام کا بیعت نامہ

ختم نبوت نمبر

دال المہتمم

شمارہ نمبر (باب نمبر ۸ جون جولائی اگست ۱۹۸۴ء) بزرگ



حضرت مولانا مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی

مدینہ

مولانا حبیب الرحمن القاسمی



پرنٹنگ ہاؤس، بیروت، لبنان

سوری عرب، آذربائیجان، امریکہ، کینیڈا

اسلام آباد، پاکستان، بھارت، افغانستان، عراق،

سنگاپور، ملائیشیا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نگارش
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاری
۲	خطبہ استقبالیہ	حضرت مولانا غوث الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم
۳	ختم نبوت کی حقیقت اور حفاظت دین کی سلسلہ ہمارے ہرگز نہیں ہونے کا موقف	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سرپرست ماہنامہ الفتنہ کانپور
۴	قابلیت اسلام کے متوازی ایک حیدر مذہب	مولانا حبیب الرحمن قاری استاذ دیر ماہنامہ دارالعلوم
۵	مرزا قاسم علی شاہ کے عقائد اس کے پیروں کے آئینہ میں	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب پوری
۶	مرزا غلام احمد قادیانی کے تین جھوٹ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی دیر ماہنامہ بینات کراچی
۷	مرزا غلام احمد کی پیشین گوئیاں واقعہ تک آئینہ میں -	مولانا کفیل احمد علوی کیرانوی ایڈیٹر آئینہ دارالعلوم
۸	مرزا نیت عقل سلیم کی تین جھوٹ	ڈاکٹر شہید الامجدی فاضل دہلیسہ جامعہ ملیہ دہلی
۹	مسئلہ ختم نبوت کتاب سنت کا شہرہ میں	مولانا ظفر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۰	عقیدہ ختم نبوت اور غلام احمد قادیانی	مولانا عبدالحکیم فاروقی دارالبینین کنوئیر
۱۱	ختم نبوت علم و عقل کی رکھتی ہیں	مولانا فرید الدین مسعود ڈاکٹر کیرانوی فاؤنڈیشن بنگلہ دیش
۱۲	ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی	مولانا عزیز احمد قاسمی استاذ دارالعلوم
۱۳	ختم نبوت اور امت کی ذمہ داری -	مولانا سعید احمد ران پوری استاد پوری دارالعلوم دیوبند

نمبر شمار	مضمون	نگارش	صفحہ
۱۳	تصہیر نبوت پر اسلام کے باغیوں کا حملہ اور ہمساری ذمہ داری	مولانا امام علی دانش اداہ محمودیہ ککیم پور	✓ ۱۷۵
۱۵	مرزا غلام احمد کی ناپاک جسارت	مولانا شمیم احمد ککیم پوری کارکن دارالعلوم	✓ ۱۸۲
۱۶	قادیانیت -	مولانا نظام الدین اسیر اوردوی	✓ ۱۹۲
۱۷	جامعہ اسلامیہ بنارس	مولانا جمیل احمد نذیری اجیار العلوم بیگانہ	✓ ۲۰۱
۱۸	سید اور مہدی دو شخصیتیں رد قادیانیت پر فضلہ دارالعلوم کی تصنیفی خدمات	مولانا برہان الدین سیلی استاد مدوۃ العلماء لکھنؤ	✓ ۲۱۷
۱۹	حضرت مولانا سید احمد حسن محدث اوردوی اور مرزا متادایانی	مولانا محقق نسیم احمد فریدی اوردوی	✓ ۲۳۲
۲۰	فتنہ قادیانیت اور حضرت مومنین کی خدمات جلیلہ	مولانا سید منت اشرف رحمانی خانقاہ رحمانیہ جوگیر	✓ ۲۵۳
۲۱	رد قادیانیت میں دو اہم رسائل	مولانا عبدالحی فاروقی ایم اے ایشی دہلی	✓ ۲۶۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ حال

از۔ حبیب الرحمن قاسمی

دارالعلوم دیوبند نے ۲۹/۳/۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے ایک عالمی کانفرنس کی تھی جس میں ہندوستان کے علاوہ سعودیہ عربیہ عرب امارات، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک اسلامیہ کے ارباب دعوت و اصحاب قلم نے شرکت کی تھی۔ کانفرنس کا آغاز ہندوستان کے مشہور داعی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی افتتاحی تقریر سے..... اور اختتام رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری محترم ڈاکٹر عبدالنصر نصیف کی تقریر پر ہوا تھا۔ کانفرنس کی مکمل رپورٹ اور کانفرنس میں منظور تجویزیں دارالعلوم مجریہ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء میں تفصیل سے آچکی ہے۔

اس موقع پر تقریروں کے علاوہ بہت سے صاحب نظر علماء نے مقالات بھی پیش کئے تھے۔ زیر نظر نمبر انہیں مقالات پر مشتمل ہے۔ مقالات کی ترتیب مضامین کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ مقالہ نگاروں کی اہمیت و شہرت کا چنداں لحاظ نہیں کیا گیا ہے نیز بعض مقالات میں حک و حذف سے بھی ضرورتاً کام لیا گیا ہے۔ اس طرح کے مجموعوں میں یہ عمل ناگزیر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ مرتب کو اس سلسلے میں معذور سمجھا جائے گا۔ خیال یہ تھا کہ یہ خصوصی شمارہ زیادہ سے دو تین صفحات پر شائع کیا جائے۔ لیکن تقویت کی کثرت نے ایسا نہ کرنے دیا۔ پھر بھی بعض مقالات شامل اشاعت نہ کئے جاسکے جس کی

وجہ مقالہ کی غیر ضروری طوالت یا اسی موضوع پر اس سے بہتر مضمون کی اشاعت ہے۔ اس کانفرنس میں ایک نشست طلبہ دارالعلوم کے لئے مخصوص کی گئی تھی جس میں طلبہ عزیز نے تقریریں اور اپنے مقامات پر بے تحاشہ مضمون لکھے۔ یہ مقالات مرتب کو حاصل نہ ہو سکے۔ ورنہ ان کی نمائندگی بھی ہو جاتی اگر یہ مقالات بعد میں لکھے جاتے تو آئندہ شماروں میں انتخاب کر کے شائع کر دئے جاتیں گے۔

۱۹۸۷ء
 یہ خصوصی نمبر اب سے بہت پہلے آجانا چاہتے تھے، کم از کم اعلان کے مطابق ۱۵ جولائی تک دفعہ شائع ہو جانا چاہتے تھے۔ اعلان کے مطابق ساری تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں مگر میرٹھ اور دہلی کے نہ ختم ہونے والے سنگین فساد نے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ ریل و رسائل کے ذرائع تقریباً منقطع ہو گئے اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی کاغذ فراہم کرنے میں نہ صرف ہمارا دفتر بلکہ پریس کے مالک بھی ناکام رہے اس مجبوری سے یہ خاص نمبر جولائی کے بجائے اب اگست میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ نیز صفحات کی زیادتی کی بنا پر دو ماہ کے بجائے یہ شمارہ تین مہینوں پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ، ستمبر ۱۹۸۷ء سے ماہنامہ دارالعلوم حسب معمول ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا رہے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ هُوَ حَسْبِيَ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حرف آغاز

نبی افرنگ کی داستانِ حیات

نام اور تاریخ پیدائش — انگریزی نبی کا پہلا نام "سونڈی تھا" (۱) پتہ نہیں روزی سے کہ "غلام احمد" بن گئے۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ میری پیدائش موضع قادیان ضلع گورداسپور میں ۱۸۳۲ء یا ۱۸۳۳ء میں ہوئی۔ اور ایک دوسری تحریر میں جو اپنے والد کی وفات کے سلسلہ میں لکھی ہے کہتے ہیں کہ "جب میرے والد نے دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر ۳۴ یا ۳۵ سال کی تھی" ان کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کا انتقال ۱۸۶۱ء میں ہوا ہے۔ اس اعتبار سے سن پیدائش ۱۸۳۱ء ہوتا ہے۔

مرزا قادیانی کا خاندان | مرزا قادیانی کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس کا پتہ لگانا ان کی تحریروں سے نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ وہ ۱۸۹۵ء تک اپنے آپ کو مرزا کہتے رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب البریہ جو ان کی ۱۸۹۸ء کی تصنیف ہے اس کے صفحہ ۱۲۴ پر اپنی قومیت برلاس (مغل) لکھی ہے۔ لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۵ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "میرے اہٹا کی رت سے ہمارے ابا و اباؤین فارسی تھے پھر ۱۸۹۵ء میں اس نسب تعلق سے دست بردار ہو کر اپنے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" کے صفحہ ۱۶ پر رقمطراز ہیں کہ "میں اسرائیلی بھی ہوں اور غلطی بھی" اس کے ایک سال بعد ایک

۱۷؎ مکذیب براہین احمدیہ ص ۱۳۷، ۱۳۸ سے کتاب البریہ ص ۱۵۹ سے صحیح موعود، موندہ مرزا محمد

پٹنا اور کھایا اور اپنی تصنیف تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ تحقیق سپردِ علم کی ہے۔ میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب آتے تھے، ان انکشافات سے ان کی ذات چار قوموں کا جوون مرکب معلوم ہوتی ہے یعنی وہ بیک وقت منحل، یہودی، سیرا اور چینی سب تھے۔ "خامہ انگشت ہر اماں ہے اُسے کیا لکھتے۔"

مرزا کے والد غلام مرتضیٰ بیگ کی عملی حالت | آبخہان انگریزی نبی کے منجھلے لڑکے

میاں بشیر احمد ایم، اے لکھتے ہیں کہ ہمارے دادا مرزا غلام مرتضیٰ بے نمازی تھے یہاں تک کہ ۷۵ سال کی عمر میں پہنچ کر بھی نماز نہیں پڑھی تھی۔

مرزا کے آیام طفلی | اللہ تعالیٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے بچپن کے برعکس

مرزا قادیانی کے آیام طفلی دیگر بازاری بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان کی سوانح حیات سیرت الہدیٰ میں درج ہے کہ ایک مرتبہ مرزا کے ہم عمر لڑکوں نے اُن سے کہا گھر سے شکر لاؤ۔ گھر گئے تو وہاں پسا ہوا نمک رکھا تھا۔ اُسے شکر سمجھ کر چپکے سے جیب میں بھر لیا اور لڑکوں کے سامنے پہنچ کر مہانگنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انگریزی نبی صاحب کو بچپن میں چڑیوں کے پکڑنے کی بھی عادت تھی۔

تعلیمی لیاقت | حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم و معارف تمام تر

موجبہ رہنمائی پر موقوف ہوتے ہیں اپنے جیسے انسان سے تعلیم و علم اور اخذ فیض سے ان کی زندگی بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس لئے انگریزی نبی کو اسی کی فکر ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اتنی ثابت کرے۔ لیکن ان کا اسکولوں میں

۱۵ سیرت احمدی ص ۱۵، ۲۱۲، ۱۵ سیرت الہدیٰ ص ۱۵، ۲۲۶، ۱۵ بیانات ص ۳۳۲

پڑھا ایک ایسی حقیقت ہے جس کو خود رزاجی بھی اپنے دجل و فریب سے چھپانہ سکے۔ حضرات انبیاء و رسول کی اس صفت خاص میں ہم سب کی برابری کی ناکام کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "امام الزماں کے لئے لازم ہے کہ وہ نبی اور میں کسی کا شاگرد نہ ہو بلکہ اس کا استاد خدا ہو۔"

ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں "آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہو اس میں اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا ہی سے حاصل کرے گا۔ اور قرآن و حدیث میں کسی کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن و حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔"

نبی بننے کی خواہش میں ان جھوٹے دعوتوں کے بعد "دردغ گورا حافظہ ناشد" کی بہترین مثال ملاحظہ کیجئے کہ بقلم خود آنجنابان مرزا کیا لکھ رہے ہیں۔

"بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الہی تھا اور جب میری عمر قریباً سٹھ سال کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔۔۔۔۔"

میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد خوان سے پڑھے اس کے بعد جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب نے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو میرے

والد صاحب نے نوکر رکھ کر تقویان میں بڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔
 (آن) مولوی صاحب سے میں نے نحو، منطق اور حکمت وغیرہ علوم مردوب
 کو حاصل کیا ہے

مرزا کے پہلے استاذ فضل الہی قادیان کے باشندے اور ضعی تھے دوسرے
 فضل احمد فیروز دالہ کے رہنے والے اہل حدیث تھے اور تیسرے استاذ گل علی شاہ
 متوطن ثلثہ شیعہ تھے یہ تیسوں کو قیاس کن زنگستان من بہار مرا۔

مرزا نے اپنے تیسرے استاذ گل علی شاہ کے بارے میں یہ جھوٹ لکھا ہے
 کہ میرے والد نے ان کو نوکر رکھا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مرزا کے والد غلام مرتضیٰ
 ان کے دسترخوان کے ریزہ چین تھے۔ تفصیل کے لئے مرآة القادیانیہ، مؤلفہ مرزا
 احمد علی ام تسری ص ۲۶ ف ۳ ملاحظہ کیجئے۔

مرزا کے اس بیان سے جہاں ان کا پہلا دعویٰ کہ "میں نے کسی انسان سے
 قرآن وغیرہ کا ایک سبق نہیں پڑھا ہے" غلط ہو جاتا ہے۔ وہیں اس سے یہ بھی
 معلوم ہو گیا کہ مرزا کی تعلیم ناقص اور ادھوری تھی اور وہ "نیم ملاحظہ ایمان" کے
 سچے مصداق تھے۔

انگریزی زبان میں معمولی واقفیت

انگریزی نبی کو بقول خود انگلش میں بھی
 الہام ہوا کرتے تھے اور نہایت فخر سے کہا

کرتے تھے کہ انگریزی نہیں جانتا، اس کو چہ سے بالکل ناواقف ہوں، ایک فقرہ تک
 مجھے معلوم نہیں۔ مگر غرق عبادت کے طور پر اس زبان میں بھی مجھے الہام ہوتے ہیں۔
 لیکن آنہمالی کا یہ دعویٰ بجا دروغ مصلحت آمیز پر مبنی تھا۔ کیونکہ انہوں نے
 سیالکوٹ میں دوران ملازمت انگریزی کی ذرا ایک کتاب میں سبقاً سبقاً پڑھی تھیں۔

اور اسی کے نتیجے میں انگریزی کے ٹوٹے بھوٹے مجلے بول اور لکھ لیا کرتے تھے۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں۔ مولوی الہی بخش ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے منشیوں کے لئے ایک انگریزی کالمیہ قائم کیا تھا، ڈاکٹر امیر شاہ بنشنر معلم تھے۔ حضرت سیح موعود نے بھی انگریزی کی دو ایک کتابیں پڑھیں۔

کچہری کی منشی گیری | کچہری سیالکوٹ کی ملازمت بھی انگریزی ہی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مرزا کی تقریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا غلام مرتضیٰ کو تاحین حیات سات سو روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ اسی پر خاندان کے گذر بسر کا مدار تھا۔ ایام شباب میں ایک مرتبہ مرزا جی نے اس رقم کو وصول کر کے عیش کوشیوں اور جوانی کی رنگ رلیوں میں اڑا دی، بعد میں ہوا ہو س کا نشہ جب کچھ اُتر تو یہ ستر زندگی دامن گیر ہوئی کہ کونسا منہ لیکر گھر جائیں اس لئے قادیان واپس آنے کے بجائے سیال کوٹ چلے گئے۔ اور وہیں اپنے مکتب کے ساتھی لالہ بعیم سین کی سہی و کوشش سے پندرہ روپے ماہانہ پر کچہری میں منشی مقرر ہو گئے۔

عہدِ ملازمت | مرزا زادے بشیر احمد لکھتے ہیں کہ "مرزا صاحب نے دورانِ ملازمت عہدِ ملازمت اپنا دامن رشوت ستانی سے ملوث ہونے نہیں دیا، لیکن مرزا کے اکثر واقف کار اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے بزمانہ ملازمت دل کھول کر نہیں لیں۔ چنانچہ مرزا احمد علی شیبی اپنی کتاب دلیل العرفان میں لکھتے ہیں کہ منشی غلام احمد قمری نے اپنے رسالہ "نکاح آسمانی کے راز" میں لکھا تھا کہ مرزا نے زمانہ محزری میں خوب رشوتیں لیں۔ یہ رسالہ مرزا کی وفات سے آٹھ سال پہلے سن ۱۹۱۷ء میں شائع ہو گیا تھا مگر مرزا نے اس کی تردید نہیں کی۔

مقدمہ بازی کا مشغلہ | آنجنابی مرزا نے منشی سے مختار بن جانے کی ہوس میں

سیالکوٹ کے زمانہ قیام میں مختاری کا امتحان بھی دیا تھا استعداد کی کمی کی بنا پر اس امتحان میں ناکام رہے اور مختاری کے منصب پر فائز ہونے کا خواب شرمناک تعبیر نہ ہو سکا۔ پھر بھی اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ قانونی مرحلہ کی موٹا گائیوں سے کسی حد تک واقف ہو گئے۔ چنانچہ مختاری کے امتحان میں ناکامی اور منشی گیری کی نوکری سے دل بدھامشتہ ہو کر جب قادیان واپس لوٹے تو ان کے والد نے خاندانی مقدمات کی پیروی کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ مرزا جی خود بتاتے ہیں کہ "میرے والد صاحب اپنے بعض آباء و اجداد کے دیہات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انھوں نے انہی مقدمات میں مجھے لگا دیا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔"

مقدمہ بازی میں مرزا جی کو اس قدر شغف تھا کہ خواب بھی دیکھتے تو اسی کا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں "ہمارا ایک مقدمہ موروثی اسامیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہو گئی تھی۔ اسی طرح کے ایک خواب کا تذکرہ "ترویق القلوب" کے صفحہ ۳۶ پر بھی کیا ہے۔

اپنے شرکاء کی آراضی پر غاصبانہ قبضہ
 اور ان کے بھتیجوں و دیگر اقربا کی کچھ زمین سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں ضبط کر لی تھی۔ جسے انگریزی عہد سلطنت میں بذریعہ عدالت انھوں نے دوبارہ واکزار کرایا۔ بعد میں اس زمین پر آنجنابی مرزا اور ان کے بھائی غلام مستور بلا شرکت غیرے قابض و متصرف ہو گئے۔ اور دیگر عقدا رشتہ داروں کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ بالآخر ان حقداروں نے مرزا اعظم بیگ لاہوری پنشنر گورنمنٹ کے سر کے تعاون سے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور مرزا جی کے علی الرغم بذریعہ عدالت

اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ غم نصیب تقاروں کی اس اعانت پر مرزا اعظم بیگ کی شکایت کرتے ہوئے آنجنابی لکھتے ہیں "میسر والد کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ لاہوری نے شرکائے ملکیت قادیان کی طرف سے مجھ پر اور میسر بھائی مرحوم مرزا غلام قادر پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر کر دیا اور میں بظاہر جانتا تھا کہ ان شرکار کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے دقت میں نابود ہو چکی تھی۔ اور میرے والد نے تنہا مقدمات دائر کر کے اس ملکیت اور دو سکر دیہات کی بازیافت کے لئے آٹھ ہزار روپیہ کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا وہ شرکار ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے۔

آجنابی مرزا جی اپنے خانگی حالات سے

تلاش شہت اور مناظرانہ سرگرمیاں

بہت دل برداشتہ تھے اور شبے روزا کی

خیال میں غلطاں و بیجاں رہتے تھے کہ خاندانی زوال کا مدد و اکس طرح کیا جائے مختاری کے ایوان میں باریابی کی توقع اٹھ چکی تھی، فوج یا پولیس کی ملازمت سے قلت تنخواہ کی بنا پر کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تجارتی کاروبار سے سرمایہ کی کمی اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے قاصر تھے۔ اس لئے اب لے دے کر صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی کہ خادم اسلام کی حیثیت سے زندگی کے میدان میں نمودار ہوں اور اس راہ سے شہرت و دولت حاصل کریں۔ چنانچہ اپنے مکتب کے ساتھی اور قدیم رفیق مولوی محمد حسین بٹالوی کے مشورہ سے قادیان کے بجائے لاہور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور آریوں و پادریوں سے مذہبی جھڑپ چھڑا کر اس سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی، منشی الہی بخش اکاؤنٹنٹ، بابو عبدالحق اکاؤنٹنٹ، حافظ محمد یوسف فضلدار وغیرہ اس کام میں ان کے معاون بنے۔ اور ہر مجلس مجلس میں یہ حضرات مرزا جی کی قابلیت اور بزرگی کا چرچا کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ ہی کے

اندر مرزاجی مناظر اسلام کی حیثیت سے مشہور ہو گئے چونکہ ابھی تک انھوں نے مہدویت مسیحیت وغیرہ کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس لئے ہر مسلمان ان کو عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اور علمائے دین بھی ان کے ساتھ تعاون و اشتراک کب دینی خدمت سمجھتے رہے۔ شہرت کے اس مقام بلند پر پہنچنے کے بعد لاہور کے قیام کو غیر ضروری سمجھ کر مرزاجی وطن مالوہ قادیان واپس آ گئے اور وہیں سے مناظرانہ اشتہار بازیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

مرزاجی ایک عارفِ کامل کے روپ میں | مذہبی مناظروں کی بدولت مرزاجی کو شہرت حاصل ہو گئی تھی وہ ہر قسم کے دامِ تزدیر کے کامیاب بنانے کی ضامن تھی۔ چنانچہ اس شہرت سے نفع حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ مستقبل کو سنوارنے کی غرض سے مرزاجی نے باخرا صوفی کا سوانگ رچایا اور دنیوی کاروبار سے بظاہر منقطع ہو کر خلوت نشین ہو گئے وظائف و علمیات کی کتابوں کا مطالعہ کر کے بغیر کسی مُرشد و شیخ کی رہنمائی کے علمیات و وظائف شروع کر دیے۔ علاوہ ازیں راتوں کو قادیان سے باہر جا کر خندق میں جا بیٹھتے۔ اور جلاو کے عمل پڑھا کرتے۔ ساتھ ہی اس زمانہ میں خوابوں کے ذریعہ بھی مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی ناکام کوشش کرتے۔ اور اس سلسلے میں شبِ روز مطبوعہ تعبیر ناموں کی ورق گردانی میں مصروف رہتے۔ اس زمانہ میں ان کا معمول یہ بھی تھا کہ اپنے خواب و دوسروں کو سُنا یا کرتے اور دوسروں کے خوابوں کی تعبیر خواب ناموں کی ورق گردانی کی مدد سے بتانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

مرزا زادے میاں بشیر احمد کا بیان ہے جب کوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو گھر کی عورتوں، بچوں اور غلاموں تک سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو اُسے بڑے غور سے سنتے تھے۔

نئی افزنگ مرقا کے شکار تھے | مرقا یعنی مایخولیا۔ دیوانگی کی ایک قسم ہے
مرزا جی کے خلیفہ اعظم حکیم نور الدین لکھتے

ہیں۔ مایخولیا جنوں کا ایک شعبہ ہے اور مرقا مایخولیا کی ایک شاخ ہے لہٰذا طب
کی مشہور کتاب شرح اسباب میں ہے "لَوْعٌ مِنْ الْمَالِيخُولِيَا يُسَمَّى الْمَرَقَ" لہٰذا
مایخولیا کی ایک قسم مرقا ہے۔ اس مرض کا مریض اگر کچھ پڑھا لکھا ہوتا ہے تو خدائی
نبوت، غیب دانی وغیرہ کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ "اگر مریض دانشمند بودہ باشد
دعوائے پیغمبری و کرامت کند و سخن از خدائی گوید و خلق را دعوت کند۔ لہٰذا اگر
مرقا کا مریض ذی علم ہو تو پیغمبری اور کرامت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدائی کی باتیں
کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جس سے
حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قطعی طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن نئی افزنگ
بقول خود دیگر بہت سے امراض کے ساتھ اس دماغی مرض کے بھی شکار تھے۔
چنانچہ لکھتے ہیں "دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے پیشین گوئی کی
تھی جو اس طرح وقوع میں آئی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ سیح آسمان سے جب
اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوں گی۔ سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں
ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مرقا اور کثرت بول چہ
اسی طرح ایک مرزائی لکھتا ہے کہ مرقا کا مرض حضرت (مرزا) صاحب میں ہو رہی
نہیں تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا ہے

مرقا کے علاوہ اور مختلف امراض میں بھی ممکن
مرزا جی کی دوسری بیماریاں | مبتلا تھے۔ یہاں بعض امراض کا ذکر خود انصاف

لہٰذا بیان نور الدین ج ۱ ص ۱۱، لہٰذا شرح اسباب ج ۱ ص ۱۱، لہٰذا حکیم اعظم
ج ۱ ص ۱۸۸، لہٰذا رسالہ تشعیذ الاذیان جون ۱۹۰۶ ص ۱۰، لہٰذا رسالہ تشعیذ الاذیان
اگست ۱۹۰۶ ص ۱۰،

الفاظ میں کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں: "میں دائم المرض ہوں۔ ہمیشہ درد سہرا کی خواب، تشنج، دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے" لہٰذا اور لکھتے ہیں مرض ذیابیطس مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں لہٰذا ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں "کوئی وقت دورانا سر سے خالی نہیں گذرنا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے لہٰذا مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں لہٰذا ایک مرتبہ تولیخ سے سخت بیمار ہوا اور سولہ دن تک پانخانگی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے باہر ہے لہٰذا اپنے مرید خاص خلیفہ اعظم حکیم نور الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں، ایک اور خط میں لکھا کہ " ایک مرض مجھے نہایت خوف ناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتا رہتا تھا لہٰذا نعوذ بالفتم برضاستن قصب یعنی استاد گنتی ذکر انگریزی نبی آنجہانی مرزا جی کا ان موذی اور رسوا کن امراض میں مبتلا ہونا حیرت انگیز نہیں ہے بلکہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو حیرت کی بات ضرور ہوتی۔

مرزا جی کہا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک

افیون اور شراب کا استعمال | افیون نصف طب ہے چنانچہ انھوں نے ایک دوا تریاق الہی کے نام سے تیار کی تھی جس کا بڑا جزو افیون تھا۔ اس دوا کو افیون کے مزید اضافہ کے ساتھ اپنے خلیفہ اول کو چھ ماہ سے زائد مدت تک کھلاتے رہے

۱۔ ضمیر اربعین نمبر ۳، ص ۴ لکھ ایضاً لکھ مکتوبات احمدیہ ج ۵ ص ۸۸، لکھ کتاب منظوریہ ص ۳۴۹۔ ۵۵ حقیقۃ الوحی ص ۲۳۲، لکھ مکتوبات احمدیہ ج ۵ ص ۸۸

اور خود بھی وقتاً فوقتاً استعمال کرتے تھے لہ
 مرزا جی اپنے چہیتے مرید حکیم محمد حسین کو ایک خط میں
 ٹانک ڈائن کا استعمال لکھتے ہیں۔

میں ابو حکیم محمد حسین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس وقت
 میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خریدنی خود خریدیں اور ایک بوتل ٹانک ڈائن
 کی پلومر کی دکان سے خریدیں۔ مگر ٹانک ڈائن چاہتے اس کا لحاظ رہے باقی خیریت
 ہے۔ والسلام، لہ

”سودا مرزا کے حاشیہ پر حکیم محمد علی پرنسپل طلبیہ کالج امرتسر لکھتے ہیں ٹانک ڈائن
 کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم
 کی گئی ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں ”حسب ارشاد پلومر کی دکان سے دریافت
 کیا گیا۔ جواب حسب ذیل ملا۔“

”ٹانک ڈائن ایک قسم کی طاقت وراور نشہ دینے والی شراب ہے جو دل
 سے بند بوتلوں میں آتی ہے۔ اس کی قیمت ساڑھے پانچ روپے ہے (۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء)“

مرزا جی بحیثیت صاحب کشف
 بعد مرزا جی کے دل و دماغ کے سوتے سے الہامات

کاسیل رواں بھوٹ پڑا اور اعلانات و اشتہارات کے ذریعہ اس کا خوب دُھندھورا
 پٹیا گیا۔ جس کا اثر یہ نکلا کہ دُور دُور سے لوگ قادیان آنے لگے۔ مرزا جی تقدس کا
 رُوپ دھارے اپنے بیت الفکر نامی کمرے میں لیٹے رہتے اور الہامات کی بارشیں
 ہوتی رہتی تھی۔ اور جب الہام کی غنودگی دور ہوتی تو فوراً اُسے نوٹ بک میں درج

لہ اخبار الفضل قادیان ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء بحوالہ قادیانی مذہب ص ۵۹ مطبوعہ بارہم۔ لہ
 خطوط امام بنام غلام ص ۵ بحوالہ سابق منلا، لہ سوداے مرزا ص ۳۹ حاشیہ،

کرلیا جاتا تھا

ایک ہندو لڑکا بحیثیت کاتبِ دُجی | چونکہ ساون کی بھڑی کی طرح اہلیات کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اس لئے ضرورت

تھی کہ انھیں ضبطِ تحریر میں لانے کیلئے ایک مستقل کاتب رکھا جائے۔ چنانچہ اس مقدس کام کی انجام دہی کے لئے ایک ہندو لڑکے کا انتخاب عمل میں آیا۔ خود مرزاجی لکھتے ہیں "ان دونوں ایک پنڈت کا بیٹا شام لال نامی جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا۔ بطور روزانہ نوے نوے نوکر رکھا گیا۔ اور بعض امور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے ناگری اور فارسی خط میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے اور پھر شام لال مذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے۔ یہ ہندو لڑکا جب اول اول نوکر رکھا گیا تھا تو اس کی عمر کل بارہ سال کی تھی اور مرزاجی کے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین کے بقول اس درجہ بے سمجھ اور سادہ لوح تھا کہ سو تک بمشکل شمار کر سکتا تھا۔" جیسی دُجی ویسا کاتب حق بحق دادرسید۔"

مرزاجی نے معاشی زبوں کو دور کرنے کی غرض سے | زراندوزی کی ایک اور تجویز | مذہبی مناظرہ اور بزرگی کا جو سوانحک بچایا تھا

اس میں انھیں بڑی حد تک کامیابی مل گئی تھی۔ اور دجل و فریب کے یہ تیر شہرت و قبولیت کے نشانہ پر ٹھیک بیٹھ گئے تھے۔ جس کی وجہ عوام و خواص کا ایک اچھا خاصا طبقہ ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس لئے انھوں نے روپیہ بٹورنے کی ایک اور تجویز سوچا اور "براہین احمدیہ" کے نام سے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی طباعت کا اعلان کیا اور لوگوں سے پہلے کی قیمت اور امداد و اعانت حاصل کرنے کی غرض سے اشتہارات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے کا پہلا اشتہار ابرہین

لہ سیرت المہدی ج ۱ ص ۱۵، ۱۶، البشری ج ۱ ص ۱۰، ۱۱، گلذیب براہین ص ۳۲

میں بعنوان "اشتہار بغرض استعانت از انصار دین محمد مختار علی اشرف علیہ وآلہٖ السلام" تھا۔ اس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا تھا کہ "ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں لہذا انخوان مؤمنین سے درخواست ہے کہ اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں۔ اختیار لوگ اگر اپنے مطبع کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے۔ تو یہ کتاب بسہولت چھپ جئے گی۔ ورنہ یہ مہر درخشاں چھپا رہے گا، یا یوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت بیت خریداری کتاب پانچ پانچ روپے مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی۔ ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی لہ کچھ دنوں کے بعد ایک اور اشتہار بعنوان "اشتہار کتاب براہین احمدیہ بجمت اطلاع جمیع عاشقان صدق و انتظام سرمایہ طبع کتاب" شائع کیا اسکا مضمون بھی پہلے اشتہار کے قریب قریب تھا ان اشتہارات کے ملک میں پھیلنے ہی حسب توقع روپیوں کی بارش شروع ہو گئی لیکن اس بارش زرنے استسقی کے مریض کی طرح ان کی طلب مال کی تشنگی کو مزید بڑھایا اس لئے مرزا جی نے ۳۰ دسمبر ۱۸۸۷ء کو ... اس کی قیمت میں پانچ روپے کا اور اضافہ کر کے دس روپے کر دی اور اسی کے ساتھ اس وعدہ کا بھی اعلان کیا کہ جنوری ۱۸۸۸ء میں کتاب طبع ہو کر شائع ہو جائے گی لہ۔ چونکہ مرزا جی کے بے پناہ پروپیگنڈے نے لوگوں کو کتاب کو کراشتاق بنا دیا تھا۔ اس لئے بڑی کثیر تعداد میں کتاب کے آرڈر آئے اس مقبولیت کو دیکھ کر ڈو حصوں کے طبع ہو جانے کے بعد اس کی قیمت میں مزید اضافہ کر دیا اور فارغ البال لوگوں سے دس روپے کے بجائے پچیس روپے لیکر سو روپے تک وصول کرنے لگے۔ لہ۔

لہ تبلیغ رسالہ ج ۱ ص ۱۷، لہ تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۱۷، لہ ایضاً ص ۲۳

آنجہانی نے ابتداء میں پانچ حصوں پر مشتمل کتاب شائع
بد معاہدگی اور سخن تراشی کرنے کا اعلان کیا تھا اور پانچوں حصوں کی پیشگی قیمت

لوگوں سے وصول کرنی تھی لیکن چار حصے شائع کرنے کے بعد اس سلسلہ کو مندر کر دیا جس
کی بنا پر خریداروں کو شکایت ہوئی۔ اب اس بد معاہدگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے
سخن تراشی اور الہام بازی شروع کر دی چنانچہ براہین احمدیہ جلد چہارم کے آخری صفحہ پر
"ہم اور ہماری کتاب" کے عنوان سے لکھے ہیں "ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی
اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہر اور باطناً
حضرت رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہچانے
کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے
ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں ان شاء اللہ"

اس تو لیت و اتہام خداوندی کے ڈھونگ کا واحد مطلب یہ تھا کہ اب میں باقی ماندہ
کتاب کی طبع و اشاعت کا ذمہ نہیں لے سکتا اب یہ کام خدا ہی کے سپرد ہے وہ چاہے
تو طبع کرائے یا نہ طبع کرائے میری کوئی ذمہ داری نہیں۔

مرزا صاحب لوگوں کی پیشگی رقمیں شیر مادر کی طرح ہضم
الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹنے کر گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو شکائیں

ہوتیں اور مرزا جی کی بد معاہدگی کا چرچا برسر عام ہونے لگا تو انہیں فکر لاحق ہوئی کہ شکوہ
و شکایتوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو ایک عرصہ کے جن کے بعد تقدس کا جو سکہ بجایا
گیا تھا کہیں عقیدت مندوں کے دلوں سے نراغل نہ ہو جائے۔ اس لئے یکم مئی ۱۹۶۱ء
کو آٹھ صفحات کا ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ "مجھے ان مسلمانوں پر نہایت
افسوس ہے کہ جو اپنے پانچ یا دس روپے کے مقابل پر ۳۶ جلدوں (۵۶۳ صفحات) کی
ایسی کتاب پا کر جو معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے ایسے شرمناک طور پر بدگوئی

اور بزرگانی پر مستعد ہو گئے کہ گویا ان کا روپیہ کسی نے چھین لیا یا ان پر کوئی قزاق آپڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لوٹے گئے کہ اس کے عوض میں ان کو کچھ نہیں دیا گیا اور ان لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گونی کا باقی نہ رکھا اس عاجز کو چور قرار دیا گیا، سکار ٹھہرایا، مال مردم خور کر کے بدمام کیا، حرام خور کہہ کر نام لیا، دغا باز نام رکھا اور اپنے پانچ ددشا روپے کے غم میں وہ سیاہ کیا کہ گویا تمام گھران کا لوٹا گیا الخ لہ

وعدہ خلائی کیا تھا کہ اس کتاب میں حقانیت اسلام کے تین سو دلائل درج کئے جائیں گے لیکن وعدہ کے مطابق ایک دلیل بھی پوری نہیں کی، چنانچہ مرزا زادے میا بشیر احمد لکھتے ہیں "تین سو دلائل جو آپ (مرزا غلام احمد) نے لکھے تھے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ لہ

یہ ہے آنجنابی مرزا غلام احمد قادیانی بنی افرنگ کی تریں سالہ داستان حیات کا مختصر بیان جو ان کی تصنیفات یا ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم، اے اور دیگر مرزائی مآخذوں کو سامنے رکھ کر پیش کی گئی ہے۔ قارئین اُسے پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آنجنابی جیسے کردار و اخلاق کا شخص شریف انسان کہے جانے کے بھی قابل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ ملہم، محدث، مہدی موعود، مسیح زماں یا نبی ہو۔

سَبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ استقبالیہ

از حضرت مولانا مرحوم الحاج شیخ معتمد دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - آمَنَّا بِعَدَا

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے انعامات کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ آج خداداد دارالعلوم کی حقیر دعوت پر لبیک کہنے والا ایک منتخب اجتماع سرزمین دیوبند کی رفیق میں اضافہ کر رہا ہے جس میں ہر طبقہ اور ہر سمت کے گرامی قدر علماء تشریف فرما ہیں۔ خداداد قدوس کا احسان عظیم ہے کہ اس دعوت کو شرف قبولیت سے نوازنے والے صرف ہندوستان کے علماء نہیں بلکہ بیرون ہند کے ارباب علم و دین بھی ہیں جن کو دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بعثت الی الاسود والاحمر کی عملی تفسیر نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔

اس ایمان پور اور روح افزا موقع پر ہم تمام دارالعلوم ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے تمام بھائیوں کا صرف ریکی نہیں بلکہ بصیرت قلب شکر یہ ادا کریں کہ انھوں نے غالباً بیچہ اللہ و مرد دراز کے سفر کی صورت برائمت فرما کر تشریف آوری کی رحمت گوارا فرمائی اور تمام دارالعلوم کو یہ موقع ہم پیش کیا کہ مسائن تیار و خیال کر کے ملت اسلامیہ کے سطح کو عظیم تر کرنے کے لیے اس میں شامل ہوں اور کس سے بڑھ کر

جدوجہد کو تیز کر سکیں۔

مہمان محترم! دارالعلوم کی دعوت پر اس قابل رشک پذیرائی کا یہ منظر سرزمین دیوبند نے بار بار دیکھا ہے۔ اور اس طرح کی بہاریں اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ بار بار جلوہ ریز رہ چکی ہیں۔ اور آج پھر الحمد للہ بہ بہار پورے آب و تاب کے ساتھ رونق افروز ہے اور ہم اس قافلہ بہار کے جلو میں برگزیدہ علماء و فرزندانی قدیم اور اپنے محسنین و معاونین کا استقبال کر رہے ہیں

فاحمد للہ علی ذالک

گرامی مرتبت حاضرین کرام! اس مبارک اور مسعود موقع پر دارالعلوم اور اس کے مسلک سے متعلق یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم روز اول سے الحمد للہ اسی تہذیبی، علمی، اور عملی وراثت کا امین ہے جو اُسے عہد خیر القرون سے قرناً بعد قرن پہنچی ہے، اہمیت مسلک پر چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی دارالعلوم علم و عمل کے لحاظ سے اسی عہد خیر القرون کا نمونہ ہے، ہمارے یہاں سب سے باکمال وہ ہے جو زمانہ کی دور دراز مسافتوں اور زمان و مکان کے فاصلوں کو طے کر کے اسی مجلس نبوت میں حاضر ہو جائے۔ جس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مستفید ہوئے تھے، غیر متزلزل یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے فرقہ ناجیہ کی جو علامت "مَا اَنَا عَلِيٌّ وَاَصْحَابِي" بیان فرمائی تھی وہ الحمد للہ پوری طرح دارالعلوم اور اس کے مسلک پر منطبق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کی آغوش میں جن مایہ ناز عناصر نے پرورش پائی ہے۔ وہ نہ صرف برصغیر ہندوپاک بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے صالح ترین عناصر کہلانے کے مستحق ہیں، نیز یہ کہ ان صالح عناصر کے ذریعہ دین و ملت کی جو گراں قدر خدمات انجام پائیں ان کی وجہ سے یہ کہنا حقیقتاً مبالغہ نہیں ہے کہ دارالعلوم علم و عمل کا صرف محور نہیں بلکہ منبع اور سرچشمہ ہے اور

گزشتہ صدی کا تجددیدی کارنامہ اشرفیت العزت نے محض اپنے فضل و کرم سے دارالعلوم اور اسکے فرزندوں کے ذریعہ انجام دلیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ اس تجددیدی کارنامہ کی انجام پزیری کی وجہ یہ ہے کہ علمی و عملی طور پر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قرآن مجید اور سنت پاک پر استوار ہوئی ہے، پھر جو روشنی قرآن کریم اور حدیث پاک کے ذریعہ دل و دماغ پر ستولی رہی اس نے احسان و سلوک اور فقہ و فتاویٰ کی شکل میں پوری ملت اسلامیہ کھیلنے رہیری اور رہنمائی کی خدمت انجام دی، چنانچہ رجال دارالعلوم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل میں جو رہنمائی قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں کی گئی وہ الحمد للہ اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اگرچہ گزشتہ صدی اپنی مادی اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے بہت اہم اور تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ انقلاب انگیز ہے۔ لیکن انسانیت اور مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا ہے جس کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش نہ کر دیا گیا ہو۔

اس باب میں بلا سبب و ہدایت کا کوئی رُخ ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے دارالعلوم کے ہاتھوں مشعلیں اور سارے قائم نہ فرمادے ہوں اور اسی طرح ضلالت مگر ایسی کا کوئی پیچ و خم ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی تعیین نہ کرادی ہو۔

سَامِعِينَ عَالِي مَقَامٍ | دارالعلوم نے اپنے قیام کے روزاول سے صراطِ مستقیم بنایا ہے، دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا اس وقت ہیست کے شروع کا ایک ایسا فتنہ اٹھا ہوا تھا جس نے تقریباً پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، مجدد اللہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے دارالعلوم کا

تعم آگے بڑھا اور مناظرہ و تقصیر اور قلم و تحریر کے ہر میدان میں عیسائیت کے مبلغین کو شکست فاش نصیب ہوئی، اس موضوع پر ہزاروں صفحات فرزندانِ علوم کے قلم سے نکلے اور اس کے باوجود کہ حکومت و اقتدار کی تمام طاقتیں اس فتنہ کی پشت پناہی کر رہی تھیں مگر دارالعلوم کے اہل حق مجاہدین نے بے برق بے اماں بن کر ان کی تمام پناہ گاہوں کو خاکستہ کر دیا، اسی فتنہ کے پہلو بہ پہلو توحید کی تعلیم سے محسوم کرنے کے لئے آریائی یا شدھی تحریک وجود میں آئی، یہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرنے کی خطرناک اور زبردست سازش تھی لیکن اس میدان میں بھی فرزندانِ دارالعلوم نے اپنا فرض منصبی پوری طرح ادا کیا اور اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے تاریخ کے گورستان میں دفن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس سلسلے میں فضلاء دارالعلوم کی سینکڑوں تصانیف آج بھی کتب خانہ اسلام کی زینت ہیں۔

ان زبردست فتنوں کے علاوہ انگریزوں کی جانب سے مسلمانوں کے اندرون میں متعدد فتنے برپا کرائے گئے جن میں سب سے اہم فتنہ قادیانیت کا تھا۔ اس فتنہ نے سیاسی، علمی اور اعتقادی طور پر خلفشار پیدا کیا، اس فتنہ کی طرح تو تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں پڑ گئی تھی۔ لیکن مرزا نے سلسلہ میں بلوچستان احمدیہ کے ہم حصے شائع کر کے اپنے زینغ و ضلال کو طشت از بام کر دیا۔ تو علماء نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ابتدا اگرچہ علما نے لدھیانہ و امرتسر، مولانا علی امرتسری، مولانا احمد اشدر امرتسری، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا عبدعزیز لدھیانوی، مولانا محمد لدھیانوی، مولانا عبداللہ لدھیانوی، مولانا محمد رضا عسکری لدھیانوی اور مولانا غلام دستگیر قصوری نے کی، مگر اکابر دارالعلوم کالجناہ اس سلسلے میں بحیر العقول ہے کہ وہ محض الہامی طور پر فتنے کے وجود سے پہلے ہی پیش بندی فرما رہے ہیں۔

جماعت دیوبند کے سید الطائف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی
 قدس سترہ کے بارے میں یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت
 پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کو حجاز مقدس میں قیام نہ فرمانے دیا۔ اور ایک
 بڑے فتنہ کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے انھیں ہندوستان آنے پر مجبور فرمایا۔
 مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سترہ کے علاوہ حضرت حاجی لدا اللہ صاحب
 مہاجر مکیؒ کے دو سکے خلفاء حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہویؒ، حضرت
 مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادیؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس اسرارہم
 وغیرہ بھی اس فتنہ کی سرکوبی میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ان خلفاء گرامی قدس میں
 اگرچہ بعض حضرات کا کارنامہ تاریخی اعتبار سے کچھ بعد ہی میں سامنے آیا۔
 لیکن اس کو حضرت حاجی صاحب کی نسبت سے الگ نہیں کیا جاسکتا، پیر
 مہر علی صاحب گولڑویؒ کو تو حضرت حاجی صاحب نے بطور خاص اس فتنہ کی تردید کی
 طرف متوجہ فرما کر ہندوستان بھیجا تھا۔ اس لئے ان کی کتاب "شمس الہدایۃ غالباً
 ردّ قادیانیت پر سب سے پہلی کتاب ہے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہویؒ اور حضرت مولانا انوار اللہ صاحب
 حیدر آبادی قدس سرہا بھی ابتدا ہی میں سامنے آگئے ہیں۔ حضرت تقدس
 امر دہویؒ نے تو مرزا کو مناظرہ و مباحلہ کا چیلنج بھی دیا تھا۔
 اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا کام زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہی لیکن
 وہ ایک طاقت ور تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ اور اس نے باطل کے اس
 سیلاب پر بند باندھنے کا کام انجام دیا۔

قبل از وقت تنبیہ میں اکابر مارا معلوم میں حضرت حاجی صاحب قدس سترہ
 تہا نہیں ہیں بلکہ اس سلسلہ میں دو سرانام مجتہد الاسلام حضرت اقدس مولانا

محدث اسم صاحب نانوتوی قدس سترہ کا ہے کہ انھوں نے فتنہ کی نقاب کشائی سے پہلے اس موضوع پر "تخذیر الناس" جیسی اہم مدلل اور قیمتی کتاب تصنیف فرمائی جو ردّ قادیانیت کے موضوع پر راہنما اور راہبر کا کام انجام دے چکا ہے۔ پھر مناظرہ عجیبہ میں ان کا یہ فیصلہ بالکل الہامی زبان میں نقل ہوا ہے۔ "اپنا دین دایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تاویل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں" مناظرہ عجیبہ ص ۱۳۱۔

پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل ادعا کے پہلے ہی سال ۱۳۱۷ھ میں جب مرزا نے اپنے الہامات کو وحی الہی کی حیثیت سے براہین احمدیہ میں شائع کیا تو علماء لدھیانہ نے اس کی تکفیر کی۔

اس وقت تک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سترہ کو اس دجل و فریب سے پوری واقفیت نہ تھی۔ اس لئے کچھ لوگوں نے جو مرزا سے حسن ظن رکھتے تھے علماء لدھیانہ کی مخالفت میں حضرت گنگوہی سے فتویٰ منگالیا۔ لیکن علماء لدھیانہ اسی سال جمادی الاول ۱۳۱۷ھ میں جلسہ دستار بندی کے موقع پر دیوبند تشریف لائے اور قادیانی کے مسئلہ میں حضرت گنگوہی اور دوسرے علماء دیوبند سے بالمشافہہ گفتگو فرمائی۔ گفتگو کے بعد دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سترہ نے جو تحریر مرتب فرمائی وہ یہ ہے "یہ شخص (مرزا غلام احمد قادیانی) میری دانست میں لامذہب معلوم ہوتا ہے اس شخص نے اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس رُوح سے اُویسیت ہے مگر اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت اور علاقہ نہیں رکھتے، (صنہ رئیس قادیان جلد ۱ ص ۱۳۱) اس کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی مرزا کے بارے میں وہ موقف اختیار

فرمایا جو اس کے باطل عقائد کی رو سے ضروری تھا۔ کسی نے سوال کیا کہ مرزا غلام احمد تادیابی کے خیالات متعلق بہ دعوات عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ میں ظاہر ہے۔ پس اس مرزائی جماعت کا اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور ان کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تنفر رکھنا کیسا ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا۔

”مرزا تادیابی گمراہ ہے، اس کے مرید بھی گمراہ ہیں۔ اگر جماعت سے الگ رہیں اچھا ہے جیسا رافضی، خارجی کا الگ رہنا اچھا ہے۔ ان کی دامنیات مت منو، اگر ہو سکے اپنی جماعت سے خارج کر دو، بخت کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے ان کو جواب دو، اور ہرگز فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے اس کا جواب ظاہر نے دیدیا ہے مگر گمراہ ہے۔ اپنے اغوار اور اضلال سے باز نہیں آتا، حیا اس کو نہیں کہ شر ماوے“

اس کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے مرزا کو مرتد، زندقہ اور خارج اسلام قرار دیا۔ اور چونکہ حضرت اقدس ہی جماعت دیوبند کے سیدالطاہق تھے۔ اور ان کا فتویٰ گویا پوری جماعت کا اجماعی فیصلہ تھا۔ اس لئے مرزا حضرت اقدس کے فتویٰ کی ضرب کاری کو زندگی کے آخری سانس تک نہ بھلا سکا۔ اور حضرت اقدس کے بارے میں حسب عادت فحاشی پر اتر آیا۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہوئی اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمات بھگنا قابل فراموشی ہیں کہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہوئی نے ذہلی و ہم کی پوری طاقت اس کے لئے وقف کر دی تاہم مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے مولانا غلام دستگیر قصوری کے استغفار پر اللہ میں مرزا کو مرتد قرار دیا اور اسلام سے خارج قرار دے کر علانے حریم سے اس کی تصدیق کرائی اور فتویٰ مرزا کی برہمنی ہونے کی موثر دلیل ثابت ہوا۔

اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں مولانا محمد حسین جالوٹی کے استفتاء کے جواب میں تمام علماء ہندوستان نے مرزا کی تکفیر کی جس میں اکابر دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوٹی نے رقم فرمایا:

”مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تاویلاتِ فاسدہ اور ہفواتِ باطلہ کی وجہ سے دجال، کذاب اور طریقہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے“

حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

”جاہل یا گمراہ کے سوا ایسے عقائد کا معتقد کوئی نہیں ہو سکتا،“

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب نے رقم فرمادیا۔

”قادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ بلاشک الحاد اور شریعت کا

ابطال ہے۔“

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے ارشاد فرمایا۔

”ان عقائد کا اختراع ضال، مضل بلکہ دجالہ میں راس رئیس ہے“

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

”ایسے عقائد کا معتقد کتاب اللہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے والا ہے۔“

اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں جب مرزا کی کتابیں ”فتح اسلام“ توضیح مرام، اور انزالہ اوہام، شائع ہوئیں جس میں وفاتِ مسیح کا دعویٰ کر کے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا گیا تھا تو علماء ربانیں خم ٹھونک کر میدان میں آگئے اور سب اہل ہندوستان مرزا کی تردید کے غلغلوں سے گونجنے لگے۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا اسماعیل صاحب علی گڑھی نے بھی کام شروع فرمایا۔ جگہ جگہ مناظروں میں مرزائیوں کو شکست دہا دی جانے لگی۔

شعبان ۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ نے

الہرہان نامی رسالہ شاہجہاں پور سے جاری کیا جو تیسرے شمارہ دو سال تک تاجیکوں کی شب میں تنویر محسر کا کام انجام دیتا رہا۔

۱۳۲۷ھ میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور کے زیر اہتمام عظیم الشان تاریخی مناظرہ ہوا جس میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہوئی اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امر تھری کے باطل شکن دلائل اور بیانات سے قادیانیت لرزہ بر اندام ہو گئی۔ اور ۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہ کی زیر سرکردگی وہ تاریخی مناظرہ ہوا جس میں چالیس علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ جن میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید تفسی الحسن صاحب چاند پوری، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اردو سکسٹھ اکابر دیوبند شریک ہوئے اور اس مناظرہ میں مرزائیوں کی شکستِ فاش نے ان کی کمر توڑ دی۔

پھر ۱۳۳۱ھ کے بعد ۱۳۳۲ھ میں مولانا محمد سہول صاحب مغربی دارالعلوم دیوبند کے قلم سے ایک مفصل فتویٰ کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس مفصل فتویٰ میں پہلے مرزا غلام اردو قادیانی کے افکار و عقائد کو اسی کی کتابوں سے نقل کیا گیا تھا۔ پھر لکھا گیا تھا۔

”جس شخص کے ایسے عقائد و اقوال ہوں، اس کے خارج اناسلام ہونے میں کسی مسلمان کو خواہ جاہل ہو یا عالم تردد نہیں ہو سکتا۔ لہذا مرزا غلام احمد اور اس کے جملہ متبعین بدرجہ مرتد زندق، الجہد، کافر اور فرقہ ضالہ میں یقیناً داخل ہیں“

اس فتویٰ پر حضرت شیخ الہند، بورجہ حضرت علامہ کشمیری اور دوسرے مشاہیر علماء کے دستخط میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اس فتویٰ پر دستخط کے ساتھ یہ الفاظ مزید قلم بند فرما کر اپنی مہر لگائی ہے۔

”مرزا علیہ السلام کے عقائد و اقوال کا کفر ہے جو بلا سبب کی مضمون ہے۔ کہ جس کا عقائد کوئی شخص ہم نہیں کر سکتا۔ جن کی تحصیل جو اس میں موجود ہے۔“

بندہ محمود علی عنہ صدق اللہین دارالعلوم دیوبند

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ انگریزی کی ذریت (قادیانی ٹولہ) سے نہیں بلکہ براہ راست قادیانی نبوت کے خالق (انگریز بہادر) سے ٹکر لے رہے تھے لیکن ذریت برطانیہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اپنے نابغہ روزگار تلامذہ (جن کی فہم بڑی طویل ہے) کو اس جانب متوجہ فرمایا۔ جنھوں نے اس موضوع کو اپنی خدمت کا جولا رنگاہ بنایا۔ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید مرتضیٰ الحسن چاند پوری، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب حضرت مولانا عبد السمیع صاحب انصاری، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری۔ حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری اور حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری قدس اللہ اسرار تم نے تحریر و تقریر کے ذریعہ حسرت ختم نبوت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا، لیکن ان اکابر کی خدمات کی فہرست میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری قدس سرہما کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اگرچہ مسائل فقہیہ میں حضرت شیخ الہند کے مسلک پر نہ تھے مگر ختم نبوت کے لئے آپ کے ارشاد پر جان چھڑکتے تھے، حضرت شیخ الہند نے آپ کے ذریعہ پورے حلقہ اہل حدیث میں مرزائیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی اور مولانا امرتسری نے مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا داؤد غزنوی کو بھی اس پلیٹ فارم پر لا کھڑا کر دیا۔ اور حضرت علامہ کشمیری نے اپنے علم و ظلم اور تلامذہ کی پوری طاقت اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے وقف کر دی، اور رد قادیانیت کی تقریب سے اصول دین اور اصول تکفیر کی وضاحت پر

ایسا قیمتی سرمایہ تیار فرمایا کہ قیامت تک اس طرح کے فنون کی سرکوبی کیلئے امت
اس سے روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت
مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، حضرت مولانا حفص الرحمن صاحب سیوہاروی، حضرت مولانا
حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائی پوری، حضرت مولانا
سید عطار اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا چسراغ محمد صاحب گوجرانوالہ، حضرت
مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا ابوالوفار صاحب شاہجہانپوری،
حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، حضرت مولانا تھمس الحق صاحب افغانی رح
حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا
حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ اور دوسرے جلیل القدر علماء نے اس فتنہ کا بھرپور
تعاقب کیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں قریب قریب گھوم کر حق کی دفاعت کی
اور اس موضوع کے ہر پہلو پر اتنا لٹریچر تیار کر دیا کہ اس کا کوئی گوشہ نشین
..... نہیں ہے۔ فجزاہم اللہ عننا وعن سائر المسلمین

تقسیم ہند کے بعد اس فتنہ نے سرزمین پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا یا تو
وہاں بھی علماء دیوبند اور منتسبین دیوبند نے تمام طاقتیں اس حیرت انگیز مقدس کی حفاظت
کے لئے وقف فرادیں۔ تاہم قادیانیت تاریخ انسانیت میں ایک بہتان اور افتراء
بن کر رہ گئی اور یہ کام خدا کے فضل و کرم سے تکمیل تک پہنچ گیا۔

مجاہدین قوم | علماء کرام کی جدوجہد سے قادیانیوں کو مرتد اور غیر مسلم اقلیت
قرار دیتے جانے کے بعد اب قادیانیوں نے ایسے مقامات کو منتخب کیا ہے۔ جہاں
انہیں اس سلسلہ میں سیاسی طور پر فرصت مہیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب ہندوستان

میں بھی ان کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی ہے۔ جگہ جگہ مراکز قائم ہو رہے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں، اور اس نکتہ نے از سر نو مختلف انداز پر کام شروع کر دیا ہے تعلق آباد دہلی میں مرزائیوں نے ایک وسیع و عریض جگہ خرید کر وہاں اپنا مرکز قائم کر لیا ہے۔ خرید کردہ زمین کا احاطہ بنالیا گیا ہے اور عارضی طور پر ایک مسجد ضرارتیت الشیاطین، کی بنیاد ڈال کر "اسلامی احمدی تبلیغی مشن" کا بورڈ لگا دیا گیا ہے۔ بمبئی و کلکتہ میں ان کے مراکز پہلے سے قائم ہیں جن کی تجدید کر کے طاقتور بنایا جا رہا ہے۔ میرٹھ میں بھی ایک دفتر قائم کر لیا ہے اور وہاں مرزائیوں کی ایک کانفرنس بھی منعقد ہو چکی ہے۔ اسی طرح چند ماہ قبل لکھنؤ میں بھی کانفرنس کر چکے ہیں، ہاتھرس ضلع علیگڑھ میں بھی مشن قائم کر لیا گیا ہے جس سے غریبوں میں مفت دوا میں بھی تقسیم ہو رہی ہیں اور طلبہ کو تعلیمی وظائف بھی دے جا رہے ہیں اور وہاں العیاذ باللہ متعدد خاندان قادیانیت کو قبول بھی کر چکے ہیں۔ اسی طرح فقیہوں کا پنور میں بھی مرزائیوں کی جدوجہد تیز ہوتی ہے اور کئی گھرانے قادیانیت کے پیٹ میں آگئے ہیں۔ حیدرآباد و مالا بار میں بھی مرزائیوں کی تنظیم جدید ہو رہی ہے۔ مرزائیوں کا شعبہ نشر و اشاعت بھی زندہ کیا گیا ہے اور سلسلہ سے اب تک ان کی کئی نئی اور پرانی کتابیں طبع ہو کر سامنے آئی ہیں اور بہت سارے لٹریچر تیار کئے گئے ہیں۔ اخبار بدر قادیان میں از سر نو روح ڈالی جا رہی ہے۔ مرزائیوں نے اپنے کفر کی اشاعت کرنے کیلئے مبلغین کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ اور اس کے لئے آگرہ میں "سادھن" کے نام سے سینٹر کا قیام عمل میں آ گیا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ دارالعلوم کے فرزندوں اور ہندوستان کے علماء کو اس مخطوط پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی جائے

اجلاس منعقد کرنا اگرچہ دارالعلوم کے بنیادی مقاصد میں نہیں ہے۔ لیکن جب ضرورت سامنے آئے اور حالات کا تقاضا ہو تو پھر اجلاس بلانا، اہل شورہ اور اہل باب

تعلق کو زحمت اجتماع دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹-۲۰-۲۱ شعبان ۱۳۷۰ھ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت سرزمین ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر بوجہ گاڑنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ تو فوراً اس کا محاسبہ کیا جانا چاہئے اور اہل علم کو جمع کر کے اس کے تازہ پیرہن کو تازہ کر کے کی جہد و جدوجہد کو تیز کر دینا چاہئے۔

علماء والامقام! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اسلاف اجداد نے اس موضوع کو پوری طرح مکمل فرما دیا ہے۔ لیکن عرصہ دراز سے ہندوستان میں چونکہ قادیانیت کی آواز مدہم پڑ گئی تھی۔ اس کی تردید کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں تھی اور اکابر مروجین کی تمام ہی کتابیں نایاب ہو گئی تھیں اس موقع پر دارالعلوم کی جانب سے چند کتابیں بھی شائع کی جا رہی ہیں اور امداد ہے کہ تازہ دم فضلاؤ کو اس فتنہ کی اہمیت سے آگاہ کر کے انھیں اس کی تردید کے لئے میدان میں اتار دیا جائے۔

اور اس کے ساتھ ہی صحیح انکار و عقائد کی نشر و اشاعت کے لئے بھی تاجمقدور اپنی مساعی کو تیز کر دیا جائے۔ چونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انسانیت کی نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسانیت کا قافلہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

قابلِ صدا احترام بھائیو! اس موقع پر یکساں سول کوڈ کے مسئلے کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ابھی چند دن پہلے اس سلسلے میں بار کونسل آف انڈیا کے زیر اہتمام کنونشن کی جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کے سبب مسلمانوں کی پوری توجہ اس مسئلے کی طرف منحطف ہو گئی ہے اس کنونشن میں جو پالیسی اختیار کی گئی اور جو طرز عمل سامنے آیا وہ مسلمانوں

کے لئے انتہائی دل آزار ہے۔ کیونکہ کیساں سول کوڈ کے بعد مسلم پرسنل لاؤ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اور مسلمانوں کے لئے مذہبی اور شرعی ہدایات کے خلاف کسی چیز کا قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند، اس کے فرزند اور متسلبین غیر مبہم الفاظ میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے اس کے ہر حال میں ناقابل قبول ہونے کو واضح کر دینا اپنا مقصد اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس طرح کے تمام شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آخر میں احقر خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے مہمانانِ گرامی قدر کا بصمیم قلب شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے لئے معذرت خواہ ہے اور امید کرتا ہے کہ حضرات محترمین نے جس طرح زحمت سفر برداشت کر کے کرم بے پایاں کا ثبوت دیا ہے اسی طرح تقصیرات کسوفِ نظر فرما کر بھی ممنون فرمائیں گے۔

والسلام

حضرت مولانا مرغوب الرحمن (صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

ختم نبوت کی حقیقت

حفاظتِ دین کے سلسلہ میں ہمارے بزرگوں کا موقف

از حضرت مولانا محمد منظور صاحب نغانی

حضرات کرام! آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں، بیماری اور ضعف پیری سے نیم جان جسم آپ کے سامنے ہے۔ اس حال میں اپنی حاضری اور آپ حضرات کے درمیان موجودگی کو اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کا کرشمہ اور اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں اور اس اجلاس کے موضوع "ختم نبوت" کی نسبت کی قوت کشش کا ایک نمونہ۔

زندگی بھر کتاب و قلم سے واسطہ رہنے کے باوجود نہ علم آیا اور نہ قلم، اور اب تو آئے ہوئے علم کے جانے کا زمانہ ہے۔ رات ہی مجھے معلوم ہوا کہ اسی حال میں اتنے اہل علم حضرات کے سامنے اس اہم اجلاس کی پہلی نشست میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے تو کوشش کی کہ چند مختصر اشارات قلب بند کرادوں۔

محترم حضرات! نبوت و رسالت، انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطری ضرورت اور راہِ سعادت کی طرف اس کی رہنمائی کی تکمیل کا خدائی انتظام ہے جو ابتدائے آفرینش سے چھٹی صدی عیسوی تک تو اس طرح جاری رہا کہ قوموں، علاقوں اور مختلف بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی مجموعوں، معاشروں کے لئے الگ الگ انبیاء و رسل کی بعثت مختلف زمانوں میں ہوتی رہی۔ پھر چھٹی صدی عیسوی میں

جب کہ انسانیت بلوغ کو پہنچ گئی، اور حکمتِ الہی کے نظر نہ آنے والے مسلسل عمل کے نتیجہ میں دُنیا کے جغرافیائی، تمدنی، موصلاتی اور ذہنی احوال اس طرح کے ہو گئے کہ پوری دُنیا کو ایک رہنمائی کا مخاطب بنانا، اُسے ایک ہی مرکزِ ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہو گیا اور قیامت تک کے لئے دین اور دین کے سرچشموں کتابِ سنت کی حفاظت کے اسباب پیدا ہو گئے۔ تب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مبارک سلسلہ کا خاتم اور عالمین کے لئے مبعوث فرمایا گیا۔ اور گویا بسطے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کرتۂ ارض میں بسنے والے انسانوں میں سے کسی ایک فرد پر اب ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آئے گا جو نبوت اور اُس کے فیضانِ ہدایت سے خالی ہو۔ اس پہلو پر غور فرمایا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ختمِ نبوت اس نعمتِ عظمیٰ کے انقطاع اور اس کے فیض سے محرومی نہیں بلکہ اس کے دوام و تسلسل کا نام ہے۔

ختمِ نبوت کا ایک اور پہلو اس لائق ہے کہ اُسے اچھی طرح سمجھ کر عام کیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کے لئے نئے نئے نبی کی آمد ایک شدید آزمائش ہو کرتی تھی۔ آنے والے نبی سے پہلے نبیوں کے ماننے والوں میں سے بہت کم لوگ اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے تھے۔ بڑی تعداد انکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کر کے لعنتی اور جہنمی ہو جاتی تھی۔ سب سے آخری دو عظیم الشان رسولوں ہما کی مثال سلیب رکھ لیجئے۔ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے اور احیاء موقیٰ جیسے معجزے نے اُن کو تشریف لائے تو یہودیوں میں سے کتنے ان پر ایمان لائے اور کتنوں نے ان کو جھوٹا نبی نبوت قرار دے کر لعنتی اور واجب القتل قرار دیا اور ان کی مشرکیت کا اعلان کیا اور ان کو صلیبیوں کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی نبوت کو زمان کر اس وقت کی قریب قریب پوری یہودی امت لعنتی اور
جہنمی ہو گئی۔

اسی طرح جب ان کے بعد سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف لائے تو اگرچہ آپ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں توہرات و انجیل
وغیرہ اگلی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اس کے باوجود اگلے پیغمبروں اور
ان کی اگلی کتابوں کے ماننے والے یہود و نصاریٰ میں سے بس چند ہی نے آپ کو
قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے باقی سب افکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار
کر کے دنیا میں اللہ کی لعنت اور آخرت میں جہنم کے ابدی عذاب کے مستحق ہوئے
پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر
اس امت محمدیہ پر یہ عظیم رحمت فرمائی کہ اس کو اس سخت ترین امتحان اور آزمائش
سے محفوظ فرما دیا۔ اگر بالفرض نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو یقیناً وہی نبوت
ہوتی جو پہلے ہمیشہ ہوتی رہی تھی۔ جیسی حضور کی امت کے بہت تھوڑے لوگ
آنے والے نبی کو قبول کرتے اور زیادہ تر آپ کے امتی اس کا انکار کر کے (معاذ
اللہ) کافر اور لعنتی ہو جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ حضور پر ختم
فرما کر اس امت کو ہمیشہ کے لئے کفر اور لعنت کے اس خطرہ سے محفوظ فرما دیا۔
اس لئے یہ ختم نبوت امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین رحمت ہے
اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ذمہ پیغام الہی کی تبلیغ، اور اس کو قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کے کام
کے علاوہ ایک کام یہ بھی تھا کہ ایک ایسے امت تیار کریں جو ان نبیوں کے کاموں
کو سنبھال لے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کی تعمیر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے

کہ بعثت، بعثت مزدوجہ تھی، یعنی آپ کی بعثت کے ساتھ آپ کی امت کی بھی بعثت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طرف اشارے بھی آئے ہیں کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں وقتاً فوقتاً ایسے بندے پیدا فرماتا رہے گا۔ جو آپ کے لئے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور اس کی صفائی و آبپاری کی خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ آپ کے ایک ارشاد کے الفاظ ہیں۔

ان الله يعث لهدى الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين“

ایک اور ارشاد کے الفاظ ہیں۔ ”لكل قون سابق“

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

”بدأ الإسلام غريباً وسيعود غريباً فطوبى للغرباء“
الغرباء يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال الذين يملعون ما افسد الناس من امتي“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں آپ کی امت میں ایسے افراد پیدا فرماتا رہے گا جو آپ کے لئے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور تجدید و صفائی کا کام کرتے رہیں گے۔ گزشتہ چودہ سو سال میں دین کی جو خدمات ہوئی ہیں وہ دراصل انہی ارشادات نبوی کی عملی تطبیق ہیں۔

محققین کا خیال ہے کہ ہزارہ دوم کے آغاز سے اس عظیم کام کا خصوصی سرگز
حکمت الہی نے سرزمین ہند کو بنایا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے
یہاں اس زریں سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے جو بڑے بڑے
کام نئے ان میں اکبر کے دین الہی کا خاتمہ سرفہستہ ہے۔ جو ایسا فنا ہوا کہ اب
تلاش کرنے سے اس کا ذکر صرف تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس کے
علاوہ توحید و سنت کی اشاعت، شرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف جہاد تزکیہ
و احسان کے صاف ستھرے نظام کی ترویج۔ بگڑے ہوئے تصوف کی بیخ کنی
اور شیعیت کے فتنہ سے اس دور کے مسلمانوں کو بچانے کی جد جہاد ان کے چند
اہم تجدیدی کارنامے ہیں۔

ان کے بعد یہ امانت بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
کے سپرد ہوئی۔ ان کے زمانے میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر سخت
حالات تھے۔ باہمی تفرقہ و انتشار بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر
اصرار کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف حلقوں اور مکاتب فکر کی صلاحیتیں باہم
ایک دوسرے کی تردید و تفصیل ہما پر صرف ہو رہی تھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ
علیہ نے وہ تمام کام کئے جن سے ملت اسلامیہ ہند یہ کی تعمیر نو ہو سکے اور اس کی
صفوں میں اتحاد اور قدموں میں ثبات پیدا ہو۔ اور ذوق و مزاج عملی اور مثبت ہو
لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے وقت کے فتنوں اور اسلام کو درپیش داخلی
و خارجی خطروں پر کڑی نظر رکھی۔ یہاں خاص طور پر رد شیعیت کے سلسلہ میں
ان کے کام کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ خود دکتا میں تصنیف
کیں (۱) ازالۃ الخفا عن خلافة الخلفاء (۲) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، بلکہ حضرت
مجدد الف ثانی کے اس رسالہ کا عربی ترجمہ بھی کیا جو انھوں نے شیعوں کی تکفیر کے سلسلہ

میں علامہ حنبلہ اسان کے فتوے کی تائید میں لکھا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متصلاً بعد ان کے ماجزادہ گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز کا زمانہ آیا اس زمانہ کے حالات کا اندازہ آپ جیسے اہل علم و نظر حضرت سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے زمانہ میں ہندوستان کو دارالہرب قرار دیا تھا۔ لیکن اپنے تمام دوسرے کاموں کے ساتھ جن میں رجاں کار کی تیاری کا کام سب سے زیادہ اہم تھا۔ انہوں نے بھی شیعیت کے تقبیض سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے "تحفۃ اثنا عشریہ" جیسی کتاب تصنیف فرمائی جو انشاء اللہ اس ماہ میں قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ پھر حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید نے اپنے تمام کاموں کے ساتھ جن میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے میدان کار کا سجانا سرفہرست ہے شرک و بدعات کی بیخ کنی کا کام پورے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا۔

پھر وہ وقت آیا کہ مغلیہ حکومت کا اگرچہ کچھ نام باقی تھا لیکن فی الحقیقت وہ ختم ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ "سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی" کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، اس وقت مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت اور کمزوری کے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عیسائی مبلغین کی ایک فوج میدان میں آگئی۔ انہوں نے سمجھا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو عیسائی بنالینا آسان ہو گا۔ انہوں نے تحریر و تقریر سے مبلغین ہم وسیع پیمانے پر شروع کر دی تو ہمارے سلسلہ کے اکابر میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی وغیر علمائے کرام نے ایسا مقابلہ کیا۔ جس نے عیسائی مبلغین کو ہمیشہ کیلئے پسپا اور خام کر مسلمانوں کی طرف سے مایوس کر دیا۔ اس کے کچھ ہی بعد سوامی دیانند کی آریہ سماجی تحریک وجود میں آئی انہوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ حضرت نانوتوی نے تحریک و تقریر سے اس کا بھی مقابلہ کیا۔

اسی دور میں یورپ کے سیاسی غلبہ اور اقتدار کے نتیجے میں عقلیت اور روشن خیالی کے خوبصورت ناموں سے دہریت اور پجیریت کا فتنہ اٹھا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حضرت نانوتویؒ نے اس طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور اپنی تصانیف اور تفسیروں سے ثابت کیا کہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد و مسائل عقل و فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور جو اس کے خلاف ہے وہی خلاف عقل و فطرت ہے۔

پھر ان خارجی حملوں اور فتنوں کے دفاع اور مقابلہ کے ساتھ شیعیت کی مخالفت کے خلاف بھی آپ نے لسانی اور قلبی جہاد کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی مستقل تصنیف "ہدایۃ الشیعہ" اور اس موضوع سے متعلق آپ کے مکتوبات حضرات اہل علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمات نبویؐ اور دین کی حفاظت و اشاعت کا سلسلہ جاری رہنے کیلئے دینی مدارس کے قیام کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ علیٰ نذا۔

آپ کے رفیق خاص حضرت گسنگوہیؒ نے بھی عمر بھر شیعیت اور دوسرے داخلی فتنوں اور گمراہیوں، مشرکانہ رسوم و بدعات سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جدوجہد فرمائی۔ اور اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا۔ انہی کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ شروع ہوا۔ ابتداء میں جب تک حضرت کے علم میں اس کی وہ باتیں اور دعوے نہیں آئے جن کی وجہ سے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا فرض و واجب ہو گیا۔ آپ نے احتیاط فرمائی۔ لیکن جب اس کے ایسے دعوے سامنے آ گئے۔ جن کے بعد کفِ زبان کی بھی گنجائش نہ رہی تو حضرت نے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

حضرت نانوتویؒ اور حضرت گسنگوہیؒ کے بعد ان کے تلامذہ دستِ شہدین

حضرت شیخ الہند حضرت سہارنپوری، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، پھران کے تلامذہ
 دستر شریف، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید محمد رفیع الحسن
 چاندپوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی۔ حضرت مولانا
 محمود زکریا صاحب کاندھلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ سب حضرات بھی اپنے اکابر و اسلاف
 کے نقشبندیہ پر چلتے ہوئے، خارجی جملوں اور داخلی فتنوں سے دین کی حفاظت
 علوم نبوی کی اشاعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور امت کی اصلاح و ارشاد
 کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس وقت بھی ہم میں بڑی تعداد ان لوگوں کی
 ہے۔ جنہوں نے ان اکابر کی دینی غیرت و حمیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
 ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی مصلحت ان حضرات کو کسی فتنے سے
 سمجھوتہ اور کسی زینغ و ضلال کو نظر انداز کرنے اور اس سے چشم پوشی پر آمادہ نہیں
 کر سکتی تھی۔ بارہا ہم نے دیکھا اور تجربہ کیا کہ ہمارے یہ اکابر کسی مسئلہ کی طرف
 بڑی شدت سے متوجہ ہوتے جو ہم جیسے کوتاہ نظروں کی نگاہ میں اس شدت کا
 مستحق نہیں تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد سامنے آ گیا کہ ہم جس فتنہ کو بہت
 معمولی سمجھ رہے تھے۔ یا اس کو دین میں رخنہ اور فتنہ ہی نہیں سمجھ رہے تھے وہ
 دین کے لئے ایسے زہریلے برگ و بار لایا کہ الامان، الحفیظ!

یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے بلایا گیا ہے اور یہی اس کا اصل
 موضوع اور مقصد ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے استاذ امام العصر حضرت مولانا
 محمد انور شاہ قدس سرہ سے دعائے طور سے اس دارالعلوم کی صدارت تدریس
 کے دور میں، اللہ تعالیٰ نے جو کام لیا اور اس کے بارے میں ان کا جو حال تھا، جس
 کی طرف کچھ اشارہ اجلاس کے دعوت نامہ میں بھی کیا گیا ہے، میں مناسب بلکہ
 ضروری سمجھا ہوں کہ اس موقع پر آپ حضرات کے سامنے اس کا کچھ ذکر کروں،

میں اس کا معنی شاپہوں۔

اس وقت میں اس سلسلہ کی حضرت کی تعانیف اور ان کی علمی عظمت و اہمیت کا ذکر نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت کی توجہ اور فکر مندی سے آپ کے تلامذہ کی جو ایک بڑی تعداد قادیانی فتنہ کے خلاف تحریر و تفسیر کے ذریعہ علمی جہاد کے لئے تیار ہو کر میدان میں آگئی تھی، اس کا بھی ذکر نہیں کروں گا۔ پس چند واقعات ذکر کروں گا۔ جن سے اس فتنہ کے بارے میں حضرت کی شدتِ احساس اور قلبی اضطراب کا کچھ اندازہ لگایا جاسکے گا۔

میں ۱۳۳۵ھ میں یہاں دورہ حدیث کا طالب علم تھا، یہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت کی صدارت تدریس اور درس حدیث کا آخری سال تھا جس دن دورہ حدیث کے طلبہ کا سالانہ امتحان ختم ہوا اس دن حضرت نے بعد نماز عصر مسجد میں دورہ سے فارغ ہونے والے ہم طلبہ کو خصوصی خطاب فرمایا، وہ گویا ہم لوگوں کو حضرت کی آخری وصیت تھی۔ اس میں دوسری اہم باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اپنی عمر کے پورے تیس سال اس میں صرف کئے کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ الحمد للہ فیما بیننا و بین اشراس پر پورا اطمینان ہو گیا کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کسی مسئلہ کے خلاف کوئی حدیث ہے تو کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس کی تائید اور موافقت میں موجود ہے۔

لیکن اب ہمارا احساس ہے کہ ہم نے اپنا یہ وقت ایسے کام پر صرف کیا جن زیادہ ضروری نہیں تھا۔ جو کام زیادہ ضروری تھے ہم ان کی طرف توجہ نہیں کر سکتے اس وقت جبکہ زیادہ ضروری کام دین کی اہمیت کی فتنوں سے حفاظت ہے جو بلاشبہ فتنہ ابتداء ہے۔ ہم آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ ان فتنوں سے امت کی

اور دین کی حفاظت کے لئے اپنے کو تیار کریں یہ اس وقت کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آپ اس کے لئے اُردو تحسیر و تقریر میں مہارت پیدا کریں، اصرار کیلئے انگریزی میں مہارت حاصل کرنے کا امکان ہو وہ انگریزی میں مہارت پیدا کریں۔ ملک کے اندر ان فتنوں کا مقابلہ اُردو میں کیا جاسکتا ہے۔ اور ملک کے باہر انگریزی کے ذریعہ۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ سے یہ ارشاد سُننے ساٹھ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ الفاظ میں تو یقیناً فرق ہو گا۔ لیکن الطینان ہے کہ حضرت کا پیغام اور ہم لوگوں کو وصیت یہی تھی۔

حضرت اپنے خطابات اور تقریروں میں قادیانی فتنہ پر گفتگو فرماتے ہوئے اکثر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس غیر معمولی حال اور اضطراب کا ذکر فرماتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کے فتنوں خاص کر نبوت کے مدعی مسیلاً کذاب کے فتنہ کے سلسلے میں آپ پر طاری تھا۔ ہم لوگ محسوس کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانی فتنہ کے بارے میں کچھ اس طرح کا حال ہمارے حضرت الاستاذ پر طاری فرمادیا ہے۔

یہاں میں فتنہ قادیانیت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب سے متعلق دست بجاو پور کے تاریخی مقدمہ کا واقعہ بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ مقدمہ بجاو پور کی جج کی عدالت میں تھا۔ ایک مسلمان عاتون نے دعویٰ کیا تھا کہ میرا نکاح فلسطی شخص سے ہوا تھا۔ اس نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہے اس لئے وہ کافر ہے۔ عدالت میرے اس نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے بجاو پور کے جج کرام نے اس مقدمہ کی سپیرو کی کا فیصلہ کیا، اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ شہادت لائیں اور عدالت میں بیان دیں۔ اس وقت حضرت عمر بیضی اور رضی اللہ عنہما نے شہادت

ضعیف و نحیف تھے بالکل اس لائق نہ تھے کہ بھاؤ لیپور تک کا طویل سفر فرمائیں۔ لیکن آپ نے اسی حال میں تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا (میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میکے پاس کوئی عمل نہیں ہے جس سے نجات کی امید ہو، شاید اس حال میں یہ سفر ہی میری نجات و مغفرت کا وسیلہ بن جاتے)۔ بہر حال تشریف لے گئے۔ اور جا کر عدالت میں بڑا معرکہ الآرار بستان دیا، دو سکر چیف حضرات علامتے کرام کے بھی بیانات ہوئے۔ خاص کر حضرت شاہ صاحب کے بیان سببہ فاضل حج کو مطمئن کر دیا کہ قادیانی ختم نبوت کے انکار اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کی وجہ سے دائرۃ اسلام سے خارج کا فرد مرتد ہیں۔ انھوں نے بہت مفصل فیصلہ لکھا، دعویٰ کرنے والی مسلم خاتون کے حق میں ڈگری دی۔ اور نکاح فسخ اور کالعدم قرار دیا۔ فاضل حج کا یہ فیصلہ تریب ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب کی شکل میں اسی زمانہ میں "فیصلہ مقدمہ بھاؤ لیپور کے نام سے شائع ہو گیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی بنیاد حضرت شاہ صاحب کا بیان تھا۔ بطور ذمہ حکومت کے دور میں یہ پہلا عدالتی فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

فقہہ قادیانیت کے یہ سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب کے جلال کا بھی سن لیجئے۔ دورۂ حدیث کے ہمارے ہم سبق طلبہ میں ضلع اعظم گڑھ کے بھی چیف حضرات تھے۔ اسی زمانے میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک صاحب جو قادیانی تھے، سہارنپور میں حکومت کے کسی بڑے عہدہ پر آگئے وہ ایک دن اپنے ہم ضلع اعظم گڑھ میں طلبہ سے ملنے کے لئے (لیکن فی الحقیقت ان کو جاں میں پھانسنے کیلئے ہزار مسلمان آئے، ان طلبہ نے ان کی اچھی خاطر مدارات کی، وہ شکار کے بہانے ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں کو دارالاسلام والیں گئے۔ حضرت شاہ صاحب کو

کسی طرح اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت کو ان طلبہ کی اس دینی بے حیاتی سے سخت قہمی ازیت ہوئی، ان طلبہ کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے ایک سعادت مند طالب علم غالباً معافی مانگنے کے لئے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے حضرت پر جلال کی کیفیت طاری تھی۔ قریب میں چھڑی رکھی تھی اس سے ان کی خوب پٹائی کی (یہ فاروقی شدت فی امر اللہ کا ظہور تھا) ہمارے وہ ہم سبق طالب علم بڑے خوش اور مسرور تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ایک غلطی پر حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ سے پٹنے کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جو حضرت کے ہزاروں شاگردوں میں سے غالباً کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ حضرت نظری طور پر بہت ہی نرم مزاج تھے۔ ہم نے کبھی ان کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔

آخر میں اپنا ایک ذاتی واقعہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ میرے اصل آبائی وطن سنبھل سے قریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے اس موضع میں چند دولت مند گھرانے تھے، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ان لوگوں کے تجارتی اور کاروباری تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ میں جب شعبان ۱۳۳۷ھ کے اواخر میں دارالعلوم کی تسلیم سے فارغ ہو کر مکان پہنچا تو میرے بڑے بھائی صاحب نے بتلایا کہ اس موضع والوں کے کوئی رشتہ دار امر وہم میں ہیں جو قادیانی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ برابر وہاں آتے ہیں اور قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور دعوت دیتے ہیں اور لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ اور سنا ہے کہ اس کا خطرہ ہے کہ بعض لوگ قادیانی ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں چلنا چاہئے۔ آپ پر دو گرام بنائیے! (میرے یہ بھائی صاحب مرحوم عالم تو نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی فکر عطا فرمائی تھی)۔ چند دن کے بعد انہوں نے بتلایا کہ معلوم ہوا ہے کہ امر وہم کا وہ قادیانی (جس کا نام بھیج دیا تھا)

نفلوں میں وہاں آنے والا ہے۔ بھائی صاحب نے اس سے ایک دن پہلے پیچھے کا پرگرا بنا دیا۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا، ہم اپنے پر و گرام کے مطابق پیچ گئے۔ لوگوں سے ہم نے باتیں کیں تو اندازہ ہوا کہ بعض لوگ بہت متاثر ہو چکے ہیں، بس اتنی ہی کسر ہے کہ ابھی باقاعدہ قادیانی نہیں ہوئے ہیں۔ جب ہم نے قادیانیت کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو کی تو انہوں نے بتلایا کہ امر وہ سے عبد السمیع صاحب آنے والے ہیں آپ ان کے سامنے یہ باتیں کریں۔ ہم نے کہا یہ تو بہت ہی اچھا ہے ہم ان سے بھی بات کریں گے۔ اور ان کو بھی بتلائیں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کیسا آدمی تھا اور اس کو نبی ماننا گمراہی کے علاوہ کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس گفتگو ہی کے دو مہینے وہاں کے ایک صاحب نے (جو کچھ پڑھے لکھے) اور عبد السمیع کی باتوں سے زیادہ متاثر تھے، بتلایا کہ وہ تو مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی سے مناظرہ کر چکا ہے۔ اور امر وہ کے سب بڑے بڑے عالموں سے بحث کر چکا ہے اور سب کو لاجواب کر چکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات سن کر میں بڑی نگر میں پڑ گیا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی تجربہ کاری اور چرب زبانی سے لوگوں کو متاثر کر لے میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میری مدد اور انجام بخیر فرمائے۔ میں اسی حال میں سو گیا۔ خواب میں حضرت استاذ قدس سرہ کو دیکھا۔ آپ نے کچھ فرمایا جس سے دل میں اعتماد اور یقین پیدا ہو گیا کہ بڑے سے بڑا کوئی قادیانی مناظرہ آجائے تب بھی میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور اس کو مغلوب فرمائے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو الحمد للہ میرے دل میں وہی یقین و اعتماد تھا۔ لیکن امر وہ سے وہ قادیانی عبد السمیع نہیں آیا۔ ہم نے کہا کہ اب جب کبھی وہ آئے تو ہم کو اطلاع دیجو ہم انشاء اللہ آئیں گے۔ اس کے بعد ہم نے لوگوں کو بتلایا اور سمجھایا کہ بڑی مسئلہ اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا یا کسی دعویٰ کرنے والے کو نبی ماننا

مہر مع کفر و ارتداد ہے اور مرزا قادیانی کے بارے میں بتلایا کہ وہ کیسا آدمی تھا ہم بغضِ تعالیٰ وہاں سے اس اطمینان کے ساتھ واپس ہوئے کہ انشائاً اللہ اب یہاں کے لوگ اس قادیانی کے جال میں نہیں آئیں گے۔ خواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے دکھایا اس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بشارت اور حضرت شاہ صاحب کی کرامت سمجھا۔

محترم حضرات! حضرت شاہ صاحب کے یہ چند واقعات تو میں نے صرف اس لئے بیان کئے کہ اس دارالعلوم کے اکابر میں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے تحفظ کا اور قادیانی فتنہ کے خلاف جہاد کا (جو اس اجلاس کا خاص موضوع ہے) سب سے زیادہ کام انہی سے لیا۔ — ورنہ میں تاریخی تسلسل کی روشنی میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے اس سلسلہ مجددی و ولی اللہی اور سلسلہ قاسمی و گنگوہی کی ایک خصوصیت توفیقِ خداوندی ہر قسم کے فتنوں اور ہر قسم کی تحریف سے دین اور امت کی حفاظت، اور اس سلسلہ میں پوری بیداری، ہوشیاری اور مصلحت سمجھت رہی ہے۔ ہمیں یہ فکر ہونی چاہئے کہ یہ مزاج اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ زندہ اور قائم رہے اور ہماری ان نسلوں کو منتقل ہو جو ہمارے مدارج میں تیار ہو رہی ہیں۔

میں اس موقع پر آپ حضرات سے اپنا یہ احساس عرض کروں یا ضروری سمجھتا ہوں کہ وقت کا بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ امت کے عوام ہی میں نہیں بلکہ ان میں جن کو خواص سمجھا جاتا ہے۔ ایک بڑی تعداد ہے جو دین کے بنیادی عقائد و حقائق کے بارے میں بھی، تسامح، تساہل اور چشم پوشی کے رویہ کو اچھے اچھے نام دے کر اختیار کرتی جا رہی ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ وہ ایمانی غیرت و حمیت اور وہ دینی حس جو اکثر بڑے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں محافظین دین کی مددگار رہی

کہیں وہ اتنی مضحکہ خیز نہ ہو جائے کہ پھر اس کے بعد آپ کو دوطرفہ کام کرنا پڑے، ایک تو آپ کو ان فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اور دوسری طرف امت کو بلکہ ان کے خواص کو اس بات پر مطمئن کرنے پر اپنی توانائی صرف کرنی پڑے کہ عقیدہ اور دین پر کسی اور شے کو مقدم کرنا ہمارے دین کے خلاف ہے اگر یہ اجلاس ختم نبوت کے خلاف ہونے والی صریح اور پوشیدہ بیاناتوں اور اسی طرح دوسرے فتنوں کے مقابلہ کے لئے اپنے اکابر و اسلاف کی روایا کو زندہ کرنے کی کوشش کا نقطہ آغاز بن جائے اور مدارس کے فضلاء کی ایسی جامع تربیت کا ایسا پروگرام شروع کرنے کا فیصلہ کر دے جس کے ذریعہ انھیں دین کی حفاظت اور فتنوں کے مقابلہ کے لئے تیار کیا جائے تو میسر خیال میں یہ اجلاس کی افادیت کا ایک عملی ثبوت ہوگا۔

آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہے۔ اللہم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منہم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منہم۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَىٰ وَسَلَامٌ عَلٰی صَادِقِ الدِّیْنِ اَمِیْنٍ

قادیانیت اسلام کے متوازی ایک جدید مذہب

از مولانا حبیب الرحمن قاسمی

۱۸۵۷ء کے بعد اگر ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط مکمل طور پر قائم ہو گیا تھا۔ اور ان کا پنجہ استبداد ملک کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ پھر بھی حکومت برطانیہ اس خطرے سے بے نیاز نہیں تھی کہ ہندوستانی قوم بالخصوص مسلمان جن سے انگریزوں نے ملک کا زمام اقتدار چھینی تھی اگر متحد و متفق ہو گئے تو اپنے اس غاصبانہ تسلط کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے آئین جہانداری کی رو سے ضروری سمجھا گیا کہ ان کے ذہنی مشغلہ اور روحانی توجہ کیلئے نہ صرف مذاہب عالم کو آپس میں ٹکرا دیا جائے۔ بلکہ ہر مذہب میں نئے نئے فرقے پیدا کئے جائیں۔ اور پھر ہر فرقے میں نئی نئی قلبیں رکھا کر ہندوستان کو مذاہب و افکار کی آویزش کی ایک آماجگاہ بنا دیا جائے۔ تاکہ آوازہ حریت بلند کرنے کی کسی کو فرصت ہی نہ ملے اور اگر کسی گوشے سے یہ آواز اٹھے بھی تو اس افتراقی غلغلہ کے شور میں دب کر رہ جائے۔

چنانچہ انگریزوں کی نگاہ دور میں نے مسلمانوں کے اندر مذہبی تنگ میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا جس کے

بعد آسمان مغرب سے مرزا پر وحی خفی و حلی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے ذریعہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابل امتوازی ایک جدید شریعت امت کے سامنے پیش کی گئی۔ اس طرح مسلمانوں کے اندر ایک نئے فرقہ کا اضافہ ہو گیا۔ اور یہی شاہراہ فرنگ کا عین مطلوب و مقصود تھا۔

یہ فقہ انگریزوں کی درپردہ سازش سے اس قوت کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔ کہ اگر علمائے اسلام اس کے مد مقابل ڈٹ نہ جاتے تو جس طرح سینٹ پال نے دین مسیحیت کو ایک تین اور تین ایک کے غیر معقول فلسفہ میں الجھا کر وحدانیت سے شرک کی راہ پر ڈال دیا۔ ٹھیک اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی وحی و الہام کے پُر فریب دعوؤں کے ذریعہ دین اسلام کو مسخ کر کے الحاد و دہریت کا توہمان بنا دیتے۔

اس مختصر مقالہ میں مرزا غلام احمد کی اسی ناپاک کوشش کے دنس نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ پورے مقالہ میں اس بات کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے قرآن و سنت سے ماخوذ اسلامی عقائد و احکام.... اور اس کے بالمقابل.... امتوازی مذہب مرزائی کے مزعمات خود بانی مذہب مرزا قادیانی کی زبان سے پیش کر دئے جائیں۔

اسلامی شریعت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کی ذات والا صفات پر مراتب نبوت ختم ہو گئے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

محمد رسول اللہ تمہارے مردوں
میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ
مِّنْ ذَرْبِكُمْ وَلَكِن

رسول اللہ و خاتم النبیین (احزاب) لیکن انبیاء کے خاتم اور آخری نبی ہیں۔
 قدیم ترین مفسر امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں
 لکھتے ہیں۔

وَالكُتُبُ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ الَّذِي خَتَمَ النَّبُوَّةَ فَطُبِعَ عَلَيْهَا فَلَا
 تَفْتَحُ لِاحْدٍ بَعْدَهُ اِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ، (جامع البيان في تفسیر القرآن ص ۳۳)
 آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں یعنی ایسے شخص میں جس نے نبوت کو ختم
 کر دیا اور اس پر مہر لگا دی آپ کے بعد اب قیامت تک کسی کے لئے یہ نہیں
 کھولا جائے گا۔

محقق حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۴۲ھ تحریر کرتے ہیں۔
 فهذه الآية نعت في انه لا نبى بعدة واذا كان لا نبى بعدة فلا رسول بالطريق
 الاولى والاخرى لان مقام الرسالة اخص من مقام النبوة فان كل رسول
 نبى ولا ينعكس - وبذلك وردت الاحاديث المتواترة عن رسول الله
 صلى الله عليه وسلم من حديث جماعة من الصحابة رضی الله تعالى عنهم
 (تفسیر ابن کثیر ص)

یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
 کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جب کوئی نبی نہ ہوگا تو رسول بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ کیونکہ
 رسالت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے خاص ہے ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے اور ہر
 نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث
 متواترہ بھی حضرات صحابہ سے منقول ہیں۔

امام محمد شری، قاضی ابوسعود امام نسفی، علامہ سید آوسی وغیرہ مشاہیر علمائے
 تفسیر نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں باختلاف الفاظ یہی بات کہی ہے البتہ بعض مفسرین

اور قاضی الموسوی نے اس موقع پر ایک شبہ کا جواب بھی دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں نزل اجلاں فرمائیں گے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ امام زرخشری اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "معنی کو نہ اخر الانبیاء اِنَّه لاینباء احد بعد لا وعیسیٰ (علیہ السلام) مہن نبی قبلہ، آخر الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام ان حضرات انبیاء میں ہیں جنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے منصب نبوت سے سرفراز کر دیا گیا ہے صحابی رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

سیکون فی امتی کذابون ثلاثون
میری امت میں تیس ایسے جھوٹے
کلہم ریزعم اِنَّہ نبی وانا خاتم
پیدا ہوں گے جن میں ہر ایک یہ دعویٰ
النبیین لا نبی بعدی۔
کرے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں
(ابوداؤد ۲۷۰۱، ترمذی ۲۷۰۵)
خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی کسی
قسم کا نبی نہیں ہو سکتا۔

مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں
لیس المراد بالحدیث من ادعی النبوة مطلقاً فانہم لایحسون کثرة
لکون خالیہم ینشأ لہم ذالک من جنون و سودا و انما المراد من قامت
لہ الشریکة رفتح الباری ۳۳۳ ج ۱۳۷

اس حدیث پاک میں مطلقاً مدعی نبوت مراد نہیں کیونکہ ایسے (مطلقات) سے
بے شمار ہیں۔ کیونکہ یہ بے شمار دعویٰ باعہوم باطل بن اور سوادیت کے طریقے سے

وجود میں آتا رہتا ہے بلکہ اس حدیث میں جن تین لوگوں (و کذاب کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں پیروکاروں کی کثرت اور شوکت حاصل ہو جائے۔

اسی مفہوم کی حدیث، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، ابویعلیٰ اور مستدرک حاکم میں علی الترتیب ابوہریرہ (متعدد طرق، سعد بن ابوقحاص، عقبہ بن عامر، جبیر بن مطعم، ابوامامہ باہلی، ابوذر غفاری، انس بن مالک، تمیم داری اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے منقول ہے۔ اس لئے معنوی طور پر یہ حدیث متواتر ہے کیونکہ ائمہ اصول حدیث کی تصریح کے مطابق جو حدیث دس صحرا صحابہ سے مروی ہو وہ حد تو ترک و بیخ جاتی ہے۔

کتاب و سنت کے ان نصوص کی بنا پر محقق ابن نجیم لکھتے ہیں: اذالم یعرف ان محمداً آخر الانبياء فليس بمسلم لانه من ضروريات الدين -

الاشبال والنظار ۱۳۸) جب کوئی اس کا معترف نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے کیونکہ یہ ضروریات دین سے ہے جس کا عدم اعتراف مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ملا علی قاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوی نبوت کرنے والے کے کفر پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

(شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲)

ان تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ نبص کتاب و سنت اور باجماع علماء اہل امت ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں آپ کے بعد دعوائے نبوت کرنے والا باغیظ حدیث و جلال، کذاب ہے اور باتفاق علماء دین مرتد و کافر ہے۔ یہ بات بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر اجماع ہوا ہے۔

اس بنیادی و اجماعی عقیدہ کے برخلاف مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے ماننے

والوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوتی ہے آپ کے بعد بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور خود مرزا غلام احمد اس وقت منصب نبوت پر فائز ہیں۔ آپہسانی مرزا غلام احمد قادیانی کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔
 لکھتے ہیں۔

(۱) ”خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کریم یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۱۲ طبع سنہ ۱۹۰۱ء ضمیر محمد گوپال)۔
 (۲) ”میں (مرزا غلام احمد) جب کہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیش گوئی کے قریب خدا کی طرف سے چشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیونکر رد کر دوں“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ سنہ ۱۹۰۱ء مندرجہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶۴)

(۳) سچا خدا ہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص ۱۲۰)
 اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی کا دروازہ بند ہو گیا اب کبھی پر
 منجانب اللہ وحی نازل نہیں ہوگی۔

چنانچہ ایک طویل حدیث میں حضرت فاروق اعظمؓ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

”انہ انقطع الوحی وتم الذین وحی منقطع ہو گئی اور دین تمام ہو گیا
 (مشکوٰۃ ص ۵۵۷ بحوالہ رزین)

امام بخاری نے ابن الوحی قد انقطع کے الفاظ سے اس اثر کی تخریج کی ہے
 شیخ عبدالوہاب شرانی ایواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں۔

آج سلسلہ نبوت کے منقطع ہو جانے کے بعد اولیاء کے لئے معرفتوں کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر و نواہی الہیہ کے دروازے بند ہو گئے ہیں لہذا جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی ربانی کا دعویٰ کرے تو وہ (جدید) مشرعبیت کا مدعی ہے جو اس کی طرف وحی کی گئی ہے۔ خواہ ہماری مشرعبیت کے موافق ہو یا مخالف پھر اگر وہ مدعی مکلف (عاقل بالغ) ہے تو اس کی گردن اڑادیں گے اور اگر غیر مکلف (مجنون و طفل غیر عاقل) ہے تو اس سے اعراض کریں گے۔

فَمَا بَقِيَ لِلأَوْلِيَاءِ الیَوْمَ بَعْدَ ارْتِفَاعِ النُّبُوَّةِ إِلَّا التَّعْرِيفَاتُ وَاسْتِدَاتِ الْبُوابِ إِلَّا فَا مَرَّ بِاللَّهِمَّةِ وَالنَّوَاهِي فَمَنْ ادَّعَى مَا بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ مَدْعٍ شَرِيعَةٍ أَوْ حَىَّ بِهَا إِلَيْهِ سِوَاءِ وَاقِفٍ شَرِيعًا أَوْ خَالَفَ فَإِنَّ كَانُ مَكْلَفًا ضَرِبْنَا عُنُقَهُ وَالْأَضْرِبْنَا عُنُقَهُ صَفْحًا (ص ۳۸ ج ۲)

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں۔

ایسے ہی وہ شخص (بھی کافر ہے) جس نے دعویٰ کیا کہ میرے پاس وحی ربانی آتی ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریمؐ کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

وَكُلُّ مَنْ ادَّعَى مِنْهُمْ أَنَّهُ يُوحَىٰ إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَدْعِ النُّبُوَّةَ فَهُوَ لَاءِ كَلِمَةٍ كَفَّارٍ مَكْذُوبٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (شقاء ص ۲ ج ۲)

ان تصریحات کے بعد مرزا غلام احمد کی ہفوات سنئے۔ اور دیکھئے اسلامی عقائد کے متقابل یہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔

- (۱) مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارشس کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم رہنے نہ دیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵)
- (۲) اور بعد میں جس طرح قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو مجھے ہوئی۔ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶)
- (۳) یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعہ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی الخ (اربعین ص ۷)
- مرزا نے اپنی اس تحریر میں صاحب وحی ہونے کے ساتھ صاحب الشریعہ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے

۳۔ اسلامی شریعت میں نجات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں ممکن ہے جیسا کہ باری تعالیٰ عز اسماء کا ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني
يُحِبُّكُمْ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَ اللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
أَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ فَإِنَّ
تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ
(آل عمران)

آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے اگر تم
اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو
تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ
بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ میں اطاعت
کرد اللہ کی اور رسول کی پھر اگر اعراس کریں
تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے

ان دونوں آیتوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو حضرت اور نجات کا

ذریعہ بتایا گیا ہے اور آپ کی اتباع سے اعراض کو کفر سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مدار نجات آپ ہی کی پیروی ہے۔

اس کے برخلاف مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ اب مدار نجات میری وحی میں ہے جو اس کی اتباع نہیں کرے گا وہ جہنمی ہے۔ ملاحظہ ہوا ان کی عبارت ملاحظہ۔

(۱) "چونکہ میری تسلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس کی وحی کو ننگ یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم کو میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔ (حاشیہ اربعین ص ۷۷)"

(۲) "بہر حال جب کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھ قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے" (سچ المصلیٰ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ص ۲۷۱)

(۳) مرزا محمود بن مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھتے ہیں۔ "آپ (مرزا غلام احمد) کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے اور اسے مدار نجات ٹھہرایا ہے" (ص ۱۵۷)

۱۔ اسلامی شریعت کا عقیدہ ہے کہ معجزہ نبی کے علاوہ کسی سے ظاہر نہیں ہو سکتا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اس لئے اب کسی سے معجزہ صادر نہیں ہو سکتا۔ امام شعرانی تحریر فرماتے ہیں۔

وقد حدث جمہور الاصولیین۔ جمہور اصولیوں نے معجزہ کی یہ تعریف کی ہے
العجزة بانها امرٌ خارق للعادة کہ تحدی یعنی دعویٰ رسالت کے ساتھ
مقرون بالتحدی مع عدم المعاوضة رسول سے امر خارق ظاہر ہوا اور کوئی

اس کا معارضہ نہ کر سکے

اس دعویٰ کے مقابلہ میں آنجنہانی مرزا کی لن ترالی ملاحظہ ہو۔

(۱) "ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے" (تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

۲۔ اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جاتیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ (چشمہ معرفت ص ۳۱)

براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے۔

"در حقیقت یہ خرق عادت نشان ہیں اور اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دش لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ (ص ۵۶)

تحفہ گوگردیہ ص ۶۳ پر مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد میں ہزار بتائی ہے اور اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ اس لئے تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا استثناء ضرور ایک فریب ہے۔

۵۔ اسلامی شریعت میں رسالت اکابر صلی اللہ علیہ وسلم افضل کائنات میں مخلوق میں سے کوئی بھی اُن کے مقام مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ افضل البریہ علیہ السلام و احمیہ کا ارشاد ہے۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا قائد المرسلین ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۵۱۴ بحوالہ دارمی) ایک دوسری حدیث میں آپ فرماتے ہیں۔

انا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۵۱۳ بحوالہ ترمذی) اور مرزا صاحب اپنی تعریف میں یوں گویا ہیں۔

(۱) انبیاء گرچہ بودہ اندر بسے من بعرفاں نہ کمتر ز کے
آنچہ داد است ہر نبی را جام داد آں جسام را مرا بہ تمام
کم نیم زان ہمہ بروئے یقین ہر کہ گوید دروغ ہست نصیب
ترجمہ ۱۔ اگرچہ انبیاء بہت گذرے ہیں۔ میں معرفت میں ان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ خدا نے جو پیالہ ہر نبی کو دیا ہے وہ پیالہ مجھ کو بتا دیا ہے۔ پیالہ سے مراد ساغر نبوت ہے، یقیناً میں ان تمام نبیوں سے کم نہیں ہوں۔ جو جھوٹ کہتا ہو وہ ملعون و مردود ہے، زان ہمہ کے علوم میں خاتم نبوت رسالت اکابر سے کائنات مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔

(۲) ریح ذیل شعر میں تو بالتحصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بالاتری کا دعویٰ کیا ہے۔

لہ خسف القمر المنیر و ات لی
خسنا القمران الشرقان اتسکو، (اعجاز احمدی ص ۱۰۷)

مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ "اُس کے یعنی نبی کریم کے لئے (صرف) چاند کا خسوف ظاہر ہوا۔ اور میکر لئے چاند اور سورج دونوں کے گرہن) کا کیا تو انکار کرے گا۔ ترجمہ میں اس کے الفاظ کس ذات گرامی کے لئے استعمال کئے ہیں۔ بطور خاص قابل توجہ ہیں۔

علاوہ۔ اسلامی شریعت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر فرض ہے اور ان کی توہین و تنقیص مستلزم کفر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّي ذُوهُ
وَتُوقِرُوهُ (الفتح)

تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے
رسول پر اور اس کی مدد کرو اور اس
کی تعظیم بجالاؤ۔

مشہور تابعی حضرت مجاہد راوی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے قتل کی سزا دی اور فرمایا کہ من سب اللہ تعالیٰ اوسب احد من الانبياء فاقتلوه "الصارم السلول" علامہ ابن تیمیہ نے یہ فتویٰ جسرا لامہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

من کذب باحد من الانبياء او
تنقص احد منهم او بربى منهم
فهو مرتد "ر شفا ص ۲۸۶، ۲۸۷"۔

جس نے کسی نبی کی تکذیب، تنقیص یا
یا برأت کا اظہار کیا وہ مرتد
ہے۔

لیکن تلویانیوں کے مذہب میں کسی نبی کی توہین و تنقیص اور ان کی تشریح

شان میں گستاخی سب روا ہے چنانچہ بانی مذہب قادریانی مرزا آنجنابانی نے
برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی شانِ اقدس میں ایسے گستاخانہ
کلمات استعمال کئے ہیں کہ انہیں نقل کرتے ہوئے دل دہل رہا ہے۔ ہاتھ کانپ
رہا ہے اور قلم لرزش میں ہے مگر، نقل کفر، کفر نہ باشد“ سے دل کو تسلی دیکر
چند حوالے سپردِ قلم ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اور اس گستاخِ رسول پر اللہ کی لعنت
بھیجئے۔

(۱) ”پس اس نادان اسرائیلی نے (مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں) ان معمولی باتوں کا
پیشین گوئی کیوں نام رکھا“ (حاشیہ ضمیمہ انجامِ آتھم ص ۶)

(۲) ”ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی ادنیٰ ادنیٰ بات میں
غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔ مگر میرے نزدیک
آپ کی یہ حرکات جائزے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی
ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔“ (حاشیہ ضمیمہ انجامِ آتھم ص ۵)

(۳) ”نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتا
ہے یہودیوں کی کتاب ظالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا
میری تعلیم ہے“ (حوالہ سابق ص ۶)

(۴) ”آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین داویاں اور نانیاں آپ کی
زنا کار کسی عورت میں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا بچپن
سے میلان اور صحبت شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے
ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک بچہ کسی کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس
کے سر پر ناپاک ہاتھ لگائے اور زنا کاری کی کمائی کا پلیدہ عطر اس کے سر پر ملے
اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس

چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔ (حوالہ سابق ص ۷)

ظاہر ہے کہ ان بے بنیاد الزامات اور بازاری گالیوں سے اس پاکیزہ اور محترم ہستی کے تقدس پر کیا اثر پڑے گا جسے رب العزت نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے خطاب سے عزت بخشی ہو۔ البتہ ان گالیوں نے خود مرزا کی شرافت و نجابت کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پا کاں زند۔

یہ اسلامی شریعت کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے باعزت اور فرمانبردار بندے ہیں جو لطیف نورانی جسم رکھتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں ان میں بعض حکم خدا اپنے مستقر سے زمین پر بھی اترتے ہیں اور حضرت جبریل وحی ربانی لے کر حضرات انبیاء کے پاس آتے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بل ہم عباداً مکرمون۔ لایسبقونہ

بالقول وہم بامرہ یعملون۔

نہیں کرتے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق

کام کرتے ہیں

ایک دوسری آیت میں فرشتوں کی شان یہ بتائی گئی ہے۔

لایعصون اللہ ما أمرہم، ویفعلون

مأیومروں۔ اور وہی عمل کرتے ہیں۔ جس کا ان کو

حکم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے غزوہ بدر کے دن فرمایا۔

ہذا جبرئیل اخذ براس نوسہ یہ جبرئیل ہیں اپنے گھوڑے کا سر پکڑے
 علیہ اداء الحرب (بخاری ص ۵۴۰) ہوئے تھیاریب تن کئے ہوئے۔
 حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کو فرماتے سنا۔

نزل جبرئیل فاصلیت معہ ثم صلیت معہ ثم صلیت معہ
 ثم صلیت معہ، ثم صلیت معہ (بخاری ص ۵۴۰)

جبرئیل نازل ہوئے اور مجھ کو پانچوں نمازیں پڑھائیں۔
 کتاب و سنت کے یہ نصوص ناطق ہیں کہ فرشتے اللہ کی ایک محترم مخلوق ہیں
 اپنے مستقر سے حکم خدا میں پر آتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد ہوتا ہے اُسے
 انجام دیتے ہیں۔

اب اللہ اور رسول کے مقابلے میں تادیبانی صاحب کی تحقیق انیق بھی سنئے اور
 فیصلہ کیجئے کیا اس رجم بالغیب اور الکل کے تیر کا اسلامی نظریہ سے کوئی ادنیٰ
 بھی تعلق ہے؟

اپنی تصنیف توضیح المرام کے ص ۳۱ پر لکھتے ہیں۔

(۱) بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے
 مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف
 سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وما مننا الا له مقام معلوم وانا لحن العقابون
 (سورہ صافات جزء ۲۳)

پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی
 روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے مطابق زمین کی ہر چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے
 اسی طرح روحانیت سماویہ خواہ ان کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس ملکیہ کہیں

یادساتیر اور دید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کو اکب سے نامزد کرتے ہیں یا سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائکہ کا لقب دیں۔ درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر رہے۔“

۵۔ اسلامی عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے نکل کر حساب کتاب کے لئے میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو۔ درج ذیل آیتِ پاک

وَنفَخُ فِي الصُّورِ فَادَّاهِمُ مَن
صُورٌ يَّهْوَىٰ جَاغِيًّا كَأَنَّهُ
الْأَجْدَاثُ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ
سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب
کی طرف چلیں گے۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر نص ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اور اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اس آیتِ پاک کے علاوہ قرآن کریم میں بے شمار آیتیں ہیں جن میں مردوں کے زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہونے اور حساب و کتاب کے بعد جنت یا جہنم میں جانے کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جسے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو وہ نقل کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

يَحْشُرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُقَاتًا عَرَاتًا، غَرَلًا قَلْتًا يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجَالُ
وَالنِّسَاءُ جَمِيعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ الْاِحْوَاشُ مَنْ اِنْ يَنْظُرُو
بَعْضُهُمْ اِلَىٰ بَعْضٍ (مشکوٰۃ ص ۲۸۳ بحوالہ بخاری ومسلم) لوگ قیامت کے
دن ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اٹھا کر جمع کئے جائیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد و عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گی

دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ وہ حالت اس سے زیادہ سخت ہوگی کہ لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھیں۔ لکن اُمّی منہم یومئذٍ نشان یُعْنِیْہ۔
 مرزا صاحب اقرآن وحدیث کی ان تعریحات کے بالمقابل یہ لکھتے ہیں "اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا۔ اور اس فن ودق جنگل میں جہاں تحت رب العلمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا۔ ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے۔ (ازالۃ الادہام ص ۱۴۲)

مرزا صاحب ازالۃ الادہام کے صفحہ ۱۴۵ پر بزعم خویش ثابت کر چکے ہیں جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۶ پر لکھتے ہیں "مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔"

ان عبارتوں کو یوں ترتیب دیں کہ مومن فوت ہوتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور بہشت میں داخل ہوجانے کے بعد اس سے باہر نہیں نکالا جائے گا لہذا حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں اپنے رب کے حضور ان کے جمع ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہے مرزا صاحب کا قیامت اور حشر و نشر و حساب کتاب کے متعلق نظریہ۔ لیکن اسے اس طرح پریچ اور اگر مگر کی بھول بھلیوں میں الجھا کر پیش کر رہے ہیں تاکہ بادی النظر میں پڑھنے والا دھوکہ کھا جائے۔

۹۔ اسلامی شریعت میں بحالت اختیار نماز کے لئے سمت کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ) پھر دیکھئے اپنا چہرہ سجد حرام کی طرف اور تم لوگ (اے مسلمانو) جس جگہ ہو اگر دینا منہ اسی کی طرف پھیرو۔

یہ پوری امت کا اجماعی مسئلہ ہے اور فقہ کی ہر چھوٹی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن مرزائی شریعت میں مرزا صاحب کی وحی فَاَتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّىٰ کی رو سے قادیان قبلہ ہے چنانچہ مرزائی اردوپی گروہ کا اس پر عمل ہے یہ گروہ قادیان کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنے کو اولیٰ قرار دیتا ہے۔ (عاشیہ حئی البین ص ۳۲)

خود مرزا غلام احمد قادیانی حقیقۃ الوحی ص ۵۵ پر اپنا یہ الہام نقل کرتے ہیں۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّىٰ اِنَّا اَنْزَلْنَا قُرْآنًا مِّنْ الْقَادِيَانِ۔ ابراہیم کی جگہ کو قبلہ بناؤ اور مصلیٰ ٹھہرا لو ہم نے اُسے قادیان کے قریب نازل کیا ہے۔

اس الہام میں مرزانے قادیان کو قبلہ قرار دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابراہیم سے مراد خود مرزا کی ذات ہے۔ جیسا کہ مرزا کے اس الہام سے ظاہر ہے

۱۰ آخر زمانہ میں ایک ابراہیم (یعنی مرزا صاحب) پیدا ہوگا اور ان فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا۔ کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔

(۱۰) اسلامی شریعت میں جہاد قیامت تک بوقت ضرورت و شرائط فرض ہے کتب علیکم القتال (القرآن) جہاد تم پر فرض کیا گیا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعدوا الخ (القرآن) اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کریں۔ یہ اور ان کے علاوہ متعدد آیتیں فرضیت جہاد پر نص صریح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لَنْ یَبْرَحَ هَذَا الدِّينَ قَاتِمًا یُقَاتِلَ عَلَیْهِ حِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِینَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ مَشْهُورَةً بِجَوَارِحِ

لیکن مرزا کی شریعت میں جہاد منسوخ ہے کیونکہ یہ ایک خراب چیز ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ یہ آقا تو بہت اچھے ہیں کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی بجائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیال کو دوں مشاہدین (الحدیث ص ۱۰۰)

خطبہ الہامیہ میں کہتے ہیں، کافروں کے ساتھ لڑنا مجھ پر حرام کیا گیا ہے۔ (ص ۱۰۰)

بطور مشتبہ از خروارے اس مختصر مقالہ میں مرزائی شریعت کے صرف دس بنیادی اصول و احکام نقل کئے گئے ہیں جو سب کے سب اسلامی عقائد و احکام کے ماضی کاغذ میں نہ تو اتنی فہرست بڑی طویل ہے جو انتہا نظر کسی اور موقع پر پیش کی جائے گی۔

مرزا قادیانی کے اقوال کفریہ اُس کی تحریروں کے آئینہ میں

حضور مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب دہلوی مدظلہ

پوری امتِ اسلامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث سے ایسے حکم اور قطعی طریقہ پر ثابت ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ سلسلہ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ میں خاتم النبیین ہوں۔ اور اب میرے بعد کوئی نیا نبی اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے لیکر آج تک پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس طرح توحید و رسالت، قیامت و آخرت اور قرآن کے کلام اللہ پہلے کا منکر، پنجگانہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ویسا شخص کذاب ہے، ملعون ہے، معاثرۃ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص اس کی نبوت کو تسلیم کرے وہ بھی

مسلمان نہیں ہے اگر وہ پہلے سے مسلمان تھا۔ تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا۔

امت کی پوری تاریخ میں عملاً یہی ہوتا رہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدعی نبوت "مسئلہ کذاب" اور اس کے ماننے والوں کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا۔ حالانکہ یہ بات محقق ہے کہ وہ لوگ توحید و رسالت کے قائل تھے۔ ان کے یہاں اذان بھی ہوتی تھی۔ اور اذان میں اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدًا رسول اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ ختم نبوت سے متعلق اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔

لیکن غلام احمد قادیانی نے اس بنیادی اور اجماعی عقیدہ سے بغاوت کی ہے۔ اور اپنے لئے ایسے الفاظ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس میں کسی طرح کی کوئی تاویل اور توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے معتقدین اس کو دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مثل "نبی" کہتے ہیں اور اس پر ان کو بے حد اصرار بھی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے "حقیقۃ النبوت"، ایک کتاب شائع کی تھی جس کا موضوع ہی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو ثابت کرنا تھا اور اس کتاب میں مرزا صاحب کے نبوت کے دلائل خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نئے مسیحیت اور یہودیت کا اتنی کثرت سے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا انکار یا اس کی تاویل ناممکن ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بالاجماع معصوم ہیں ان کی بہت سخت

توہین کی ہے اور بہت سے مقامات پر اپنے کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل بلکہ تمام انبیاء کی روح بتایا ہے۔ نیز معجزات کا استہزاء کیا ہے قرآن میں تحریف کی ہے۔ احادیث کی بے حرمتی کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

دعویٰ نبوت و اقوال کفریہ اسکی تحریر کے آئینہ میں

(۱) خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین

حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا (اربعین ص ۳ ص ۲۲۲)

(۲) میں رسول بھی ہوں۔ اور نبی بھی ہوں۔ (اشتہار۔ ایک غلطی کا اذکار، مندرجہ

حقیقۃ النبوة ص ۲۶۵)

(۳) اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ

اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اسی نے مجھے مسیح موعود

کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کیلئے بڑے بڑے نشان ظاہر

کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں جن میں بطور نمونہ کسی قدر اس کتاب میں لکھے

گئے ہیں۔ (تمہ حقیقۃ الوعی ص ۶۸)

(۴) سچا خدا وہ خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع الہلام ص ۱۱)

(۵) میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں (مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ بالا ص ۱۱)

۲۶ ص ۱۱)

(۶) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسولِ نبی ہیں۔ (بدرہ رازح ص ۱۱)

(۷) پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشین گوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں

اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری پتلا کیلئے ایک نشان ہے۔

یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصہ زمین میں تکذیب ہو مگر اس کی تکذیب کے

وقت دوسرے محرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۱)

(۸) سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن شریف میں
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا پھر یہ کیا
 بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک
 زلزلے پھینچا نہیں چھوڑتے۔ اے فافلو تلاش کرو شاید تم میں کوئی خدا کی طرف
 سے نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو (تجلیات الہیہ ص ۸-۹)
 (۹) خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔ (دافع البلاء ص ۸)
 (۱۰) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب
 تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس رہے قادیان کو اس کی خوفناک
 تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔

(دافع البلاء ص ۸)

(۱۱) الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا
 کا مامور، خدا کا امین۔ اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان
 لاؤ۔ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتم ص ۷۹)

(۱۲) اِنَّا ارسلناک احمد الی قومہ فاعرضوا وقالوا کذاب اشھر

(اربعین ص ۳۳)

(۱۳) فکلتمنی و نادانی و قال اتی مرسلک الی قوم مفسدین و اتی
 جاعلک للناس اِمامًا و اتی مستخلفک اَکرامًا کما جرت سُنَّتِی فی
 الاولین۔ (انجام آتم ص ۷۹)

(۱۴) اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی فرق
 ایک فرقہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی

سچائی اس کی متواتر نشانیوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی اسی طرح میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیشین گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا۔
(ایک غلطی کا ازالہ، منقول از ضمیمہ حقیقۃ النبوة ص ۲۶)

(۱۵) آپ (یعنی مرزا صاحب) نبی ہیں۔ اور خدا نے اور اس کے رسول نے انہی الفاظ میں آپ کو نبی کہا ہے۔ جس میں قرآن کریم اور احادیث میں پچھلے نبیوں کو نبی کہا گیا ہے۔ (حقیقۃ النبوة ص ۱)

(۱۶) پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں۔ اور لغت کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوة ص ۱۱۶)

(۱۷) پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس معنی کو حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوة ص ۱۷۱)

(۱۸) بلحاظ نبوت ہم بھی مرزا صاحب کو پہلے نبیوں کے مطابق مانتے ہیں۔

(حقیقۃ النبوة ص ۱۷۱)

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہمارا (یعنی اہل سنت والجماعت کا) عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے اور قیامت کے قریب آپ تشریف لائیں گے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ میرا بھی پہلے یہ عقیدہ تھا

مگر بعد میں اُن کا خیال یہ ہو گیا کہ اللہ نے اس کو بذریعہ وحی یہ بتلایا کہ یہ سراسر غلط خیال ہے کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں اور کسی وقت وہ دنیا میں دوبارہ آویں گے بلکہ وہ مسیح اور عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ خود تو ہی ہے تیرا ہی نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں خود مرزا جی کا بیان ملاحظہ ہو "اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی توفوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا۔ اس زمانہ اور اس امت کیلئے تو تو ہی عیسیٰ ابن مریم ہے" (براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۸۵)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا دعویٰ

پہلے تو مرزا صاحب مسیح موعود اور عیسیٰ ابن مریم ہی بنے تھے۔ لیکن پھر وہ آگے بڑھے اور انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت کا اعلان شروع کر دیا اُن کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "میں مسیح علیہ السلام کی خدائی کا منکر ہوں ہاں بے شک وہ خدا کے نبیوں میں سے ایک نبی تھا مگر مجھے خدا نے اس سے برتر مرتبہ عطا کیا ہے" (تبلیغ ہدایت ص ۱۶۹)

"اور دیکھو آج تم میں سے ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے" (دافع البلاء ص ۱۳)

مرزا جی کا درج ذیل شعر بہت مشہور ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ۝ اس سے بڑھ کر غلام احمد ہے
(معاذ اللہ) (دافع البلاء ص ۱۳)

مرزا جی کا دوسرا شعر ہے :-

مریم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا
میری مریم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار (در شمیم)

— حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین :-

”ہاں آپ کو (یعنی حضرت عیسیٰؑ) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے رد نہیں کتے تھے۔

(ضمیمہ انجام آتھم۔ حاشیہ ص ۵)

یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی“ (استغفر اللہ)

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۵)

”عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ

آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا“ (ضمیمہ انجام آتھم۔ حاشیہ ص ۵)

”سیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرا ستبازوں سے بڑھ کر ثابت

نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں

پیتا تھا۔ اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال

سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن

کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ

سے خدا نے تیراں کریم میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر سیح کا یہ نام نہیں

رکھا۔ کیونکہ ایسے تھے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے“

(ازالہ ادہام حصہ اول ص ۱۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کی نسبت مرزا جی کے خیالات

کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو اور ایسا معجزہ دکھانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صنایع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ملتے بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ کل کے ذریعہ سے بعض چڑیاں پرواز بھی کرتی ہیں۔

(ازالہ اوہام حصہ اول ص ۳۲)

کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی ہو جو ایک مٹن کا کھلونا کسی گل کے دبانے یا کسی پھونک کے مارنے سے کسی طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسا پرندہ پرواز کرتا ہے۔ یا اگر پرواز نہیں تو پسروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ برصغیر کا کام درحقیقت ایسا کام ہے جس میں گلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔ (توضیح المرام ص ۱۰)

اس حوالہ میں خط کشیدہ عبارت پر غور کیجئے! حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ پر کس قدر خبیث بہتان لگایا ہے۔ قرآن مجید کی بیان کی ہوئی اس حقیقت پر تمام اہل اسلام کو بلا کسی شک و شبہ کے ایمان ہے کہ ایشور نے اپنی قدرت کا ملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو کسی شخص کی وساطت کے امر کن سے پیدا فرمایا تھا۔ حضرت مریم خفیہ اور پاکدامن تھیں آپ کا کسی شخص سے تعلق قائم نہیں

ہوا تھا۔ قرآن پاک کی اس صریح وضاحت کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے کس قدر غلط بات لکھی ہے۔ اس کی یہ بات قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اور قرآن کا انکار ہے۔ اس کے باوجود اس کو مسلمان سمجھنا اور اس کے متبعین کا اپنے کو مسلمان کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

۱۱ ادائے میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲۸)

۱۲ اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں کیونکہ وہ ایک خاص قوم کیلئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ وھذا تحدیث نعمۃ اللہ ولا فخر

(حقیقۃ الوحی ص ۱۲۹)

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا فتویٰ

۱۳ بس اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچا لیا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا

(براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۱۲۸)

میں سب کچھ ہوں

۱۴ مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ میں تمام نبیوں کی روح اور ان کا خلاصہ ہوں۔

۱۵ میری ہستی میں تمام انبیاء سامنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔

”میں خدا کے دفتر میں صرف عیسیٰ بن مریم کے نام سے موسوم نہیں بلکہ اور بھی میرے نام ہیں۔ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں اسماعیل ہوں۔ میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں میں عیسیٰ بن مریم ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔۔۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر نبی کی شان بھد میں پائی جائے“ (تحفہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵)

معجزات کی کثرت

جب مرزا جی نے پیغمبری اور نبوت کا دعویٰ کیا تو معجزات کا دعویٰ بھی لازم تھا چنانچہ انھوں نے معجزات کا دعویٰ بھی معمولی انداز سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے تمام نبیوں کے معجزات کے معاملہ میں مرزا جی نے اپنے مقابلہ میں بہت نیچے چھوڑ دیا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

”اللہ نے اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے“ (حشر معرفت ص ۸۸)

”ہاں اگر یہ اعتراف ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہ جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا بہا کر دیا ہے کہ دستہ ہمارے بمقابلہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی کثرت اس کثرت سے کہ سوائے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اس کی

حجت پوری کر دی ہے اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے
(تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

”اور خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوحؑ
کے زمانہ میں وہ نشان دکھلاتے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے“
(تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۷)

”ان چند سطروں میں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں
جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر
فائق ہیں“ (براہین احمدیہ ص ۵۶ حصہ پنجم)

”اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار
کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے“
(براہین احمدیہ ص ۵۶ حصہ پنجم)

احادیث کے متعلق مرزا تاجی کا خیال

ہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس
دعویٰ کا حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی
طور پر ہم حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری
وحی کی معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح چیلنگ دیتے ہیں۔
(ازالہ ادواء ص ۳۱۰-۳۱۱)

مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال کفریہ میں سے چند اقوال کفریہ بطور نمونہ نقل
کئے گئے۔ ان اقوال سے صراحت یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے
اور اس کے معتقدین بھی اس کی نبوت کے قائل ہیں۔ لہذا غلام احمد قادیانی علی
طور پر اسلام سے خارج ہے اور اس کے متبعین بھی جو اس کی نبوت کو تسلیم

کرتے ہیں یا دعویٰ نبوت کے باوجود اسے دائرۃ اسلام میں سمجھتے ہیں وہ لوگ بھی قطعی طور پر کافر، مرتد، اور خارج از اسلام ہیں۔

علمی لطیفہ۔ موقع کی مناسبت سے ایک علمی لطیفہ ذہن میں آیا۔ رنگون میں خواجہ کمال الدین قادیانی پہونچا بڑا چالاک اور چالباز تھا اس نے اہل رنگون کے سامنے اپنے اسلام کا دعویٰ کیا اور کہا کہ ہم غلام احمد قادیانی کو بنی نہیں مانتے اور یہ بات قسمیہ کہتا۔ جیسا کہ بہت سے قادیانی خصوصاً لاہوری کہتے ہیں۔ خواہ مخواہ ہم کو بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ ہم بچے مسلمان ہیں۔ قرآن کو مانتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول سمجھتے ہیں عوام اس کی باتوں میں آگئے۔ اس کی تقریریں ہونے لگیں بہت سے مقامات پر نماز بھی پڑھائی، جمعہ تک پڑھایا رنگون کے ذمہ دار بہت فکر مند تھے کہ عوام کو کس طرح اس فتنہ سے محفوظ رکھیں عوام میں دن بدن اس کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے مقامی علماء سے اسکی گفتگو بھی ہوئی مگر اپنی چالبازی کی وجہ سے اپنی اصیلت ظاہر نہ ہونے دیتا۔ مشورہ کر کے یہ طے پایا کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب کو مدعو کیا جائے۔ چنانچہ تار دیدیا گیا اور وہاں اس کی شہرت بھی ہو گئی کہ بہت جلد مولانا عبدالشکور صاحب تشریف لائے وہ اس سے گفتگو کریں گے۔ خواجہ کمال الدین نے جب مولانا کا نام سنا تو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت دیکھی چنانچہ وہ مولانا کے وہاں پہونچنے سے پہلے پہلے چلا گیا۔ مولانا تشریف لے گئے۔ مولانا کی تقریریں ہوئیں۔ عوام اناس کو حقیقت سے خبردار کیا اور ذمہ داروں کی لیک مجلس میں فرمایا کہ آپ حضرات نے غور فرمایا کہ وہ کیوں یہاں سے چلا گیا! دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ گیا ہو گا کہ میں اس سے یہ سوال کروں گا۔ کہ تو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا قائل نہیں مگر تو اسے مسلمان سمجھتا ہے یا کافر؟ اس کا جواب

اس کے پاس نہیں تھا۔ جو بھی جواب دیتا پکڑا جاتا۔ وہ مرزا صاحب کو کسی حال میں
 کانٹہ تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ اگر مسلمان کہتا تو اس پر بھی اس کی گرفت ہوتی
 کہ جو شخص مذہبی نبوت ہو وہ کسی حال میں مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ایسے
 آدمی کو مسلمان سمجھنا خود کفر ہے۔ میں اس سے یہی سوال کرتا اور انشاداً منتشر
 اسی ایک سوال پر وہ لاجواب ہو جاتا۔ اور اس کا راز فاش ہو جاتا۔ یہ سوال آپ
 لوگوں کے ذہن میں نہیں آیا۔ اس لئے آپ لوگ پریشان رہے۔



مرزا غلام احمد قادیانی کے تیس جھوٹ

مولانا محمد یوسف صاحب لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَوَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادَةِ الذِّیْنَ اصْطَفٰی

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کی علامت امت نے پہلے سے قلعی کھول دی ہے۔ اور کوئی پہلو تشذیب نہیں چھوڑا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے وارثوں کا بنیادی وصف صدق و راست گفتاری ہے۔ نبی کی زبان پر کبھی خلاف واقعہ بات آئی نہیں سکتی۔ اور جو شخص جھوٹ کا عادی ہو وہ نبی تو کہا ایک شریف آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

جو لوگ نبوت و رسالت یا مہدویت و مہدویت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں حق تعالیٰ ان کی ذلت و رسوائی کے لئے ان کا جھوٹ خود ان ہی کی زبان کھول دیتے ہیں۔ شیخ علی قاریؒ، مشرح فقہ اکبرؒ میں لکھتے ہیں:

ما من احد ادعی للنبوۃ من	جھوٹے لوگوں میں سے جس نے بھی نبوت
الکذابین الا وقد ظهر علیہ	کا دعویٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے معمولی عقل
من الجهل والكذب لمن لاء	تمیز کے شخص پر بھی اس کا جمل و کذب
ادنی تمییز بل وقد قیل:	واضح کر دیا۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ جس نے بھی
ما امر احد سربوا الا اظهر	اپنے دل میں کوئی بات چھپائی اللہ تعالیٰ
الله علی صفات وجہہ و	نے اس کے چہرے پر اور زبان کی گفتگو

فلسفات لسانہ (ص ۷۳) میں اس کو ظاہر کر کے چھوڑا۔
 راقم الحروف نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ
 پر پہنچا کہ مرزا کی تحسیر میں سچائی اور راستی کا تلاش کرنا کار عبث ہے۔ بڑے
 بڑے جھوٹے بھی کبھی سچی بات کہہ دیتے ہیں۔ لیکن مرزا نے گویا قسم کھا رکھی ہے
 کہ وہ کلمہ طیبہ بھی پڑھے گا تو اس میں اپنے جھوٹ کی آمیزش ضرور کرے گا۔
 پیش نظر مقالہ بطور نمونہ مرزا کے تیش جھوٹ ذکر کئے گئے ہیں۔ دس آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم پر۔ دس حق تعالیٰ شانہ پر۔ اور دس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر مرزا کے دس جھوٹ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا خبیث ترین گناہ
 کبیرہ ہے۔ احادیث متواترہ میں اس پر دوزخ کی وعید آئی ہے۔ اور جس شخص کے
 بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس نے ایک بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
 منسوب کی ہے وہ مغتری اور کذاب ہے۔ اور اس کی کوئی بات اور کوئی روایت
 لائق اعتماد نہیں رہتی۔ — مرزا غلام احمد قادیانی اس معاملہ میں نہایت
 بے باک اور جسری تھا۔ وہ بات بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتر پروازی
 کرنے کا عادی تھا۔ یہاں اس کی دس مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ”انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی ہے کہ وہ دسیح
 موعود) جو ہویں صدی کے سر پر ہوگا۔ اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا“

(اربعین ۲ ص ۲۳)

انبیاء گذشتہ کی تعداد کم و بیش ہے۔ ان کی طرف مرزا نے دو باتیں منسوب

کی ہیں۔ مسیح کا جو دہویں صدی کے سربرآنا، اور پنجاب میں آنا۔ اور یہ نسبت خاص
جھوٹ ہے۔ اس طرح مرزا نے صرف ایک فقہ میں ڈھائی لاکھ جھوٹ جمع کرنے کا
ریکارڈ قائم کیا ہے۔

نوٹ :- پہلے ایڈیشن میں انبیاء گذشتہ کا لفظ تھا۔ بعد میں اس کی
جگہ "اولیاء گذشتہ" کا لفظ کر دیا گیا، اس تحریف کے بعد بھی جھوٹ کی
سنگینی میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔

۲۔ "مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں یہ لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں
کریں گے" (ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۶)
آثار کا لفظ کم از کم دو تین احادیث پر بولا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ مضمون کسی حدیث
میں نہیں۔

۳۔ "ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ (مسیح موعود) صدی کے سر پر
آئیگا۔ اور تچو دہویں کا مجدد ہوگا۔۔۔۔۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کی رُوحے
دو صدیوں میں اشتراک رکھے گا۔ اور دو نام پائے گا۔ اور اس کی پیدائش
دو خاندانوں سے اشتراک رکھے گی۔ اور جو تھی دو گونہ صفت یہ کہ اس کی پیدائش
میں بھی جوڑے کے طور پر پیدا ہوگا۔ سو یہ سب نشانیاں ظاہر ہو گئیں"

(ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۸)

اس فقرہ میں مرزا نے کچھ باتیں احادیث صحیحہ کی طرف منسوب کی ہیں۔ حالانکہ
ان میں سے ایک بات بھی کسی حدیث صحیحہ میں نہیں آئی۔ اس لئے اس فقرے میں
اٹھارہ جھوٹ ہوئے۔

۴۔ "ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کا نسبت
سوال کیا گیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ ہر ملک میں اللہ تعالیٰ کے نبی گزرتے ہیں

اور فرمایا کہ "کان فی الہند نبیاً اسود اللون اسود کاهناً سینہ
 ہند میں ایک نبی گذرا جو سیاہ رنگ کا تھا اور نام اس کا کاہن تھا یعنی
 کنیا جس کو کرشن کہتے ہیں" ضمیر چشمہ معرفت منہ
 مرزا کی ذکر کردہ حدیث کسی کتاب موجود نہیں۔ اس لئے یہ خالص افتراء ہے۔
 ظالم کو عربی کی صحیح عبارت بھی نہ بنانی آئی۔ سیاہ رنگ "شاید اپنی تصویر دیکھ
 کر یاد آگیا۔

۵۔ اور آپ سے پوچھا گیا کہ زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام
 کیا ہے تو فرمایا کہ ہاں خدا کلام زبان پارسی میں بھی اترا ہے جیسا کہ
 وہ اس زبان میں فرماتا ہے۔

"این مشق خاک را اگر نہ بخشم چہ کنم"

(ضمیر چشمہ معرفت ص ۱۰)

یہ مضمون بھی کسی حدیث میں نہیں خالص جھوٹ اور افتراء ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں دبا نازل ہو
 تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلا توقف اس شہر سے بھاڑ دیں۔

(مشہور مریدوں کی کچھ ہدایت مؤرخہ اور گستاخ گستاخ)

دبا کی جگہ کو بلا توقف چھوڑ دینے کا حکم کسی حدیث میں نہیں۔ یہ خالص مرزائی جھوٹ

ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حکم ہے کہ اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے۔ (ذوق ہاضمہ

والتغذیہ) فلا تغربوا عن قرآننا (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۲۵)

۷۔ افسوس ہے کہ وہ حدیث بھی اس زمانے میں پوری ہوئی میں نے کجا

تھا کہ میں نے کے زمانے کے علماء ان سب لوگوں سے بدتر ہیں گے جن میں بدتر

رہتے ہیں۔ (البحار احمدی ص ۱۳۱)۔ انہی کی

سیح کے زمانے کے علماء کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں فرمائی گئی۔ یہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا ہے۔ اور دوسری طرف علمائے امت پر صریح بہتان ہے۔

۸۔ چونکہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک کتاب چھپی ہوئی ہوگی جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا اسلئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیش گوئی آج پوری ہوگئی۔
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۰)

”چھپی ہوئی کتاب“ کا مضمون کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ مرزا نے اپنے ۳۱۳ اصحاب کے جو نام ازالہ ادہام میں لکھے تھے۔ ان میں سے کئی مرزا کی صحابیت سے نکل گئے۔ اس لئے یہ جھوٹی روایت بھی اس کی جھوٹی مہدویت پر راست نہ آتی۔

۹۔ مگر ضرور تھا کہ وہ مجھے کافر کہتے اور میرا نام دجال رکھتے کیونکہ احادیث صحیحہ میں پہلے سے یہ فرمایا تھا کہ اس مہدی کو کافر ٹھہرایا جائیگا اور اس وقت کے شریر مولوی اس کو کافر کہیں گے اور ایسا جوش دکھلائیں گے کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کو قتل کر ڈالتے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۸)

اس عبارت میں تین باتیں ”احادیث صحیحہ“ کے حوالے سے کہی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں جھوٹ ہیں۔ اس لئے اس عبارت میں نو جھوٹ ہوئے۔

۱۰۔ ”بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس چھ اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز برعکس ششم کے آخر میں جو ہزار ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے“ (ازالہ ادہام ص ۶۹۶)

آخری آدم کا افسانہ کسی حدیث میں نہیں آتا۔ اس لئے یہ بھی خاص جھوٹ ہے۔ دنیا کی عمر کے بارے میں بعض روایات آتی ہیں۔ مگر وہ روایات ضعیف ہیں۔ اور محدثین نے ان کو "ابن الکذب" سے تعبیر کیا ہے۔
(موضوعات کبیر: ص ۱۶۲)

افتراء علی اللہ کی دس مثالیں

۱۔ سورۃ مریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے۔ اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی اور روح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا اور اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا" (ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۹)
سورۃ تحریم سب کے سامنے موجود ہے۔ مرزا نے صریح طور پر "جن امور کا سورۃ تحریم میں بیان کیا جانا ذکر کیا ہے! کیا یہ صریح افتراء علی اللہ نہیں۔

۲۔ لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ عیسیٰ بنی کو اس پر (یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر) ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب پیتا تھا اور کبھی سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمانی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا پاتھوں یا اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے قرآن نے عیسیٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے تھے جن نام رکھنے سے مانع تھے۔
(دراغ البلاء آخری ص ۱۰۰)

یہ بھی سفید جھوٹ اور افتراء علی اللہ ہے
 ۶۔ لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں
 جس میں لکھا گیا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو "اسلامی علماء کے
 ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا (۲) وہ اسکو کافر قرار دیں گے (۳) اور اس کو
 قتل کرنے کے فتوے دئے جائیں گے (۴) اور اس کی سخت توہین
 ہوگی (۵) اور اس کو اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال
 کیا جائے گا۔" (اربعین ص ۳۷ ص ۱۷)

ان چھ باتوں کو قرآن کریم کی پیش گوئیاں قرار دینا سفید جھوٹ اور
 افتراء علی اللہ ہے۔

۷۔ پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر
 برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کر دوں گا۔ اور
 خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری
 نسل بہت ہوگی۔ (اشتبہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

اس اشتہار کے بعد مرزا کے عقد میں کوئی خاتون نہیں آئی۔ نسل کیسے ملتی؟
 اس لئے اس فقرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو بشارت منسوب کی گئی ہے۔ یہ
 دروغ بے فروغ اور افتراء خالص ہے۔

۸۔ "الہام بکر و ثیب" یعنی خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دو طور میں
 میرے نکاح میں لائے گا۔ ایک بکر ہوگی اور دوسری بیوہ چنانچہ
 یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہو گیا۔ اور بیوہ کے الہام کی انتظار
 (ترویق القلوب ص ۳۴)

مرزا کے نکاح میں کوئی ثیب نہیں آئی۔ محمدی بیگم کے بیوہ ہونے کے انتظار

میں ساری عمر کٹ گئی۔ مگر وہ بیوہ نہ ہوئی۔ اس کے تیکر و شیبہ کا الہام محض خیر علی الشہ ثابت ہوا۔

۹۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجسز پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقین کا بل الظاہر و الباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام بشیر ہو گا۔۔۔۔۔ اب زیادہ تر الہام اس بات پر پورے ہیں کہ عنقریب ایک نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی وہ صاحب اولاد ہوگی“ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ ص ۷۷)

یہ سارا مضمون سفید جھوٹ ثابت ہوا۔

۱۰۔ اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (مختصر محمدی بیگم مرحومہ) کے لئے سلسلہ جنبانی کران دونوں جو زیادہ تشریح کیلئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لاوے گا۔ (اشتمار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

یہ بھی دروغ خالص ثابت ہوا۔ مرزا محمدی بیگم کی حسرت نے کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اس عفت مآب کا سایہ بھی اُسے مدۃ العمر نصیب نہ ہوا۔ اور اس سلسلہ میں جتنے ”الہامات“ گھرے تھے سب جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئے۔ مرزا نے اس نکاح کے سلسلہ میں کہا تھا۔

”یاد رکھو اگر اس پیش گوئی کی دوسری جزو یعنی سلطان محمد کامرانا اور اس کی بیوہ کامرنا کے نکاح میں آنا، پوری نہ ہوئی تو میں ہر بد سے بدتر ظہروں گا۔“ (ضمیمہ انجام آتم ص ۵)

اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ مرزا واقعاً اپنے اس فقرہ کا مصداق تھا۔
یہ بیسیس مثالیں خدا و رسول پر افترا کی تھیں۔ اب دس مثالیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
پر افترا کی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس جھوٹ

۱۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا
نبی آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کیلئے مسجد کی طرف دوڑیں گے تو وہ
کلیسا کی طرف بھاگے گا، اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ
انجیل کھول بیٹھے گا۔ اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف
منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو گا، اور شراب پیئے گا
اور سور کا گوشت کھائے گا۔ اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پروا
نہیں کرے گا۔
(حقیقۃً ہوتی صد ۲۹)

مرزا کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ جن کی تشریف کے مسلمان
قاتل ہیں۔ مگر مرزا نے ان کی طرف جو چیخ بایں منسوب کی ہیں یہ نہ صرف مرتجیح
بلکہ شرمناک بہتان ہے۔

۲۔ یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا اسکا سبب
تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔

(حاشیہ کشتی نوحہ ص ۱۱)

۳۔ سیح ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا جب استاد کے سامنے اس کے حسن
جمال کا تذکرہ کر بیٹھا تو استاد نے اس کو عاق کر دیا۔ یہ بات پوشیدہ
نہیں کہ کس طرح سیح بن مریم جو ان عورتوں سے ملتا اور کس طرح ایک

بازاری عورت سے عطر ملواتا تھا۔ (الحکم ۲۱ فروری سنہ ۱۹۲۲ء)
 ۴۔ اور یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے
 تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے۔ اور یہ خراب چال چلن، نہ خدائی کے بعد
 بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری
 کا بد نتیجہ تھا۔

ان تین حوالوں میں شراب نوشی اور دیگر گندگیوں کی جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کی طرف کی گئی ہے۔ یہ نہایت گندلا بہتان ہے۔ اور ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں
 جن سے اس گندے بہتانوں کی مذمت کر سکیں۔ اور ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی
 شخص نجاشی و بد گوئی اور کمینہ پن کی اس سطح تک بھی اتر سکتا ہے۔

۵۔ "ہائے کس کے آگے یہ ماتم لجا میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین
 پیش گوئیاں صحاف طور پر جھوٹی نکلیں" (اجلزا احمدی ص ۱۳۳)
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کو صحاف طور پر جھوٹی کہنا سفید
 جھوٹ اور کفر مرتع ہے۔

۶۔ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ
 ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا، اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر
 ہوا تو وہ معجزہ آپ کا نہیں بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔
 (ضمیمہ انجام آختم ص ۷۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی نفی نہ صرف کذب مرتع ہے بلکہ قرآن حکیم
 کی کھلی تکذیب ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ مرزا "تالاب کا معجزہ" ماننے کیلئے تیار ہے
 مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ماننے پر تیار نہیں
 ہے۔ اب بیانات عقلی اور عقلی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابن مہریم

بازن حکم الہی البیوع نبی کی طرح اس عمل الزب (سمریزم) میں کہاں
کہتے تھے۔ (ازالہ ادہام ص ۳۰۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سمریزم کی نسبت کرنا ایک جھوٹ، اُن کے
معجزات کو سمریزم کا نتیجہ قرار دینا دوسرا جھوٹ، اُس پر بازن و حکم الہی کا اثنا
تیسرا جھوٹ۔ اور حضرت البیوع علیہ السلام کو اس میں لپیٹنا تیسرا جھوٹ،
۸۔ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس تک
تجاری کا کام کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھی کا کام درحقیقت
ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے
بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔

(ازالہ ادہام ص ۳۰۳)

یوسف نجار کو حضرت مسیح کا باپ کہنا ایک جھوٹ، حضرت مسیح کو بڑھی کہنا
دوسرا جھوٹ۔ اور ان کے معجزات کو تجاری کا کرشمہ کہنا تیسرا جھوٹ۔

۹۔ ”بہر حال مسیح کی یہ تری کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور
خاص مصنوعات کے تھیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق
نہیں۔ جیسا کہ عوام اناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس
عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے
امید رکھتا تھا کہ ان انجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔“
(ازالہ ادہام ص ۳۰۹)

حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو تری کارروائیاں کہنا، انہیں مکروہ
اور قابل نفرت کہنا مرتج بہتان اور تکذیب قرآن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے
برتری کی امید رکھنا اور اس کو فضل و توفیق خداوندی کی طرف منسوب کرنا صریح کفر
اور افتراء علی اللہ ہے۔

۱۔ "اور آپ کی انہیں حرکات کی وجہ سے آپ کے حقیقی بھائی آپ سے ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے اور وہ ہمیشہ چاہتے رہے ہیں کہ کسی شفاخانہ میں آپ کا باقاعدہ علاج ہو شاید خدا تعالیٰ شفا بخشے۔

(ضمیمہ انجام ناقص ص ۱)

"یسوع در حقیقت بوجہ مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا"

(حاشیہ ست بچین ص ۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف انغوز باشر (خلل دماغ، مرگی، اور دیوانگی کی نسبت) کرنا سفید جھوٹ ہے یہ اور اس قسم کی دیگر تحریریں غالباً مرزا نے "مراق" کی حالت میں لکھی ہیں جس کا اس نے خود کئی جگہ اعتراف کیا ہے۔ یہ مرزا کے جھوٹ کے تیشے نمونے پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا کو سچائی اور راستی سے کتنی نفرت تھی، اس تحریر کو مرزا کی ایک عبارت پر عبارت پر ختم کرتا ہوں:-

"ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا"

(چشمہ معرفت ص ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ پر مسلمان کو ایسے جھوٹوں سے بچانے۔ اور مرزائیوں کو بھی اس جھوٹ سے نکلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

سُبْحَانَكَ يَا هَرَبَ الْعَرَبِ يَا صَفْوَانَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

محمد یوسف صاحب الشریعہ

۱۴۰۴ / ۲۲۲

مرزا غلام احمد کی پیشین گوئیاں واقعات کے آئینہ میں

از۔ مولانا کفیلہ احمد علوی صاحب کیرانوی
قادیانیت کا مختصر تعارف اور... پیشین گوئیاں جنہیں خود
غلام احمد قادیانی نے اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار اور حق و
باطل کے درمیان فیصلہ کن قرار دیا تھا اور جو قطعی طور پر غلط ثابت

ہو گئی ہے

قادیانیت کے جریب و گریبیاں

اس وقت ہمارا موضوع مرزا غلام احمد قادیانی کی ان پیشین گوئیوں کا جائزہ
لینا ہے جنہیں خود مرزا جی نے اپنے صادق یا کاذب ہونے کا اصل معیار قرار دیا ہے
لیکن اس سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ غلام احمد کی شخصیت اور قادیانیت پر ایک
سرسری نظر ڈال لیا جائے۔ یہ نتنہ اب پھر سر اٹھاتا ہوا دکھائی دیر رہا ہے۔ اس لئے
ضرورت ہے کہ مسلمان قادیانیوں کی نتنہ انگیزیوں اور خطرناک چالوں کو سمجھیں اور
ان کی سازشوں سے باخبر رہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ زبان و قلم کی طاقت سے
کام لے کر قادیانیت کے بد نما چہرہ کو سر عام بے نقاب کر دیں۔
مرزا غلام احمد نے امام مہدی، مسیح موعود اور نبوت کے جھوٹے دعوے کر کے

ملتِ اسلامیہ کی صفوں کو بنیادی طور پر درہم برہم کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ اس حقیقت سے ہندو پاک اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک کے اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے دائروں میں بجا طور پر اس گمراہی کو روکنے اور حقائق کی طاقت سے اس کے اثرات بد کو ختم کر دینے کی موثر اور کامیاب کوششیں کی ہیں۔

مرزا غلام احمد اپنے زعم میں ختم نبوت کو مانتے تو ہیں مگر اس کی ایسی مہمل تاویل کرتے ہیں جو زمانے کے مترادف ہے۔ وہ قرآنی آیات مقدسہ کی اپنی نفسانہ خواہشات کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ وہ اور ان کے ساتھی انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے ہیں۔ غلام احمد کے خلیفہ مرزا بشیر الدین "حقیقۃ النبوة" میں ایک جگہ غلام احمد کے تعلق لکھتے ہیں:-

”وہ بعض اولوالعزم بیوں سے بھی آگے نکل گئے“

وہ اپنے جاہل چیلوں کو حضرات صحابہؓ کے ہم رتبہ قرار دے کر ان کی مستہ عظمت کو مجروح کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ قادیانیوں کا اخبار "الفضل" جلد ۵ مؤرخہ ۲ مئی ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:-

”پس ان دونوں گروہوں میں تفریق کرنی یا ایک کو دوسرے سے مجموعی رنگ میں افضل قرار دینا، ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے ہمارا خیال غلط ہو۔ لیکن ہمارا تجربہ یہی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ایک دہریہ صفت آدمی تھا۔ ایک نہایت فریب کار انسان۔ اس کی ضخیم کتابیں اس کی ذہنی عیاری کی آئینہ دار ہیں۔ اس نے لوگوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اکثریت نادان لوگوں کی ہے۔ اور نادان لوگوں کو مختلف طریقوں سے بہکا کر اپنے ساتھ لگانا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔ اب سوال یہ تھا کہ

عزت و شہرت، مال و دولت اور بھر پور مفادات حاصل کرنے کیلئے اُسے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اگر وہ مذہب کے خلاف جھنڈا اٹھا کر سامنے آتا تو اس کے اپنے ہی گھر کے اور خاندان کے لوگ چند قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتے اس شخص نے مسلمانوں کی نفسیات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ ایک ایسی قوم ہے جسے مذہب کے نام پر گرگرایا بھی جاسکتا ہے اور ٹھنڈا بھی کیا جاسکتا ہے۔ جگایا بھی جاسکتا ہے، مسلایا بھی جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مذہب کی آڑ میں وہ تمام کھیل کھیلے جو آج سب کے سامنے ہیں۔ ہونے پر سہاگ یہ کہ اسے حکومت برطانیہ کا ہر رُخ سے بھر پور تعاون بھی حاصل رہا۔ حکومت اس وقت مسلمانوں کے اتحاد سے اور جذبہ جہاد کی تیز تر لہر سے خائف تھی۔ سید احمد شہیدؒ اور ان کے عظیم ساتھیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں انگریزی اقتدار کیلئے پریشان کن بنی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی توجہات کو ملکی اور غیر ملکی مسائل سے ہٹا دینے کیلئے انھیں مسلمانوں میں ایسے ہی ذہنین و فطین آدمی کی ضرورت تھی۔ مرزا غلام احمد "تریاق القلوب" میں اقرار کرتے ہیں:-

"میں حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہوں۔" ضمیمہ شہادت القرآن "میں لکھا ہے، "میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان و مسلم سے اس کام میں مشغول ہوں تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلیشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور مسدودی کی طرف پھیر دوں۔ اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد و فتنہ کے دور کردوں جو ان کو دل صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔"

— "تریاق القلوب" میں ایک جگہ لکھا ہے:-

"میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی کی اطاعت کے بارے میں اس قدر

کتابیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں
 اکٹھا کی جائیں تو پچاس لاکھ روپے بھر سکتی ہیں۔ ایسی کتابوں
 کو تمام عرب ممالک اور مصر و شام اور کابل اور روم تک پہنچایا ہے
 ایک طرف مرزا جی برابر مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ دغا دہری کی تعلیم دیتے
 رہے۔ دل سے مصلحانہ برتاؤ کی تبلیغ کرتے رہے دوسری طرف مرحلہ دار مسلمانوں
 کے بنیادی عقائد پر شاطرانہ انداز میں حملے شروع کر دئے۔ اور توقع کے
 مطابق ایسے لوگ بھی مل گئے جو پیدائش سے ہی مسلمانوں میں ہوتے تھے مگر مرزا
 کی طرح تھے بے دین اور مفاد پرست۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گرد گھنٹال
 مرزا غلام احمد قادیانی کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت، بزرگی اور بیجا طور پر کشف و
 کرامت کی تشہیر شروع کر دی۔ اس کے استعماروں کو کامیاب الہامات کو سچے
 اور دُعاؤں کو مستجاب بیان کیا جانے لگا۔ لوگ آنے لگے۔ بے وقوف اور توہم
 پرست لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے۔ پھر یہ تو دام ہی
 ہم رنگ زمین بچایا گیا تھا۔ کچھ سادہ لوح اور پڑھے لکھے بھی پھنس گئے۔
 پہلے مرحلہ میں مرزا نے مختلف نفسیاتی پہلوؤں سے کام لے کر اپنے خدا
 رسیدہ ہونے کا تاثر لوگوں کے ذہن نشین کرایا۔ امام مہدی اور مجدد ہونے کا
 دعویٰ کیا۔ دوسرے مرحلہ میں مسیح بن گئے، نبی مطلق ہو گئے۔ فن کاری دیکھے!
 حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے بارے میں قرآنی صراحت
 کے باوجود حیات مسیح کے تو قائل نہیں لیکن آمد مسیح کے قائل ہیں اور وہ مرزا
 جی... خود ہیں۔ اس سوال سے بچنے کے لئے کہ جب آپ کے بقول مسیح زندہ
 ہی نہیں تو آپ مسیح کہاں سے آ گئے۔ تو مثیل مسیح کا شوشہ لگا دیا۔ ایسے ہی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر نصوص قطعہ موجود ہیں۔

اسی لئے علامتے سَلَفٌ وَخَلْفٌ شد و مد سے ختم نبوت کے عقیدہ کو طارا ایمان قرار دیتے آئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ شخص نبی بن بیٹھا۔ اور اس حقیقت کے تازیانہ سے بچنے کے لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ فِطْرَتِ دُبُرُوذِی کی اصطلاحیں گھرائیں۔ جب کہ نبوتِ ظَلِّ و مجازی یا بروزی ہوتی ہے تو نہیں تیسرے مرحلہ میں ظَلِّ و بروزی کا تکلف بھی ختم کر دیا گیا۔ کہتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
وَذِينَ الْحَقِّ دُوسری آیت۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ سے مراد میں ہی ہوں۔ اَخْبَارُ الْفَضْلِ ج ۲ ص ۱۵۰، بحوالہ پیشین گوئیاں
مولانا شمس الرحمن صاحب

شوقِ فضیلت یا جو شہ عیاری نے جب مزید ابھارا تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم سے بھی انقض ہو گئے۔ کہتے ہیں :-

لَهُ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ وَاللَّيْلُ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمَشْرِقُ اَشْكُرُ
اس کیلئے یعنی نبی کریم کیلئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے
چاند اور سورج دونوں کا۔ کیا اب تو انکار کرے گا ؟

(اعجازِ نبوی ص ۱)

متعدد آیات کے بارے میں بے جھجک کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب
کیا ہے۔ اس شخص کا حوصلہ دیکھئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی کچھ عظمتوں ہی کو اپنی ذات میں
سمولینے کا مدعی نہیں بلکہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں۔
وہ لکھتا ہے۔

میں آدم ہوں۔ میں شیدت ہوں۔ میں نور ہوں، میں ابراہیم ہوں۔ میں

اسحاق ہوں، میں اسٹیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم ہوں۔ یوں ظنی طور پر محمد اور احمد ہوں“ (حقیقۃ الوحی)

ابن کاکہنا ہے کہ ”میرے معجزات انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں (کشتی نوح) اور میری پیش گوئیاں نبیوں کی پیش گوئیوں سے زیادہ ہیں“ (توضیح المرام)

اس نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو جس چیز کو بنانا چاہے بس کن کہے وہ ہو جائے گی“ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱) جب کہ صاحب بہادر کی وہ پیشین گوئیاں بھی پوری نہیں ہو پاتیں جو انتہائی بلند بانگ دعووں کے ساتھ کی گئی تھیں جنہیں ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

مرزا غلام احمد کی فیصلہ کن پیشین گوئیاں اور ان کا شرمناک انجام

غلام احمد قادیانی اگرچہ بے پناہ چالاک آدمی تھا۔ مگر جیسے کسی صلاح کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا حوصلہ اس کی فرقا بل کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح چالاک اور دغا بازی میں اس کا حد سے زیادہ گذر جانا اس کو بڑی طرح لے ڈوبا۔ اس نے مختلف پہلوؤں سے انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کیں، قرآن کریم کا تحریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کلمۃ اسلام کا جو عوامی انکار نہیں کیا مگر اس کے کارکن تھانوں کی طرح مخالفت کی۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا یا اجماع امت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ حرم قدیم پر مسلمانوں کی دل آزاری کی۔ عیسائیوں کو بھی نہیں بشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نثار کا ناجائز بیٹا بنایا

جو قرآنی صداقتوں کے قطعی خلاف ہے۔ ہندوؤں کے بزرگوں کی بھی مٹی پلید کر کے رکھ دی۔ اس طرح غلام احمد نے ایک ہی وقت میں بہت ساری مخالفتیں مول لے لیں۔

عیسائیوں کے ساتھ امرت سر کے ایک مناظرہ میں جب مرزا جی ایک بوڑھے پادری عبداللہ آختم سے شکست فاش کھا گئے تو صبح چھلاہٹ میں اس کے لئے موت کی پیشین گوئی کر دی اور یہ سمجھ کر کہ یہ بوڑھا شخص ہے۔ سال ڈیڑھ سال میں رڑھک جائے گا۔ پیشین گوئی کی مدت پندرہ ماہ رکھی گئی۔ اعلان بد کے نتیجہ میں مرزا جی کو قدرتی طور پر ذلیل ہونا تھا۔ پادری سخت جان ہو گیا۔ اور پیشین گوئی کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہا۔ ہم پہلے اسی الہامی پیشین گوئی کا جائزہ لیں گے۔

واضح رہے کہ ہم پادری آختم کے حامی نہیں ہیں اور نہ مذہباً اسے حق پر سمجھتے ہیں۔ توحید کو چھوڑ کر تہلیل پر یقین رکھنے والا حق پر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس پیشین گوئی کو چونکہ مرزا غلام احمد نے اپنے صدق و کذب کا معیار قرار دیا تھا۔ اس لئے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

اس پیشین گوئی کے ساتھ مرزا جی نے اور بھی کئی پیشین گوئیاں شامل کر دی تھیں۔ ایک پنڈت لیکھرام کے متعلق جو ان کی یہودہ گوئیوں پر انھیں برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ دوسری مرزا احمد بیگ کے بارے میں۔ جو ان کے قریبی عزیز تھے اور جنہوں نے اپنی بیٹی محمدی بیگم سے بوڑھے مرزا جی صاحب بہادر کا پیغام نکال کر حقارت سے ٹھکرادیا تھا۔ ان پیشین گوئیوں کے سلسلے میں مرزا جی کی صاف ملاحظہ فرمائیں و شہادت القرآن“ میں لکھتے ہیں۔

پھر اسوا اس کے اور عظیم الشان نشان اس عاجز کی طرف سے موعظ

امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبداللہ اشرف صاحب امرت سہری کی نسبت
 پیشین گوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ سہ ماہ تک اور
 پنڈت لیکھرام پشاور کی موت کی نسبت جس کی میعاد ۱۸۹۳ء سے
 چھ سال تک ہے اور پھر مرزا بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی نسبت
 پیشین گوئی جو پٹی منسلح لاہور کا باشندہ ہے۔ جس کی میعاد آج کی تاریخ
 سے جو ۲۱ ستمبر ۱۸۹۳ء سے قریباً ۱۱ ماہ میں باقی رہ گئی ہے۔ یہ تمام امور
 جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت
 کیلئے کافی ہیں۔ کیونکہ احوال اور امانت دونوں حق تعالیٰ کے اختیار
 میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو۔ خدا تعالیٰ
 اس کی خاطر سے کسی اس کے دشمن کو اس کی دُعا سے ہلاک نہیں کر سکتا
 خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے نہیں منجانب اللہ قرار دے
 اور اپنی اس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہرا دے پیشین گوئی
 کوئی سمجھتی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہوں۔
 بلکہ محض اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق ہے تو
 ان پیشین گوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشین گوئیاں
 ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک
 مسلمان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں
 سے۔ اور ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے
 بہت ہی عظیم شان ہے۔ کیونکہ اس کے اجراء میں ۱۱ جون ۱۸۹۳ء تک
 ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو گا۔ اور پھر وہ اس کا
 جو اس کی دفتر کلاں رکھتی تھی، کا شوہر ہے۔ اور انسانی سال کے اندر

(۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تاروز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تانکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے (محمدی بیگم کا نکاح ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔

پادری آتھم کے بارے میں ایک خصوصی الہام۔

پادری آتھم کے متعلق پیشین گوئی کہ وہ ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ ماہ کے اندر اندر مر جائے گا، ہم مرزا جی کی واضح عبارت نقل کر چکے ہیں لیکن بعد میں مرزا جی کو آتھم کے بارے میں ایک خصوصی الہام ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

« آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے تفرغ اور اتہاں سے جناب الہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے یہ نشانِ بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں (جو آتھم سے ہوئی تھی) دونوں فریقوں میں سے جو فریق غمنا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان لا حضرت عیسیٰ کو خدا بتا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہادیہ (جہنم) میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ بلکہ جو شخص حق پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی تب بھی

اندھے سو جا کہے ہو جاویں گے۔ اور بعض ننگرے چلنے لگیں گے۔
 اور بعض بہرے سننے لگیں (جنگ مقدس)
 اس پیشین گوئی کے بارے میں مزید لکھتے ہیں :-

و میں حیران تھا کہ اس بحث میں مجھے کیوں آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی
 بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے
 لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی
 نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ
 ماہ کے عرصہ میں، آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ (جہنم)
 میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔
 مچھکو ذلیل کیا جائے، گرد سیاہ کیا جائے، میرے گلے میں رسا ڈال
 دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جائے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں۔ اور
 میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کریگا
 ضرور کہے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں
 نہ ٹلیں گی، (حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی میں مرزا جی نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ یقین دلایا ہے کہ
 اگر آتھم نے حق کی طرف رجوع نہ کیا تو وہ پیشین گوئی کی تاریخ سے پندرہ مہینے
 کے عرصہ میں مر جائے گا، جہنم رسید ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ مرزا جی حق پر
 خود کو اپنے عقیدے میں ہی کو سمجھتے تھے۔ اس لئے آتھم کے حق کی طرف رجوع کرنے کا
 صاف مطلب یہی تھا کہ اگر وہ عیسائیت سے تائب ہو کر مرزا جی کے دین میں
 داخل نہ ہوتے اور انھیں مسیح موعود نہ مانا تو لازماً پیشین گوئی کے مطابق پندرہ ماہ
 کے اندر مر جائیں گے۔ اور یہی موت نہیں مریں گے۔ بلکہ بسزائے موت جہنم میں نہیں

مگر افسوس مرزا جی کی اس قدر اہم پیشین گوئی کے بعد بھی وہ پندرہ مہینے کے اندر نہیں مرے۔ کافی لمبے عرصے تک زندہ رہے۔ پیشین گوئی کے مطابق پادری آتھم کو ۵ ستمبر ۱۸۹۲ء تک جہنم رسید ہو جانا چاہئے تھا مگر وہ ۷ مہر جون ۱۸۹۶ء میں مرے۔ اور طبعی موت مرے۔ دیکھئے ہدایتہ المتزی عن غواۃ العفری ص ۱۳۱، مصنفہ مولانا عبد الغنی ثبالوی۔ پیشین گوئی کی میعاد پوری ہو جانے کے بعد عیسائیوں نے آتھم کا بڑی دھوم دھام کے ساتھ امرتسر شہر میں جلوس نکالا اور لوگوں کو دکھایا کہ دیکھو آتھم زندہ ہے۔ مرزا جی کی پیشین گوئی رکھی رہ گئی اور وہ بد نصیب لنگڑے، اندھے اور زہرے بھی ٹھیک ہونے سے محروم رہ گئے۔ جن کو پیشین گوئی کے ظہور میں آنے کے ساتھ بشارت دی گئی تھی۔

اب اگر مرزا جی کو اپنے دعوؤں کا باس ہوتا تو انھیں چاہئے تھا کہ وہ صاف طور پر اپنے کاذب اور فریبی ہونے کا کھلے عام اعتراف کرتے، اپنے آپ کو عوام کی عداوت میں سزا کیلئے پیش کر دیتے۔ اور اعلان کرتے کہ میں جسے وحی سمجھتا تھا۔ درحقیقت وہ وحی نہیں تھی۔ شیطانی حرکات تھیں۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے۔ اپنے سابقہ کردار پر ہزار بار لعنت بھیجتے اور دین کی صیغہ راہ پر گامزن ہو جاتے لیکن اس شخص نے ایسا نہیں کیا۔ اور وہ کبھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کسی غلطی کا شکار تھا ہی نہیں۔ نہ اس پر کسی خبیثت کا کوئی اثر تھا۔ درنہ حقیقت حال کھل جانے پر وہ لازماً تائب ہو گیا ہوتا۔ ہم اپنا خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ ایک ذہین و فطین اور الحاد پسند آدمی تھا۔ جو کچھ وہ کر رہا تھا۔ پوری طرح جان بوجھ کر کر رہا تھا۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنا اوسیدھا کرنے کے لئے کر رہا تھا۔

مرزا جی کے کرتب

پہلا کرتب۔ جب مرزا جی نے دیکھ لیا کہ پادری آتھم ان کی پیشین گوئی کی مدت نکل جانے کے بعد بھی زندہ ہے۔ جس سے لوگوں میں ان کی بُری طرح رسوائی پوری ہے اور اپنے لوگوں کے ٹوٹ جانے کا بھی خطرہ ہے۔ وہ سوالات بھی کر رہے ہیں۔ تو آپ نے پینتر ابدلا۔ فرمایا۔

”میری مراد صرف آتھم سے نہیں بلکہ پوری جماعت سے ہے جو اس بحث میں اس کی معاون تھی“ اور الاسلام ص ۳ مصنفہ مرزا

لوگوں کو احمق بنانے کے لئے پیشین گوئی کو زبردستی وسعت دیکر پادریوں کی صفوں میں نظر دوڑانی شروع کر دی۔ اس عرصہ میں ایک پادری رائٹ مر گیا تھا۔ قدرت کا نظام ہے۔ لوگ پیدا بھی ہوتے ہیں۔ مرتے بھی رہتے ہیں۔ جیسے ہی رائٹ کا مرنا معلوم ہوا۔ فوراً مرزا جی پکار اٹھے کہ میری پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ پادری رائٹ مر گیا۔ ہادیہ میں جاگرایا۔ اب کہتے! اسے عیاری نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ پیشین گوئی کی گئی آتھم کے بارے میں۔ مراد لے لی جماعت۔ مر گیا رائٹ۔ مرزا جی کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ بہت خوب! کیا کہتے ہیں نبی ظلی کی دیانت و صداقت کے!

مرزا جی کو تو بھڑک دیکھئے۔ وہ توجیت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی سے کام لے کر اپنا اتوسیدھا کر رہے تھے۔ انیسویں تو ان پر ہے جو قدرت کی عطا کی ہوئی سمجھ اور روشن آنکھوں سے صحیح کام نہ لے کر مرزا جی کے ساتھ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور اتنی کھلی ہوئی باتیں بھی انہیں غلط راہ سے نہیں مٹا سکیں۔

سمجھے ہوں گے کہ شاید میری یہ توجیہ لوگوں کو مطمئن نہ کر سکے

دوسرا کرتب

اس احساس سے دوسرا پینترا بدلا۔ فرمایا۔

”پیشین گوئی میں یہ بھی تو ہے کہ اگر اس نے حق کی طرف رجوع نہ کیا اور

اس نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اسی لئے تو نہیں مرا“ مزید فرمایا۔

پیشین گوئی نے اس کے دل پر اثر کیا اور وہ پیشین گوئی کی عظمت کی

وجہ سے دل میں موت کے غم سے شہر شہر مارا پھرتا رہا“

(اشتہارات ہزاری ڈو ہزاری سہ ہزاری انوار اسلام)

جب لوگوں نے کہا مرزاجی! اس نے رجوع الی الحق کیا کہاں۔ وہ تو آج تک عیسائیت

پر مضبوطی سے قائم ہے، تو ایک اور پینترا بدلا۔ فرمایا۔

”میری پیشین گوئی کے بعد اس کے دل میں موت کا ڈر پیدا ہوا جس سے

وہ خدا کی طرف رجوع ہوا اور اس سے ڈرا۔ اسی لئے امرتسر سے باہر

آتا جاتا رہا“

اہل نظر غور فرمائیں! پندرہ ماہ کے عرصہ میں کیا کسی کو دو چار سفر پیش

نہیں آسکتے ہیں اس کبھی زیادہ آسکتے ہیں اور آتے جتے ہیں۔ اگر پادری آتھم بھی اپنی منگسی

ضرورت سے دو چار دفعہ کہیں سفر میں چلا گیا تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائیگا

کہ وہ مرزاجی کی پیشین گوئی سے ڈر کر امرتسر سے باہر بھاگا پھرتا رہا؟ اور پھر

پیشین گوئی میں یہ کہاں ہے کہ وہ امرتسر میں رہا تو مرے گا۔ باہر چلا گیا

تو نہیں مرے گا۔ اس میں تو صرف مرنے کی بات ہے۔ وہ پندرہ ماہ کی شعیبہ

مدت میں کہیں بھی مر جاتا، پیشین گوئی سچی سمجھی جاتی۔

مرزاجی جانتے تھے کہ پیشین گوئی پوری نہ ہونے کی وجہ سے

تیسرا کرتب

صورت حال زیادہ بگڑ گئی ہے۔ ابھی تک کوئی بات

ڈھنگ کی نہیں بنی۔ اس لئے آپ نے ایک نیا پیئترا بدلا اور لوگوں کو یہ اثر دینا چاہا کہ آتھم اگرچہ عیسائیت پر قائم ہے مگر دلی طور سے وہ حق کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اور میری پیشین گوئی کے بعد سے اس نے عیسائیت کیلئے کوئی کام نہیں کیا۔ کہتے ہیں۔

”اس نے اس مباحثہ کے بعد میری پیشین گوئی کے ڈر سے عیسائیت کی حمایت میں ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ بس یہی اس کے رجوع کی علامت ہے۔“ (دائخنام آتھم)

درائخنامیکہ آتھم عیسائیت کی حمایت میں حسبِ طاقت برابر لکھتا رہا۔ اس نے نہ صرف عیسائیت کی حمایت ہی میں لکھا بلکہ خود مرزا جی کی فریبکارانہ حرکتوں پر سے بھی وہ زندگی کے آخری دنوں تک پروے اٹھاتا رہا۔ اُسے دجال، کذاب اور فریب کار تک لکھتا رہا۔ مرزا جی کے چھپے آنکھیں بند کر کے چلنے والے اس صورت حال کو کیا کہیں گے؟ کیا مرزا کو جھوٹا اور دجال کہنے والا شخص بھی ان کی نظر میں رجوع الی الحق کئے ہوتے ہے؟ جس کی وجہ سے وہ پیشین گوئی کی سخت مار سے بچ گیا۔

درحقیقت اس پیشین گوئی کے سراسر غلط ثابت ہو جانے سے مسیح موعود اور نبی ظلی کی ذات کو شدید دھکا پہنچا۔ اس کا قہر نبوت سارا کا سارا زمین پر آ رہا۔ وہ چالاک ترین آدمی ہونے کے باوجود گھبرا گیا۔ اور اس گھبراہٹ میں ایک سے ایک لہر اور بے تکی بات کہہ گیا۔

بات بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنا سکتے نہ بنے

ایک جگہ کہتے ہیں:-

آتھم نے جلد مباحثہ میں شتر معزز آدمیوں کے روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو دجال کہنے سے رجوع کیا اور پیشین گوئی کی بنا ہی تھی کہ اس نے آپ کو دجال کہا تھا۔

قارئین غور فرمائیں! اس پیشین گوئی میں کسی رُخ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں۔ اس میں تو یہ ہے کہ جو فریق عداً جھوٹ کا اختیار کر رہا ہے اور عاجزان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ پندرہ پہینے کے اندر ہادیہ میں گرایا جاوے گا۔ مرزا جی کو اس پیشین گوئی نے دراصل ایک ایسے موڑ پر کھڑا کر دیا تھا۔ جہاں انہیں کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اور وہ بوکھلائے ہوئے تھے۔

مرزا جی کی الٰہی منطق | پیشین گوئی کی مدت میں آتم کے جنم رسید نہ ہونے کی ایک طرف تو وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ اس نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اسی لئے وہ پیشین گوئی کی مارنے پر نکلے۔ دوسری طرف مرزا جی کہتے ہیں:-

» وہ ہادیہ میں مبتلا رہا جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ موت کے ڈر سے پریشان حال رہا۔ امر تسر سے گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر بھاگا پھرا اس کا سکون فارت ہو گیا۔ اور وہی ہادیہ ہے، آگے لکھے ہیں:-
» ہماری پیشین گوئی کے الہامی الفاظ بڑھو اور ایک طرف اس کے مصاب کو جانچو جو اس پر وارد ہوئے۔ تو تمہیں کچھ بھی اس بات میں شک نہیں ہو گا کہ وہ بے شک ہادیہ میں گرا۔ غرور گرا۔ اور اس کے دل پر وہ رنج و غم اور بدحواسی وارد ہوئی جس کو پہاگ کے صواب سے کچھ کم نہیں کہہ سکتے۔ و انوار الاسرار ص ۱۴۸

اب مرزا جی تو ہیں نہیں جو ان سے پوچھتے کہ یہ کیا الٰہی منطق ہے کیا ایک طرف تو اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ آتم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ دوسری طرف

یوں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ باویہ (جہنم) میں گرا۔ ہزر گرا۔ معلوم نہیں کہ وہ کب نعت حق کے ساتھ باویہ میں کیسے گر گیا؟

مولانا محمد حسین وغیرہ سے متعلق پیشین گوئی

یہ پیشین گوئی مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے دو ساتھیوں کے لئے کی گئی تھی جو مرزا جی کے لئے ایک بھاری آفت بنے ہوئے تھے۔ جن کے سامنے مرزائی ساری مکاریاں ناکام ہو رہی تھیں۔ مرزا غلام احمد نے اپنی اس الہامی پیشین گوئی کو بھی فیصلہ کن اور حق و باطل کا معیار قرار دیا تھا۔ اپنے متوسلین کو معصومانہ انداز میں ہدایات دیتے ہوئے۔ لکھتے ہیں:-

”میں اپنی جماعت کیلئے خصوصاً یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ وہ اس اشتہار کے نتیجہ کے منتظر رہیں کہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۵ء کو بطور مبارکہ شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اور اس کے دو رفیقوں کی نسبت شائع کیا گیا ہے جس کی میعاد ۵ ارجوزی ۱۹۰۰ء میں ختم ہوگی اور میں اپنی جماعت کو چند لفظ بطور نصیحت کہتا ہوں کہ: وہ طریق تقویٰ پر پختہ مار کر زیادہ گوئی کے مقابلہ پر زیادہ گوئی نہ کریں۔ اور گالیوں کے مقابلہ پر گالیاں نہ دیں وہ بہت کچھ ٹھنڈا اور سہی سنیں گے۔ جیسا کہ سن رہے ہیں مگر چاہتے کہ خاموش رہیں۔ اور تقویٰ اور نیک بختی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کی طرف نظر رکھیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابل تائید ہوں تو مسالاح اور تقویٰ اور صبر کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اب اس عدالت کے سامنے مسل مقدم ہے جو کسی کی رعایت نہیں کرتی اور گستاخی کے طریقوں کو پسند نہیں کرتی جب تک انسان عدالت کے

کمرے سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کی بدی کا بھی مواخذہ ہے مگر اس شخص کے جرم کا مواخذہ بہت سخت ہے جو عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بطور گستاخی ارتکاب جرم کرتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عدالت کی توہین سے ڈرو اور نرمی اور تواضع اور صبر و تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ سے چاہو کہ وہ تمہیں اور تمہاری قوم میں فیصلہ فرمادے، (رسالہ راز حقیقت)

اب مرزا جی کا مندرجہ ذیل اشتہار ملاحظہ فرمائیے۔

”میں نے خدا سے دُعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین ثالوی میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے ذوالجلال پروردگار اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین ثالوی نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں بار بار جھگو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زلمی اور ابوالحسن تینی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ نومبر ۱۸۹۶ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تو اے میرے مولا اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۵ دسمبر ۱۸۹۶ء سے ۱۵ جنوری ۱۸۹۷ء تک ذلت کی مارو اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کرو اور اس روز کے جھگڑے کو فیصلہ فرما۔ لیکن اگر میرے آقا میرے مولا میرے منعم۔ میری ان نعمتوں کے دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دُعا کرتا ہوں کہ ان تیرہ مہینوں میں جو ۵ دسمبر ۱۸۹۶ء سے ۱۵ جنوری ۱۸۹۷ء تک

شمار کئے جاتیں گے۔ شیخ محمد حسین اور جعفر زلی اور تبتی مذکور کو جنھوں نے میرے ذلیل کرنے کیلئے یہ اشتہار لکھا ہے۔ ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر۔ اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لئے یہ نشان ظاہر فرما کر ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضَرِیْبٌ عَلَيْهِمُ الذَّلٰةُ کا مصداق کر۔ آگے لکھتے ہیں:-

”یہ دُعَاتِی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹیں گے پہلے

اس کے بعد یہ الہام ہوا اور کچھ الہامات عربی میں ہوئے۔ کہتے ہیں:-
 ”یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے۔ یعنی یہ خاکسار ایک طرف شیخ محمد حسین اور جعفر زلی اور مولوی ابوالحسن تبتی، دوسری طرف خدا کے حکم کے پیچھے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہو گا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بنا پر ہے اس لئے حق کے ظالموں کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔

مرزا جی نے عاجزانہ اور دل کش انداز میں اپنے متبعین کو ہدایت دیکر اپنی پیشین گوئیوں کے برحق ہونے پر اور اپنے نصب العین کی صداقت پر جھلنے کی سعی کی ہے۔ بہر کیف وہ کوئی بھی انداز اختیار کریں ہمیں اس سے یہاں کوئی بھٹ نہیں، بھٹ ان کی پیشین گوئیوں سے ہے۔ یہ بات تو قارئین کے سامنے آ ہی گئی کہ مرزا جی اپنی ان پیشین گوئیوں کو اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار لے ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق چھپا یا جا بڑ تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے۔ وہ انہوں نے گالے کیوں لے گا کہ کیوں لے ہاتھ ایسے کام پر ہے۔ (مرزا)

قرار دیر ہے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ یہ حقیقت ذہن نشین کر رہے ہیں کہ اگر یہ پیشین گوئیاں اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ثابت ہوئیں تو مجھے دوسری باتوں میں بھی صادق تسلیم کیا جائے عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ورنہ ہر جہت سے کاذب، مفتری اور جھوٹا سمجھا جائے۔ یہ پیشین گوئیاں کیونکہ بہت زور دار دعووں کے ساتھ کی گئی تھیں اس لئے ان کے نام مجھ متبعین نے بھی خوب دل کھولی کر پرکھیندہ کیا اور بے قراری کے ساتھ ان کے وقوع پذیر ہونے کا انتظار کیا جانے لگا۔

الہام مرزا کے بموجب یہ فیصلہ قطعی اور احسری فیصلہ ہونا چاہئے تھا۔ ان کے چیلے مرزاجی کو تو حق ہی پر جانتے تھے۔ وہ شدت سے منتظر تھے کہ اب دیکھئے پیشین گوئی زدہ لوگوں کا کیا حشر بنتا ہے۔ مگر وہ نیک حضرات کیونکہ حق پر تھے اور ان کے سینے ختم نبوت کے صحیح عقیدے کی روشنی سے منور تھے اس لئے ان کا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ خود مرزاجی کی پیشین گوئی کی وجہ سے ان کے ساحل ایمان سے ٹکرا کر فضا میں تحلیل ہو گئیں۔ وہ نیک دل اور مخلص حضرات ہر طرح بعافیت رہے ملت اسلامیہ میں ان کی عزت افزائی ہوئی۔ البتہ مرزاجی کی رسوائیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مگر وہ بزبان خود مسیح موعود اور نبی ظلی ایسے کہاں تھے جو حقائق کو تسلیم کر لیتے۔ حقائق سے تو ان کو الرجی ہوتی تھی۔

پیشین گوئی کے تیرہ ماہ کے اندر تو کیا، کئی سال بعد تک بھی جب مرزاجی کے مقابل لوگوں پر کوئی آفت نہ آئی اور نہ کوئی آفت دپڑی تو مرزاجی نے اپنی دیرینہ عادت کے مطابق اس فن کاری سے کام لیا۔ جس کا مظاہرہ وہ پہلے سے کرتے آ رہے تھے۔ پیشین گوئی کا نشانہ بنائے جانے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جسٹریا اور شور مچا دیا کہ میری پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ وہ ذلیل ہو گئے،

ان پر کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ نیز یہ کہ اس اثناء میں محمد حسین کو کافی زمین ملی ہے، وہ زمیندار ہو گیا ہے۔ یہ بھی ہماری پیشین گوئی کے سچے ہو جانے کا یقین ثبوت ہے، لوگوں نے پوچھا کہ زمین کا ملنا تو خوش حالی کی علامت ہے اور جسے انعام خداوندی کہنا چاہئے۔ اس میں تو ان کی عزت ہی بڑھی۔ ذلت تو نہ ہوئی۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ ہاں اگر زمین ناجائز طور پر یا ظالمانہ انداز میں حاصل کی گئی ہے تو آپ کی بات کسی حد تک ٹھیک کہی جاسکتی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یا پھر آپ ثابت کیجئے!

اس پر فرمایا گیا، وہ زمین ملنے سے زمیندار ہو گیا ہے۔ جو ذلت ہے کیونکہ جس گھر میں کھتی کے آلات داخل ہوں وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ — یہ میں مرزا کی بہادر کی توجیہات اور ان کے بھاری اور معقول دلائل۔ اور یہ تھیں نبی فلسفی کی الہامی پیشین گوئیاں۔ یہی حال ان کے تمام الہامات کا ہے اور یہی معجزات کا۔ وہ اپنے معجزات کی تعداد بڑے فخر کے ساتھ تین لاکھ بتاتے ہیں۔ لیکن وہ جنہیں معجزات کہتے ہیں وہ اس تعداد سے بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی جاہل عقیدت مند نے ایک روپیہ مرزا جی کی نذر کر دیا۔ تو فرمایا۔ "میرے دل میں یہ بات آئی تھی، بس ایک معجزہ ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی سے پانچ دس ہزار روپے ٹھگ لئے تو فی روپیہ ایک معجزہ کے حساب سے اتنی ہی معجزات تیار ہو گئے یا ان کے قلم سے غلط سلاطین عربی میں یا اردو میں کوئی شعر یا غزل وغیرہ نکل گئی تو اس کے تمام حروف و الفاظ معجزات بن گئے۔

پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشین گوئی

یہ پنڈت لیکھرام وہی ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان سے متعلق پیشین گوئی

کے بارے میں جو اشتہار مرزا جی کی طرف سے منظر عام پر آیا تھا۔ وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :-

۷ واضح ہو کہ اس عاجز نے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں جو اس کتاب کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اندر من مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی تضاد قدر کی نسبت بعض پیشین گوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس اشتہار کے بعد اندر من نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا، لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشین گوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے سو اس کی نسبت جب توجہ کی گئی تو اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا۔ عجل جسد لہ خوار لہ نصب و عذاب، یعنی ایک بچان گو سالہ ہے جس کے اندر سے مکروہ آواز نکل رہی ہے۔ اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقرر ہے۔ جو ضرور اس کو ملکر رہے گا۔ اور اس کے بعد آج ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء روز دو شنبہ ہے۔ اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ کی گئی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ سو اب میں اس پیشین گوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ

اگر اس شخص پر پچھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الہی ہیبت رکھتا ہو، تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ اس کی رُوح سے میرا نطق ہے اور میں اس پیشین گوئی میں کاذب نکلا تو ہر ایک سزا کے بھگتے کے لئے تیار ہوں، اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسا ڈال کر کسی سولی پر کھینچا جاوے اور باوجود میرے اس اقرار کے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی انسان کا اپنی پیشین گوئی میں جھوٹا نکلنا۔ خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟ (سراج منیر ص ۱۳)

قارئین خاص طور پر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ مرزا جی کی یہ پیشین گوئی بیکھرام کی موت کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ خرق عادت کے طور پر کسی بھاری اور غیر تنگ عذاب کے بارے میں ہے۔ جس کا تعلق زندگی سے ہے۔ یعنی اس کی زندگی میں اس پر کوئی ہیبت ناک عذاب نازل ہوگا۔ چھ سال پورے ہونے لگے اور بیکھرام پر کوئی افتاد نہیں پڑی اور نہ خرق عادت کے طور پر کوئی عذاب نازل ہوا۔ جس کو لے کر مرزا جی لوگوں کو باور کرا سکتے کہ دیکھو ہماری پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے اور کس طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ مرزا جی اور ان کے ہمنوا سخت پریشان تھے انہیں اپنی پیشین گوئی کی دلدل سے نکلنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں ان کے ایک دشمن نے چھرا گھونپ کر ان کو مار ڈالا۔ مرزا جی نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس صورت حال کو پیشین گوئی کے سچی ثابت ہونے کے ثبوت میں پیش کر دیا۔ جب کہ بیکھرام کے متعلق موت کی پیشین گوئی تھی یہاں نہیں پیشین گوئی لیک بار پھر پڑھ لیجئے! ہاں اگر پیشین گوئی یہ ہوتی کہ بیکھرام اتنی

مدت میں قتل کر دیا جائے گا تو پھر مرزا جی کو کچھ کہنے کا حق حاصل ہو سکتا تھا۔
 مرزا جی نے یہاں مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے یہ تاثر دینے کی
 کوشش کی ہے کہ لیکھرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی
 اور بے ادبی کی تھی اسی لئے میں نے اس کیلئے یہ پیشین گوئی کی ہے۔ ہم یہ
 نہیں کہتے کہ لیکھرام نے گستاخیاں نہیں کی ہوں گی، کی ہوں گی۔ اس پر اسکی
 جس قدر بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ ہمارا مقصد لیکھرام کی حمایت ہرگز
 نہیں۔ بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ غلام احمد قادیانی جو خود کو مامور من اللہ، مسیح
 موعود اور نبی ظلی بنا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ مجسم جھوٹ
 اور سرسراپا مکرو فریب ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں تو خود مرزا جی زندگی کے آخری لمحوں تک
 کرتے رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ آنحضرت نے
 ارشاد فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، مرزا جی نے کہا، آئے گا اور وہ
 میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، محمد خاتم النبیین ہیں۔ مرزا جی نے کہا نہیں۔
 نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیا یہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے کا صریح
 ارتکاب نہیں ہے؟

مرزا احمد بیگ، ان کے داماد اور آسمانی نکاح کے

بارے میں پیشین گوئی

پادری آتھم کے بارے میں مرزا جی کی زور دار پیشین گوئی قطعا غلط ثابت
 ہوئی۔ مولانا محمد حسین اور ان کے ساتھیوں سے متعلق پیشین گوئی کا ہر حشر بنا
 وہ سامنے آچکا ہے۔ پنڈت لیکھرام کے لئے جو پیشین گوئی خرابی گئی تھی وہ بھی

جھوٹی ہو کر ان کی رسوائی کا باعث بنی۔ اب یہ پیشین گوئی ایک مسلمان شخص مرزا احمد بیگ کے بارے میں ہے۔ تنہا احمد بیگ کے بارے میں نہیں۔ ان کے داماد اور بیٹی کے لئے بھی ہے۔ جس سے شادی کرنے کیلئے مرزا جی بے تاب تھے سابقہ پیشین گوئیوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ مرزا جی نے اس پیشین گوئی کو معرکہ الآرار، عظیم الشان اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن قرار دیا تھا لیکن دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ بھی مرزا جی اور ان کی پوری جماعت کے لئے انتہائی رسوا کن ثابت ہوئی۔ ہم واقعات کی صاف روشنی میں اس کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ پیشین گوئی پڑھنے سے قبل اچھا ہے کہ آپ ایک نظر اس کے پس منظر کو بھی دیکھ لیں۔

اس پیشین گوئی کی اصل وجہ یہ تھی کہ مرزا احمد بیگ نے جو غلام احمد کے قریب عزیز تھے۔ لیکن ان کی گراہیوں سے متنفر تھے۔ اپنے کسی معاملہ میں مرزا جی سے اخلاقی تعاون چاہا۔ مرزا جی نے فرمایا "اس وقت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا تم پھر کسی وقت آنا" احمد بیگ دوسرے وقت پہنچے مرزا جی نے کہا "مجھے الہام ہوا ہے کہ میں تمہاری بیٹی (محمدی بیگم) سے نکاح کروں۔ اور یہ نکاح مقدر ہو چکا ہے۔ لہذا میں اس کے لئے تمہارے سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اس رشتہ کو قبول کر لو۔ اس سے تمہیں بہت فائدہ پہنچے گا" مرزا جی نے اس عزیز عزیز کی مجبوری سے بیجا طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ وہ مذموم اور خود غرضانہ حرکت تھی جسے ایک حساس معاشرہ میں ہمیشہ نفرت و غمگینگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ احمد بیگ ایک غیور آدمی تھے۔ انھیں مرزا کی یہ سوئے والی بات ناگوار گذری اور گذرنی ہی چاہئے تھی۔ انہوں نے بڑی حقارت سے اس شخص کو ٹھکر لایا۔ مرزا جی کی وہی تمنا تھی کہ وہ کسی بھی طرح محمدی بیگ کو حاصل

کر لیں انھوں نے احمد بیگ کے صاف انکار کے بعد بھی کوششیں جاری رکھیں مخطوط لکھے۔ سفارشیں کرائیں۔ جب کسی صورت بات نہ بنی تو پیشین گوئی کی دھونس دی اور بالآخر پیشین گوئی کر ہی دی۔ اس دھونس سے ان کا منشا نہیں تھا کہ احمد بیگ اور ان کی اہلیہ جو اس معاملہ میں بہت سخت ہو گئی تھیں۔ خوف زدہ ہو کر اپنی بیوی بیٹا کو بوڑھے اور جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کے حوالہ کر دیں۔ احمد بیگ کے ہونے والے داماد پر غصہ رقابت کی آگ تھی۔

اب مرزاجی کی پیشین گوئی کے الفاظ بغور پڑھنے بالکھتے ہیں
 "اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا ہے کہ اس شخص (احمد بیگ)
 کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کیلئے سلسلہ جنابانی کرو اور ان کو
 کہہ دو کہ تمام سلوک و مردت تم سے اسی شرط سے کیا جاوے گا
 اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان
 ہوگا۔ اور ان تمام چیزوں اور برکتوں سے حسد پاؤنگے جو اشتہار، ہرزوئی
 ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس
 رٹ کی کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا۔ اور جس کسی دوست کے شخص سے
 بیاہی جاوے گی۔ وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا
 ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جاوے گا اور ان کے
 گھر پر فقر اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں
 بھی اس دختر کیلئے کئی کراہت اور عزم کے امر پیش آئیں گے۔
 آگے لکھتے ہیں:-

پھر ان دنوں جو زیادہ تفرغ اور تفصیل کیلئے بار بار توجہ کی گئی تو
 معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے جو مقرر کر رکھا ہے وہ مکتوب ایک اور دختر

کلان جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک دور کرنے کے بعد
انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لادے گا۔ اور بے دینوں کو
مسلمان بنا دے گا۔ اور گراہوں میں ہدایت پھیلا دے گا۔“

۱۰ جنوری ۱۸۸۵ء

اس پیشین گوئی میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح
دوسرے کسی شخص سے کر دیا گیا تو نکاح کی تاریخ سے تین سال کے
اندراحمد بیگ اور ان کا ہونے والا داماد یعنی محمدی بیگم کا شوہر دونوں
موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ یہ جاننے کیلئے کہ محمدی بیگم کا نکاح
کس تاریخ میں منعقد ہوا اور وہ مرزا جی کی پیشین گوئی کے مطابق
کب تک موت کے منہ میں جائیں گے۔ مرزا جی ہی کے الفاظ پڑھئے۔
وہ عیاد کے متعلق اپنے رسالہ ”شہادت القرآن“ میں لکھتے ہیں:-
”۲۱ ستمبر ۱۸۹۳ء سے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی تھی“

اُن کے لکھنے کے مطابق ۲۱ اگست ۱۸۹۲ء کے بعد ایک دن بھی احمد بیگ
کے داماد محمدی بیگم کے شوہر کو زندہ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ مگر وہ زندہ بہادر
صحت و عافیت کے ساتھ زندہ رہا، گھر بلیو تعلقات کی خوشگوار فضا میں زندہ
رہا۔ اس عرصہ میں اگر کہیں وہ بیمار ہو گیا ہوتا یا کسی سفر میں چلا گیا ہوتا۔ یا
میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں کچھ ٹٹھنچیاں پیدا ہوتی ہوتیں تو مرزا جی جھٹ
پکار اٹھتے کہ ہماری پیشین گوئی سچی ہو گئی۔ دیکھو لا احمد بیگ کا داماد کس حالت
میں ہے۔ اور یہ حالت ہمارے نزدیک خود موت کے مترادف ہے۔

تقریباً نو فرمائیں! پیشین گوئی میں کہا گیا تھا کہ احمد بیگ کا داماد نکاح کے بعد
تین سال کے اندر ختم ہو جائے گا۔ جب کہ وہ نکاح کے بعد آٹھ نو سال تک زندہ

رہا۔ کہا گیا تھا کہ ان کے گھر پر تفرقہ، تنگی اور مصیبت پڑے گی، ان میں سے کوئی بات بھی پیش نہیں آئی۔ پیشین گوئی میں تھا کہ درمیانی زمانہ میں محمدی بیگم غم و رنج میں مبتلا ہوگی۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔ پیشین گوئی میں یہ تھا تھا کہ انجام کار محمدی بیگم اس عاجز کے نکاح میں آئے گی۔ جب کہ زندگی بھر حضور اسی حسرت میں تڑپتے رہے۔ محمدی بیگم سے نکاح تو کیا ہوتا، اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکے۔ اور پھر نئی طہرتی اسی نامرادی میں ذلتوں کا بھاری بوجھ سر پر رکھ کر دنیا سے سدھار گئے۔ اور آں جہانی بن گئے۔

ہم مرزا جی کا ایک خط جو انھوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو لکھا تھا پیش کر رہے ہیں۔ اسے غور سے پڑھئے !

مرزا جی بنام مولانا ثناء اللہ صاحب آخری فیصلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ! يَسْئَلُوْنَكَ اَحَقُّ هُوَ قُلْ اٰي وَرَبِّيْ اَلْاَحَقُّ

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب - السلام علی من اتبع الهدی

مدت سے آپ کے پرتپ اہل حدیث میں میری تکذیب، تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردودہ کذاب، و دعالم مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور جہاں اور کذاب ہے۔ اور اس شخص کا دعویٰ سیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا۔ اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کیلئے نامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کرتے اور دنیا کو

میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مغتری ہوں
 جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں۔
 تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا
 ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور
 حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا
 ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تا خدا کے بندوں کو تباہ
 نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مغتری نہیں ہوں۔ اور خدا کے مکالمہ
 اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں، تو میں خدا کے فضل سے
 امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں
 بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے
 ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ، وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری
 زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔
 یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں محض دُعا کے طور پر میں نے
 خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ اے میرے
 مالک۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے
 اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرتا میرا
 کام ہے تو اے میرے پیارے مالک۔ میں عاجزی سے تیری جناب میں
 دُعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر لو
 میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔
 مگر اے کاش بلور صادق خدا۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب تمہوں میں جو
 بدمذہب لگاتا ہے۔ حق پر نہیں۔ تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دُعا

کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر، مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون دہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھیلے کھیلے طور پر میرے زبرد اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانوں سے قوبہ کرے۔ جن کو وہ، منجبی فرض سمجھ کر ہمیشہ مجھ کو دکھ دیتا ہے۔ آمین یارب العالمین۔

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کیلئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انھوں نے تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور درود در ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص (مرزا صاحب) درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکان دار اور کذاب اور مغتری اور نہایت درجہ کا برا آدمی ہے۔ میں دیکھتا ہوں مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میکے بھیجے والے، اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک۔ تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ فیصلہ

خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (مرزا جی ظلام احمد قادیانی کا) اشتہار مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۰۶ء مندرجہ تبسیغ رسالت جلد دوم مسئلہ ۱ بحوالہ قادیانی مذہب، جیسا کہ پہلے خدا کی قدرت اور مقام عبرت دیکھئے کہ مولانا شمس الرحمن صاحب تو ایک مدت تک بعافیت زندہ رہے اور بوڑھے ہو جانے کے باوجود قادیانیت کی بیخ کنی میں لگے رہے اور مرزا جی بہادر اپنے اس اشتہار کے ایک ہی سال بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۶ء میں اپنے دامن میں بہت ساری رسوائیاں سمیٹ کر پادری آتم اور پنڈت بیکرام کے پاس ہادیہ میں جا پہنچے۔ قادیانیت کی سسر زمین پر ستا چھا گیا سان کے اتنی حیرت سے ایک دوسرے کا نزدیکی رہ گئے انتظار تھا مولانا شمس الرحمن کے مرجعے کا ارٹھک گئے مرزا جی۔ وتعن من تشاء وقدال من تشاء میدک الخیراتک علی کل قبسی قدیر سے

دعویٰ کیا تھا گل نے اس گل کی رو بری کا + تھپڑ مہبانے مارا، شبنم نے منہ پر تھوکا نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اس خط میں مرزا جی نے لکھا ہے کہ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مغتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی خط میں ہے کہ "اگر میں کذاب اور مغتری نہیں ہوں اور خدا کے حکام اور مخاطبے مشرف ہوں اور سچ موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امیر رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکہ میں کی ستر لکھ نہیں پھین گئے پس اگر وہ مرزا جی انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے ہوں وہیغہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے مولانا شمس الرحمن صاحب کو ہر طرح سے محفوظ رہا۔ بظاہر میں مبتلا ہونے اور نہ ہیغہ کی بیماری ان کو چھو سکی اس کے

برعکس خود مرزا جی ہیضہ کی شدید تکلیف میں مبتلا ہو کر مرے۔
اس خط سے پہلے بھی مرزا جی کے مولانا شمارا اشر صاحب کے لئے پیشین گوئی کی
تھی۔ اس کا جو حشر ہوا۔ وہ بھی دیکھ لیجئے !

مولانا شمارا اشر سے متعلق پیشین گوئی

مرزا جی نے ایک پیشین گوئی کی تھی کہ وہ (مولانا شمارا اشر) قادیان میں مسیبری
پیشین گوئیوں کی پڑتال کیلئے ہرگز نہیں آئیں گے۔ جیسے ہی یہ پیشین گوئی مولانا کے
علم میں آئی۔ وہ فوراً اسی مقصد کیلئے ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ء میں قادیان جا دھکے۔ وہ اور
مولانا محمد حسین صاحب وغیرہ توجھوٹے بنی کو ہر جگہ اور ہر رخ سے مات دیے کا عزم
مستحکم کئے ہوئے تھے۔ وہ اس موقع پر کیسے چوک سکتے تھے۔ جب مولانا شمارا اشر
نے ایک خط کے ذریعہ مرزا جی کو آگاہ کیا کہ میں آپ کی پیشین گوئی کے برخلاف قادیان
پہنچ چکا ہوں اور گفتگو چاہتا ہوں۔ تو مرزا جی گول ہو گئے۔ اور اس وقت تک
زمان خانہ سے باہر نہ نکلے جب تک ایسے معتبر لوگوں سے یقین کے ساتھ یہ معلوم نہیں
ہو گیا کہ شمارا اشر قادیان کی حدود سے باہر جا چکے ہیں۔ دیکھئے نبی غلی کی پیشین
گوئی کتنی سچی ثابت ہوئی !

مولانا شمارا اشر کو دعوت مبارزت اور میدان میں آنے سے گریز

ایک مرتبہ مرزا جی نے عربی میں ایک قصیدہ لکھ لیا اور مولانا شمارا اشر کو پیشین
کردیا کہ

”یہ میرا قصیدہ ہے عربی میں ہے اور یہ میرا اہم معجزہ ہے۔ اگر تم حق پر
ہو تو آج سے پانچ دن کے اندر اس جیسا قصیدہ لکھ کر پیش کرو۔“

مولانا مرحوم نے بڑا اچھا جواب دیا۔ فرمایا
 ”تمہارا پیسٹج منظور ہے مگر پہلے مجمع میں آکر اس کی عربی صحیح کرو۔ اور
 پھر میں پانچ دن سے پہلے تصدیق پیش کرتا ہوں“
 اس پر مرناجی کھیل گئے اور چپ سادہ لی۔ کیونکہ انھیں اتنی عربی آتی ہی نہیں
 تھی کہ کسی عربی داں کے سامنے آکر زبان و قواعد کے مسئلہ میں گفتگو کر سکیں۔

ایک دلچسپ پیشین گوئی

۱۸۸۶ء میں مرزا جی کی بیگم حاملہ ہو گئیں۔ آپ نے فوراً پیشین گوئی فرمادی کہ:-
 ”خداوند کریم نے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھ اپنے الہام سے فرمایا کہ میں
 تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ تاوین اسلام کا شرف کلام اشرف
 کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا
 ہوں کرتا ہوں۔ تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں
 جو خدا۔ خدا کے دین۔ اس کی کتاب۔ اس کے رسولوں کو انکار کی نگاہ
 سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے
 دیا جائے گا۔ وہ تیرے ہی تخم تیری ہی ذریت سے ہوگا۔ خوب صورت
 پاک لڑکا۔ تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام بشیر بھی ہے۔ مبارک
 وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے۔ وہ بہتوں کو
 بیماریوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا
 وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اسیروں کی دستگیری کا باعث ہوگا
 تو میں اس سے برکت پائیں گی۔“

(۱۱) اشتہار ۴ فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت ص ۱۰۱

کسی سے سن لیا ہو گا کہ حمل کے دوران دامنہ کوک بھاری ہونا لڑکے کی علامت ہے۔ اور بانیں کا بھاری ہونا لڑکی کی استفسار پر بیگم نے کہہ دیا ہو گا کہ میری دامنہ کوک بھاری ہے۔ اب کیا تھا۔ مرزا جی نے جھٹ سے پیشین گوئی کر ڈالی۔ یہ ان کی عادت تھی ہی کہ اپنی ہر بات کو الہامی بتاتے تھے۔ معتقدین میں ایک ماہر زاد ولی کامل، مجدد وقت اور امام زماں کے ظہور کا شدت سے انتظار کیا جانے لگا۔ اثر اشر کر کے جب دن پورے ہوئے اور حمل باہر آیا تو لڑکا نہیں۔ لڑکی تھی۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

لوگوں نے پوچھا! مرزا جی۔ یہ کیا ہوا؟ یہ تو لڑکی ہو گئی۔ آپ نے تو فطیمہ انشان لڑکے کی پیشین گوئی کی تھی؟ — مرزا جی نے فوراً کرب دکھایا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی حمل سے لڑکا ہو گا۔ الہام کے مطابق لڑکا ضرور ہو گا۔ دوسرے حمل میں ہو گا دوسرے میں بھی نہ ہوا۔ تیسرے میں ہو گا۔ ہو گا ضرور۔

مولانا شمس الدین دغیرہ جو کراٹا کا تبین کی طرح مرزا جی کی ہر ہر بات پر نظر رکھتے تھے۔ جستجو میں رہنے لگے اور ایسا انتظام کر لیا گیا کہ مرزا جی کے گھر کی خبریں بھی ملتی رہیں۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں مرزا جی کسی دوسرے کو مولود سے بیگم کی گود بھر کر یہ مشہور نہ کر دیں کہ میرے الہام کے مطابق لڑکا پیدا ہو گیا۔ یہ ان سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ مرزا جی نے لڑکا پیدا ہونے کے لئے نہ جانے کیا کچھ کیا ہو گا۔ لیکن افسوس۔ اس لڑکی کے بعد ان کے یہاں کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوا جسے مرزا جی اپنی پیشین گوئی کا مصداق قرار دے سکتے۔

مرزا جی کی فیصلہ کن اور دوسری پیشین گوئیاں جب پوری نہ ہوئیں تو بڑے پیمانہ پر ان کی رسوائی ہوتی۔ ہونی ہی تھی۔ ہونی اور خوب ہوتی۔ مسلمانوں ہی میں نہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں میں بھی ہوتی۔ ان کے چیلوں کو چاہئے تھا کہ وہ حقائق

کے سامنے آجانے کے بعد صحیح راہ پر آجاتے۔ مرزا جی کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ مگر ان میں سے بہت سوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے مرتکب ہو گئے۔ مرزا جی کے ایک چیلے ظہور الدین اکمل، پیشین گوئیوں کے صحیح ثابت نہ ہونے سے گھبرا کر اور مرزا جی کے چہرے سے ذلت کی گرد صاف کرنے کیلئے ایک نرالا انداز اختیار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں،

ہر بات کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ غرض پوری ہوئی یا نہیں۔ جب اصل غرض پوری ہو جائے تو پھر یہ سوال بے فائدہ ہے کہ پیشین گوئی پوری ہوئی یا نہیں،

(مرزا احمد بیگ دالی پیشین گوئی ص ۱۷)

دنیا جانتی ہے کہ کسی پیشین گوئی کو جبکہ وہ ایسے شخص کی طرف سے کی جا رہی ہو جو مامورن اللہ اور نبی ہونے کا مدعی ہو، اسی وقت درست مانا جائے گا جب وہ دعویٰ کے عین مطابق پوری ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ غرض تو بعد میں کچھ بھی بتائی جاسکتی ہے۔ اس طرح کی پیشین گوئی بلکہ اس سے کہیں معقول انداز میں تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ پیشین گوئی کا اور اس پر زور دینے کا حتیٰ کہ اُسے کذب و صدق کا معیار اور قطعی فیصلہ کن قرار دئے جانے کا تو صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ جس طرح کہا جا رہا، اس کو اس طرح ہونا چاہئے نہ ہونے کی صورت میں یہ کہنا کہ اس سے میرا مطلب یہ تھا۔ میری غرض یہ تھی۔ حق کے ساتھ آنا کافی ہے۔ نہم و شعور کو منہ چڑھانا ہے غلط اور رکیک تو جہاں ہوتی ہیں۔ جنہیں معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی نہیں مان سکتا۔

مرزا بیت، عقل سلیم کیلئے چیلنج

ڈاکٹر رشید الوحید، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

حکیم مطلق نے قرآن پاک میں اپنے رسول کی طرح طرح صفت بیان فرمائی ہے
 غور کیجئے تو ہر بیان میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ بعض اسماء و صفات کے
 ذکر سے جناب باری تعالیٰ نے آنے والے دور میں بڑے بڑے فنون کا سدباب
 فرمادیا ہے۔ تمام اسماء اور تمام صفات کا استقصاء تو مشکل اور تفصیل طلب ہے
 مثال کے طور پر لفظ "عبد" کو لیجئے اس لفظ سے بہت بڑا مقصد عظیم یہ سمجھ میں
 آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے مثال، اور انسانیت کے اعلیٰ ترین
 مقام کو سامنے رکھتے ہوئے۔ ذہن و عقیدہ کو ٹھکنے، گمراہ ہونے سے محفوظ رکھنے
 کا بہترین سامان کر دیا گیا ہے۔ پھر قرآن پاک میں متعدد جگہ اس لفظ "عبد" کو
 اشرف ترین مقامات میں ذکر فرما کر اس حفاظت کو اور بھی مستحکم فرمادیا ہے۔
 اسرار کے ذکر میں ہے "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ" ایک اور جگہ -
 "وَإِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدَ اللَّهِ - پھر فرمایا "فَأوحِيَ إِلَيْهِ عَبِيدٌ مَا أَوْحِيَ، اور
 "وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا" وغیر ذلک
 پھر حضرت مسیحؑ بھی قیامت میں شفاعت کے موقع پر اسی شرف و مجد
 والے لفظ کو اختیار فرمائیں گے۔ اذھبوا الی محمد عبدہ غفر لہ ما تقدم

من ذنبہ وما تأخر»

دوسری صفت قرآن پاک نے یوں بیان فرمائی ہے: "وَلٰكِن رُّسُوْلُ اللّٰهِ
 وَخَاتَمُ النَّبِيِّۦنَ" کے سلسلے میں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے، تمام ہی انبیاء
 کرام خصوصاً نبی آخر الزماں کی دعوت کا بنیادی مقصد ایک ذات واحد کی طرف
 مخلوق کو بلانا تھا، مشرکین عرب کو محمد بن عبد اللہ سے کوئی کد نہ تھی ہاں آپ کی
 نبوت کے تصور سے اُن کو چڑھ تھی، اور یہ اس لئے کہ صدیوں سے تین سو
 ساٹھ بلکہ ہزاروں اور لاکھوں بتوں کو پوجنے والوں کو جب بنی نے ایک ہی
 معبود کی طرف بلایا۔ اور صرف اُسی ایک ذات کو پوجنے کی دعوت دی تو وہ
 پوری طرح اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ جب تک آپ اس دُنیا میں رہے
 ان کے سینے میں بغض و غضب کا طوفان بھرا کتا رہا۔ طرح طرح کے مظالم اور
 جنگ کا بازار گرم رکھا، اور آپ کے دنیا سے پردہ پوشی فرماتے ہی انھوں نے
 براہِ راست قصرِ نبوت پر حملے شروع کرنے، اور اس طرح کہ بہت سے
 جھوٹے نبی۔ دعوائے نبوت کرنے، نبی کریمؐ اس خطرے سے واقف تھے۔ آپ کے
 قلب صافی پر آنے والے اس فتنے کا خطرہ گذر رہا تھا۔ چنانچہ اللہ کے اس فرمان
 "خاتم النبیین"، کی طرح طرح سے آپ نے تشریح فرمائی۔ مثال دے کر وہاں
 فرمائی اور بعض مواقع پر تو صاف ہی بتا دیا کہ میرے بعد کچھ جھوٹے لوگ نبوت
 کا دعویٰ بھی کریں گے۔ یہ سب آپ اسی لئے کر رہے تھے کہ امت اس عظیم گمراہی
 میں پڑ کر دین کو برباد نہ کر لے۔ مشرک میں داخل ہو کر اللہ کے سمت غضب
 کا شکار نہ ہو جائے۔ نیز نبی آخر الزماں کی ذات سے امت میں جو ایک مرکزیت
 پیدا ہو گئی ہے، سیکڑوں نبی کے جھوٹے دعوؤں سے وہ انتشار کا شکار نہ ہو جائے
 چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں اس کو مثال دے کر بتایا۔

میری اور انبیاء کی مثال ایک خوبصورت محل کی ہے، وہ محل یوں تو مکمل ہے۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی ہے، اس محل کو دیکھنے والوں نے گھوم گھوم کر اس کو دیکھا، پسند کیا، اسی ایک اینٹ کی خالی جگہ کے علاوہ اور کوئی عیب ان کو نظر نہ آیا۔ پس میں اس خالی جگہ کو بھر دوں گا، مجھ پر وہ عمارت مکمل ہوگی اور رسالت بھی مجھ پر ختم ہوگی۔“

ایک جگہ سرکارِ دو عالم نے تاکید فرمائی

”میرے مختلف نام ہیں محمد ہوں، ہیں احمد ہوں، میں ماجی ہوں (اشتر) میرے ذریعے کفر کو مٹھو فرمائیں گے، میں حاشر ہوں (اشتر پاک میرے قدموں میں لوگوں کو جمع فرمائیں گے۔ میں عاقب ہوں)“ (عاقب وہ کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) (اسلم شریف)

پھر اگلی روایت میں اپنے (مرزا ایسے) جھوٹے نبیوں کی تکذیب فرمائی اور تردید فرمادی۔

”بے شک میری امت میں تیسرا جھوٹے ہوں گے۔ اور ہر ایک ان میں سے خود کو نبی سمجھے گا۔ اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں گا“ (اسلم شریف)

ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلے میں سات چیزوں میں اپنی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔ اس میں سے آخری فضیلت یہ ذکر فرمائی ”مجھ پر نبوت ختم ہوگئی ہے“ غرض کہ آپ اس دعویٰ اور کذابی فتنے سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے ”ختم نبوت“ کے قرآنی اعلان کو طرح طرح سے واضح فرمایا۔ اور اپنی ذات پاک پر نبوت کے اختتام کا طرح طرح سے یقین دلاتے رہے۔ مگر اس بد نصیبی کا کیا جائے کہ دشمنانِ دین و اسلام نے پھر بھی، تمام تاکیدوں اور احقر

کے باوجود، اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کیا، خود بھی گمراہ ہوتے اور امت کے افراد کو بھی تباہ و برباد کیا، خود نبی اکرمؐ کے سامنے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ صورت پیش آئی، آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس گمراہی کا قلع قمع کر دیا۔ مگر اس کے بعد بھی برابر جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھتے رہے، اور الحمد للہ ہر دور میں علماءِ امت نے خم ٹھونک کر ان کا مقابلہ کیا۔ بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا، بہت تھوڑی جماعت اُن کے دجل و فریب سے متاثر بھی ہوئی۔ مگر امت کی اکثریت کو، ہر دور کے علماءِ حق اور مبلغینِ اسلام نے اس فتنے کے بھنور میں ڈوبنے سے بچایا ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ، اور دوسرے فتنے نئے نئے روپ سے ابھرتے رہے ہیں اور ان سب میں گمراہ، گمراہ کن اور دیرپا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ تھا۔ جو تہجد، محدثیت، مہدویت، مسیحیت سے ترقی کر کے حریمِ نبوت کے تقدس کو بزعیمِ خویش تازنار کر گیا۔ اور اپنے آغاز سے لے کر آج تک یہ فتنہ برابر موجود ہے۔ وقتاً فوقتاً جگہ جگہ سر اٹھاتا رہتا ہے۔ پاکستان اور امریکہ تو اس فتنے کا گڑھ بن ہی چکا ہے۔

مرزا کے دعوے کے اسباب !

مرزا نے ایسا دعویٰ کیوں کیا، متعدد تحریروں کے دیکھنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اول تو خود ان کے دماغ میں بچپن ہی سے، تعلیٰ، عُجب، خود نمائی اور طلبِ شہرت کا کیڑا رنگ تار تھا۔ اس پرستمیہ کہ طرح طرح کے موزی امرا میں کا حملہ، بالخصوص ہاشمیریا، اور جانے کیا کیا، اَلَا بَلَا، جس میں انہماں کا دل و دماغ صحیح کام نہیں کر سکتا تھا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :-

» مرزا غلام احمد قادیانی جو ذہنی انتشار کے مریض تھے اُسے اور بڑی شدت سے اپنے دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کا بانی بنے، ان کے کچھ متبعین اور مومنین ہوں اور تاریخ میں اُن کا ویسا ہی نام و مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے «

دوسرے یہ کہ سارے ملک اور ملتِ اسلامی کی بد نصیبی سمجھتے، انگریزوں کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی، جس سے وہ سووے بازی کر سکیں، اور وہ سووے بازی یہ کہ (۱) اس شخص کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی مخالفت سے باز رکھ سکیں (ب) مسلمانوں کے اندر سے جذبہٴ جہاد کو ختم کر سکیں (ج) مسلمانوں کو اپنا وفادار اور اطاعت گزار بنا سکیں۔ ان تین مقاصد کے لئے انگریز کسی کو اپنا اُرکھنا چاہتے تھے۔ انگریز جانتے تھے کہ مسلمان دین کے

اُسے یہ حاشیہ مولانا ندوی تخلص کا ہے۔ اس شخص میں تین ایسی چیزیں بیک وقت جمع تھیں جنہیں دیکھ کر ایک مورخ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اُن میں سے اہم ترین اور حقیقی سبب کے قرار دیا جائے جس نے اس شخص سے یہ ساری حرکتیں سرزد کرائیں (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچا جائے اور نبوت کے نام سے پورے عالمِ اسلام پر بھجایا جائے۔ (۲) مایخو لیا، جس کے بار بار تذکرہ سے اس کی اور اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں (۳) بہم اور غیر واضح قسم کے سیاسی اغراض و مفادات اور سرکارِ انگریزی کی خدمت گزاری «

مولانا علی میاں ندوی ص ۵۹ « قادیانیت دینِ محمد اور اسلام کے خلاف ایک بغاوت « مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ

معاملے میں خاصے جذباتی ہوتے ہیں۔ سترآن دین اور رسول کا نام لیکر اس قوم سے بڑے سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بڑے بھلے اور دین میں غلط یا صحیح کی تمیز کرنے کی زحمت بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ انھیں مسلمانوں میں ایک ایسے ہی شخص کی تلاش تھی جو دین کے نام پر مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر ان کا یہ مقصد پورا کر سکے۔ مرزا غلام احمد نے یہ سودا قبول کر لیا اور بسسما اشتروا بہ ثمنًا قلیلًا کی خفگی کو نظر انداز کر کے یہ خدمت انجام دینے لگے، چنانچہ مرزا میں انگریز پرستی جنون کی حد تک موجود تھی، اپنی تقریر و تحریر اور عمل سے وہ اس کا ثبوت دیتے رہتے تھے۔ اور ہر اس مجاہد یا جماعت مجاہدین کو گالیوں، طعنوں اور سب و شتم سے نوازتے رہتے تھے جو انگریزوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کے شریک اور شہدار کو انھوں نے ”بے رحم، کم عقل، بد اخلاق، بے انصاف چور، قزاق، حرامی، اپنے محسن گورنمنٹ انگریز پر حملہ آور، یہ سب کچھ بتایا اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ جب کہ یہ شخص اور اس کی جماعت انگریزوں کا ہی پیدا کردہ، اور انگریزوں ہی کے رحم و کرم پر باقی تھا، بڑھ رہا تھا۔ اس بارے میں مولانا علی میاں نے بہت عمدہ نفسیاتی تجزیہ فرمایا ہے

”علی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ

فادیاہیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے۔“

آگے مولانا علی میاں کا بیان ہمارے اس خیال کیلئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔“

مولانا، سید احمد شہید، سوڈان میں شیخ محمد احمد سوڈان، جمال الدین انفاری

کی تحریک اور جذبہ جہاد کا ذکر فرما کر تحسیر فرماتے ہیں۔

”یہ سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں

اس نے ان سب خطرات کو محسوس کیا۔

اور پھر مولانا انگریزوں کی چال بازیوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

”اس نے مسلمانوں کے مزاج و طبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے۔ دین ہی انہیں گماتا ہے اور دین ہی سلا سکتا ہے۔ لہذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ان کے عقائد اور ان کے دینی میلانات و نفسیات پر قابو پایا جائے۔“ یہ تھی وہ دُہری مصیبت جس نے مرزا کے عظیم فتنے کو جنم دیا، ایک طرف انگریزوں کی مکارانہ نفسیات، دوسری طرف مسلمان کی مذہبی جذباتیت، اور پھر امت مسلمہ کی بدنصیبی سے انگریزوں کو اپنے مقصد برآری کے لئے انہیں مرزا ایسا ایسا فرس بھی ہاتھ لگ گیا۔ بقول مولانا ندوی۔

”برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرو جمع ہو جائیں۔ اور وہ اس حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے

کوئی خطرہ نہ رہے۔“ اور مرزا نے انگریزوں کی یہ تمنا پوری کر دی۔ اور اپنی

پوری زندگی اپنے دلی نعمت انگریز کیلئے وقف کر دی۔ اور پھر دینی منصب کے نام سے تو ایسا ابھلے کہ ابھرتے ابھرتے جیسا کہ معلوم ہوا ہے مقام تجرید پھر مہمدیت مسیحیت حتیٰ کہ نبوت تک جا پہنچے اور انگریزوں سے وطنداری اور خیر خواہی کا سبق پڑھاتے پڑھاتے انہوں نے اسلام کا ایک رکن ”جہاد“ ہی کو قرآن کی تعلیم کے مخالف قرار دیدیا کیونکہ مرزا اور اس کے ماننے والے

انگریزی حکومت کھلنے پچھے جاں نثار دوست اور کامیاب جاسوس کا کام کر رہے تھے۔

اب ہم ان کے دعویٰ پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر بات ختم کرتے ہیں اگرچہ اس موضوع پر دفتر کے دفتر چھپ چکے ہیں۔

مرزا نے ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۱ء کے دوران آریوں کے خلاف بحث و مباحثے کا آغاز کیا وہ اس وقت اچھا خاصا انسان تھا، اس کے مذہبی عقائد میں کوئی فرق اور تبدیلی نمایاں نہ تھی۔ اس لعنت کا پتہ و نشان تو ۱۸۸۲ء سے ظاہر ہونا شروع ہوا۔ مگر عنایت تھا کہ اشارے و کنایے میں باتیں ہوتی رہیں۔ بر ملا بغاوت کی تمہت نہ ہوتی تھی مگر ۱۸۸۸ء آتے آتے مجدد ہونے کا دعویٰ کر ڈالا اور صاف کہا،

”آپ کو مجدد ہونے کی حیثیت سے اللہ نے اصلاحِ امت کا کام سنبھرد کیا ہے،“

اور پھر ۱۸۹۱ء میں آپ کا ایک دوسرا کریہہ رُخ ظاہر ہوا جب مرزا نے یہ اعلان کیا۔

”مسیح موعود مرچکے ہیں اب زندہ نہیں ہوں گے۔ میں چونکہ ان کے

مثل ہوں اس لئے میں ہی مسیح ہوں“

اپنی دو کتابوں ”فتح اسلام“ اور ”توضیح المرام“ میں متعدد جگہ یہ دعویٰ ظاہر کرتے ہیں۔

”مسیح جو آنے والا تھا یہی (مرزا) ہے“

لے مجموعہ اشہدات مسیح موعود بحوالہ قادیانیت اپنے آئینے میں ص ۴۲

” مسیح کے نام پر یہ عاجز (مرزا) بھیجا گیا ہے “ لے

پھر ایک جگہ سننے کو صاف ہی کر دیا

” میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ

نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ پاک کتابوں میں پیشین گوئیاں ہیں کہ وہ

آخری زمانے میں ظاہر ہو گا لے

یہ ایک دردناک طویل اور مسلسل داستان ہے ہم اور چند حوالوں کو ذکر

کر کے نبوت کے بارے میں مرزائی دریدہ دہنی ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ

ہے کہ

” خدا نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا، ہمارا دعویٰ

ہے کہ ہم رسول ہیں “

قادیانی اخبار ریویو آف ریلینجز قسم طراز ہے۔

” حضرت مسیح موعود (غلام احمد) کا ذہنی ارتقا، آنحضرتؐ سے زیادہ تھا“

اخبار ”الفضل“ مرزا محمود کی ڈائری میں سے ایک دعویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

” یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے، بڑے سے بڑا

درجہ پاسکتا ہے، بلکہ حضرت محمدؐ سے بھی بڑھ سکتا ہے “

صرف امت محمدؐ ہی کو نہیں تمام انبیاء کو بھی مرزا کی نبوت پر ایمان لانا ضروری

قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ ”عقل و خرد سے بیگانے“ مرزا کے ماننے والوں کا حال ہے

ان کے صاحبزادے کا بیان ہے

” جب تمام انبیاء علیہ السلام کو مجھلا حضرت مسیح موعود (مرزا) پر ایمان لانا اور

اس کی نصرت کرنا فرض ہوا، تو ہم کون میں جو نہ مانیں، ”الفضل“

خود مرزا اپنے آپ کو پیغمبر آخر الزماں سے افضل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے

لے تحفہ گوگردیہ بحوالہ قادیانیت اپنے آئینہ میں۔

«لَهُ خُصِفَ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ وَإِن لِّي عَسَا الْقَمَرَانِ الْمَشْرِقَانِ أَتُنْكِرُ
حضور کے لئے صرف چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند
سورج دونوں تاریک ہو گئے۔ کیا اب بھی انکار کرو گے؟ (اعجاز احمدی ص ۷۵)
اور خرافات سنئے

«تین ہزار معجزات ہمارے نبی سے ظہور میں آئے، (تحفہ گوٹروید) اور
اپنی ذات کے لئے

«اس خدا نے میری تصدیق کی، بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک
پہنچے، «ستم حقیقۃ الٰہی»
ابھی تک نہیں ہوئی۔

«خدا نے مجھے دس لاکھ معجزات عطا کئے،» براہین احمدیہ،

یہ مشتملے نمونہ، خود مرزا کے اور ان کے ملنے والوں کی تحریروں کے حوالے
سے کچھ چیزیں پیش کی گئی ہیں، ان خرافات اور ان کی زیادہ تر جھوٹی ہدایتیں
گو یوں کے باوجود، حیرت ان مسلمانوں پر ہے جو ایسے انسان کو نہ صرف مقتدی
پیشوا بلکہ نبی تک مان بیٹھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس قسم کے کردار کو عقل
سلیم قبول کس طرح کرتی ہے۔

اب ہم مرزا کو روئیں یا ان کے ماننے والوں کے ذہنی دیوانیہ پن پر مہم
کریں۔ بہر حال نبوت کی خاتمیت پر زور لگا کر مرزا نے امت کو جس تشقت اور
انتشار میں مبتلا کر دیا ہے، مسلم قوم کے مرکزی اتحاد کو جس طرح پارہ پارہ کرنے
کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کی جہاد آزادی اور استعلا میں وطن کی کوششوں
کو انگریزوں سے خفیہ و اعلانیہ معاملات کر کے جس طرح سبوتاژ کیا ہے۔ ایشیا
و افریقہ کے مظلوم عوام کو جس طرح مغربی آقاؤں کے عشرت کردوں یا مذبح خانوں

کے حوالے کر دینے کی اسکیم بنائی، یہ ایسے ابواب ہیں کہ اگر ایک طرف علماء، بلکہ اسلام کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ اُس ناپاک تنظیم کے بیچ اور اُس کے اثرات کو روئے زمین سے مٹادیں۔ تو دوسری طرف ایک سیکولر، انصاف پسند حکومت کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ اُس جماعت کو برداشت نہ کرے۔ جس کا دامن ملک سے وفاداری کی نسبت سے ماضی میں داغدار رہا ہے۔ دارالعلوم اور جمعیتہ العلماء کے علماء کرام نے ہمیشہ ہی یہ فرض پورا کیا ہے۔ اور آج پھر الحمد للہ مذہبی اور دینی لحاظ سے دارالعلوم کو اس فتنے کا شدید احساس ہوا اور ہمیشہ کی طرح پھر یہ مرکزی ادارہ آگے آیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور اب اُن کے بارے میں اس کے علاوہ کیا کہا جائے

لَا تَحْسِبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

تَشْخَصُ فِيهِ الْاَبْصَارُ،



مسئلہ ختم نبوت کتاب و سنت کی روشنی میں

از۔ محمد ظفر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسولهم خاتم النبيين و

على آله وصحبه أجمعين۔

دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے۔ اس کے گنگ و شیشہ میں
مذہب رچا بسا ہوا ہے۔ یہاں بسنے والے مختلف مذاہب کے پیرو ہیں، ہندو مسلم
سکھ عیسائی۔ سبھی یہاں رہتے سمیت ہیں۔ اور اپنے دین و دھرم سے انس و محبت
رکتے ہیں۔ بلکہ اپنے دین کی حفاظت پر اپنی جانیں بچھا درتے ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں کچھ افراد مختلف راستوں سے مذہب پر
عمل کرتے رہے ہیں۔ چونکہ یہاں عرصہ تک مسلم حکمران رہے۔ اس لئے اسلام کو
سب زیادہ نشاۃ بنایا گیا، اور مزہ کی بات یہ ہے کہ جہاں غیر مذہب والوں
نے مخالفت کی اس میں بسنے والے لوگ بھی جملہ آور رہتے رہے۔

مسلمان حکومت کے ختم ہونے ہی کہنا چاہئے، مسلام مخالفین کے زور میں
آگیا، انگریزوں نے حکمران کی حیثیت سے آئے تھے۔ انہوں نے خصوصی طور پر اسلام کو

مٹانے کی جدوجہد کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے بے دردی کے ساتھ علماء اسلام کو تہ تیغ کیا، ان کو پھانسیوں پر لٹکایا، اور جو تھوڑے بہت بچ گئے تھے، ان پر مقدمہ قائم کر کے کالا پانی بیج دیا، اور انھیں تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور کیا۔

دوسری طرف عیسائیت کی تبلیغ کیلئے پوپ پاریس کا ہم غیبر بلالیا، اور ان کی پشت پناہی کے لئے ایک ملکی فوج بنادی۔ نئے حکمرانوں نے سوچا تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کر لیں گے۔ اور اس طرح ان کی طرف سے حکومتِ دقت کو جو شدید خطرہ لاحق ہے وہ ٹل جائے گا۔

ادھر نچے کچھے علماء دین متفکر تھے کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کیلئے کیا کیا جائے اور ان کو اپنے سچے دینِ قیم پر کس طرح باقی رکھا جائے؟ یہ بڑا ہی صبر آزما اور خطرناک وقت تھا، حکومت کے ساتھ ساتھ جان و مال کی بھی بربادی ہو چکی تھی۔ لے دے کر دین باقی تھا۔ وہ بھی زد پر تھا، بلکہ سب سے زیادہ وہی نشانہ بنا ہوا تھا،

اشرفی جزائے خیر عطا کرے بانیانِ دارالعلوم دیوبند کو جنہوں نے ایسے نامساعد حالات کے باوجود ہمت نہیں ہاری، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بڑی جرات اور ہمت کے آدمی تھے۔ ساتھ ہی دورانہ نشیں اور ملک و ملت کے بھی خواہ تھے، وہ برابر اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اشرف مہاجر مکی سے پنجاب جا کر مشورہ کرتے رہے۔ جو وہاں محفلتہ کے بعد روپوش ہو گئے۔ بالآخر رب الطمین نے ان بزرگوں کے دلوں میں سدا سے دینیہ کے قیام کا جذبہ بطور الہام پیدا فرمادیا۔ حضرت نانوتویؒ اس کے محرکِ اولیٰ تھے۔

انہوں نے اپنے ساتھی اور احباب محترم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حاجی سید عابد حسین، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمن عثمانی اور دوسرے مسلمانوں سے مل کر پہلے دیوبند میں ایک عربی اسلامی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، پھر مراد آباد، لکھنؤ، گلا دھٹی اور جہاں جہاں اثرات تھے۔ مدارس دینیہ قائم کرائے۔ اور مسلمانوں کے جذبات سے ان کو چلانے کی رہنمائی فرمائی۔ اور اصول مہشت گانہ لکھ کر ہدایات جاری فرمایا کہ ان اصولوں کو پیشین نظر رکھا جائے۔

دیوبند کا یہ مدرسہ اسلامی عربی جو ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں چھتہ کی مسجد میں قائم ہوا تھا۔ بہت جلد تھوڑے ہی دنوں میں پورے متحدہ ہندوستان میں پھیل گیا۔ اور مرکزی دارالعلوم بن گیا۔ پوپ پادریوں اور آریہ تحریک کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گیا، پہلے خود حضرت نانوتوی اور آپ کے تلامذہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، مولانا احمد حسن امر دہی، مولانا فخر الحسن گنگوہی۔ مولانا رحیم اللہ بجنوری۔ مولانا عبدالعلی میر علی۔ مولانا منصور مراد آبادی اور دوسرے شاگردان گرامی قدر۔ میدان عمل میں آئے۔ اور حفاظت دین کے لئے اپنی جانوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ یہ واقعہ ہے کہ پوپ پادریوں اور انگریزی حکومت کو اسلام کے سلسلے میں علماء دیوبند کے مقابلہ میں شکست کھانی پڑی۔ اور مذہبی طور پر ان کی برتری ماننے پر مجبور ہوئی۔

مگر انگریز پھر بھی کہاں چین سے بیٹھے والے تھے۔ انہوں نے علماء کو شکست دینے کی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ خود مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگوں کو اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا۔ فرقہ بہائی، بابی۔ اور دوسرے محدثین کو طاقت پہنچائی کہ وہ مسلمانوں میں مذہب کے نام پر تفریق پیدا کریں اور علماء کا ریشہ انگریز دشمنی سے اپنے مذہب کی حفاظت کی طرف پھیر دے۔

لیکن دارالعلوم دیوبند اب تو انا ہو چکا تھا۔ اس کے فرزند پورے ملک میں پھیل چکے تھے۔ بلکہ ہندوستان سے نکل کر غیر ممالک میں جا چکے تھے۔ اور اشاعتِ دین کی خدمت میں منہمک ہو چکے تھے۔ اس لئے ملک میں وہ تمام تحریکیں آگے نہ چل سکیں، جو انگریزوں کے سہارے اٹھ رہی تھیں۔

خوبصورتین نشین کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرمائی ہے۔ وہ بہت جلد جانپ لیتے ہیں کہ کن تحریکوں کا کیا منشا ہے اور اس کا رُخ کدھر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسیوں نئی نئی جماعتیں بنیں، اور انھوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا۔ مگر ان کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی علماء دیوبند ہر گام پر سینہ سپر ہو گئے۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک مخالف جماعت نے دم توڑ نہیں دیا۔

قادیانیت کا فتنہ بھی دراصل انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے۔ یہ دور جنگِ آزادی کا دورِ شباب تھا۔ علماء آگے بڑھ کر انگریزی حکومت کے خلاف بول رہے تھے۔ انگریزوں نے ان کا رُخ موڑنے کیلئے اس تحریکِ قادیانیت کو بھرپور تعاون دیا۔ اس جماعت سے جہاد کے خلاف فتویٰ دلایا۔ اور چارہ کہ مسلمانوں کو اس میں الجھایا جائے۔ اور علماء اس میں الجھ کر انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بند کر دیں۔ خاکسار نے قادیانیت بالخصوص بانی قادیانیت کا جہاں تک مطالعہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فتنہ کا بانی یا بخولیا کامریض تھا۔ اس لئے اس کے بیانی اور تحریر میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس فتنہ کو قبول کیا۔ یقیناً وہ بھی عقل و خرد سے بیگانہ تھے، یا انگریزوں کو خوش کرنا چاہتے تھے، اور عہدوں کے طالب تھے۔

بانی فتنہ نے کبھی مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ کبھی مہدی بننے کا اعلان کیا۔ کبھی

سیح موعود بنا۔ اور آخر میں آکر نبوت کا مدعی بن گیا۔ اور اسلامی تعلیمات میں
 من مانی کتر بیوت شروع کردی، پھر نبوت کی مختلف قسمیں بیان کیں۔ تشریحی
 غیر تشریحی، ظلی، بروزی، لنوی، مجازی، نہ معلوم کیا کیا بکواس کی۔
 کوئی شبہ نہیں کہ صورت حال علماء حق کیلئے بڑی ہی ناگوار اور خطرناک تھی۔
 بالخصوص علماء دیوبند یہ دیکھ کر سچپن ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر انھوں نے
 طے کر لیا کہ اس فتنہ کو ختم کرنا ہے۔ خواہ اس کیلئے جتنی بھی قربانیاں دینا پڑے
 اور جس قدر بھی مصیبت برداشت کرنا پڑے۔

اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس پر محدث العصر حضرت
 مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ جیسے جلیل القدر عالم ربانی فائز تھے۔ جن کے علم و
 عمل اور قوت حافظہ کی اپنے اور غیروں سمجھوں میں دھوم تھی۔ کچھ لوگ انھیں
 چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے۔ اور بلاریب حضرت شاہ صاحب بڑی خوبیوں
 کے مالک تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں دافر علم حدیث و فقہ سے نوازا تھا۔ ہام
 کی مسند پر حضرت نانوتویؒ کے خلف الرشید مولانا حافظ محمد احمد صاحب جلوہ افروز
 تھے۔ جب ان تک اس فتنہ کی خبر پہنچی۔ تو یہ سراپا اہل بن کر میدان میں اتر آئے
 اور فرمایا۔ کہ بھائی یہ فتنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین قیم پر بڑا
 حملہ ہے۔ جب تک یہ مٹ مٹا نہ جائے۔ چین سے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ ذی علم، ذی استعداد اور دین مبین
 پر جان دینے والے تھے۔ استاذ کے ساتھ۔ یہ سارے تلامذہ اس فتنہ کی سرکوبی
 پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے خود بھی اس فتنہ کے خلاف متعدد کتابیں
 لکھیں۔ دور سے کئے۔ اور اسی کے ساتھ دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ نے بھی
 کتابیں تصنیف کیں۔ اور دور سے کئے۔ پھر سارے ہندوستان میں ہر مسکن کے

علماء بھی اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے میدان میں نکل آئے۔ مولانا شنار اشتر اس سرگرمی
 مجدد العلم والعرفان مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ اور دوسرے
 علماء کرام نے بھی اس محاذ پر اپنی طاقت لگادی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فتنہ بہت
 جلد قادیان میں سکتا کر رہ گیا۔ ہندوستان کی سرزمین بہت حد تک پاک و صاف
 ہو گئی۔ — ملک کی تقسیم کے بعد اس فتنہ نے پھر ایک دفعہ پاکستان میں سر
 اٹھایا اور بڑی قوت کے ساتھ تحریک شروع ہوئی۔ مگر پاکستان میں علماء دیوبند کی
 ایک بڑی جماعت موجود تھی وہ اس کو کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ حضرت مفتی
 محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دہلوی
 مولانا عطار اشتر شاہ بخاری، مولانا محمد ادریس میرٹھی۔ اور دوسرے علماء سینیہ سپر ہو گئے۔
 اور پوری قوت کے ساتھ اس کی سرکوبی میں جدوجہد شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا
 کہ پہلے عالم اسلام (ممالک اسلامیہ) نے قادیانیوں کے کافر ہونے کا فتویٰ
 دیا۔ اور اس کا اعلان کیا، پھر حکومت پاکستان نے اس فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا۔ اس
 طرح اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو ابھرنے سے روک دیا۔ بلکہ ایک محدود دائرہ میں بند
 کر دیا۔ اب یہ فتنہ بھڑک رہا ہے۔ مگر ہر حال اب بھی کہیں کہیں دوچار گھرا
 اس فتنہ میں مبتلا ہیں۔ اور مخالف اسلام طاقتیں اس کو ابھارنا چاہتی ہیں۔
 دارالعلوم دیوبند چاہتا ہے کہ موجودہ نسل جو اس فتنہ سے تقریباً نا آشنا ہے
 اس کو آگاہ کرے، اور آئندہ کیلئے ان کو آمادہ و تیار کرے۔ تاکہ جب کبھی وقت
 آئے، تو یہ میدانِ عمل میں کود پڑیں۔ اور جہاں جہاں اس وقت اس فتنہ کی
 چنگاری نظر آئے، اسے ہمیشہ کیلئے بجھا ڈالیں، اور اسی نام پر وہ دوسرے اینوائے
 فتنوں کی سرکوبی کا بھی بھرپور جذبہ پیدا کر لیں۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا محاذ ختم نبوت
 کا مسئلہ ہے، جس کو اس نے مشکوک بنانے کی سعی کی ہے۔ مگر اس عنوان پر

بڑی عمدہ اور مضبوط کتابیں چھپ چکی ہیں۔ لہذا اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ اس پر سرسری نظر ڈال لی جائے۔ اور یہ بتا دیا جائے کہ مسئلہ ختم نبوت مسلم ہے اور سارے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ عہد نبوت سے لے کر اب تک یہ مسئلہ بے غبار رہا ہے۔ اور انشاء اللہ تاقیامت بے غبار رہے گا۔

مسئلہ ختم نبوت کے متعلق اگر یہ ذہن نشین ہو جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اور نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے، نہ شرعی باقی ہے۔ نہ غیر شرعی نہ نقلی باقی ہے اور نہ بروزی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی کسی طرح کی نبوت کا مدعی ہے، وہ جھوٹا کذاب اور دجال ہے، جیسا کہ خود سدر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالاً
کذا بون، کلہم یرعم اللہ نبی
وإنما خاتم النبیین، لا نبی بعدی
(ابوداؤد)

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب
تک بہت سے دجال اور جھوٹے ناطھانے
جائیں۔ جن میں سے ہر ایک یہ خیال کرتا ہو
کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین
ہوں۔ میرے بعد کوئی اور نبی دوسرا ہونے والا
نہیں ہے۔

سیکڑوں آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہو چکی ہے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی آیا والا نہیں
ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ماکان محمد أباحد من رجالکم
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین،

محمد تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں
ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور سب

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝
 (الاحزاب پٹا ع ۵) نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ ہر چیز کو
 خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں صراحت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول
 ہیں۔ اور تمام نبیوں کے بعد آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ آپ کے بعد کوئی اور
 دوسرا ہونے والا نبی نہیں ہے۔ بلکہ خاتم النبیین خود آپ ہی ہیں۔ آپ کے بعد قیامت
 تک جتنے انسان ہوں گے۔ وہ سب آپ کی امت میں داخل ہوں گے۔
 خود قرآن پاک میں ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا رِسُولَ اللَّهِ
 لِيَكُم جَمِيعًا - الَّذِي لَهُ مُلْكُ
 السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ -
 (الاعراف پٹا ع ۲۰) آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تم سب
 کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس
 کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین
 کی۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صراحت ہے۔ کہ آپ زمین
 پر تمام بسنے والے انسانوں کے رسول برحق ہیں، قیامت تک جو بھی انسان پیدا ہوگا
 آپ کی امت میں داخل ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ آپ کے لئے ہونے دین قیم
 کی پیروی کرے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا
 وَنَذِيرًا - (سبأ پٹا ع ۳) اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے
 پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والے
 اور ڈرانے والے۔

دنیا کے تمام انسانوں کی رہبری و ہدایت آپ کی ذات اقدس سے تعلق رکھتی ہے
 جنت کی خوشخبری سنا دیجئے۔ ان لوگوں کو جو ایمان و اسلام کی دولت قبول کریں۔
 اور دوزخ سے ڈرائیے ان کو جو ایمان و اسلام کی دولت سے محروم رہ گئے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن نے کہا -

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
 وَالْأَنْبِيَاءَ مَعَا ع ۙ)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو لیکن دنیا
 جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کیلئے
 ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت عام ہے۔ اپنے عہد کے انسانوں
 کے لئے بھی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں کے لئے بھی۔ آپ کے بعد کسی نبی
 ورسول کو آنا نہیں ہے۔ اور خدا کا دین آپ پر مکمل کر دیا گیا ہے۔ اس دین
 مبین میں کہیں سے کوئی کمی یا غامی باقی نہیں رہی کہ کسی اور نبی کی ضرورت باقی
 کہی جاسکے۔ رب کائنات جل مجدہ نے اعلان فرمایا۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت
 عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام
 ديناً - (المائدہ ۳)

اور میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔
 اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی
 اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو
 پسند کیا۔

یہاں ایک اور بات بتا دینے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ خاتم النبیین میں دو قرأتیں
 ہیں۔ تار کے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ اور تار کے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ قاری حسن اور حاتم
 نے تار کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے تمام قاریوں
 نے تار کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور دونوں کے معنی ختم کرنے والے اور اخیر کے
 آتے ہیں۔ معنی خاتم النبیین الذی ختم النبیین بہ وخالہ اخر النبیین ،
 (روح المعانی ص ۵۹) ترجمہ: پس خاتم النبیین کے معنی ہوں گے وہ ذات جس
 پر سلسلہ انبیاء ختم کر دیا گیا ہو، اور اس کا ماہل آخر النبیین ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ خاتم ہوا یا خاتم نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کے معنی ایک ہیں کہ نبیوں
 کے ختم کرنے والے اور سارے نبیوں کے بعد آنے والے، اوپر کی آیتیں جو نقل کی

گئیں۔ اُن سے بھی وضاحت کے ساتھ ہی معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔
مفرداتِ امام راعب میں ہے۔

وخاتم النبیین لانہ ختم النبوة
ای تمہا بمجیدہ (ص ۱۳۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین
اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے سلسلہ
نبوت کو ختم کر دیا۔ یعنی آپ کے آنے سے وہ
سلسلہ تام ہو گیا۔

کلیات ابی البقار، تاج العروس اور لسان العرب وغیرہ سبھوں نے یہی معنی
بیان کئے ہیں۔ اور یقیناً یہی معنی ہیں۔ یہ واضح رہے کہ قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہے
جس کی تائید قرآن کے دوسرے حصے سے ہوتی ہو۔ یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے جو تشریح فرمائی ہو یا صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہو۔
ان لوگوں کی تفسیر قطعاً قابل اعتماد نہیں ہے۔ جو اپنی رائے سے کرتے ہیں۔
یا جو تفسیر حدیث نبوی سے ہٹ کر کی جائے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی
ہے۔

من قال فی القرآن بغیر علیہ
فلیتبوا مقعداً من النار،
جو شخص قرآن میں بغیر علم گفتگو کرے اسکو
چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنائے۔
(مشکوٰۃ)

حقی کہ فرمایا گیا، اگر اس نے اپنی رائے سے صحت کو پایا، تو بھی اس کا شمار خطا
ہی میں ہوگا۔

من تکلم فی القرآن برأی مفاصل
أخطأ فأخطأ (مشکوٰۃ)

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے گفتگو کی
ادھت کو پہنچ گیا، تو بھی اس نے خطا کی۔

آج کل یہ بھی ایک وبا پھوٹ پڑی ہے۔ کہ تجدید پسند قرآن کی تفسیر اپنے ذوق سے کرتے ہیں، جو ذوق موجودہ ماحول سے پیدا ہوا ہے۔ پھر وہ صحیح معنی میں ان علوم و فنون سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ جن کی قرآن کے معنی سمجھنے میں ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں مہارت تامہ ضروری ہے۔

لہذا خاتم النبیین کے وہی معنی مستند ہیں۔ جس کی تائید قول رسول سے ہوتی ہے۔ اور جس کو اہل لغت نے اختیار کیا ہے۔ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔ اور بہت صحیح لکھا ہے۔

وإن الصحابة والتابعين والأئمة	اگر آیت میں صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر
ان كان لهم في الآية تفسير وجاء	کی کوئی تفسیر منقول ہے۔ اور کوئی شخص
قوم فسروا الآية بقول اخراج	اس کے بعد اپنے معتقد مذہب کے مطابق
مذهب اعتقدوا وذلك المذهب	نئی تفسیر کرے اور وہ صحابہ کرام و تابعین
ليس من مذاهب الصحابة والتابعين	کی تفسیر کے خلاف ہو تو ایسا شخص مختزلہ
صار مشاركا للمعتزلة وغيرهم	اور دو سکر اہل بدعت کے فرقہ میں
من اهل البدع في مثل هذا	شامل ہو گیا۔
(الاتقان ج ۲ ص ۷۷)	‡ ‡ ‡ ‡

یہ عجیب بات ہے کہ گمراہ فرقہ جو مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ عوام کو سب سے پہلے قرآن کا نام لے کر ہی گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بے پڑھے لکھے عوام یا وہ جدید تعلیم یافتہ جنہوں نے قرآن نہیں پڑھا ہے بڑی آسانی سے اس کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اور اپنی عاقبت برباد کر لیتے ہیں۔ حالانکہ جو فرقہ قرآن کا ایسا معنی بیان کرتا ہے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے۔ وہ یقیناً الحاد و وہریت ہے۔ اور دینِ قیم سے کھلی ہوئی

عبادت ہے۔

تادیانی فرقہ نے بھی الحاد و دہریت کی یہی راد اختیار کی۔ اور دنیاوی اغراض کیلئے قرآن پاک کے غلط معنی بیان کرنے میں کوئی مشرم محسوس نہیں کی۔ ختم نبوت کا بیان قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ختم نبوت میں ننانوے آیتیں نقل کی ہیں۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔

ختم نبوت پر خود احادیث نبوی میں بھی بڑا ذخیرہ ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ امور میں مجھے اللہ تعالیٰ نے دو سزا نبیاء کرام میں فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

وَأُرْسِلَتْ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخَتَمَ
لِي النَّبِيُّونَ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ
باب فضائل سید المرسلین)

میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا، اور مجھ پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔

ایک بار ارشاد ہوا کہ ہر نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے، مگر مجھے عام انسانوں کیلئے مبعوث کیا گیا۔

وَكَانَ النَّبِيُّ يَبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ
خَاصَّةً وَيَبْعَثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً
(متفق علیہ (ایضاً))

نبی اپنے خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ اور میں عام کی طرف مبعوث ہوا۔

ایک موقع سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا گیا ہوں۔

اللہ عند اللہ مکتوب خاتم النبیین (ایضاً)

ایک حدیث ہے۔

أنا العاقب والعاقب الذی لیس
بعده نبی متفق علیہ (مشکوٰۃ
باب اسماء النبی)

ان تمام حدیثوں میں ختم نبوت کی صراحت ہے۔ پھر اس میں تاویل کیسے چل
سکتی ہے، خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کوئی گوشہ ایسا نہیں
چھوڑا ہے، جس سے اس مسئلہ میں کوئی تحریف کی جاسکے، اس پر تمام امت کا اجماع
ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول ہرگز
نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا۔

أنا آخر الانبیاء و آخر
الأمم (رواہ ابن ماجہ ایضاً) میں تمام نبیوں کے بعد آیا اور تم ساری
امتوں کے بعد آخری امت ہو۔
ختم نبوت سے متعلق علماء کی تحقیق کے مطابق دو سو حدیثیں ہیں۔ بلکہ اس
بھی زیادہ۔ ان میں سے حضرت مفتی شفیع صاحب نے دو سو سے زیادہ حدیثیں
نقل کر دی ہیں ان حدیثوں کا مطالعہ وہاں کیا جاسکتا ہے۔ آیت کریمہ اور آپ کے
خاتم النبیین کے پیش نظر امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔

إن الامة قد فهمت هذا اللفظ
اقته افهم عدم نبی بعدة ابدًا
وعدم رسول بعدة ابدًا وانته
لیس فیہ تاویل ولا تخصیص
فکلامہ من انواع الہندیان
لا ینع حکم بتکفیرہ لانہ
مکن بلفظ النص الذی

پوری امت نے خاتم النبیین کے الفاظ
سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
کبھی بھی نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول ہے
اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نہ اس میں
کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی تخصیص،
اور جس نے اس کے خلاف سمجھا ہے

الامة على انه غير مأول ولا
 مخصوص ،
 (کتاب الاقتصاد)
 روک نہیں سکتا ہے۔ اس لئے کہ
 وہ اس طرح نص صریح، آیت قرآنی کی
 تکذیب کرتا ہے۔ جس کے متعلق آیت
 محمدیہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں نہ کوئی
 تاویل کی گنجائش ہے، اور نہ کسی
 تخصیص کی۔

ایسے لوگ جو ختم نبوت میں شک کرتے ہیں۔ ان کو علماء اسلام نے بالاتفاق
 کافر و مرتد اور واجب القتل قرار دیا ہے۔ اور گذشتہ زمانہ میں ایسے اشخاص
 کو علماء کرام کے فتاویٰ کی بنیاد پر قتل بھی کیا گیا ہے۔ عہد نبوی میں سیدہ کذاب
 قتل کیا گیا۔ اسود عنسی قتل کیا گیا۔ حضرت کشمیریؒ نے اس سلسلے میں بہت سارے
 فتاویٰ اپنی کتاب الکفار الملعونین میں جمع کر دیا ہے۔ ایک جگہ شرح شعفاء کے
 حوالے لکھتے ہیں

”اسی طرح ابن قاسم مالکی نے اس شخص کو مرتد کہا جو خود کو نبی کہے۔ اور ڈھولی
 کرے کہ ہمارے پاس وحی آتی ہے۔ سخون مالکی کا قول بھی یہی ہے ابن قاسم
 نے نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو مرتد قرار دیا ہے، خواہ وہ پوشیدہ طور پر اپنی
 نبوت کی دعوت دیتا ہو، خواہ اعلانیہ طور پر، اسلئے کہ وہ اس طرح آیت قرآنی خاتم
 النبیین، کا انکار کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے
 اسلئے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔
 اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس

دعویٰ بھیجا ہے۔ اور مجھے رسول بنا یا ہے! (اکفار الملحدین)

خاصیٰ عیاضیٰ اپنی کتاب شفا میں فرماتے ہیں:-

”کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حارث نامی مدعی نبوت کو قتل کر کے

عبرت کیلئے رسول پر لٹکایا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے دوسرے خلفاء اور

سلطین نے ایسے تمام مدعیان نبوت کو قتل کیا ہے، اور علماء امت

نے اس قتل کی تصویب و تائید کی ہے۔ اور جو کوئی اس تصویب کو قبول

کا مخالف ہے۔ وہ بھی کافر ہے، (ایضاً)

علامہ خفاجی لکھتے ہیں۔

”اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہیں گے، جو آپ کے بعد کسی اور کے

نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ مثلاً مسیحا کذاب کو یا اسود غنسی کو یا کسی اور

کو نبی مانتا ہو، یا آپ کے بعد کسی اور شخص کے نبوت کا دعویٰ کرے، جیسے

تادیانی فرقہ کے لوگ، اسلئے کہ آپ قرآن و حدیث کے نصوص اور تعریحات

کے مطابق خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔ لہذا ان کے عقائد اور

دعوؤں سے ان تمام نصوص کی تکذیب اور انکار لازم آتا ہے۔ جو

صریحاً کفر ہے“ (اکفار الملحدین)

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کے پاس دعویٰ آتی

ہے۔ اگرچہ وہ نبی ہو نہ دعویٰ نہ بھی کرے۔ یہ سارے لوگ اس لئے کافر ہیں کہ اس

ضمن میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور آپ کی تعریحات

کے خلاف جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کے سلسلے میں جو

کچھ فرمایا ہے وہ اپنے ظاہر پر ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جو اس کے خلاف

عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ کافر ہے۔

محدث جلیل حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے الاشباہ والنظائر کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

یکہ جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے یا گویا نہ جانتا عذر قرار نہیں پایا۔ دوسرا اور میں جہل کو عذر مانا گیا ہے مگر اس باب میں قطعاً عذر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ
 "سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"

اسی طرح عقائد کی تمام کتابوں میں صراحت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔

وكونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبیین متانطق به الكتاب و صدعت به السنة واجتمعت عليه الامة ويكف مدعى خلافه ويقتل ان اصر، (ص ۱۷ ج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ان مسائل میں سے ہے۔ جس پر کتاب اللہ ناطق ہے۔ اور سنت میں جن کی صراحت ہے۔ اور امت کا جن پر اتفاق و اجماع ہے۔ اس کے خلاف جو دعویٰ کرے گا۔ وہ کافر قرار دیا جائیگا اور اگر اپنے دعویٰ پر مصر ہوگا تو قتل کیا جائے گا۔

مسلم قرین کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أنا خاتم الأنبياء ومسجدى
 خاتم المساجد ، (مسلم)
 میں خاتم النبیین ہوں۔ اور میری مسجد
 انبیاء کرام کی مسجدوں کی خاتم المساجد
 حدیث میں اس کی بھی مراحت موجود ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ البتہ اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں
 لم يبق من مبشرات النبوة الا
 مبشرات نبوت میں سے اچھے خوابوں کے
 الروية الصالحة
 سواد دوسرا اور کچھ باقی نہ رہا۔

(رواه مسلم ، مشکوٰۃ)

مختصر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کی امت آخری
 امت ہے۔ اب دینِ قیم کی اشاعت و حفاظت کی ساری ذمہ داری آپ کی امت پر
 ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں تم لوگوں میں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ
 تعالیٰ کی کتاب، دوسری اپنی سنت، تم لوگ جب تک ان کو مضبوطی سے
 سے تھامے رہو گے۔ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 تركت فيكم امرين لن تضلوا ما
 تمسكتم بهما كتاب الله وسنته
 رسولہ ، (رواه فى الموطا ومشکوٰۃ)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
 کہ میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب
 تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے
 رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی
 کتاب قرآن پاک ہے۔ اور دوسرا
 اس کے رسول کی سنت اعلیٰ نبویؐ

رسول انقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مستقبل کے نفع کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 يكون في آخر الزمان دجالون كذابون
 يا تو نكم من الاحاديث بما لم تسعوا
 انتم ولا ابائكم فاياكم واياهم
 لا يضلونكم ولا يفتنونكم
 دعاه مسلم (مشکوٰۃ)

آخری زمانہ میں بہت سارے دجال
 وکذاب ایسی باتیں لیکر تمہارے پاس
 آئیں گے۔ جو کبھی نہ تم نے سنا ہو گا۔
 اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے لہذا تم
 ان سے خبردار رہنا، وہ تم کو نہ تو گمراہ
 کرنے پائیں۔ اور نہ توفتنہ میں ڈالنے پائیں

شاید وہ زمانہ آگیا ہے کہ طرح طرح کے دجال وکذاب پیدا ہونے شروع
 ہو گئے ہیں نئی نئی باتیں گڑھ کر پیش کر رہے ہیں۔ اور مختلف انداز میں مسلمانوں
 کو راہ حق سے ہٹانے کے درپے ہیں نام بظاہر بڑا خوشنما ہے، مگر زہر آلود یہ
 قادیانی فتنہ بھی دراصل اسی دجالی فتنہ کی ایک صورت ہے۔ جو ہندوستان میں
 ہمارے سامنے ظاہر ہیں۔ حیرت ہے کہ ہندوستان میں ایک لمہ و زندقہ کھڑا
 ہو کر یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے۔ وہ حضرت مہدی ہے۔ مسیح موعود ہے۔ اور نبی ہے
 سجاد اشرا سی بی باکی، ایسی گستاخی۔ اور ایسا غلط دعویٰ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو
 اسی وقت وہ قتل کر دیا جاتا۔

یاد رکھا جائے جب تک دارالعلوم دیوبند اور اس کی فیض یافتہ جماعت موجود
 ہے۔ کوئی ایسی دجالی تحریک کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ جس طرح دارالعلوم دیوبند
 اور اس کے تلامذہ نے گذشتہ سوا سو سال سے دین مبین کی حفاظت کی ہے۔ آئندہ
 بھی یہ دینی اور بین الاقوامی درسگاہ اپنا یہ فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ اور یہ ان
 افراد کو پیدا کرتی رہے گی۔ جن کی زندگی کا شن حفاظت و عصیانیت تعلیمات
 اسلامی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو تاقیامت زندہ و نابندہ رکھے۔
 اخیر میں مجھ بے ساختہ اس وقت سابق ہمت حکیم الاسلام حضرت علامہ

عَقِيدَةُ مُخْتَمِ نَبَوِّتِ أَوْر مِرْزَا فِلاَمِ أَحْمَدِ قَادِيَانِي

مولانا عبدُ العَلِيمِ فَارُوقِي دَارِ البَلْغِينِ لِكْتَنُو

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مقدس شریعت لیکر دنیا میں مبعوث ہوئے وہ خدا کی آخری اور دائمی شریعت ہے جو بالکل واضح اور روشن ہے نہ تو اس میں کوئی الجھاؤ ہے اور نہ ہی کسی قسم کا ابہام ہے اسی طرح جن پاکباز ہستیوں نے اس دین متین کو ذات رسالت سے براہ راست حاصل کیا اور آنے والی نسلوں تک حد درجہ ذمہ داری اور کمالِ دیانت و ثقاہت کے ساتھ منتقل کیا ان کی شخصیات علم و عقل، فضل و کمال، فہم و تدبیر، زہن و مزاج اور طہارت و پاکیزگی کے اعتبار سے کامل و کمال ہیں یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کو مٹانے یا اس کے مزاج و طبیعت کو بدلنے کیلئے جب مخالفین اسلام کی طرف سے کوئی کوشش یا سازش رونما ہوتی تو ان حضرات نے کبھی اسکو براہِ راست نہ کیا اور نہ ہی میدانِ عمل میں اتر آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں جب قتلِ اعداء اشخاص اور مروجہ نبوت سے پہنچنے والی نبوتوں کے عملِ تعمیر کرنے کی ناکام کوشش کی تو حضرت ابو بکر

اور ان کے ساتھیوں نے ان جھوٹے دعویداران نبوت کے حملوں کو اپنی ٹھوکروں سے گرا کر پوری دنیا کو بتا دیا کہ قصر نبوت کی تکمیل ہو چکی اب اگر کوئی اس محل کو مٹانے دوسرا محل بنائے گا اُسے زمین بوس کر دیا جائے گا۔

ہمارے زمانہ میں تقریباً ایک صدی قبل قادیانی فتنہ کا وجود ہوا جس کی بنیاد انیسویں صدی عیسوی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے رکھی یہ شخص ۱۸۳۲ء میں پنجاب کے ایک گاؤں قادیان ضلع گورداس پور میں پیدا ہوا۔ وہیں اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور کچھ دیگر فنون و علوم کا مطالعہ کیا اس کے بعد طویل مدت تک انگریزی حکومت کی ملازمت کی۔ ابتداءً اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ کی طرف سے اُسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طرز پر مخلوق خدا کی اصلاح کرے پھر آہستہ آہستہ وہ مسلسل گمراہیوں کی طرف بڑھتا رہا کبھی کہتا تھا کہ مجھ میں حضرت عیسیٰؑ کی روح حلول کر گئی ہے اور کبھی دعویٰ کرتا کہ مجھے الہامات و مکاشفات ہوتے ہیں وہ توریت، انجیل اور قرآن پاک کی طرح خدا کا کلام ہیں اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں قادیان میں حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ مجھ پر دس ہزار سے زائد آیتیں اتاری گئی ہیں۔ اور قرآن کریم، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء سے سابقین نے میری نبوت کی شہادت دی ہے اور اس شخص نے اپنے گاؤں قادیان کو مکہ اور مدینہ کے ہم رتبہ، اور اپنی مسجد کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی مسجد سے افضل کہا اور اس بات کی ٹوکوں میں تبلیغ کی کہ یہی وہ مقدس بستی ہے جس کو قرآن پاک میں مسجد اقصیٰ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اور جس کا صحیح کرنا فرض ہے۔ یہ اور ان جیسے نامعلوم اس نے کتنے جھوٹے کئے جو اس کی اور اس کے متبعین کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی دراصل ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کا خواہشمند تھا

جس کے لئے اُس نے پوری کوشش کی وہ اسی لئے انگریزوں کا اطاعت گزار رہا۔ جن کی ان دنوں ہندوستان میں حکومت تھی اور ان کی خدمت گزاری اور کاسہ لسی میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزارا اور زبان و قلم سے انگریزوں کی محبت و غیر خواہی اور ہمدردی کا خوب خوب اظہار کیا۔ انگریزی حکومت کو بھی اپنے اغراض و مفادات کے لئے یہ شخص موزوں نظر آیا۔ چنانچہ اس نے بڑی تیزی سے اپنا کام شروع کیا۔ پہلے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور پھر چند قدم آگے بڑھ کر امام مہدی بن گیا کچھ دن اور گزرے تو مسیح موعود بن بیٹھا۔ اور آخر کار منصب نبوت کا مدعی ہو گیا انگریز نے جو چاہا تھا وہ پورا ہوا۔ حکومت انگلشیہ نے اُس کی سرپرستی کا پورا حق ادا کیا اور اس کی حفاظت میں کوئی کمی نہ کی ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات بہم پہنچائیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہمیشہ حکومت کے احسانات کا معترف رہا اور صاف طور پر اُس نے اقرار کیا کہ "میں حکومتِ برطانیہ کا خودکام پورا ہوں" اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گزاریوں کو گناتے ہوئے لکھتا ہے۔

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔

(ترتیب القلوب ص ۱۵۱ از مرزا)

خلاصہ گفتگو یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی خود ساختہ جھوٹی نبوت کے ثبوت میں اور عقیدہ ختم نبوت کو مٹانے کیلئے بھرپور جدوجہد کی یہاں تک کہ مستحکم اصول اور قرآنی نصوص و قطعیات کا انکار کیا اور ان کی من مانی بے جا اور

رکیک تاویلات کہیں جب کہ عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں کا ایک ایسا اجماعی اور قطعی عقیدہ ہے جس میں کسی قسم کی تاویلی و توجیہ کی کوئی گنجائش نہیں اس عقیدہ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ جودہ سو برس سے تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت | صدرا سلام سے آج تک تمام مسلمان یہی مانتے رہے ہیں اور آج بھی اسی پر ایمان رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ کی ذات پر باب نبوت کلی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا مشہور اور بنیادی عقیدہ ہے کہ عامی سے عامی مسلمان بھی اسے دین کے اساسی اور ضروری عقائد میں شمار کرتا ہے۔ جس پر ایمان لانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک نے بھی بڑی صراحت و معانی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" ہیں یہ عقیدہ دراصل دین اسلام کی حیات اجتماعی اور امت کی شیرازہ بندی کا محافظ ہے اور اس پر ہمیشہ مسلمانوں کا اجماع رہا ہے اور اس اجماع کی حکایت بھی متواتر ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت تینوں میں جا بجا "ختم نبوت" پر واضح اور روشن دلائل موجود ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۝

محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

آیت قرآنیہ میں "خاتم" کا لفظ "ت" کے زیر اور زیر دونوں کے ساتھ

یہی مطلب واضح کرتا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں یا یہ کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم فرمادیا اور آپ کے بعد کوئی شخص مقام نبوت پر سرفراز نہ ہو سکے گا۔ اب اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرے تو وہ ایسی چیز کا مدعی ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

”خاتم النبیین“ کا یہی مطلب ماہرین لغت نے لکھا ہے کہ خاتم القوم آخر القوم کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، لسان العرب جو لغت عرب کی مشہور و مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ خاتم القوم وخاتمہم آخرہم ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ وخاتم النبیین ایٰ اٰخرہم ”القاموس“ اور اس کی شرح ”تاج العروس“ میں بھی خاتم اور خاتم کے معنی یہی تحریر کئے ہیں اور اسی کو تمام محققین و علمائے مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ امام ابن کثیر خاتم النبیین کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

”انشاء تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسول نے اپنی متواتر سنت میں بتایا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ کے بعد جو بھی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے گا۔ وہ انتہائی کھوٹا، منکار و جال اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔“

امام آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی خبر قرآن میں دی گئی ہے سنت میں بھی اُسے دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اس پر پوری امت کا اجماع ہے لہذا جو شخص اس کے خلاف دعویٰ کرے گا اُسے کافر قرار دیا جائے۔
 صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کرتے تھے ایک نبی وفات پا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (بخاری)

ایک دوسری جگہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
میری امت میں تیغیں بھوٹے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے متعلق دعویٰ کریگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث اور صحابہ کرام کے متعدد آقا سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اگر عقل و درایت کی روشنی میں ختم نبوت پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ تک سلسلہ نبوت کے جاری رہنے اور آپ سے پہلے کسی نبی پر نبوت ختم نہ ہونے کے تین اہم اور بنیادی اسباب ہیں۔

- (۱) یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء مختلف ادوار میں دنیا میں تشریف لاتے ان میں سے کسی کی بھی نبوت عام نہ ہو کرتی تھی۔ ہر نبی کسی ایک خاص قوم یا کسی خاص بستی کے لئے ہوا کرتا تھا اسی لئے ضرورت ہوتی تھی کہ دوسری قوم اور دوسری بستی کیلئے دوسرا نبی بھیجا جائے
- (۲) اجرائے نبوت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انبیائے سابقین جب دنیا سے تشریف لے جاتے تو ان کے چلے جانے کے بعد ان کی شریعت میں تحریف ہو جاتی تھی۔ اور خداوند قدوس نے کسی بھی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی بنا بریں ضرورت پڑتی تھی کہ دوسرا نبی آئے اور اس کو نئی شریعت دی جائے۔

یا سابقہ شریعت کی اس کے ذریعہ سے اصلاح کرائی جائے۔

۳۔ یہ کہ انبیائے پیشین جو شریعت لے کر مبعوث ہوئے اس کو اثر نے انکال کا شرف عطا نہیں فرمایا۔ اسی لئے ان کا لایا ہوا دین غیر مکمل ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا وجہ کی بناء پر آپ سے پہلے کیے بعد دیگر انبیاء آتے رہے اور سلسلہ نبوت و راز ہوتا رہا مگر جب اثر نے آپ کو اپنا نبی و رسول بنا کر دُنیا میں بھیجا تو ان تینوں امور سے پورے طور پر مطمئن کر دیا گیا آپ کی نبوت و رسالت بھی پوری دنیا کیلئے عام کر دی چنانچہ قرآن پاک میں اس مضمون کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا کبھی تو ارشاد ہوا "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا" اور کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کر لیا گیا "قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ اور اسی مضمون کو اس طرح بھی ذکر فرمایا گیا۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِینَ" اسی طرح آپ کی شریعت کو ابدی اور دائمی فرما کر اس کو رد و بدل، تحریف و تنسیخ کے عمل سے محفوظ فرما دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَلْخَالِقُونَ" اور پھر یہ بھی فرمائی سنائی گئی کہ ہم نے آپ پر اپنے دین کو اکمل فرما دیا "الیوم اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" اور ہوا الذی اَرْسَلْتُ دَسُوْلَةً بِالْهُدٰی وِدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَ عَلٰی الدِّیْنِ کُلِّیْ۔

نقل و شریعت عقل و درایت ہر اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اثر کے آخری پیغمبر ہیں آپ کے ذریعہ سے جو شریعت ہم کو ملی ہے وہ اس کی آخری ابدی اور دائمی قیامت تک باقی رہنے والی شریعت ہے۔

ختم نبوت کی نئی تفسیر | لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے تبعین نے تاریخ میں پہلی بار ختم نبوت کی جو زالی تفسیر کی ہے وہ مسلمانوں کی متفقہ تفسیر سے ہٹ کر کی ہے کہ "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ.... آپ "نبیوں کی مہر" ہیں اور اس کی وضاحت یہ بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب جو بھی نبی آئے گا اس کی نبوت آپ کی مہر تصدیق لگ کر مصدقہ ہوگی۔ اس کے ثبوت میں قادیانی مذہب کی کتابوں سے بکثرت عبارتوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے مگر ہم چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

"خاتم النبیین کے بارے میں حضرت سیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔

(ملفوظات احمد مرتبہ منظور الہی صاحب قادیانی حصہ پنجم ص ۱۲۹)

اگر کوئی شخص کہے کہ جب نبوت ختم ہو چکی ہے تو اس امت میں نبی کس طرح ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے عزوجل نے اس سینہ (یعنی مرزا صاحب) کا نام اسی لئے نبی رکھا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ کی نبوت کا کمال امت کے کمال کے ثبوت کے بغیر ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور اس کے بغیر محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو اہل عقل کے نزدیک بے دلیل ہے

(ترجمہ استفتا بر عربی ضمیر حقیقۃ الوحی ص ۱۹)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں مگر ختم کے وہ معنی نہیں جو "احسان" کا سواد اعظم سمجھا جاتا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ اور ارفع کے سراسر خلاف ہے کہ

آپ نے نبوت کی نعمتِ عظمیٰ سے اپنی امت کو محروم کر دیا بلکہ یہ ہیں کتاب
 «نبیوں کی مہر ہیں» اب وہی نبی ہو گا جس کی آپ تصدیق کر دیں گے۔
 (الفضل قادیان نمبر ۱۸، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء)

ختم نبوت کی تفسیر کا یہ اختلاف صرف ایک لفظ کی تاویل و تفسیر تک محدود نہ رہا
 بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والوں نے اس سے
 آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نہیں ہزاروں نبی
 آسکتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے اپنے واضح بیانات سے ثابت ہے ہم اس موقع پر بطور
 نمونہ چند حوالے زیر تحریر لاتے ہیں۔

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔

(حقیقۃ النبوة ص ۲۲۸ مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی)

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھ کہا جائے
 کہ تم یہ کہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں
 اسے ضرور کہوں گا تو جھوٹا ہے کذاب ہے آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور
 ضرور آسکتے ہیں۔ (انوار خلافت ص ۱۶۵ از مرزا بشیر الدین محمود)

انھوں نے (یعنی مسلمانوں نے) یہ سمجھ لیا کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے
 ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ورنہ ایک نبی
 کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔

(انوار خلافت ص ۶۷)

مرزا کا دعوائے نبوت | اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت
 کے لئے راہ ہموار کر کے تخت نبوت بچھار دیا اور ان کے متبعین و مریدین نے بھی انکو

حقیقی معنوں میں نبی تسلیم کر لیا۔ قادیانی گروہ کی بے شمار کتابوں میں ان کے اس دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی عبارتیں ہیں ہم مختصراً کچھ تحریریں نقل کئے دیتے ہیں جن سے مرزا کے دعویٰ ثبوت کا پتہ چلے گا۔

میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ بموجب آیت "وآخرین منہم لیساً یلحقوا بہم" بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیسٹیس برس پہلے "براہین احمدیہ" میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔
(ایک غلطی کا ازالہ صنفا)

مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راسوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریک ہے۔

دکشتی نوح ص ۵۶ طبع قادیان ۱۹۰۲ء

پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں
(حقیقۃ النبوة ص ۱۱۱ از مرزا بشیر الدین محمود)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت

منصب نبوت کی توہین

کے ثبوت اور ختم نبوت کے انکار میں فاسد خیالات اور باطل انکار کا اظہار کیا ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے محروم

ہوسکے وہ دینِ سعفی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ صرف چند منقول باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور خدائے حقِ دیوم کی آواز سننے اور اس کے مکالمات سے قطعی ناامیدی ہے۔ اور اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ خدا کی آواز ہے یا شیطان کی۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۱۳ ص ۱۳۹ از مرزا غلام احمد)

یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں صرف قصوں کی پوجا کر دیس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے۔ جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ میں تھنے ہیں۔ اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں جان بھی نذا کرے اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کرے تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات و مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب اور کوئی نہیں ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطان رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی

(ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۱۳ ص ۱۸۳ از مرزا)

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ایجاد کردہ مذہب "قادیانیت" کے جسرا تم اور مقاصد کو کون کہاں تک گمانے افسوس کہ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد جیسے ایک پست، ذلیل اور کم عقل انسان کو تاجِ نبوت پہنا کر "عقیدہ ختم نبوت" کے مفہوم کو بالکل الٹا کر دیا "قادیانیت" جو درحقیقت اسلام کے خلاف ایک گھناؤنی سازش اور نبوتِ محمدیہ کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے وہ عالم اسلام کے جسم کا وہ بدگوشت اور فاسد مادہ ہے جس کو دور کرنا امت مسلمہ کا اہم ذمہ ہے "قادیانیت" اسلام کے بنیادی عقائد سے لے کر فروعی مسائل تک اپنا الگ راستہ اختیار کرتی ہے نہ صرف یہ کہ وہ چند بحثوں میں مسلمانوں سے الگ ہے بلکہ دین کے ہر معاملہ میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتی ہے چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود اپنی ایک تقریر میں جو "الفضل" کے ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے شمارے میں "مسلمانوں سے اختلاف" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی کہتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں" آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔

"قادیانیت" کا اہم موضوع اگرچہ کالی وقت کچا بتا ہے مگر ہم نے صرف ایک عنوان کے تحت اجمالاً کچھ عرض کیا ہے۔ امید ہے کہ دیگر اصحابِ قلم اور اربابِ علم و فن اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے اور کھل کر وقت کے اس خطرناک فتنہ کا تعاقب کریں گے۔ اللہ پاک دینِ حق کی حمایت، حفاظت اور تقانیت و نقابت کے سلسلہ میں ہونیوالی ہر خدمت کو بار آور فرمائے۔ آمین۔

ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں

از فرید الدین مسعود

ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن بنگلہ دیش و سیکرٹری الحدا مالیاں جھانگہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ امت کا تنفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے۔ یہ عقیدہ سترآن کریم، سنت متواترہ، اجماع امت اولین و آخرین اور قیاس، چاروں دلائل کی رو سے ایک طے شدہ امر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ رب العالمین ہیں۔ رب کے معنی یہی ہے کہ کسی چیز کو ایک مناسب تربیت دے کر تدریجاً کمال تک پہنچانے والا۔ اسی ربوبیت کا تقاضا تھا کہ انسان کے مادی ارتقاء کو حد تکمیل تک پہنچانے کیلئے سارے مادی اسباب کا انتظام فرمایا گیا۔ پس رب العالمین کی حکمت بالغہ سے یہ کیونکر تصور ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کی روحانیت کی تکمیل کا بندوبست اور اس کا مکمل انتظام نہ فرماتے۔ رُوح عالم ہر کی چمیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر و تذکیر ہی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ خدا نے رحیم و کریم نے بے پناہ ربوبی شفقت ہی کی بنا پر مادی انتظام کے

اسباب مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی ابتدائی آفرینش ہی سے انسانیت و روحانیت کی تربیت و ترقی کیلئے وحی اور نبوت کا سنہری سلسلہ جاری فرمایا۔ اور بتدریج اس کو تکمیل تک پہنچایا۔

انسان اس انسانیت کے ارتقاء کی راہ میں بالکل اس قافلہ کے مانند ہے جو ایک متعین منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے سے وہ الجھا ہٹ سکتا ہے۔ کوئی واقف راہ شفیق رہنا اس کو راہ کی کچھ نشانیاں بتا دیتا ہے اور وہ قافلہ اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق کچھ راستے طے کر لیتا ہے۔ لیکن اب اس قافلہ کو پھر کسی رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ اس کی بتائی ہوئی علامتوں کے مطابق مزید کچھ اور فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ اس طرح منزل کی طرف بڑھنے کی صلاحیت میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بالآخر اس سے ایک ایسا شخص ملتا ہے۔ جو اُسے راہِ سفر کا ایک مکمل نقشہ دیدیتا ہے۔ اور قافلہ اس نقشے کے حاصل کرنے کے بعد کسی نئے رہبر کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں انسان اور معاشرہ کا ارتقاء کوئی اندھا دھند عمل میں آنے والی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک باهدف عمل ہے۔ اور اس کی ایک ہی راہ ہے۔ جسے صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ اس عمل کا نقطہ آغاز اور راہِ سفر اور منزل مقصود سب متعین اور مشخص ہے۔

سنتِ الہی کے مطابق نبوت اور وحی کی یہ راہ بتدریج کہاں تک پہنچی ہے جیسا کہ ایک عمارت مکمل ہوتی ہے۔ عمارت کی تعمیر کا ہدف اس کے ستون اور دیواروں میں۔ ان کے ایک مکمل مکان ہوتا ہے۔ نبوت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ نبوتِ مصطفویٰ اس کی کامل صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ختم و مکمل ہو جانے کے بعد

وہ مزید کسی اصناف کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ تکمیل کے بعد کوئی اضافہ کمال کے مافیہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے: "آپ صلعم نے فرمایا۔ نبوت ایک مکان کی مانند ہے۔ لیکن اسکے مکمل ہونے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی، میں ہی وہ اینٹ ہوں۔"

یہ تکمیل انسانی ارتقار کا ایک امر فطری ہے۔ ایک انعام خداوندی و مہبت الہی کی حیثیت سے قرآن اسی اتمام کا اعلان کرتا ہے۔ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتَمَتَتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا (المائدہ ۴) عقیدہ ختم نبوت کا انکار دراصل انسانی اور انسانیت کی فطری تکمیل اور ایک نعمت الہی کی بغاوت ہے۔

دوسری کی ضرورت عقلاً کئی وجوہ سے ہوتی ہے اور ماضی کی تاریخ بھی اس پر

شاہد ہے۔

(۱) کسی کی نبوت وقتی ہو۔ پس وہ وقت گزر جانے پر دوسری نبی کی ضرورت ہو۔

(۲) کسی کی نبوت خاص کوئی علاقے کیلئے محدود ہو۔ پس اس محدود علاقہ کے باہر کیلئے

دوسری نبی کی ضرورت ہو۔

(۳) یا تو کوئی نبی اپنی حمایت تاہد میں دوسری نبی کو اللہ تعالیٰ سے مانگ لے جیسا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو مانگ لیا تھا۔

(۴) یا تو نبی کی تعلیمات محفوظ نہ ہو۔ تحریف کا شکار ہو گئی ہو۔

(۵) یا تو دین و شریعت کی تکمیل نہ ہوئی ہو۔

ان تمام وجوہ سے اگر ہم نظر کریں تو دیکھتے ہیں کہ نیا نبی خلق ہو یا اصل سبب اسکی

کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ آپ کی نبوت کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص

نہیں ہے۔ اور اللہ عزوجل فرمادی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَاَنَّهٗ لَدُنَّا مِنْ بَشَرٍ مِّثْلٰہٗ

وَنذِيرًا لِّكُلِّ الْفَاسِقِ إِلَّا يَحْمُومُونَ - ایسا ہی آپ نے اپنی تائید کیلئے کسی کو رب العزت سے طلب بھی نہیں کیا۔ اس کے برخلاف قرآن کریم صاف اعلان ہوتا ہے۔ "ما کان محمد اباً احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین"

آپ کی تعلیمات بھی من وعن محفوظ ہے۔ لفظ بھی معنی بھی ارشاد ہوتا ہے
 اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اَنَّا لَکَاطِفٌظُرُونَ ۝ ساتھ ساتھ دین محمدی صلعم کی تکمیل و تمام
 کا بھی واضح طور پر اعلان کر دیا گیا۔ ایوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الخ الہیۃ
 ختم نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا طرہ امتیاز اور خاصہ
 لازمہ ہے۔ اور اس صفت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں
 ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کو ذات و صفات میں لاشریک ماننا ایمان کیلئے
 ضروری ہے۔ اللہ کو معبود والہ ماننا ہے۔ مگر الہ واحد اور الکیلانہ ماننا۔ تو اس کا
 کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تو مانتا ہے مگر آخری
 نبی و رسول نہیں مانتا تو یہ ماننا بھی حقیقتاً نہ ماننے کے مرادف ہے۔

شاید یہ بھی ایک حکمت ہو کہ کلمہ شہادت میں اللہ رب العزت کی الوہیت کی
 توحید کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت بھی لی گئی ہے۔ اور
 یہ گویا کہ اس بات کی وضاحت ہے کہ ایمان کے لئے اللہ کو ماننے میں جیسا کہ موحد
 ہونا ضروری ہے۔ ایسا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المرسلین والانبیاء یقین کرنے
 میں بھی موحد ہونا ضروری ہے۔ یہی عقیدہ اسلام کیلئے حذافیل ہے۔ شاعر مشرق علامہ
 اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

یہ عقیدہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ تنہا وہ عامل (Factor)
 ہے جو اسلام اور ان کے ادیان کے درمیان ایک مکمل سُجری خلا (Gulf)
 (Demarcation) کھینچتا ہے جو توحید میں مسلمانوں کے ہم عقیدہ ہیں اور غیر مکلی

نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہی نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ہندوستان میں "برہمن سماج" یہی وہ چیز ہے جسے دیکھ کر کسی گروہ پر داخل اسلام یا خارج اسلام ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ میں تاریخ میں کسی ایسے مسلمان گروہ کا نام نہیں جانتا۔ جس نے اس خط کو بھانڈ جانے کی جرات کی ہو۔

اور یہی حکمت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دیتے نظر آتے ہیں۔ اور قیامت سے پہلے پہلے جھوٹے مدعی نبوت نے دجال اور کذاب کی فریب کو چاک کرنے کے لئے سارے انبیاء سابقین کی طرف سے اسی شہادت کو دہرانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور کذابین کا تعلق قلع فرمائیں گے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نبی آنے والا ہوتا۔ تو آپ صلعم پر فریضہ عائد ہوتا کہ آنے والے نبی کی بشارت دیتے۔ جیسا کہ پہلے انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیکر گئے۔ حالانکہ کہیں پر ایسا کوئی لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف تواتر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نبی (ظلی) ہوا یا اصلی نہیں آئے گا۔

ایک طریق زندگی جو انسانی فطرت کے مطابق ہو، جامع اور کلی ہو اور ہر طرح کی تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہو۔ اور جو مسائل کی اچھی تشخیص کرے جسے اچھی طرح منطبق کیا جاسکے۔ عمل و نفاذ کے مرحلے میں ہمیشہ رہنمائی کر سکے۔ اور حالات کے مطابق مختلف طریقوں اور بے شمار جزئی قوانین کیلئے سرچشمہ ثابت ہو سکے یہ انسانی فطرت کا ایک عام تقاضا اور انسان کی ایک بنیادی ضرورت تھی۔ وہیں مہر صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کے ذریعہ جب یہ ضرورت پوری ہوگئی تو فطرۃ و عقلا کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذا نبی یا نبوت کا ادعا فطرت اور عقل کے خلاف ہے۔

بھرات! اب میں بنگلہ دیش میں قادیانیوں کی کچھ سازش کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان سے قادیانیوں کے ناامید ہوجانے کے بعد تبرصغیر میں بنگلہ دیش کی زمین انہیں اپنے عزائم پورا کرنے کیلئے ہاتھ آگئی ہے دوسرے علاقے کے مانند یہاں۔۔۔ سامراجی ایجنٹ کرتے پچھین مشینری اور یہودیوں کی بھرپور تائید ان کو مل رہی ہے۔ ڈھاکہ کے مشہور علاقہ بخشئی بازار میں ان کا مرکز ہے دارالکلمت ڈھاکہ کے مختلف علاقوں میں زمین خرید کر بستیاں بسا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ برمن باڑیا، سلہٹ، سنم گنج، دیناچپور وغیرہ علاقوں میں بھی وہ اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری طرف سے وہاں خاص کوئی بیداری نہیں۔ چار پانچ سال پہلے ڈھاکہ میں انجمن تحفظ ختم نبوت کی طرف سے چند جلسے جلوس ہوئے تھے۔ لیکن آج کل یہ بھی سرد پڑ گئی۔

مادر علمی کی طرف سے اس عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد عالم بھر میں خصوصاً بنگلہ دیش میں اس نکتے کے خلاف نئی تحریک میں روح پھونکنے میں مؤثر ثابت ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دارالعلوم کے اکابر اور اس عظیم الشان کانفرنس کے منتظمین کو میں پھر تہ دل سے شکریہ اور مبارکباد پیش کرنے کی سعادت میں حصہ لیتے ہوئے رب العزت سے دعاگو ہوں کہ ہمیں مرضیات کی توفیق بخشے اور ہاموس ختم نبویاً پر مٹنے کی سعادت نصیب فرمائیں

فاخر محمد حوانا ان الحمد لله رب العالمین

ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

از۔ مولانا عزیز بن احمد قاسمی (بی۔ اے)

مرزا غلام احمد قادیانی بہت قابل انسان تھے۔ ابتدا میں انھوں نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ قابلیت کو اگر کنٹرول میں نہ رکھا جائے تو وہ غلط راستہ پر ڈال دیتی ہے یہی معاملہ مرزا صاحب کے ساتھ پیش آیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ خاتمیت تین طرح کی ہوتی ہے۔ خاتمیت زمانی، خاتمیت مکانی اور خاتمیت رتبی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تینوں طرح کی خاتمیت ثابت ہے۔

خاتمیت رتبی پر بحث فرماتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ خاتمیت رتبی کا مفہوم یہ ہے کہ بتوت کا اونچے سے اونچا مرتبہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور جو خاتم رتبی ہو اسے سب سے اونچے میں آنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے فوتوی نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کے سلسلہ میں جو بحث فرمائی ہے اسکے بعد ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس کو ثابت کرنے کی سعی کی جائے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ

بھادلوپور میں جو بحث فرمائی ہے وہ بھی کافی و ثنائی ہے
 البتہ بحث کی چیمیزیہ جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعویٰ نبوت
 کیا ہے۔ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ
 نبوت پر بحث کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر کچھ دلائل بیان کر دے
 جائیں تو بہتر ہے۔

۱۔ سب سے پہلے تو قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و
 واثمت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً" ہے۔ اس میں
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آج میں تمہارا دین مکمل کر دیا یعنی دین کی تکمیل آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہو گئی۔ اب کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو ہر پیغمبر پر نازل فرمایا۔ مگر ابتدائی انسانوں کا ذہنی ارتقا
 زیادہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا انسانی ذہن میں ترقی ہوتی
 رہی۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ دین کے احکام نازل فرماتے رہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کے زمانہ میں بھی انسانی ذہن کا ارتقا مکمل نہیں ہوا تھا جیسا کہ انجیل مقدس
 کے عہد جدید میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت
 کے سامنے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ "میں بہت سی باتیں تمہیں بتا چکا ہوں مگر
 بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں نے تمہیں نہیں بتائیں۔ کیونکہ تم اپنی کو ابھی نہیں
 سمجھ سکتے۔ میرے بعد فارقلیط آئیں گے۔ وہ تمہیں وہ باتیں بھی بتائیں گے جو
 میں بتا چکا ہوں۔ اور وہ باتیں بھی بتائیں گے۔ جو میں نے تمہیں نہیں بتائی ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ذہن کا ارتقا اس وقت تک مکمل نہیں
 ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے
 پانچ سو سال بعد تشریف لائے۔ اس وقت انسانی ذہن کا ارتقا کی آخری

منزل طے کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے آنے والے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں کبھی سارے عالم کے انسانوں کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ساری دنیا کی قوموں کی کوئی ایک انجمن ہونی چاہئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کے سارے ممالک کی پہلی انجمن بنی جو آپس کے اختلافات کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد دوبارہ انجمن اقوام متحدہ، ریو، این ایو قائم ہوئی جو آج تک قائم ہے۔ نیز ایک عالمی تنظیم اقتصادی، سماجی اور ثقافتی ریو، نیسکو کے نام سے قائم ہوئی۔ جو آج تک قائم ہے۔ ان کے علاوہ عالمی بینک اور عالمی فوج بھی قائم ہوئی۔ اور انسانی ذہن نے اتنی ترقی کی کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، تار برقی، لاسکلی (ڈاٹر لیس)، اور ایٹمی توانائی ایجاد کر لی۔ اور راکٹ ایجاد کئے جن میں سوار ہو کر انسان نے ساری دنیا کے کئی چکر لگائے اور چاند تک پہنچ گیا۔ اس سے پہلے ان چیزوں کا تصور بھی انسانی ذہن نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا ذہن اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمت رُتبی کے بارے میں ذیل کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن پاک میں پارہ شَبْحَانَ الَّذِي كِي اَبْدَارِ مِيں هِي كِه اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْحَضْرْتِ صَلٰى اللّٰهُ عَلٰى سَلْمِ كُو لِيْلَه - المَعْرَاجِ مِيں سَجْد حَرَامِ سِي سَجْدِ اَقْصٰى تَكِ پِهُو بَجَايَا، وَ هَا نِ تَمَامِ اَنْبِيَا رِ سَابِقِيْنَ عَلِيْهِمُ السَّلَامِ جَمْعِ تَحِي - اَنْحَضْرْتِ صَلٰى اللّٰهُ عَلٰى سَلْمِ نِي اَنَامَتِ زَمَانِى اَوْرِ تَمَامِ اَنْبِيَا رِ عَلِيْهِمُ السَّلَامِ نِي اَقْتِدَارِ كِي - اَس سِي هِي اَبِى صَلٰى اللّٰهُ عَلٰى سَلْمِ كَامِرِ تَسْبِيْرِ مَعْلُومِ هُو تَا هِي - وَ هَا نِ سِي حَضْرْتِ جَبْرِيْلِ عَلِيْهِ السَّلَامِ اَبِى كُو مَعْرَاجِ كِي لِنِي نِي عَمَلِي اَوْرِ مَعْرَاجِ كُو مَعْرَاجِ نِي هُو نِي - يِي عَرُوجِ كَا اَنْتِهَائِي دَر جَبْتِهَا جُو اَنْحَضْرْتِ صَلٰى اللّٰهُ عَلٰى سَلْمِ كُو عَطَا فَرْمَا يَا كِيَا -

تمام انبیاء سابقین علیہم السلام نے جب اپنی قوم کو مخاطب فرمایا تو قوم کا نام لے کر مخاطب فرمایا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا ایہا الناس فسرا کر مخاطب فرمایا۔ یعنی اے انسانو۔ کیونکہ آپ تمام انسانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام قومی نبی تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اقوامی (انٹرنیشنل) نبی تھے۔ اس سے بڑا کوئی درجہ نہیں ہو سکتا۔

خود مرزا صاحب نے اپنے نبی ہونے کا صاف غلطوں میں انکار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو

(۱) حماۃ البشری ص ۲۱؛ مصنف مرزا غلام احمد صاحب

(۲) کتاب البریۃ ص ۱۸ فٹ نوٹ تحریر کردہ مرزا غلام احمد صاحب

(۳) ازالہ ادہام ص ۵۷۷ مصنف مرزا غلام احمد صاحب دہلی ص ۵۲ کتاب ہذا

(۴) انجام آتھم ص ۲۷ فٹ نوٹ تحریر کردہ مرزا غلام احمد صاحب

(۵) "میرے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اپنے بارے میں نبی ہونے کا اعلان کروں

اور کافر ہو جاؤں (حماۃ البشری ص ۹) مصنف مرزا غلام احمد صاحب۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب نے پہلے اپنے دلی یا مجدد ہونے کا اعلان

فرمایا دیکھو مرزا صاحب کا پمفلٹ - ۲۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

جو تبلیغ رسالت کے ص ۲۸۳ پر شائع ہوا۔

اس کے بعد اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان اس طرح فرمایا۔

"خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور جس کی تخلیق کرنا کفر ہے۔ میں قسم کہتا

ہوں کہ اس نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے۔"

(پمفلٹ ایک غلطی کا ازالہ شائع کردہ تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۱۸، مصنف

مرزا غلام احمد صاحب)

اس کے بعد مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

”میرے اعتقاد کے مطابق نہ تو کوئی نیا پیغمبر بھیجا گیا اور نہ کوئی قدیم پیغمبر بلکہ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نزول فرمایا ہے۔“
 (لکچر مرزا غلام احمد صاحب شائع شدہ الحکم قادیان ۳۰ نومبر سن ۱۹۱۷ء)
 غور فرمائیے کہ پہلے محدث بنے، پھر سیح موعود بنا اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بننے کا دعویٰ کیا۔

مرزا صاحب نے نبوت وغیرہ کے جو دعویٰ کئے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں شدید قسم کے جسمانی اور دماغی امراض نے گھیر رکھا تھا۔ چنانچہ اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں۔
 ”جب میری شادی کے بارے میں غیبی پیغامات وصول ہوئے۔ اس وقت میں جسمانی اور دماغی اعتبار سے بہت کمزور تھا۔ اور ایسے ہی میرا دل بھی کمزور تھا۔۔۔
 زیادہ بیطیس، دورانِ سر، اور قلبی تکلیف کے علاوہ تپ و دق کی علامات ابھی تک باقی تھیں۔ جب ان ناگفتہ بہ حالات میں میری شادی ہو گئی تیرہ بجی خواہیں کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ میری قوت رجولیت صفر تھی اور میں بالکل بڑھوں کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔“

(نزول المسیح مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۱۷۱) دوسری جگہ درج ہے۔
 ”مرزا صاحب کے خاندان میں مرقا کی بیماری دراصل نہیں تھی۔ بلکہ یہ چند خارجی اسباب کی بنا پر مرزا صاحب کو ہو گئی تھی۔ خارجی اثرات کی وجہ دماغی نکلان کی کثرت، دنیاوی افکار اور قبض تھا جس کا نتیجہ مستحل دماغی کمزوری تھا، جس نے مرقا کی شکل اختیار کر لی تھی۔“ (میگزین ریویو قادیان سن ۱۹۲۵ء اگست ص ۱۷۱)

شرح اسباب و علامات، سر کی بیماری، مصنفہ علامہ برہان الدین انیسویں میں ہے کہ۔

”کچھ مریض جو مرقا کے مرض میں مبتلا ہوں اس دم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اور آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ بعد

بعض مریض تو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتے ہیں۔

(اکسیر اعظم جلد ۱، صفحہ ۱۸۸ مصنف حکیم محمد اعظم خاں)

سیرۃ الہدی جلد ۲ صفحہ ۵۵۵ صاحبزادہ بشیر احمد میں ہے۔

”ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھے بتایا کہ سیح موعود نے مجھے اکثر بتایا کہ مجھے پیغمبر یا
کی شکایت ہے۔ اور بعض وقت وہ مراق کی شکایت بھی کرتے تھے۔“

افضل، قادیان جلد ۱۷، نمبر ۶، ۱۹ جولائی ۱۹۳۹ء میں ہے کہ

”حضرت سیح موعود نے ایک دوا تیار کی جس کا نام ”تریق الہی“ تھا، یہ دوا

الہامی ہدایات کے ماتحت تیار ہوئی تھی۔ اس کا خاص جز فیون تھی۔“

مرزا صاحب جب ایسے امراض میں مبتلا تھے اور انجی تھے۔ نیز برانڈی شراب

بھی استعمال فرماتے تھے (دیکھو الحکم۔ قادیان جلد ۳۹، نمبر ۲۵

۶ نومبر ۱۹۳۷ء) تو ایسے انسان کو ایک صحیح الدماغ انسان کہنا بھی جائز نہیں ہے

چہ جائیکہ پیغمبر کہا جائے۔

محمد عاشق صاحب نائب صدر مجلس احرار کی موت ہیضہ میں ہوئی تھی۔ مرزا صاحب

کو انھوں نے برا بھلا کہا تھا۔ ۱۰ ستمبر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ان کو بہت خراب

موت ہوئی (افضل، قادیان جلد ۲، نمبر ۳۰، ۴ اگست ۱۹۳۷ء)

حالانکہ خود مرزا صاحب کی موت ہیضہ کے مرض میں ہوئی۔

(رسالہ حیات سیح ص ۱۷، مصنف شیخ یعقوب عرفانی، قادیان)



ختم نبوت امت کی ذمہ داریاں

از۔ مولانا سعید احمد پالنپوری استاذِ حدیث
دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين و
خاتم النبيين وعلى آله، وصحبه أجمعين - أما بعد
اللهم رب العالمين كما تعرف، حضرت موسى على نبينا وعليه الصلوة والسلام نے
فرعون بعين کے روبرو اس طرح کرایا ہے -

قال ربنا الذي اعطى لكل شئ خلقه، ثم هدى (طفہ ۵۰) کہا! ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو
اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر

راہ نمائی فرمائی

یہی کائنات کی ہر چیز کو جیسا ہونا چاہئے تھا، پہلے اس کو دیا ہی بنایا۔ اللہ تعالیٰ
نے اپنی ہر مخلوق کے لئے جو شکل و صورت اور جو اوصاف و کمالات مناسب تھے، عطا
فرمائے۔ پھر ان کو جو سب کی راہ نمائی بھی فرمائی۔ جو مخلوق جس راہ نمائی کی محتاج
تھی، سب کی راہ نمائی فرمائی۔ انسان جیسے کچھ تھا تو اس کی سب سے پہلی راہ نمائی

ضرورت "بقارہ" تھی۔ چنانچہ اس کی صورتیں اس کو الہام کی گتیں۔ بچے کو ابتدائے پیدائش کے وقت، جبکہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں تھا، یہ کس نے سکھایا کہ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے؟ چھاتی کو دبا کر جو سنے کا ہنر اس کو کس نے بتلایا؟ بھوک پیاس، سردی گرمی کی تکلیف ہو تو رو پڑتا اس کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے، مگر یہ رونا اس کو کس نے سکھایا ہے؟ یہی وہ ہدایت ربانی ہے جو ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی کی تعلیم کے عطا ہوتی ہے۔ اسی طرح انٹرب العلمین نے ہر مخلوق کو ایک خاص قسم کا ادراک و شعور بخشا ہے۔ جس کے ذریعہ اس کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اُسے کیا کرنا ہے۔

عام مخلوقات کے لئے تو اتنی رہنمائی کافی تھی۔ مگر اہل عقول، جن دانس، اس تکوینی ہدایت کے علاوہ ایک دوسری ہدایت کے بھی محتاج تھے۔ اور وہ تھی روحانی یا تشریحی ہدایت۔ کیونکہ تکوینی ہدایت انسان کی صرف مادی ضروریات پوری کرتی ہے۔ جبکہ انسان کا قلب و ضمیر، اور عقل و فہم۔ جن کی وسعت پذیری کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ سب سے زیادہ ہدایت ربانی کے محتاج تھے۔ سورۃ فاتحہ میں ان کو جو دو قلمین فرمائے گئے ہیں۔ اور جسے بار بار پھرنے کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ—
 اهدنا الصراط المستقیم (اللہی! ہمیں سیدھا راستہ دکھلا دیجئے) ہے۔ یہ دُعا واضح کرتی ہے کہ انسان کے لئے تکوینی اور مادی ضروریات سے بھی اہم اور مقدم روحانی اور تشریحی ہدایت ہے۔ پھر جھلا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مادی ضروریات کا تو حبان کریں مگر اس کی سب اہم ضرورت سے صرف نظر فرمائیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ، اور ربوبیت کاملہ نے انسان کی اس ضرورت کا بھی انتظام فرمایا اور جس کے پہلے انسان سیدنا حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ولادت سے

سرفراز فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام مرسل بھی تھے اور مرسل الہی بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل فرماتے تھے اور اس کے مطابق زندگی گزارتے تھے پھر ان کے ذریعہ ان کی اولاد تک اللہ کی ہدایت پہنچی۔

روحانیت کا یہ نظام ہزاروں سال تک اپنے ارتقائی منازل طے کرتا رہا تا آنکہ اس کی ترقی حد کمال پر جا کر رک گئی اور اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ آفتاب ہدایت طلوع ہوا۔ جس کی ضیا پاشی سے عالم کا چہرہ چہرہ روشن ہو گیا اور دنیا نجوم و کواکب کی روشنی سے مستغنی ہو گئی اور انسانیت کو یہ مزہ دہانہ فراسنایا گیا کہ

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت
عليكم نعمتي، ورضيت لكم الاسلام
دينا،
آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل
کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تام
کر دیا، اور میں نے تمہارے لئے اسلام

کو دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔

ساتھ ہی "دین اسلام" کی حفاظت کا اعلان بھی فرمایا گیا کہ:-

انا نحن نزلنا الذكر، وانا له
لحفظون
بے شک میں نے نصیحت (قرآن کریم)
نازل فرمائی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت
کرنے والے ہیں۔

جب دین پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمام ہو گئیں اور دین اسلام کی قیامت تک کے لئے حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے لی، تو اب سلسلہ نبوت و رسالت کی کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اس لئے ایک سلسلہ بیان میں صاف اعلان کر دیا گیا کہ:-

ما كان محمد ابنا احد من رجالكم
ولكن رسول الله، وخاتم النبيين،
(حضرت) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے
باپ نہیں ہیں، ہاں اللہ کے رسول اور خاتم
الانبیاء ہیں۔

احادیث متواترہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاقیت مختلف انداز سے واضح کی گئی ہے اور مشرکوں سے آج تک پوری امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ سرور کونین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں آپ کی ذات سے قہر نبوت تکمیل پذیر ہو چکا ہے، اب کسی نبی کی نہ ضرورت ہے نہ امکان ہے اور جو باہوس ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، افترا پرداز، مرتداد ملعون ہے اس جگہ پہنچ کر ایک سوال قدرتی طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اشتر کی ہدایت کتاب و سنت کی شکل میں، اپنی اصلی صورت میں آج موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔ اس لئے اب کسی بھی طرح کے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے مگر انبیاء کے بغیر اشتر کی یہ ہدایت لوگوں تک پہنچائے گا کون؟

حضرات انبیاء کرام کا کام اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے لوگوں تک پہنچانا تھا۔ آج چونکہ ہدایات ربانی موجود ہے اس لئے تحصیل دین کی ضرورت تو نہیں ہے مگر تبلیغ دین تو بہر حال ضروری ہے؛ اسی طرح انہوں اور پرالیوں کی چیرہ دستیوں سے.... دین کی حفاظت کی بھی ضرورت ہوگی۔ یہ فریضہ کون انجام دے گا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ذمہ داری امت کے سپرد کی گئی ہے۔ اشتر پاک کا ارشاد:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ، تَامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتُؤْمِنُونَ
بِآيَاتِنَا۔
آپ لوگ (علم الہی میں) بہترین امت تھے
جو لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے
جو نیک کام کا حکم دیتی ہے اور بُری باتوں سے
روکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ۔

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
میری طرف سے لوگوں کو (دین) پہنچاؤ، چاہے
ایک ہی آیت ہو۔

مشہور جملہ جو زبان زد عام و خاص ہے کہ علماء اہمیت کا نبیاء بنی اسرائیل میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

یہ جملہ حدیث ہونے کے اعتبار سے تو بے اصل ہے۔ قال القاری: حدیث علماء اہمیت کا نبیاء بنی اسرائیل، لا اصل له، کما قال الدمیری، والذکشی، والمقلانی، والمصنوع فی الاحادیث الموضوع لعلی القاری ص ۱۲۳، مگر مضمون کے اعتبار سے قرآن و حدیث کا پتھر ہے۔ اس قول میں علمائے امت کا مقام و رتبہ نہیں، بلکہ ان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ جس طرح دین موسوی کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری انبیاء بنی اسرائیل کو تفویض ہوتی تھی، اسی طرح دین مصطفوی کی تبلیغ و اشاعت اور حفاظت و صیانت کی ذمہ داری علماء امت کو سپرد کی گئی ہے۔

ایک حدیث شریف میں پیشین گوئی کے انداز میں خبر دی گئی ہے کہ

یہ علم دین پر آئندہ نسل کے معتبر لوگ	یحصل هذا العلم من کل خلف
حاصل کریں گے، جو اس دین سے غلو کرنے	عدو له، ینفون عنہ تحریف
دلوں کی تحریفات، باطل پرستوں کی ادعا	الغالیین، وانتحال المبطلین و
اور جاہلوں کی تاویلات کو رد کریں گے	تاویل الجاهلین (مشکوٰۃ کتاب العلم)

الغرض در عقیدہ قتم نبوت برحق ہے، دین کی حفاظت و اشاعت کیلئے اب کسی طرح کے کوئی، نبی تشریف نہیں لائیں گے، یہ فریضہ پوری امت کو اور خاص طور پر علمائے امت کو انجام دینا ہے۔ الحمد للہ امت کبھی اپنے اس فریضہ سے غافل نہیں ہوتی۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے فی الوقت اندھا دہ باہر کام کا جو تقاضا ہے وہ شاید پورا نہیں ہو رہا ہے۔ خود امت استجاب میں ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جن تک تلمیذ

جوئی تفصیل کے ساتھ نہیں پہنچ سکی ہیں۔ اور وہ دین کی بنیادی باتوں سے بجا بجزر
ہیں۔ اور ایسے مسلمان بھی ہیں جن کو دین اس کی اصلی صورت میں نہیں پہنچا جس
کی وجہ سے وہ طرح طرح کی بدعات و خرافات میں مبتلا ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی
دنیا کا تہتویہ آدھا حصہ وہ ہے جن تک دین کی دعوت بجا نہیں پہنچ
سکی ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ نمائندہ اجتماع اس سلسلہ میں عملی اقدام کے لئے
خوردن کرے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے کمر بستہ ہو کر میدان
عمل میں اتر آئے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(بقیہ ص ۱۴۴ کا) بات یاد آرہی ہے فرمایا کہ اب اس برصغیر میں مجدد کا فریضہ دارالعلوم
دیوبند اور اس کے علماء پر عائد ہے۔ جو فتنے اور خس و خاشاک مخالفین کی طرف سے
آئیں گے۔ ان فتنوں کا مٹانا اور خس و خاشاک سے دامن اسلام کو محفوظ رکھنا
ان کے فرائض میں داخل ہے۔

اللہ رب العالمین خادمانِ دارالعلوم دیوبند کی دینی جرات و ہمت برقرار رکھے
تاکہ یہاں سے حق کی آواز اٹھتی اور پھلتی رہے،

رَبَّنَا قَبِّلْ مَنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ۔

امام علیؑ دائرہ قاسمی
لکھنؤ پورہ

قصر نبوت پر اسلام کے باغیوں کا حملہ اور ہماری ذمہ داری

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين ومحمد
الروصحبہ اجمعین ، اما بعد ! حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ
کے آخری نبی و رسول ہیں۔ ان پر نازل کی جانے والی کتاب قرآن مجید اپنے اصلی
انفاذ کے ساتھ موجود ہے۔ ان کی شریعت کامل و مکمل ہے ان کی تعلیم و ہدایت زندہ
ہے ان کے افعال ان کے اقوال سب کے سب محفوظ ہیں ان کے ذریعہ اسلام کی
دائمی اور آفاقی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسے اصول و قوانین سکھائے گئے جو ہمیشہ اور
ہر دور میں رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ وہ ذرائع بھی خدا کی قدرت سے میسر ہیں اور میسر
رہیں گے۔ جن سے شریعت محمدی کے عقائد و احکام معلوم کرنا سہولیت کے ساتھ
ممکن ہے۔

یہ وہ تعلق اور اصولی باتیں ہیں جن کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے قرآن و حدیث
اور ائمہ کبار کا اتفاقاً جمالی فیصلہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت و رسالت اور نزولِ وحی
کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کوئی دہرای ہے

آپ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر دور کے لئے نبی و رسول ہیں جو شخص بھی آپ کے بعد کسی بھی درجہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذاب و مفتری ہے۔ ملا علی قاری صنفی فرماتے ہیں۔

« ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بلاجماع کفر ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲) »

قابلی عیاض نے وضاحت سے لکھا ہے۔
 « جو شخص آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے یا صفاتی قلب کے ذریعہ نبوت کے درجہ تک پہنچنے اور کسب کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے کو جائز سمجھے یا جو یہ دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے۔ اگرچہ صراحت نبوت کا دعویٰ نہ کرے پس یہ سب کفار ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والے ہیں۔ کیونکہ آپ نے خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آپ خاتم النبیین ہیں۔ (شفار شریف ص ۲۷) »

تفسیر رُوح المعانی ج ۶ ص ۶۵ پر لکھا ہے کہ۔

« آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر کتاب اللہ ناطق ہے۔ اور احادیث نے کھول کر بتا دیا اس پر امت کا اجماع ہے اس کے خلاف جو دعویٰ کرے کافر ہو گیا اور اگر اپنے دعوے پر اصرار کرتا ہے تو قتل کر دیا جائے گا۔ »

اسود عسی کذاب نے دور رسالت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے خلاف جہاد کا حکم دیا جس کی تعمیل کرتے ہوئے فیروز نے اسے قتل کر کے جہنم رسید کر دیا۔ مسیور کذاب اور ظالم اسدی نے نبوت کے دعویٰ کئے حضرت خالد ابن ولید سیف اللہ نے خلیفہ الرسول حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ کے حکم سے ان باغیان کو قتل کر دیا۔

سے جنگ کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ صحابہ کرامؓ کے دو بزرگوں کے بعد بحقیقہ ختم نبوت سے بناوت کرنے والے پیدا ہوتے رہے۔ اور اپنے بڑے انجام تک پہنچتے رہے۔

قرآن و حدیث کی واضح تشریحات اور امت مسلمہ کے اجماعی فیصلہ و عمل کے ہوتے ہوئے اسلام کے دشمنوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے براہ راست نبوت کا دعویٰ کرنے کے بجائے تلبیسات و تحریفات کے دوسرے طریقے بھی اپنائے۔ ابن سباؓ نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر محبت اہل بیت کا نعرہ لگایا۔ نبوت کے مقابلہ میں امامت کا عنوان اختیار کیا اور اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جس کے فتنہ انگیز اثرات آج بھی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرتے رہے ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام کی شکل مسخ کرنے کے لئے مستشرقین کو کھڑا کیا۔ تعلیم و تہذیب کے دلکش نام پر اللہ کے آخری نبی کی شریعت کو مٹانا چاہا۔ الحاد، ادریت، عقل پرستی، معجزات کا انکار، اسلافِ امت سے بذلتی تفسیر فقہ کے قدیم ذخیروں پر عدم اعتماد، اکابر امت کی تنقیص، علماء حق کی بدگونی، خالص عقلیت پرستی یا پھر خاندانی و ملکی رسم و رواج کی اتباع پر اصرار وغیرہ سب گمراہی کی جتنی شکلیں ظاہر ہوئیں ان تمام کا مقصد، اور جتنے ملحدین دشمنانِ دین ہوتے ہیں یا جو موجود ہیں ان سب کی مشترکہ اور متحدہ کوششوں کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ اسلام اپنی اصلی شکل میں جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہے لائقِ اعتماد اور قابلِ اطمینان نہ رہے اسی لئے تمام ملحدوں، بدہنوں، ابددین کے نام پر بدیہیہ اور دلوں کا پھیلاؤ، علمائے حق رہے ہیں اور آج..... قرآن و حدیث کی تہذیب و امت کو صحیح شکل میں رکھنے کے لئے علمائے دین کی کوئی بارگاہی تنظیم ضروری ہے۔

کوشش کرتے رہتے ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی دنیاوی شوکت و قوت کو
قادیانی فتنہ پامال کرنے کی کوششوں میں اسلام دشمن یہودیوں اور انگریزوں

نے کامیابی عارضی طور پر حاصل کر لی جس سے اُن کے ناپاک حوصلے بلند ہوئے۔ اور
 انھوں نے اسلام میں تحریف اور شریعت محمدی میں رخنہ اندازی کے لئے پھر
 ختم نبوت کے عقیدہ کی مخالفت اور قصر نبوت پر باغیانہ یورش کے لئے مرزا غلام
 قادیانی کی حمایت شروع کر دی۔ قادیان کے رئیس حکیم غلام مرتضیٰ کے لڑکے
 مرزا غلام احمد نے پادریوں سے مذہبی عقائد میں بحث کر کے شہرت حاصل کر لی تھی
 دماغ میں بڑائی کا سودا سما یا۔ انھوں نے پہلے ۱۸۸۷ء میں الہام کا دعویٰ کیا اس کے
 ۲۸ سال بعد مسیح موعود اور مہدی مہود ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۷ء میں نبوت
 کا دعویٰ کیا۔ اور ۱۹۰۸ء میں اپنی موت سے پہلے مستقل نبی و رسول ہونے کا دعویٰ
 کر بیٹھے۔ غالباً مرزا صاحب کو بھی اندازہ ہو گا کہ نبوت کا دعویٰ اگر وہ اول لمحہ میں کر دیں
 تو مسلمانوں کے لئے قطعی ناقابل برداشت ہو گا۔ اسی لئے انھوں نے تدریجی چال
 چلی اور دل کامدعی کافی تاخیر سے زبان پر لائے۔ مرزائے قادیان کے خلیفہ اور
 پسر مرزا محمود صاحب نے حقیقۃ النبوة میں پوری تفصیل و وضاحت سے اپنے والد
 کے نبوت و رسالت کے دعویٰ کو ثابت مانا ہے اور جو لوگ پہلی تحریروں کی بنا پر
 مرزا کے جھوٹے دعویٰ نبوت میں تاویلیں کرتے ہیں ان کو گمراہ اور غلط گو بتایا
 ہے۔ اگرچہ مرزا کے متبعین مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے آج بھی دوسرے موضوعات
 حیات مسیح و خروج و جمال و آمد مہدی وغیرہ پر گفتگو کر کے شکوک و سہاوس
 پیدا کرتے ہیں اور اجرائے سلسلہ نبوت اور مرزا آجہلانی کے دعویٰ نبوت کا لہجہ
 بہت بعد کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنے کے بعد کرتے ہیں۔

اشرف تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے ربانی کو اور اکابر دیوبند کو، غیرت مند مسلمانوں کو، شیعہ نبوت کے پر دانوں کو جنہوں نے علم و تفقہ سے اخلاص و لگنیت سے، جہد و عمل سے، حق گوئی دے باکی سے عوام الناس کے اجتماعات سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک میں ہر جگہ دہر محاذ، ہر فنقہ قادیان کا مقابلہ کیا اور ان باغیان ختم نبوت اور قصر شریعت محمدی پر حملہ کرنے والوں کو ناکام و نامراد کیا مگر اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آئے ہیں

اگر چہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات منات
تسلیح اسلام کے عنوان سے مرزائیت کی اشاعت اور خدمتِ علم دین کے نام سے قادیانیت کا پرچار بعض مقامات پر جاری ہے۔

ہماری ذمہ داری | تمام مسلمانوں کی اور خاص طور پر اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت محمدی کے مقابلہ میں مرزا کی شریعت کی بغاوت

کا تعاقب پوری ہوشیاری کے ساتھ ساتھ کرتے رہیں اس سلسلہ میں بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی تفسیر و تعبیر کا حق ہر کس و نا کس استعمال کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ عربی سے ناواقف لوگ محض ترجمہ کی بنیاد پر منقح و محقق بن جانا چاہتے ہیں۔ شریعت محمدی کو اسلامی دستور و قانون کو باز چھہ اطفال سمجھا جانے لگا ہے۔ قانون خداوندی کے ساتھ استہزار کا یہ سلسلہ بند کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ حیرت ہے وہی لوگ جو دنیاوی قانون میں صرف ماہرین قانون کی رائے کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہی اسلامی دستور پر معمولی معلومات کی بنیاد پر رائے زنی کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن مجید سے جس کے الفاظ بھی خدا کے نازل کردہ ہیں اور مفہوم و معنی بھی۔ خدا نے محمد رسول بنا کر

کو سکھایا اور آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو قوی و عملی طور پر قرآن کا مفہوم سمجھا دیا۔ جسے سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کتاب و سنت کی تعلیمات کی تشریح و توضیح اجتناب و اجماع سے امت مسلمہ کے وہ حضرات جن کو علم ربانی میں رسوخ حاصل تھا کرتے رہے ہیں۔ اس امت مسلمہ کی اسلام سے وابستگی اور ایمان پر نپٹگی صرف اسی صورت میں نصیب رہ سکتی ہے کہ کتاب و سنت کی وہی تفسیر و تعبیر معتبر مانی جائے جو اسلاف و اکابر امت کر چکے ہیں یا جدید مسائل پر اکابر کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے علمائے متدین یہ فریضہ انجام دیں۔

مرزائیوں کے غیر مسلموں جیسا سلوک کیا جائے |
تقریباً نبوت محمدی پر حملہ کرنے والے
مرزائی باغیوں سے مسلمانوں

جیسا سلوک ہرگز نہ کیا جائے ان کے اسلامی ناموں سے فریب نہ دکھایا جائے بلکہ ان سے دو ٹوک انداز میں بات کی جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرنے والے اسلام کے دشمن ہیں۔ ہم ان سے موالات کا معاملہ نہیں کر سکتے اور عوام مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ مرزائی دین قادیانی شریعت قرآن و حدیث اور اجماع امت کے متفقہ فیصلہ سے انحراف و بغاوت ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مدعی نبوت کو تسلیم کرنا اسے مصلح یا مجدد دین ماننا اسلام کے دامن کو چھوڑنا ہے

اسلام کے مقابلہ میں مرزائی نظریات |
مرزائیوں نے اسلام کے مقابلہ میں
جن نظریات کو مذہبی حیثیت سے
تسلیم کیا ہے ان کی تعداد بہت ہے۔ بطور تمثیل ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ اسلامی شریعت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے۔

- ۲۔ اسلامی شریعت میں حضور کی شریعت مدارِ نجات ہے مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کی تعلیم پر عمل کئے بغیر نجات نہیں۔
- ۳۔ اسلامی شریعت میں کسی نبی کی پیشین گوئی جھوٹ نہیں نکلتی مگر مرزائی نظریہ میں حضرت عیسیٰؑ کی تین پیشین گوئیاں صاف جھوٹ نکلیں اور مرزا صاحب کی کئی پیشین گوئیاں جھوٹ نکلیں۔
- ۴۔ اسلامی شریعت میں وحی آنے کا سلسلہ بند ہے مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب پر وحی نبوت بارش کی طرح اترتی تھی
- ۵۔ اسلامی شریعت میں معجزات بھی اب کسی سے ظاہر نہیں ہوں گے۔ مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کے معجزات ہزاروں لاکھوں ہیں۔
- ۶۔ اسلامی شریعت میں جہاد کا حکم ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتا۔ مگر مرزائی نظریہ میں جہاد کا حکم خراب تھا۔ مرزا صاحب نے منسوخ کر دیا۔
- ۷۔ اسلامی شریعت میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب اتریں گے۔ مگر مرزائی نظریہ میں حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے اور ان کے مرزا عیسیٰ موجود ہیں۔
- ۸۔ اسلامی شریعت میں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت یاتی من بعدی اسعد احمد کا مصداق حضرت محمد مصطفیٰؐ احمد مہتے ہیں۔ مگر مرزائی نظریہ میں اس آیت کا مصداق مرزا غلام احمد ہیں۔
- ۹۔ مسلمانوں کا اجماعی فیصلہ ہے کہ قرآن و حدیث کا جو مطلب صحابہ کرام اور اسلاف نے سمجھا وہی حق ہے۔ مرزائی نظریہ میں قرآن و حدیث کا مطلب مرزا مٹا کی عقل فہم کے تابع ہے۔
- ۱۰۔ مسلمانوں کے نزدیک دجال، مہدی، یا جوج و ماجوج کا جو مطلب علماء نے لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ مرزائی نظریہ میں ان الفاظ کے مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔
(حوالہ جات کیلئے دیکھئے ہدایۃ المرئی۔ مولفہ مولانا عبد الغنیؒ)

مرزا غلام احمد کی ناپاک جسارت تحریف قرآن

از۔ مولانا شمیم احمد لکھنوی پوری (کتبخانہ دارالعلوم دیوبند)
قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر
نازل ہوئی چونکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب بندوں کی ہدایت کیلئے
کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اور نہ کوئی جدید آسمانی کتاب نازل ہوگی اس لئے اللہ تعالیٰ
نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ تاکہ قیامت تک کے لئے بندوں کے پاس
ایک کتاب ہدایت موجود رہے

خدائی حفاظت کے باوجود ہر دور میں باطل پرستوں نے قرآن کو اپنی سبھا تحریفاً
کا نشانہ بنانے کی مہم شروع کی ہے اور اس روشن کتاب پر اپنی ظلمت خیز تبلیغات
کا پردہ ڈالنے کی قبیح سعی کی ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی کسی سے پیچھے نہیں
ہے ذیل میں اس کی تحریفات کے نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اصل الفاظ کو بدل کر کچھ اور لکھ دینا (لغات فیروز) یا
تحریف کے معنی اور مطلب کو بدل دینا (المعجم عربی اردو) قول کو اس کے معنی

سے پھیر دینا (مصباح اللغات)

تحریف کی اقسام فرقہ احمدیہ یا خود مرزا صاحب نے قرآن پاک میں جن جگہوں پر ایسی

حرفتیں کی ہیں وہ تین طرح کی ہیں۔ اول لفظی تحریف، یعنی قرآن پاک کے الفاظ میں یا تو کمی بکری یا پھر زیادتی کر دی۔ دوم معنوی تحریف۔ یعنی قرآن پاک کا ترجمہ کرتے وقت اس فرقہ نے بالارادہ اصلی ترجمہ اور معنی نہیں کئے بلکہ اس سے ہٹ کر دوسرا ترجمہ کر دیا سوئم۔ منصبی یا مرادی تحریف۔ یعنی جو آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوتی ہیں۔ ان کو یا تو اپنے اوپر منطبق کیا گیا ہے یا کسی غیر کے اوپر یا جو آیات خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کی شان میں نازل کی گئی ہیں انھیں کسی اور جگہ چسپاں کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی یہ تحریفات خواہ لفظی ہوں یا معنوی یا مرادی بہر حال ایک جرم عظیم کا ارتکاب ہے ایسا کرنے والا آخرت میں عذاب الیم کا مستحق ہوگا۔

تحریف لفظی کے چند نمونے

(۱) قرآن پاک کی اہل آیت — وما ارسلنا... من قبلك من رسول ولا
 نبی الا اذا اتممتی القی الشیطان فی امنیتہ ۵ پارہ ۷ سورۃ حج۔ اس کا مفہوم
 یہ ہے اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو شیطان کے اغوار سے آپ سے مجادہ کرتے
 ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا
 جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے اللہ کے احکام میں سے (کچھ پڑھا تب
 ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ (اور اعتراض) ڈالا
 (اور کفار ان ہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادہ کیا کرتے)
 معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۶۷۔ اس آیت میں۔ من قبلك سے یہ بات واضح ہو
 جاتی ہے کہ لوگوں کا آپ سے مجادلہ بوجہ اغوار شیطان آپ سے قبل ہی ہو چکا ہے
 آپ کے بعد اس امر کا وقوع اس لئے ممکن نہیں کہ اب رسالت ختم ہو چکی ہو اور آپ
 بعد ہی اس کا امکان رہتا تو یہ مذکورہ آیت اس طرح ہونی چاہئے تھی کہ جس سے

قبل اور بعد دونوں میں اس مجادلہ کا وقوع ثابت ہو سکتا جیسا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے لئے اس کا راستہ مسدود ہونے نہیں دیا۔ اس لئے من قبلہ کو حذف کر دیا۔
تحریف شدہ آیت۔ وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمثی الخ۔

حاشیہ ازالہ ابوام جلد اول صفحہ ۲۵۷

۲۵۷۔ قرآن پاک کی اصل آیت۔ وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
نپا سوره توبہ۔ اس سے پہلے قرآن میں جہاد کا بیان چل رہا ہے۔ باری تعالیٰ کا حکم ہے نکلو لٹکے اور بوجھل اور اشدھی کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اس آیت میں حق تعالیٰ نے صیغہ امر کا استعمال کیا ہے اور امر و حجب پر ولالت کرتا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ جہاد کی فرضیت اور وجوب کا حکم دیا گیا ہے مگر مزاجی تو جہاد کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے۔ انگریزوں کے ایسار پر وہ کتابوں سے جہاد کا باب ختم کر چکے تھے۔ بھلا کس طرح گوارا کرتے اس لئے اس آیت میں صیغہ امر کے بجائے صیغہ مضارع ان یجاہدوا استعمال کیا۔ اور مخاطب کی ضمیروں کے بجائے اس مضارع کی ضمیر کی مطابقت کی وجہ سے کفر کی جگہ غائب کی ضمیر ہوا استعمال کی اور فی سبیل اللہ کو آخر سے اٹھا کر ان یجاہدوا کے بعد رکھ دیا تاکہ وجوبیت و فرضیت ثابت نہ ہو سکے۔

تحریف شدہ آیت۔ ان یجاہدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم
جنگ مقدس صفحہ ۱۹۱۔ ۵ جون ۱۸۵۷ء بحوالہ قادیانی نمبر۔

۱۹۱۔ اصل آیت قرآن۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہہ لیلہم ذوالجلال والاکرام۔ جب سورہ بقرہ میں۔ خداوند قدوس نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ تم کو ان کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور کفر و معصیت سے ناشکری نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس عالم کے فنا کے بعد ایک دوسرا عالم آنے والا ہے جہاں کو سنو اور دیکھو

چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے اندر ارشاد ہے کہ تجھے (جن دانس) روئے زمین پر موجود میں سب فنا ہو جائیں گے اور (مصرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت (دالی) اور (باجود عظمت کے) احسان دالی ہے باقی رہ جائے گی۔

تحریر شدہ آیت - کل شیئ فان ویبق وجہ ربک والجلالی و
الاکرام۔ ازالہ اوہام مسئلہ - یہ دو آیتیں تھیں پہلے تو ان کو ایک کر دیا اور من
عینہا کو حذف کر کے لفظ "شیئ" کو بڑھا دیا۔ ممکن ہے مرزا کے ذہن میں یہ بات
ری ہو کہ شیئی کے تحت دنیا کی ہر چیز داخل ہے اس لئے حضرت عیسیٰ بھی داخل
ہو گئے۔ جس سے ان کی موت و فنا کا استدلال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خود مرزا
اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی موت ہوئی اور وہ زندہ نہیں ان کے نزول
کے سلسلہ میں حودارو ہوا ہے وہ مثل سیح ہوگا۔ چنانچہ وہ میں ہی ہوں۔

العیاذ باللہ -

۱۔ مرزا کا چونکہ دعویٰ ہے کہ میں (مرزا غلام احمد) سیح موعود ہوں۔ اس لئے
اس دعویٰ کے اثبات میں نہ جانے انہوں نے کتنے جن کر ڈالے۔ حضرت عیسیٰ
کے بارے میں آتا ہے کہ دمشق میں نزول ہوگا۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں مرزا کا بھی
قول ملاحظہ فرمائیے مگر دمشق میں تو کوئی عربی کی بات نہیں جس کی وجہ سے
تمام ائمہ متبرکہ کو چھوڑ کر نزول کہتے صرف دمشق کو مخصوص کیا جائے اس جگہ
بلاشبہ استعارہ کے طور پر کوئی مراد ہی معنی تھی یہاں بیخاطر نہیں کہتے تھے اور یہ
عاجز اس کی تھیش کی طرف توجہ نہیں ہوا تھا کہ وہ معنی کیا ہیں اسی لئے امام حکیم
نور الدین صاحب قادیان تشریف لائے اور انہوں نے مجھے کہا ایسے عربوں
میں ان کے اکتشاف کیلئے جناب الہی میں توجہ کیجئے لیکن میں وہاں کی
طبیعت میں پلور دماغ ناقابلِ بردہر تھا اس لئے میں ان تمام کاموں کی

طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا پھر تھوڑی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح
یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پر کھولی گئی،

(حاشیہ از اللہ اوہام اول صفحہ ۶۵)

اس کے بعد کئی صفحات میں اپنی عقل کے اعتبار سے بڑی اچھوتی تحقیق کرتے
ہوئے فرماتے ہیں کہ دمشق جو نزول مسیح کی جگہ ہے اور احادیث و غیرہ میں جو لفظ
دمشق استعمال کیا گیا ہے وہ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، "مرزا جی
تے اپنے سارے علم کو اس بات کے ثابت کرنے پر صرف کر دیا کہ دمشق سے مراد وہ
مخصوص جگہ نہیں بلکہ اس کی خصوصیات کی حامل جگہ مراد ہے۔ چنانچہ ان خصوصیات
کا حامل قادیان ہے۔ آگے چل کر اسی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ پر لکھ ہی دیا کہ
یہ بھی مدت سے الہام ہو چکا ہے۔ انا انزلناہ قریباً من القادیان و
بالحق انزلناہ وبالحق نزل وکان وعد اللہ مفعولاً۔ یہ آیت براہین احمد
میں بھی ہے۔ حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۹۸۔ یعنی ہم نے اس کو قادیان کے قریب
اتارا ہے اور سجائی کے ساتھ اٹھا اور ایک دن وعدہ اللہ کا پورا ہونا تھا، اس
الہام پر نظر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس
عاجز کا ظاہر ہونا الہامی نوحیوں میں بطور پیشگوئی پہلے لکھا گیا تھا۔ پھر آگے ملا
پر اپنی بات کی مزید توثیق کر کے ایک اور کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں فرماتے
میں "جس روز وہ الہام مذکور جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا
اس روز کسفی طور پر میں نے دیکھا میرے بھائی غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر
تاواز بلند قرآن پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انھوں نے ان فقرات کو پڑھا
انا انزلناہ قریباً من القادیان۔ تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان
کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ تب انھوں نے کہا یہ دیکھو تب میں نے

نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔
العیاذ باللہ

۵۔ اصل آیت — ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم،
(پہلی سورہ مجسر)

تحریف شدہ آیت — انا آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم
ولقد کو حذف کر دیا۔ قرآن کے "ن" پر زبر اور اسی طرح العظیم کے "م"
پر بھی زبر ہے مگر مرزا کی کتاب میں زیر موجود ہے۔ براہین احمدیہ حاشیہ ص ۴۸۵
۵۔ اصل آیت — المر یعلموا انہ من ینادد اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم
خالداً فیہا وذلك الخزی العظیم (پہلی سورہ توبہ)

تحریف شدہ آیت — المر یعلموا انہ من ینادد اللہ ورسولہ یدخلہ
ناراً خالداً فیہا ذلك الخزی العظیم — مرزا نے یدخلہ کا اضافہ کیا
اور فان لہ اور جہنم کو حذف کر دیا۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۔

۶۔ اصل آیت — یا ایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم
فرقانا ویکفر عنکم سنیاتکم ویغض لکم واللہ ذو الفضل العظیم (پہلی
سورہ انفال)۔

محرّف آیت — یا ایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویکفر
عنکم سنیاتکم ویجعل لکم نوراً تمشرون بہ سنیاتکم کے بعد مرزا نے لفظ لیا
اور یغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم کو ختم کر دیا (ترجمہ الوسوس رکاب الیوم)

۷۔ اصل آیت — وما ارسلنا من قبلك من رسول الا وھی الیمینۃ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

تحریر شدہ آیت - وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا
مَحَلَّةٍ إِلَّا إِذَا تَمَتَّقَ النَّاسَ لِلشَّيْطَانِ فِي أَمْنِهِمْ فَنَسَخَ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ
تَعْرِيفِكُمْ اللَّهُ أَيَاتِهِ اِمْلِ آیت میں رسول تک تحریر کی آگے اپنی جانب سے مکمل
عبارت بڑھادی اور محدث کا لفظ جو قرآن میں ہے یہاں نہیں داخل کر دیا۔ یہاں
ڈھونگ مرزانے اس لئے رچایا کہ اپنے کو محدث اور معلم من امت ثابت کر
دکھائیں (براہین احمدیہ باب اول حاشیہ در حاشیہ ص ۱۸۷)

معنوی تحریر کی چند مثالیں

مرزائیوں نے معنوی تحریر بھی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مرزا بشیر الدین
محمود نے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے جس میں ارادہ معنوی تحریر کی ہے۔

عَلَىٰ غَيْرِ الْمُعْتَصِبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے معنی میں تحریر کرتے ہوئے اس طرح
ترجمہ کیا ہے۔ جن پر نہ تو بعد میں تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ وہ بعد میں گمراہ
ہیں (بحوالہ قادیانی نمبر قومی ڈائجسٹ پاکستان) حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ نہ لگا
ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہو گئے۔

عَلَىٰ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ذَوَاتِ الْأَخْرُوفِ هُمْ
يُكْفَرُونَ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور جو تجھ پر نازل کیا گیا یا جو تجھ سے پہلے
نازل کیا گیا یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ
ہونے والی معجزاتوں پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ (بحوالہ قادیانی نمبر قومی ڈائجسٹ
ترجمہ یہ ہے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں آپ پر جو نازل ہوا اور جو تجھ سے پہلے
نازل ہوا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔"

۳۔ اٰھلنا النہر اٰلہ المستقیم صواظ الذین انعمت علیہم کاتر جبروتہ
ہرے مرزا جی فرماتے ہیں "اے میرے خداداد رُحمن دریم ہمیں ایسی ہدایت بخش
کہ آدم صغی اللہ کے مثیل ہو جائیں شیت نبی اللہ کے مثیل بن جائیں حضرت نوح
آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں الخ ازالہ اوہام جلد ۱ ص ۲۵۶۔ اور جلد ۲ ص ۵۲۹
میں رقمطراز ہیں "اس دُعا کا حاصل کیا ہے یہ تو ہے کہ ہمیں اے ہمارے خدائے
اور رسولوں کا مثیل بنا۔

۴۔ یا عیسیٰ الی متوفیک و دافعک یا بل رفعہ اللہ الیہ میں مرزا کہتے
ہیں رفع سے مراد ان کی روح ہے نہ کہ جسم اور یہ ہر نومن کیلئے ضروری ہے۔
ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا خیال دل میں لانا سراسر جہل ہے۔ ازالہ اوہام
جلد ۱ ص ۲۶۶۔ دوسری جگہ مزید اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
قرآن میں تیسس کے قریب ایسی شہادتیں ہیں جو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے پر دلالت
تین کر رہی ہیں غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا۔ اور
اسی جسم کے ساتھ اترے گا۔ نہایت لغو اور بے اصل بات ہے۔
ازالہ اوہام جلد ۱ ص ۳۱۳

۵۔ انا انزلنا فی لیلۃ القدر۔ فرماتے ہیں کہ اس کے صرف یہی معنی نہیں
کہ ایک بابرکت رات ہے جس میں قرآن شریف اتر آیا بلکہ باوجود ان معنوں کے
اس آیت کے لفظ میں دوسرے معنی بھی ہیں جو رسالہ فتح الاسلام میں درج کئے
گئے ہیں۔ (ازالہ اوہام جلد ۱ ص ۳۱۳)

۶۔ یضلی بہ کثیرا و یرصدی بہ کثیرا۔ فرماتے ہیں کہ اکثر پیشگوئیاں
اس آیت کا مصداق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ ظاہر پرست لوگ امتحان میں
پڑکن پیشگوئی کے ٹھہر کے وقت دھوکہ کھا جاتے ہیں اور زیادہ تر ناکارہ گویا

اور حقیقت مقصودہ سے بے نصیب رہنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو بیچا پتے ہیں کہ حروف پیش گوئی کا ظاہری طور پر جیسا کہ سمجھا گیا پورا ہو جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ (ازالۃ اوہام جلد اول ص ۱۱۱)

۱۱۱۔ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم الا یہ۔ یعنی ان لوگوں کو کہہ کہ اے میرے بندو خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ خاتمہ تمام گناہ بخش دے گا۔ بعد ترجمہ مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ اب دیکھو! یا عباد اللہ کی جگہ یا عبادی کہہ دیا گیا۔ حالانکہ لوگ خدا کے بندے ہیں نہ آنحضرتؐ کے مگر یہ استعارہ کے رنگ میں بولا گیا ہے۔ اس میں تمام مخلوق کو رسول اللہؐ کا بندہ قرار دیا گیا ہے۔ حقیقۃ الوحی ص ۶۴۔

تحریف منبسی کی چند جھلکیاں

۱۱۲۔ و مریم ابنت عمران التي احصنت فرجها فنفضنا فیہ من روحنا پٹا، سورۃ تحریم۔ ترجمہ اور دوسری مثال اس آیت کے افراد کی مریم عمران کی بیٹی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ تب ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی قدرت سے روح پھونک دی یعنی عیسیٰؑ کی روح۔ اب خوب غور کر کے دیکھ لو۔ اور دنیا میں تلاش کر لو کہ قرآن شریف کی اس آیت کا بجز میرے کوئی دنیا میں مصداق نہیں۔ پس یہ پیش گوئی سورۃ تحریم میں خاص میرے لئے ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۲)

۱۱۳۔ انا اعطیناک الکوثر۔ اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ ہم نے کثرت سے تجھے دیا۔

۱۱۴۔ کس انھا لمن المرسلین ۱۱۴ حقیقۃ الوحی ص ۱۱۳۔

۱۴۲
 ۱۴۱
 ۱۴۰
 ۱۳۹
 ۱۳۸
 ۱۳۷
 ۱۳۶
 ۱۳۵
 ۱۳۴
 ۱۳۳
 ۱۳۲
 ۱۳۱
 ۱۳۰
 ۱۲۹
 ۱۲۸
 ۱۲۷
 ۱۲۶
 ۱۲۵
 ۱۲۴
 ۱۲۳
 ۱۲۲
 ۱۲۱
 ۱۲۰
 ۱۱۹
 ۱۱۸
 ۱۱۷
 ۱۱۶
 ۱۱۵
 ۱۱۴
 ۱۱۳
 ۱۱۲
 ۱۱۱
 ۱۱۰
 ۱۰۹
 ۱۰۸
 ۱۰۷
 ۱۰۶
 ۱۰۵
 ۱۰۴
 ۱۰۳
 ۱۰۲
 ۱۰۱
 ۱۰۰
 ۹۹
 ۹۸
 ۹۷
 ۹۶
 ۹۵
 ۹۴
 ۹۳
 ۹۲
 ۹۱
 ۹۰
 ۸۹
 ۸۸
 ۸۷
 ۸۶
 ۸۵
 ۸۴
 ۸۳
 ۸۲
 ۸۱
 ۸۰
 ۷۹
 ۷۸
 ۷۷
 ۷۶
 ۷۵
 ۷۴
 ۷۳
 ۷۲
 ۷۱
 ۷۰
 ۶۹
 ۶۸
 ۶۷
 ۶۶
 ۶۵
 ۶۴
 ۶۳
 ۶۲
 ۶۱
 ۶۰
 ۵۹
 ۵۸
 ۵۷
 ۵۶
 ۵۵
 ۵۴
 ۵۳
 ۵۲
 ۵۱
 ۵۰
 ۴۹
 ۴۸
 ۴۷
 ۴۶
 ۴۵
 ۴۴
 ۴۳
 ۴۲
 ۴۱
 ۴۰
 ۳۹
 ۳۸
 ۳۷
 ۳۶
 ۳۵
 ۳۴
 ۳۳
 ۳۲
 ۳۱
 ۳۰
 ۲۹
 ۲۸
 ۲۷
 ۲۶
 ۲۵
 ۲۴
 ۲۳
 ۲۲
 ۲۱
 ۲۰
 ۱۹
 ۱۸
 ۱۷
 ۱۶
 ۱۵
 ۱۴
 ۱۳
 ۱۲
 ۱۱
 ۱۰
 ۹
 ۸
 ۷
 ۶
 ۵
 ۴
 ۳
 ۲
 ۱
 ۰
 ۱
 ۲
 ۳
 ۴
 ۵
 ۶
 ۷
 ۸
 ۹
 ۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

ان بیعتک مقاماً محموداً، ایضاً ص ۸۷
 مندرج بالا چھ آیتیں مرزا نے اپنے اوپر منہم ثابت کی ہیں اور جہاں
 حقیقۃ الوحی میں الہامات درج کئے ہیں وہیں ان کو کبھی درج کیا ہے۔ ایسی نہ معلوم
 کتنی تحریفات ہیں جن کو مرزا نے بڑی دلیری کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اور اسی پر
 بس نہیں کی بلکہ کلمہ اور درود پاک میں بھی دست درازی کی ہے۔

اصل کلمہ جس کو مسلمان پڑھتے اور جس پر ایمان
 ہے وہ یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسولہ

تحریف کلمہ اور درود شریف

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ مگر اس کلمہ کی
 بھی اس نے تحریف کر ڈالی اور "محمد کی جگہ" احمد" رکھ دیا جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے
 سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور احمد (مرزا غلام احمد) اللہ کے رسول ہیں (جو ہر قوم پر ایمان ہے)
 اسی طرح درود پاک میں بھی اس تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اصل درود جو اہل سنت و
 الجماعت کے عقیدہ کی رو سے درست ہے وہ یہ ہے۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد
 کما صلیت علی ابیہم وعلی ابراہیم الذہب الذہب۔ اللہم بارک لہم فی ما رزقتہم
 یہ کیا کہ جہاں فقط "محمد" آیا ہے وہاں اس کے آگے فقط "احمد" کا بھی اضافہ کر دیا ہے
 (دیکھو قادیانی نمبر پاکستان)

یہ ہیں مرزائیوں کے ناقابل معافی جرائم جن سے امت مسلمہ کو ایک نر دروست مقابلہ کا
 سامنا ہے اس کے برعکس وہی ہیں ایک طرف تو ایمان کو تسمت نزل ہونے سے محفوظ رکھا ہے
 دوسری طرف اللہ کے رسول کو لڑا رکھتے ہوئے خدا کی وحدانیت کے ساتھ قرآن مجید میں نہیں ہوا
 اور آخری کتاب کی دل و جان سے حفاظت کرنی ہے۔ (انشاء اللہ تم)

قادیانی

مولانا نظام الدین اسٹیوڈنٹ

۱۸۳۵ء میں ایک منحوس ساعت آئی جب پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک شخص پیدا ہوا اور اس نے انگریزی حکومت کے زیر سایہ اور اس کی تلواروں کی حفاظت میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، چونکہ یہ حکومت کا خود کاشت پودا تھا اور انگریزوں کا نیتراقبال عروج پر تھا۔ اس لئے ہندوستان کی آب و ہوا اس کے پنیچے اور بڑھنے کے لئے سازگار ثابت ہوئی۔ اس خود ساختہ نبی کا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ جو پنجاب کے ایک مقام قادیان میں ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۵ء کے آس پاس نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ اور اس کے بڑے بھائی کا نام مرزا غلام قادر تھا جو انگریزی حکومت کی طرف سے ضلع گورداسپور کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اس خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی انگریزی حکومت کے ملازم تھے، مرزا غلام احمد نے پہلے سیخ اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ مرکز قادیان سے مرزا غلام احمد کی جو سوانح حیات شائع ہوئی ہے سوانح نگار نے اس میں اس کے دعویٰ سمیت کے سلسلے میں لکھا ہے۔

جب آپ کی عمر پالیس سال کی ہوئی تو آپ کو الہام ہوا کہ تم میرا پیغمبر

ہو گے جو میں نے آسمانوں سے بھیجا ہے اور تم میرا پیغمبر

آپ کو ہوا تو آپ نے ایک مدت تک اس کو ظاہر پر محمول کیا۔ لیکن
بار بار الہام ہونے کے بعد آپ نے اپنے مسیح و مہدی ہونیکا اعلان
کیا۔

چالیس سال کی عمر میں آپ کا پہلا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا تھا اور اسی کی
تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔ جب اس کے حلقہ بگوشوں کی تعداد پانچ، چھ سے زائد
ہو گئی تو اس نے ایک اور جھلانگ لگائی اور زناح نبوت زین مہر کر کے منصب
رسالت کی کرسی زریں پر متمکن ہو گیا۔ دعویٰ مسیحیت کے کئی سال بعد اس نے
ایک کتاب لکھی اس میں اس نے غیر مبہم لفظوں میں لکھا۔

”خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین

حق اور تہذیب و اخلاق کے ساتھ بھیجا ہے

اب اس نے مسرحتاً اپنے نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا، اس سلسلہ میں اس
کی سوانح عمری کے مرتب نے مزید تفصیلات مہتیا کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

”حضور کا وہ مکتوب جو آخری مکتوب کہلاتا ہے اور جو ۲۶ مئی ۱۹۰۱ء
کے اخبار عالم لاہور میں شائع ہوا ہے، جس کی عبارت یہ ہے، جس پر
میں اپنے ہمیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی
ہمکلامی سے مشرف ہوں، وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے
اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر
ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے اوپر کھولتا ہے۔
چنانچہ کہ انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہیں ہو۔“

لے سیرت و سوانح مرزا غلام احمد، شائع کردہ مرکز قادیان ص ۹۔

۱۹۰۱ء میں مصنف مرزا غلام احمد قادیانی ص ۳۴

دوسرے پردہ اسرار نہیں کھولنا اور انہیں امور کی کثرت کی کیوجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے مطابق نبی ہوں، لے

مرزا غلام احمد جب نبی بن گیا۔ تو اس کے پاس وحی بھی آئی چاہئے وہ شیطان ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو، اس لئے اس پر وحی آتی اور مسلسل آتی رہی۔ اس پر جب وحی آتی تھی تو اس کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ اس کی منظر کشی اسی کے الفاظ میں سنئے،

وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع، میں روز دیکھتا ہوں جب مکالمہ و مخاطبہ کا وقت آتا ہے تو اول دل پر ایک رلودگی طاری ہو جاتی ہے۔ تب میں ایک تبدیل یافتہ کے مانند ہوجاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور میسر ہوش گوبگفتن باقی ہوتے ہیں۔ مگر اس وقت میں یوں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقہ نے میرے تمام وجود کو اپنی ہستی میں لے لیا ہے اور میں اس وقت محسوس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں ہے بلکہ اس کا ہے، جب یہ حالت ہوجاتی ہے تو سب سے پہلے خدا تعالیٰ دل کے ان خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جن پر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اس کو منظور ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال دل کے سامنے آیا تو جھٹ اس پر ایک ٹکڑا کلام الہی کا شعاع کی طرح گرتا ہے اور بسا اوقات اس کے گرنے کے ساتھ ہی تمام بدن ہل جاتا ہے لے

مرزا صاحب مہدی سے نبی تک ترقی کر گئے اور الہام سے وحی تک پہنچ گئے اور

۱۔ عقائد احمدیت شائع کردہ انجمن احمدیہ قادیان ص ۹۸، ۹۷۔

۲۔ عقائد احمدیت شائع کردہ انجمن احمدیہ قادیان ص ۱۱۳، ۱۱۵،

اور ان کے حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو انھوں نے اور بھی ہاتھ پاؤں نکالے، اب تک اپنے کو مسلمان بھی کہتے تھے اور مسلمانوں کے سوا داعظم کے عقائد پر قائم رہنے کا بھی اعلان کرتے رہتے تھے لیکن جب نبی بن کر اپنی شریعت خاص کا اجرا کیا تو اپنے متبعین کے سوا سارے مسلمانوں کے خارج از ایمان ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ

• جو لوگ میری تکذیب کریں گے اُن کو اَلْحَمْدُ سے وَالنَّاسُ تک پورا

قرآن چھوڑنا پڑے گا، پھر سوچو کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے؟ یہ میں از خود نہیں کہتا، خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھ کو چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا۔ گوزبان سے نہ سہی مگر اپنے عمل سے اس نے پورے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔ اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے۔ اَنْتَ مِثِّيْ وَاَنَا مِنْكَ بیشک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے، پھر میری تکذیب

میری تکذیب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے سہ

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی مسیلمہ کذاب کی طرح ایک مدعی نبوت ہے اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے اس کو انکار ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ناروا اور نابالغ الزامات لگائے ہیں۔ اس لئے قادیانیت ایک فرقہ نہیں۔ شدید ترین اسلام دشمن ایک مستقل مذہب ہے، اس کی بنیاد ہی اسلام دشمنی پر پڑی ہے۔ اس کی براہ راست زو اسلام پر پڑتی ہے، کیونکہ وہ قرآن و حدیث پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے۔ اور تمام مذہبی اصطلاحات کو اپنے فرقہ میں استعمال کرتا ہے جو خاص اسلامی

اصطلاحیں ہیں، اس لئے غیر مسلم اقوام کو تو اپنے مذہب میں لانے میں ناکام ہے
 البتہ مسلمانوں کو مرتد بنانا اس کا اصل مشن ہے، وہ مسلمان گھرانے میں پیدا
 ہوا، اسلامی نام پایا، اس لئے اس کے دعویٰ نبوت کا عذاب مسلمانوں کو بھگتنا
 پڑ رہا ہے، چونکہ مرزا غلام احمد نے پہلے ہی مرحلہ پر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس لئے
 مسلمان حلقوں میں اس کی بات سنی جاتی تھی، پنجاب ہمیشہ سے جاہل اور جعلی پیروں
 کی جولانگاہ رہا ہے۔ اس لئے بتدریج اس کی پھیلائی ہوئی ضلالت و گمراہی کا
 دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ جب اس کے گرد و پیش کچھ افراد جمع ہو گئے تو وہ اپنے اصل
 رنگ میں ظاہر ہوا اور پُر پُر زے نکالے اور اپنے عقائد کا اعلان کیا تب لوگوں کی
 آنکھیں کھلیں تب تک رستا ہوا پانی سیلاب بن چکا تھا اور جب ۱۹۰۱ء میں اسکا
 انتقال ہوتا ہے تو اس وقت تک قادیانیت ایک طاقتور مذہب کی شکل اختیار
 کر چکی تھی۔

آج یہ فرقہ دنیا کا مالدار ترین فرقہ ہے، اس کے دو مرکزی دفاتر ہیں۔
 ایک ہندوستان کے شہر قادیان میں ہے، یہیں سے اس کے اشاعتی لٹریچر تیار
 کر کے پورے ملک میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں اور ایک ہفتہ وار اخبار
 "بد بے" نام سے نکلتا ہے۔ اس مرکز کے ماتحت کئی درجن باتخواہ مشینری پورے
 ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔
 ان کا دوسرا مرکزی دفتر پاکستان میں جینوٹ کے قریب اپنے آبلو کردہ شہر
 "زیوہ" میں ہے، اس دفتر سے عالمی پیمانے پر قادیانیت کی نشر و اشاعت کے
 پروگرام بنائے جاتے ہیں۔ یہیں کی تربیت گاہ سے نکلے ہوئے قادیانی دنیا کے
 مختلف ملکوں میں جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کا فرض انجام دیتے ہیں وہاں
 ان کے بہت سے مدارس اور کالج ہیں۔ ان میں سب سے اہم احمدیہ مشنری کالج

ہے۔ جس میں قادیانیت کے مشنری تیار کئے جاتے ہیں، قادیان اور ربوہ دونوں مرکزی دفاتر کا سالانہ بجٹ گیارہ کروڑ روپے سے زیادہ ہے۔

یہی دونوں مرکز اپنے عالمی مشنریوں کو منظم کرتے ہیں، ہدایات دیتے ہیں، ان کے دفاتر کا بجٹ پورا کرتے ہیں، ایک سو سے زائد مرکزی مشنری ہیں اور ۱۶۴ لوکل مشنری کام کرتے ہیں اس طرح ۲۶۴ پر جوش، با اختیار، مالیات کی فراہمی سے بے نیاز داعی اور مشنری عالمی پیمانے پر تبلیغ قادیانیت کے نظام کو پوری قوت سے چلا رہے ہیں، یہ طریقہ انہوں نے عیسائی مشنریوں سے لیا ہے اور ٹھیک اسی پہنچ پر وہ کام کرتے ہیں، ان کے نظام تبلیغ و اشاعت مذہب کی وسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے کیا جاسکتا ہے امریکہ کی چار ریاستوں میں ۹ مشن کام کرتے ہیں ان کی ۴ مسجدیں ہیں اور تین مدرسے، پانچ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں کنیڈا، انگلینڈ، ہالینڈ، سوئزر لینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، بلجیم، اسپین اور اٹلی میں ان کے ۲۴ مشن ۱۳۰ مسجدیں ۲ مدرسے ہیں اور ۹ رسائل اور اخبارات جاری ہیں، مشرق وسطیٰ میں فلسطین، شام، لبنان، اردن، مصر، کویت، بحرین، مسقط، دبئی اور اردن میں ۱۰ مشن چار مسجدیں اور ایک مدرسہ ہے اور ایک رسالۃ البشریٰ عربی زبان میں شائع ہوتا ہے، مشرق افریقہ میں کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، زامبیا میں ۲۶ مشن ۹ مسجدیں ۵ مدرسے ہیں اور ۵ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں، سب سے زیادہ کامیابی ان کو مغربی افریقہ میں ملی ہے وہاں نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، گیمبیا، آئیوری کوسٹ، لائیسیا، ٹوگو لینڈ، نائیجیر، مینین اور صومالیہ میں ۲۳۷ مشن ۲۶۹ مسجدیں ۱۵۲ مدارس اور ۲۵ ہسپتال ہیں اور ۱۱ اخبارات و رسائل شائع کئے جاتے ہیں، ممالک بحر ہندیا

۱۔ سہرہ و سوانح مرزا غلام احمد قادیانی ص ۶۰۔ خانہ کردہ مرکز قادیان

ملیشیا، لنکا، یرا میں ۷ مشن ۱۳ مسجدیں اور ایک مدرسہ ہے۔ ۳ اخبارات و رسائل جاری ہیں، مشرق بعید میں انڈونیشیا، ملیشیا، فجی آئی لینڈ، جاپان، فلپائن، جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن میں ۳ مشن ۱۲ مسجدیں اور ۵ مدرسے ہیں، ۱۶ اخبارات و رسائل ہیں، مشرق بعید میں سب سے زیادہ کامیابی ان کو انڈونیشیا میں حاصل ہوئی جو ایک مسلم ملک کہا جاتا ہے۔ صرف انڈونیشیا میں ۳ مشن معروف کار ہیں اور ۱۱۵ مسجدیں اس کے مختلف شہروں میں موجود ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قادیانیت کی تبلیغ میں کتنی منظم اور کتنی بڑی فوج لگی ہوئی ہے اور یہ ساری فوج صرف امت محمدیہ پر حملہ آور ہے اور اس کی مدافعت میں کوئی منظم جماعت ہماری نگاہوں میں نہیں ہے۔ ان کی سب سے بڑی کاری ضرب اسلام پر ان کے ترجمہ قرآن سے پڑتی ہے۔ وہ اپنی تائید میں مسلمانوں کی کتاب قرآن کو استعمال کرتے ہیں، اس کا دنیا کی تمام اہم ترین زبانوں میں ترجمہ کرتے ہیں اور ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرتے ہیں۔ تمام مترجمین قادیانی ہیں، انھوں نے ترجمہ میں کیا کیا بددیانتیاں کی ہوں گی۔ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ان تراجم کو اتنے بڑے پیمانے پر تمام ممالک میں پھیلا چکے ہیں۔ جن کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔

قرآن کے انگریزی ترجمہ کے متعدد ایڈیشن کئی لاکھ کی تعداد میں وہ شائع کر چکے ہیں۔ انگریزی زبان میں پانچ جلدوں میں ایک تفسیر بھی شائع کی ہے جو ۳۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس تفسیر کا خلاصہ بھی انگریزی میں شائع کر دیا گیا ہے جو ۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہالینڈ کی ڈپچ زبان میں قرآن کے ترجمے کے تین ایڈیشن اب تک وہ شائع کر چکے ہیں، جرمنی ترجمے کے تین ایڈیشن مشرقی افریقہ میں کینیا کی سواحیلی زبان میں ترجمہ قرآن کے بھی تین ایڈیشن یعنی تین ہزار

نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ نائیجریا کی زبان یورو با میں قرآن کا ترجمہ کیا گیا، اس کے بھی تین ایڈیشن نکل چکے ہیں، ڈنمارک کی زبان ڈینش میں ترجمہ کر کے اس کو دس ہزار کی تعداد میں طبع کر کے تقسیم کیا گیا، یوگنڈا کی زبان یوگنڈی، یورپ کی جدید زبان اسپرٹو میں انڈونیشیا کی انڈونیشین میں، فرانس کی زبان فرینچ میں، روسی، اٹالین، سپینش، پرتگالی اور بنگلہ زبان میں قرآن کے ترجمے کرائے گئے ہیں۔ مشرقی افریقہ کی بعض دوسری زبانوں کیکیویو، لوڈو، کی کامیہ میں بھی قرآن کا ترجمہ کیا جا چکا ہے، آسامی، پنجابی اور ہندی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں۔ بعض طباعت کے مرحلے میں ہیں، عنقریب وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ مغربی افریقہ کی مقامی زبانوں میں مثلاً سیرالیون کی زبان بینڈی، گھانا کی زبان فنٹے، توانی، نائیجریا کی ایک زبان ناؤ سا اور جی کی زبان نیجین میں ترجمہ کا کام جاری ہے۔ مستقبل قریب میں وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ چینی زبان میں بھی ترجمہ کی تیاریاں ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قادیانیت کی جڑیں کتنی گہرائی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس کی مدافعت میں جتنی توانائیاں ہمیں لگانا چاہئے تھیں۔ ہم نے نہیں لگائیں، ہم چند چھپ بھاتوں مناظروں اور اشتہار بازیوں میں مصروف رہے اور اسے ایک حقیر اور مختصر سی جماعت سمجھ کر اس کی طرف سے بے نیازی برتتے رہے اور وہ خاموشی سے مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکے ڈالتے رہے اور ہم خاموش تماشاخانے بنے رہے، قادیانیت کی جنم بھومی ہندوستان کی سرزمین ہے، یہیں کے علماء کا سب سے پہلے فریضہ تھا کہ اس نئے مذہب کی تباہ کاریوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تمام عالم اسلام کو باخبر کرتے اور ابتدا ہی سے اس کے خلاف ایک متفقہ اجتماعی پالیسی اختیار کر کے اپنے

فیصلہ سے اسلامی دنیا کو باخبر رکھتے تو شاید اتنے بڑے پیمانے پر یہ تباہی نہ پھیلتی، یہ ہماری کوتاہی تھی، اسلام نے ہمارے اوپر اپنی حفاظت کی جو ذمہ داری عائد کی تھی اس کو کا حق ہم نے پورا نہیں کیا اور ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کی پونجی ہماری غفلت سے لٹ گئی خدا ہماری کوتاہیوں اور نغز شوں کو معاف فرمائے،

تلافی مافات کے لئے ضروری ہے کہ آج ہم ایک غیر متزلزل لائحہ عمل لے کر اٹھیں اور قادیانیت کے بارے میں غیر مبہم الفاظ میں اپنی رائے دینے اسلام کے سامنے پیش کر دیں، اس سلسلہ میں میری تجویز ہے کہ

- ۱۔ واضح اور غیر مبہم نغظوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ قادیانیت مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ یہ اسلام دشمن ایک مستقل مذہب ہے جس کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔
 - ۲۔ سان کی پوجا پاٹ کی جگہ کو مسجد نہ کہا جائے اور حتی الامکان اس نام کے استعمال ان کو روکا جائے۔
 - ۳۔ قادیانیوں کا حضور حرم مکہ و مدینہ میں داخلہ ممنوع ہو۔ ان کے ساتھ غیر مسلموں کا سلوک کیا جائے۔
 - ۴۔ مسلمانوں کے کسی مذہبی اجتماع میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دیکئے اور نہ ان کو مدعو کیا جائے۔
 - ۵۔ پورے ملک میں جہاں بھی قادیانی بستے ہوں وہاں کے مسلمانوں کو ان ہر طرح کے روابط سے روکا جائے۔
 - ۶۔ تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی جائے کہ مردم شماری میں قادیانیوں کو مسلمانوں کی فہرست میں شامل نہ کیا جائے۔
 - ۷۔ حکومت ہند سے اپیل کی جائے کہ وہ قادیانیوں پر مسلم پرسنل لار کا اطلاق نہ کرے، ان کے مقدمات نکاح و طلاق، وراثت وغیرہ کا فیصلہ عام قوانین ہند کے تحت کیا جائے اور مسلم پرسنل لار کو ان پر نافذ العمل نہ تسلیم کیا جائے۔
 - ۸۔ کانفرنس کے فیصلہ سے تمام عالم اسلام کو باخبر کرنے کی ہر امکانی کوشش کی جائے۔
- لہذا دعویٰ اور انگریزی میں طبع کرا کے تمام اہم اور ضروری مقامات، مدارس اور مسلم تنظیموں کو ارسال کیا جائے۔

مسیح اور مہدی، دو شخصیتیں

از جمیل احمد نذیر

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکیوں اعظم گڑھ

قادیانی عقیدہ کے مطابق "سیح موعود" اور "مہدی تہود" دونوں، دو شخصیتیں نہیں بلکہ دونوں ایک ہی شخصیت کے دو لقب ہیں۔ یہ عقیدہ، مرزا غلام احمد قادیانی کی ان تحریروں سے وجود میں آیا جو "حقیقۃ المہدی"، "حقیقۃ الوحی"، "نزول المسیح" "عجاز احمد" "ازالہ ادایام" اور "ضرورۃ الامام" وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ سیح موعود اور مہدی تہود، دونوں کے مصلحتاً وہ خود ہیں۔

ایھا الناس انی انا المسیح المجدی اے لوگو! میں ہی سیح مجدی اور میں ہی
واحد المصدی احمد مہدی ہوں۔

خطبات الہامیہ مطبوعہ ۱۹۲۲ء

"ضرورۃ الامام" میں لکھتے ہیں۔

"اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانہ میں امام الزماں کون ہے جس

کا پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور مہموں

کو کرن خدا نے تعالیٰ کی طرف سے فرما کر قرار دیا گیا ہے، سو میں اس وقت

بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا نے تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے دعا ہے کہ

میں ہوں، اور مجھ میں خدا کے تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں، شریلیں جمع کی ہیں۔ (ص ۴۲)

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

”پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حکم کو چاہتے تھے، سو وہ حکم میں ہوں، میں روحانی طور پر کس صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں، انہیں دونوں امور نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں۔ (ص ۴۳)

مرزا صاحب کے ایک امتی قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

”پس یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ مسیح موعود اور مہدی معبود کا بنیادی کام ہو چکا ہے۔“ (امام مہدی کا ظہور و شکر) یہی صاحب ان سطروں سے پہلے ص ۱۶ پر اپنی جماعت کی تحقیق ان الفاظ میں پیش کر چکے ہیں۔

”امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہے۔“ (کتاب مذکور ص ۱۶)

قادیا کی دعویٰ کا جائزہ

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت کا یہ دعویٰ صحیح نہیں، احادیث کو یہ میں مسیح موعود (حضرت عیسیٰ عیض السلام) اور امام مہدی کے بارے میں جو تفصیلات موجود ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں دو شخصیتیں ہیں، سب سے پہلے وہ احادیث غلط کیجئے جن میں مسیح موعود کے نزول کا تذکرہ ہے۔

حضرت بلوہرہ سے مروی ہے کہ رسولی	عن ابی ہریرۃ قال قال تالی رسولی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس آیت	صلی اللہ علیہ وسلم بالذی نفسی بیدہ
کی قسم جس کے تبخیر میں میرا جان ہے۔	لیوشکن ان یفلزل نیکم ابن مریم

قریب ہے کہ تم میں ابن مریمؑ نازل ہوں،
 حاکم عادل کی حیثیت سے، پس وہ صلیب
 کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے
 خنزیر کو ختم کر دیں گے، مال (پانی کی طرح)
 بے گناہ ہو گا۔ لیکن اُسے کوئی لینے والا نہ ہو گا
 یہاں تک کہ سجدہ واحد و سیاہ وانیہ
 بہتر ہو گا۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا
 اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو کیونکہ اس
 میں اسی زمانہ کی طرف اشارہ ہے، وَإِنْ
 مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْغَاشِقِ الْبَيْتِ الْبَيْتِ الْبَيْتِ الْبَيْتِ
 ضرور بالضرور ایمان لائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ
 علیہ السلام پر ان کی
 وفات سے پہلے

خدا کی قسم! ابن مریم ضرور بالضرور نازل
 ہوں گے حاکم عادل بن کر۔

میرے بھائی عیسیٰ ابن مریمؑ آسمان سے
 اتریں گے۔

پس اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریمؑ کو بھیجے گا، پس
 وہ دمشق کے مشرق سفید منارہ کے پاس

حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ
 الْخَنزِيرَ وَيَضَعُ الْجَزْيَةَ وَيَفِيضُ
 الْمَالُ حَقًّا لَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ حَقًّا تَكُونُ
 السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدِّيَارِ
 وَمَا فِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ فَاقْرَأُوا
 إِنَّ شِئْنَكُمْ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا
 لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِم

(بخاری ج ۱ ص ۸۷، مسلم ج ۱ ص ۸۷)

⋮ ⋮ ⋮ ⋮
 ⋮ ⋮ ⋮ ⋮
 ⋮ ⋮ ⋮ ⋮
 ⋮ ⋮ ⋮ ⋮

روسی روایت میں ہے

وَاللَّهِ يَنْزِلُنَّ ابْنَ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا
 (مسلم جلد ۱ ص ۸۷)

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے۔

يَنْزِلُ أَخِي عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ مِنْ
 السَّمَاءِ (کنز العمال ج ۷ ص ۲۵۹ و ۲۶۰)

نواس بن سمانؓ سے مروی ہے۔

فَبِعَثِّ اللَّهِ السِّيحَةَ بِنِ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ
 عِنْدَ النَّارَةِ الْبَيْضَاءِ الشَّرْقِيَّةِ دِمَشْقَ

بین مَعْرُودَاتَيْنِ وَاِضْعَاءِ يَدَيْهِ
عَلَى اَجْنِحَتَيْ مَلَائِكَيْنِ -
دو چادریں اوڑھے ہوئے، دو فرشتوں کے
بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے
ہوئے اتریں گے۔

رو مسلم ج ۲، ص ۲۲۵، ابن ماجہ ص ۳۶۶

مُرَاسِيْلِي حَسَنِ بَعْرِيٍّ مِثْلِي هُوَ كَرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ يَهُودِيٌّ
اِنَّ عِيسَى لَمِ يَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ
حضرت عیسیٰؑ کی وفات نہیں ہوئی، وہ تمہاری
جانب قیامت سے پہلے اتریں گے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۳)

خبر ان کے عیسائی وفد سے حضورؐ نے فرمایا تھا۔

السَّمْعُ تَعْلَمُونَ اَنْ رَتَبْنَا حَى لَ اَيَمُّوتُ
اِنَّ عِيسَى يَاقِي عَلَيْهِ الْفَنَاءُ (تفسیر کبیر
ج ۲ ص ۳۸۸، دُرِّ مَنْشُورِ ج ۲ ص ۲۰۳)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعود، حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں
اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھایا تھا، قیامت کے قریب انہیں دوبارہ دنیا میں
بھیجا جائے گا۔ وہ آسمان سے دو فرشتوں کے سہارے دمشق کے مشرقی سفید
منارہ کے پاس اتریں گے۔

ان احادیث، یا جتنی بھی حدیثیں نزولِ مسیح سے متعلق ہیں، کسی میں مثیلِ مسیح کا
ذکر نہیں ہے، بلکہ صاف صاف بغیر کسی ابہام و استعارہ کے مسیح ابن مریم، عیسیٰ
ابن مریم یا صرف ابن مریم کے الفاظ مذکور ہیں، دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ تمام
حدیثوں میں "نزول" یعنی اترنے کا تذکرہ ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت
عیسیٰؑ کہیں سے اتریں گے، بعض یہ کہ تو آسمان کی بھی راحت ہے۔ اور ظاہر بات ہے

کہ جب آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو نزل بھی وہیں سے ہوگا۔
نزل کا وقت کیا ہوگا؟ اس کے متعلق یہ احادیث ملاحظہ کیجئے۔

ان کا امام ایک صالح مرد ہوگا، پس جس
درمیان کہ وہ امام انھیں نماز فجر پڑھانے
کے لئے بڑھے گا، اچانک حضرت عیسیٰ ابن
مریمؑ اتر آئیں گے۔ پس وہ امام پیچھے ہٹے گا
تاکہ حضرت عیسیٰؑ کو آگے بڑھائے کہ وہ نماز
پڑھائیں۔ حضرت عیسیٰؑ اپنا ہاتھ اس کے کندھے
پر رکھیں گے اور کہیں گے، آگے بڑھئے اور
نماز پڑھائیے، کیونکہ آپ ہی کے لئے آیت
کہی گئی ہے۔ چنانچہ ان کا امام انھیں نماز
پڑھائے گا۔

وامامہم رجل صالح فینما امامہم
قد تقدم یصلی بہم الصبح اذ انزل
علیہم عیسیٰ بن مریم الصبح فرجع
ذالک الامام یتکلم یشی القہوری
لیقتہم عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ۔
یذہ بین کتفیہ۔ ثم یقول لہ
تقدّم فصل فانہا لک ایت
فیصلی بہم امامہم۔

ابن ماجہ ص ۳۸

❖ ❖ ❖ ❖

دوسری حدیث میں ہے

فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرہم
تعال صلّ لنا فیقول لا ان بعضکم
علی بعض امراء تکرمہ اللہ تعالیٰ
لہذا لا الاقۃ۔

(مسلم ج ۱ ص ۸۷)

ایک اور حدیث میں ہے۔

کیف انتم اذ انزل ابن مریم فیکم
وامامکم منکم۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۷)

تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم میں ابن مریمؑ اتریں
اور تمہارا امام، تمہیں میں سے ہوگا۔

حضرت عیسیٰؑ و تہاں کو قتل کریں گے۔ حج بھی کریں گے۔ شادی بھی ہوگی، اولاد بھی ہوگی، وفات کے بعد حضورؐ کے پاس دفن ہوں گے۔ دریکھئے مسلم ج ۱ صفحہ ۱۲۷ و ج ۲ صفحہ ۲۱۷، عون العبود شرح ابی داؤد ج ۲ صفحہ ۲۰۵، مشکوٰۃ ج ۲ صفحہ ۲۱۷

امام مہدی کا نام اور خاندان۔

اب امام مہدی کے نام، خاندان اور کام کے متعلق احادیث ملاحظہ کیجئے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم لا تذهب الدنيا
حتى يهلك العرب من اهل بيتي يواطئ
اسمہ اسمی۔

عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا ختم نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ اس دنیا کا ایک میرے اہل بیت میں سے ایک عرب نہ ہو جائے جس کا نام میرے ہی نام جیسا ہوگا۔

(ترمذی ج ۲ صفحہ ۱۲۶)

یعنی اس کا نام محمد ہوگا، دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام مہدی کے باپ کا نام عبد اللہ ہوگا۔

لو یبق من الدنيا الا يوم قال زائدة
نَطَوَّلَ اللهُ ذَالِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَبْعَثَ
الله فيه رجلاً مني اهل
بيتي يواطئ اسمي واسم
ابيه اسم ابي يملأ الارض قسطاً
وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً
(الرواد ج ۲ صفحہ ۲۱۷)

اگر دنیا کا ایک ہی دن رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو لیا کر دے گا یہاں تک کہ اس میں ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو مجھ سے ہوگا۔ یا حضورؐ نے یوں فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اس کا نام میرے نام، اور اس کے باپ کا نام میرے والد کے نام جیسا ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جبکہ وہ ظلم

♦ ♦ ♦ ♦ ♦
 دو جو سے بھر چکی ہوگی۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مہدی کا آنا بالکل یقینی اور شک و شبہ سے
 بالاتر ہے

ام سلمہ کی روایت میں ہے -

المہدی من عتوقی من ولد فاطمة مہدی میرے خاندان سے اولاد فاطمہ سے ہوگا
 (کتاب مذکور ۲۲۸)

امام مہدی کی یہ خصوصیت بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے کہ وہ دنیا کو۔ جب کہ
 دنیا ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ عدل و انصاف سے بھر دیں گے بخشش و سخاوت
 کے دریا بہائیں گے، ان کے زمانہ میں مال و دولت کی فراوانی ہوگی، بارش بھی
 خوب ہوگی، پیداوار بھی خوب ہوگی، لوگ آرام و راحت اور چین و سکون سے گزر
 بسر کریں گے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۷، ص ۴۸، باب اشراط النشأة)

صحیح مسلم میں اگرچہ "مہدی" کے لفظ کی صراحت نہیں، مگر جو خصوصیات بیان
 کی گئی ہیں۔ اور جو وقت بتایا گیا ہے، وہ مہدی کے علاوہ کسی پر صادق نہیں آتا۔

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول
 الله صلى الله عليه وسلم يكون في آخر
 امتي خليفة يمشي العمان حثياً ولا يعطاً
 عبد الله مسلم ج ۲ ص ۴۹۹
 حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
 میری امت کے آخری زمانہ میں ایک خلیفہ
 ہوگا جو مال عطا کرے گا۔ لیکن اُسے شہر
 نہیں کرے گا۔

♦ ♦ ♦ ♦ ♦
 عن ابوسعید الخدری قال قال
 رسول الله صلى الله عليه وسلم من
 خلفكم خليفة يمشي العمان حثياً
 حضرت ابو سعید خدری سے فرمایا ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے
 خلفاء میں سے ایک خلیفہ مال نہائے گا

ولایعدۃ عددًا (حوالہ مذکورہ) ایک اور حدیث میں ہے۔

یکون فی آخر الزمان خلیفۃ یقتسم المال ولایعدۃ (حوالہ مذکورہ) آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال تقسیم کرے گا اور اسے شمار نہیں کریگا۔

امام مہدی کی یہی خصوصیت، بغیر کسی ابہام و اجمال کے لفظ "مہدی" کی صراحت کے ساتھ ترمذی میں یوں موجود ہے۔

قال فیجئ الیہ الرجل فیقول یا مہدی اعطنی اعطنی قال فحتی لہ فی ثوبہ جلا استطاع ان یحملہ (ج ۲ ص ۲۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک آدمی اس کے پاس آکر کہے گا اے مہدی! مجھے دو، مجھے دو، پس وہ اس کے کپڑے میں دیتا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھے گا۔

حاکم نے مستدرک میں شرطیہ شیخین پر کئی روایات نقل کی ہیں جن میں لفظ "مہدی" کی صراحت ہے۔ اور وقت اور صفات بھی وہی بیان کی گئی ہیں جو احادیث بالا میں ہیں (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۹)

ان تمام احادیث پر جو شخص انصاف کی نظر ڈالے گا، اسے یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ بھی تردد نہ ہوگا کہ مسیح موعود اور مہدی معبود، دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ ایک باجبات ہے، آسمان سے اترے گی، دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں پیدا ہوگی۔ ایک کا نام عیسیٰ ابن مریم ہے۔ دوسرے کا نام محمد بن عبد اللہ ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی الگ الگ خصوصیات ہیں

پھر اس حدیث۔ جس کی سلسلہ کو سلسلہ اذہب کہا جاتا ہے۔ اسے بالکل ہی

فیصلہ کر دیا کہ مسیح اور مہدی، دو شخصیتیں ہیں۔

عن جعفر عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تمیلک امة انا اولہا والہدی وسطہا والسبیح اخرہا ولكن بین ذالک فییح الموح لیسوا متی ولا انا منہم ، رواہ دزین
(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۳)

جعفر صادق نے اپنے باپ محمد باقر سے انہوں نے زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ امت کے کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں میں ہوں۔ درمیان میں مہدی اور آخر میں مسیح لیکن درمیان درمیان میں کچھ کچھ روگردان ہو گئے جو مجھ سے نہ ہوں گے۔ اور نہ میں اُن کے ہوں گا۔

حدیث لامہدی الا "موضوع و منکر ہے

ابن ماجہ میں انس بن مالک سے مروی ہے۔

ولا المہدی الا عیسیٰ بن مریم
(سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۱۰۰)

اس حدیث کے متعلق قاضی محمد زبیر لکھتے ہیں۔

"اس حدیث نے ناطق فیصلہ دیدیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم ہی "المہدی" ہے اور

اس کے علاوہ کوئی "المہدی" نہیں ہے۔" (لام مہدی کا ظہور ص ۱۰۰)

لیکن یہ حدیث "ناطق فیصلہ" تو کیا ہوگی، اس کے لئے لائق استدلال نہیں

ہو گی، ان احادیث کی موجودگی میں جن میں مراد "عیسیٰ ابن مریم" اور "مہدی" کے

انگ شخصیت قرار دیا گیا ہے۔

اگر قادیانی حضرات اس حدیث کا حوالہ دینے سے پہلے ابن ماجہ کا حاشیہ ہی دیکھ لیتے تو بھی انہیں پتہ چل جاتا کہ یہ حدیث مستدرک کے اعتبار سے کیسی ہے؟ اور اس لائق ہے یا نہیں کہ اُسے مشہور و مستفیض احادیث کے مقابلے میں پیش کیا جائے۔ ابن ماجہ کے حاشیہ پر صاف لکھا ہوا ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ہذا خبر منکر (یہ حدیث منکر ہے) پھر آگے چل کر اُسے منقطع بھی کہا ہے۔ سلسلہ سند میں ایک راوی محمد بن خالد ہے جس کے متعلق حاکم کہتے ہیں کہ مجہول (مجہول ہے) اسی طرح حافظ نے بھی اُسے "رجل مجہول" قرار دیا ہے۔

(ابن ماجہ سنہ ۳۲۲ حاشیہ ۳)

مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔

وبالجملة فالحدیث ضعیف مضطر (۳۲۲) خلاصہ کلام حدیث ضعیف و مضطر ہے۔
مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

حدیث "لامہدی الاہلسنی بن مریم"
باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ جیسا کہ ابن جزریؒ
نے اس کی عمر اہت کی ہے کہ یہ لا فتی
الاعلیٰ کے باب میں ہے۔

حدیث لامہدی الاہلسنی بن مریم
ضعیف باتفاق المحدثین کا صرح بہ
الجزری علی اثر من باب لا فتی الا
علیٰ (ج ۵ ص ۱۸)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

ابو الحسن حسنی ابدیؒ مناقب شافعیؒ میں
لکھتے ہیں کہ مہدی کے اسی لقب میں سے
ہونے کے متعلق احادیث متواتر ہیں اور
یہ کہ حضرت عیسیٰؑ مہدی کے چچے نماز پڑھیں
ابو الحسن حسنی نے یہ بحث اہل حدیث پر رد

قال ابو الحسن الحسنى الابدی
في مناقب الشافعي تراجم الأخبار
بأن المهدي من هذه الأمة وأن
عيسى يصلى خلفه ذكراً ذلك رداً
للحدیث الذي أخرجه ابن ماجه من

انس و نبیہ و لامعدی الاعمی،
 (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۳)
 کرتے ہوئے لکھی ہے۔ جسے ابن ماجہ نے
 انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت
 عیسیٰ ہی مہدی ہیں۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ مہدی کے اولادِ فاطمہ میں سے ہونے کی احادیث میں تصریح
 ہے۔ لہذا حدیث "لامعدی الاعمی بن مریم" ظاہری معنی میں قبول نہیں کی
 جاسکتی جب کہ وہ سنداً ضعیف بھی ہے۔ (مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۵۱)
 چنانچہ بعض حضرات نے تاویلات بھی کی ہیں اور وہ بھی انھیں آراء کے دوش بندوش
 موجود ہیں۔ جہاں اُسے ضعیف و منکر کہا گیا ہے۔ مگر جب اس حدیث کا با اتفاق مجتہدین
 ضعیف و منکر ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ تو میرے خیال میں تاویلات کے نقل
 کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے مشک باب
 شدۃ الزمان کے تحت نقل کیا ہے۔ جب کہ آگے چل کر مشک پر خود ہی باب خروج
 المہدی (مہدی کے خروج کا باب) بنا دیا ہے۔ وہاں اس حدیث کو نہیں لائے، وہاں
 صرف وہی حدیثیں نقل کی ہیں جو مہدی کے، امت محمدیہ یا اولادِ فاطمہ میں سے ہونے
 کے متعلق ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن ماجہ خود بھی اس حدیث کو ظاہری معنی
 پر محمول نہیں کرتے تھے۔ ورنہ باب خروج المہدی میں اُسے ضرور نقل کرتے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کثر العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے تو اس
 کا جواب یہ ہے کہ وہاں پر اس سند کے ساتھ ہے جو ابن ماجہ میں ہے، لہذا اس
 کے بھی دوہ ضعیف وہی ہوں گے۔ جو ابن ماجہ کی روایت کے ہیں۔
 تاویلاتی حضرات کی ایک دلیل مسند احمد کی یہ حدیث بھی ہے۔

يُشْتَقُّ مِنْ عَائِشَةَ مِنْكُمْ اَنْ تَكُنِّي قَرِيبٌ هِيَ كَتَمَ فِي سَهَابٍ وَنَزَّهَ رَهْ

عيسى ابن مريم اماماً مهدياً عيسى بن مريم سے ملاقات کرے ،
حكماً عدلاً الخ۔ درآئینہ ایک وہ امام مہدی اور حاکم عادل
ہوں گے۔

اس روایت کے متعلق قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

”اس میں صاف الفاظ میں موعود عیسیٰ ابن مریم کو امام مہدی قرار دیا
گیا ہے۔ (امام مہدی کا ظہور ص ۱۱)

مگر قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
”امام مہدی“ لغوی معنی میں کہا گیا ہے، نہ کہ اصطلاحی معنی میں۔ ”مہدی“ کے
لغوی معنی ہیں ”ہدایت یافتہ“ ظاہر ہے کہ پیغمبر ہدایت یافتہ نہ ہوگا تو کون
ہوگا؟ اور امام کے معنی ہیں پیشوا اور مقتدی۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر پیشوا اور
مقتدی ہوتا ہی ہے۔

یہاں پر ”مہدی“ کو لغوی معنی پر محمول کرنے کی خاص اور بنیادی وجہ یہ ہے
کہ جن جن احادیث میں ”مہدی“ کو اصطلاحی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں
مہدی کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی۔ بلکہ مطلقاً لفظ ”مہدی“ لایا گیا ہے۔
اس سلسلے میں قارئین کرام پچھلے صفحات میں مہدی سے متعلق احادیث کو
ایک بار پھر دیکھ لیں

اس کے علاوہ ان احادیث میں ”مہدی“ کو مسند الیہ یا متبورع کی حیثیت
سے لایا گیا ہے نہ کہ بطور صفت۔ اور یہاں پر ”مہدی“ عیسیٰ بن مریم کی صفت
واقع ہے۔ اور یہی ایک صفت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی اس لفظ سے پہلے
امام اور بعد میں ”حکم“ اور ”عدل“ کل تین تین صفات اور بھی موجود ہیں۔
بحث اصطلاحی مہدی سے ہے نہ کہ لغوی مہدی سے۔ لغوی اعتبار سے تو

مسلمانوں کے ہر امیر و خلیفہ کو جو کہ صحیح راہ پر گامزن ہو "امام مہدی" کہا جاسکتا ہے، لیکن اس لغوی اطلاق سے وہ اصطلاحی مہدی نہیں بن سکتا۔

اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کا مطلب :-

قادیانی حضرات نے عیسیٰ ابن مریمؑ اور امام مہدی کے ایک ہونے کو اس حدیث سے بھی ثابت کیا ہے۔

کیف انتم اذا نزل ابن مریم
فیکم و امامکم منکم
اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۸۷، مسلم ج ۱ ص ۱۸۷)

حدیث کے الفاظ "وامامکم منکم" کا ترجمہ قادیانی حضرات یوں کرتے ہیں۔
"اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ یعنی یہ امام باہر سے نہیں آئے گا، امتِ محمدیہ میں سے قائم ہوگا۔" (امام مہدی کا ظہور ص ۱۸)

تاریخ میں اس بنیادی نکتہ کو یاد رکھیں کہ اس حدیث کے متعلق اصل بحث یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ تو نماز کی امامت کون کرے گا؟ حضرت عیسیٰؑ یا امام مہدیؑ؟ اس بات کے صاف ہونے کے بعد ہی ثابت ہو سکے گا کہ قادیانی حضرات کا مذکورہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور ان کا مقصود اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

اس سلسلے میں یہ احادیث ملاحظہ کیجئے

فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول
امیرکم تعال صل لنا فیقول لا
ان بعضکم علی بعض امراء تکرمہ
اللہ تعالیٰ علیہم والاعقابہ۔

پس عیسیٰ ابن مریمؑ اتریں گے، مسلمانوں کا امیر کہے گا، آئیے! ہمیں نماز پڑھائیے۔ وہ فرمائیں گے۔ نہیں۔ تم میں کا بعض، بعض پر امیر ہے، اس تعظیم کی وجہ سے جو

مسلمہ ج ۱ ص ۸۷

اشترقلانی نے امت محمدیہ کو عطا فرمائی۔

ابن حجر عسقلانی، مسند احمد کے والد سے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کرتے ہیں

اچانک ان کے سامنے حضرت عیسیٰؑ برنگے

واذا هم بعیسیٰ فیقال تقدّم

پس کہا جائے گا۔ اے روح اشتر آگے

یا روح اللہ فیقول لیتقدّم

بڑھتے، وہ کہیں گے، چاہئے کہ تمہارا ہی

امامکم فیصل بکم،

امام آگے بڑھے۔ اور نماز پڑھانے

(فتح الباری ج ۶ ص ۷۲)

ابن ماجہ میں اس سے بھی زیادہ مراحت ہو گئی ہے کہ امام حضرت عیسیٰؑ نہ ہوں گے

بلکہ امام مہدی ہوں گے۔

مسلمانوں کا ایک مرد صالح ہوگا۔ پس جس درمیان

وامامهم رجل صالح فیینما

کہ وہ امام انھیں نماز فجر پڑھانے کے لئے آگے

امامهم قد تقدم یصلی بهم

بڑھے گا۔ اچانک حضرت عیسیٰؑ ابن مریم آترائیں گے

الصبح اذا نزل علیهم عیسیٰ بن

، پس وہ امام پیچھے ہٹے گا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کو

مریم الصبح فرجع ذالک الامام

آگے بڑھانے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت

ینکص یمشی القہقہری لیتقدّم

عیسیٰ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھیں گے۔

عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ یدہ

اور کہیں گے۔ آگے بڑھے اور نماز پڑھانے

بین کتفیه ثم یقول لہ تقدّم

کیونکہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے۔

فصل فانها لك اقیمت فیصلی

چنانچہ ان کا امام انھیں نماز پڑھانے گا۔

بہم امامهم (ابن ماجہ ص ۸۷)

اب شارحین کی آراء ملاحظہ کیجئے۔

فتح الباری میں ہے

ابوالحسن خضعی ابری مناقب شافعیؒ میں کہتے ہیں

قال ابوالحسن الخضعی الالبانی

کہ اس معاملہ میں احادیث تو اتر کر پہنچ گئی ہیں کہ

فی مناقب الشافعی تو اترت

الاخبار بان المهدی من هذه الامة و ان عیسیٰ یصلی خلفه (ج ۶ ص ۲۹۳)

کہ عیسیٰ اسی امت کے کفر و ہوں گے اور حضرت عیسیٰؑ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے

عمدة القاری میں ہے

معنا ۱ یصلی معکم بالجماعة والامام من هذه الامة (ج ۶ ص ۱۶۸)

امامکم منکم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تمہارے ساتھ بالجماعت نماز پڑھیں گے۔ اور امام اسی امت میں ہوگا

مرقات المفاتیح میں ہے۔

والحاصل ان امامکم واحد منکم دون عیسیٰ (ج ۵ ص ۲۲۳)

حاصل یہ کہ امام تمہیں میں کا ایک شخص ہوگا نہ حضرت عیسیٰؑ۔

ان احادیث و عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نزول کے وقت امامت، امام مہدی ہی کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام اس وقت کی نماز امام مہدیؑ کی اقتدار میں ادا کریں گے۔ ان احادیث سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ نزولِ سیح کے وقت، امام مہدیؑ پہلے سے موجود ہوں گے۔

لہذا "امامکم منکم" کا ترجمہ — "وہ آٹھ ایک وہ ابن مریم تم میں سے تمہارا امام ہوگا" صحیح نہیں، بلکہ ترجمہ یوں ہونا چاہئے — "وہ آٹھ ایک تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا، یعنی وہ امام پہلے سے موجود ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰؑ اس امام کی اقتدار کریں گے۔"

ایک اشکال اور اسکا جواب :-

بعض میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جنیبا علیہ السلام امام مہدیؑ سے افضل ہو کر ہوں گے۔ پھر اشکال یہ ہے کہ آخر حضرت عیسیٰؑ کے ہوتے ہوئے

امامت، کیوں امام مہدی کریں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انہیں کو آگے بڑھانے پر کیوں اصرار کریں گے۔ جبکہ افضل طریقہ یہ ہے کہ امامت افضل شخص ہی کرے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدیؑ، افضل طریقہ چھوڑ کر غیر افضل کیوں اختیار کریں گے؟

اس اشکال کا جواب بھی شارحین حدیث نے دیا ہے۔

چنانچہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کے لئے آگے بڑھ جائیں گے تو یہ شبہ پیدا ہونے لگے گا کہ پتہ نہیں حضرت عیسیٰؑ کا آگے بڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے ہے۔ یا مستقل شارع کی حیثیت سے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی شبہ کو دور کرنے کیلئے امام مہدیؑ کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھیں گے۔ تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ ان کا نزول بحیثیت شارع کے نہیں بلکہ بحیثیت شریعت مصطفویہ کے ایک متبع کے ہے یہاں تک کہ نبی ہونے کے باوجود انہوں نے امت محمدیہ کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ لائبنی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں مبعوث ہو سکتا) کی علی تصدیق ہوگی۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۴۹۳)

مرقات المفاتیح میں ہے۔

(فیقول لا) ای لا أمیراً اماماً لکم
لئلا یتوہم بامامتی لکم نسخ دینکم
(ج ۵ ص ۲۲۲)

حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے میں تمہارا امام نہیں بنوں گا۔ یہ اسلئے تاکہ میری امامت میرے ذریعہ تمہارے دین کے نسخ کا ذمہ نہ پیدا کرے۔

لیکن امام مہدیؑ کی یہ امامت مستقل امامت نہ ہوگی۔ بلکہ صرف اسی وقت ہوگی جب حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ اس کے بعد جب تک حضرت عیسیٰؑ از زندہ رہیں گے

رقایا بیانیہ پر فضلا دارالعلوم دیوبند کی تصنیفی خدمات

از۔ بوهان الدین سنہلی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کلکتہ۔

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسوله الامين خاتمة
النبيين محمد وآله واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم
الدين۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے تقاضے سے، ساتویں صدی عیسویں کے اوائل
میں کم و بیش چھ سو سال کے طویل فترہ (وقفہ) کے بعد۔ پھر وحی آسمانی اور ملائکہ بانی
اپنا ایک مقرب ترین بندے اور رسول جناب محمد بن عبدالشہین عبدالمطلب الباشمی رضیہ
الف الف صلوة و سلام) کے پاس بھیجے اور تقریباً ۲۳ سال تک یہ آمد و شد جاری رکھنے
کے بعد اکمال دین و امامت کا اعلان فرما کر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ بند کر دیا کیونکہ
اس میں زہر تہذیبی کی ضرورت تھی، انہما ذکی گنجائش

لے مشہور مسیری عالم علامہ حفصی (صاحب تصانیف کثیرہ) نے اپنی مشہور کتاب
تاریخ التشریح الاسلامی ۱۹۵۰ء میں قول راجح اسے قرار دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پہلی وحی کا نزول، اور رمضان المبارک کو ہوا، اور آخری آیت و ذی الحجہ کو
نازل ہوئی اس طرح کل مدت وحی ۲۲ سال ۲ ماہ ۲۲ دن تک ہے

تاریخ التشریح الاسلامی ۱۹۵۰ء مطبوعہ مصر

حکیم الاسلام حضرت مولانا احمد بن عبدالرحیم المعروف بشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے حکیمانہ اسلوب میں فرمایا ہے کہ آخری شریعت کا مادہ فطرت انسانی کے عین مطابق بنایا گیا ہے۔ یا بالفاظ دیگر کامت انسانی کے لئے ایسا جامہ عطا کر دیا گیا جو ہر طرح لائق و مناسب نیز پائیدار ہے۔ تو پھر اس میں کمی پونٹ یا بیوند کاری اور تبدیلی فصول کا کام ہی قرار پائیگا (جس سے اللہ تعالیٰ جو حکیم و خیر بھی ہے۔ کی ذات پاک ہے) البتہ یہ ضرورت پر حال تھی کہ وہ "جامہ" ربودگی و فرسودگی سے محفوظ اور صحیح و سالم رہے چنانچہ اس کی ذمہ داری بھی اسی حکیم و قدیر نے خود لے کر اعلان بھی ہمیشہ باقی رہنے والی اپنی کتاب میں فرمایا: "وَإِنَّا لَنَحْفَظُوكُمْ لِيَكُنَ اسباب میں جس طرح اسکی صفت ربوبیت و رزاقیت کبھی شفقت مادی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی زمین سے روئیدگی کی صورت میں، اسی طرح اس نے اپنے خاص بندوں کو توفیق بخش کر دینِ قیم کی حفاظت کا سامان کیا، جس کی اطلاع اسی کے صادق و صدوق و خیر صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں دی، مثلاً ایک موقع پر فرمایا بحسب هذا العلم من خلف عدولہ، ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین (مشکاۃ المصابیح ۳۶ مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔ بحوالہ بیہقی) ایک اور ارشاد ہے لا تنزل طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لایضروہ من خذلہم حتی یأتی امر اللہ" (صحیح مسلم ۱۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی)

چنانچہ یہ عدول "اور" طائفہ منصورہ "ہر اس موقع پر کبھی سرکف اور کبھی دست بقلم۔ میدان میں آیا جب بھی دین کمال کو تحریف یا اور کسی طرح کا خطرہ پیش

لے شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ واذا کان کذالک وجب ان تكون مسادۃ
شریعتہ ما هو منزلتہ المذہب لطیبی: حجتہ اللہ علیہ ۱۶ مطبوعہ معمر

آیا، اس پر امت مسلمہ کی پوری تاریخ گناہ ہے، خواہ وہ خطرہ صدر اول میں سیلہ کذاب کی شکل میں آیا ہو یا چودھویں صدی کے سیلہ پنجاب کی صورت میں۔

اس وقت وقت کی قلت کی بنا پر پوری تاریخ تو کیا اس کا مختصر ترین حصہ بھی بیان نہیں کیا جاسکتا، البتہ آخر الذکر فقرہ کے ظہور کے بعد سے اس موید و منصور محبت کے چند افراد کی مساعی جیلہ کا تذکرہ کر کے سعادت دارین کا سامان اپنے لئے فراہم کرنا مقصود اصل ہے (یہاں یہ بتانا بھی غیر ضروری ہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس مختصر سے وقت میں چند افراد کے نام کارناموں کا بھی مکمل جائزہ لینا مشکل بلکہ ناممکن ہے) راقم نے اپنے لئے جیسا کہ مقالہ کے عنوان سے ظاہر ہے، رو قادیانیت پر فضلدار العلوم کی تصنیفی خدمات، عنوان اختیار کیا ہے، یہ عنوان بظاہر محدود و مختصر ہونے کے باوجود واقعہ ہے کہ اپنے اندر سمندر جیسی وسعت و مہمانی رکھتا ہے اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس "دارالعلوم" کے تمام فضلاء کا نہیں، صرف اس کے ایک فاضل (اور گل سرسبد) علامہ کشمیری کی خدمات کا اگر تفصیلی تذکرہ کیا جائے تو مجھ جیسا بے بضاعت بھی آپ لوگوں کا یہ سارا وقت لے کر بھی غالباً آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوتا کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

زیر نظر مقالہ میں اگرچہ اصلاً "محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا ہے بلکہ ان کے تلامیذ کی قادیانیت کے بارے میں مساعی کا تذکرہ اصلاً مقصود ہے لیکن تین و تفاؤل کے طور پر مقالہ کی ابتدا علامہ کشمیری ہی کے بعض اہم علمی کارناموں سے کی گئی ہے، کہ اسی ایک چراغ سے ادویں میں بھی روشنی آئی ہے، ایک چراغ است.....

حاصل طور پر یہ بات واقف لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ دفعہ نہیں کیا بلکہ اس میں چالاک سے۔ ایک خاص ترتیب و درجہ

محفوظ رکھی چنانچہ پچھلے ولایت و مجردیت، نیز محدثیت و مجددیت کا دعویٰ کیا، جو پھر شبہ بیعت کے مراحل سے گذرتا ہوا بالآخر کاملی رسول و نبی۔ بلکہ افضل الرسل کے برابر۔ ہونے کے انجام تک پہنچا اس ابتداء اتہا کے درمیان خاصا زانی حاصل ہے جس کی تفصیل ایسا برنی (پروفیسر سلاح الدین محمد ایسا) صاحب کی لاہور کتاب "قاویانی مذہب" میں مدلل و مفصل طور پر بیان کر دی گئی ہے (قاویانیت کی پوری حقیقت جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ ضروری ہے) مرزا جی نے جیسے ہی اپنے دعوؤں کا سلسلہ شروع کیا، مؤمنانہ فراست رکھنے والوں نے ان کی تردید کا فرض کفایہ بھی ادا کرنا شروع کر دیا۔

مرزائی دعوؤں کے ابطال کے لئے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ مرزا اور ان کے اعوان و انصار کی طرف سے مخالفہ انگیز اور نام نہاد علمی انداز میں پیش کئے گئے اقوال سلف اور اٹھائے گئے شبہات کی ایسے مضبوط علمی انداز میں صحیح توجیہ ہو اور شبہات کا ازالہ کیا جائے کہ پھر کسی تخلص طالب حق کے لئے غلط فہمی میں مبتلا ہونا، اور مرزا کے بھمائے اور پھیلائے ہوئے مجال میں پھنسنا ممکن نہ رہ جائے اس اہم کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا اور اسے توفیق بخشی جس سے زیادہ اہل اور موزوں اس خدمت کے لئے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا واللہ جنود السموات والارض، اذا اراد شئینا ان یفعل لہ کما یشاء فیکون۔ یوں تو موصوف نے اپنے بے پایاں مطالعہ اور قابل رشک ذہانت کے ذریعہ بہت سے اشکالات رفع فرمائے اور مرزائی مخالفوں کا پردہ چاک کیا، کہ ان سب کا ذکر کسی مقالہ کا نہیں، کتاب کا موضوع بن سکتا ہے لیکن بعض اشکال ایسے بھی رفع کئے جو اکابر سلف کے اقوال سے پیدا ہونے کی بنا پر اچھے اچھے اہل علم کے لئے بھی موجب پریشانی اور باعث تشویش بنے ہوئے تھے

اور جس کی موجودگی میں مرزا اور مرزائیوں پر کفر کا فتویٰ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ سے نقل کیا گیا، ان ہی کی طرف منسوب کتاب "فقہ اکبر" کی شرح علامہ علی قاری میں، یہ قول کہ امام فرماتے تھے لا تکفوا حد من اهل القبلة... یا اسی شرح میں، شرح مواعظ کے حوالہ سے ذکر شدہ یہ تصریح ان جہود المتکلمین والفقہاء علی انہ لا یکفوا حد من اهل القبلة... (شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری علیہ السلام) اس طرح کی بجزت عبارتیں عقائد و کلام کی دیگر کتابوں میں بھی بعض کابر علماء کی طرف منسوب ہوتی ہیں، مثلاً امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب "فیصل التفریق بین الاسلام والزندقة" میں ہے۔ اما الوصیۃ فان تکف لسائق من اهل القبلة ما امکنک ما داموا قائلین لا اله الا الله محمد رسول الله غیر مناقضین لها والما قضاة تجویزہم اکتب علی رسول الله صلی الله علیہ وسلم بعد ذرا وبغیر عذر فان التکفیر فیہ خطو والسکوت لا یخطو فیہ (فیصل التفریقہ ص ۵۷)

امام ابوحنیفہ کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے کہ "اگر کسی شخص کے قول میں ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا، تو اسکے کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائیگا (مقدمہ اکتفا للملحدین)۔ مقدمہ از مولانا محمد یوسف بنوری مصنف علامہ کشمیری)

یہ اور اس جیسی دیگر عبارتوں، اور مسلمات کے درجہ میں پیش کئے جانے والے اقوال کی بنا پر عام اہل علم مدتوں غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے بارے میں متناظر رویہ اپنائے رہے، جس سے یہ فرقہ ناجائز قائمہ اشخاص کے بھولے بھالے مسلمانوں کو دام فریب میں گرفتار کرنے بلکہ بہتوں سے مرزائی بنوت کا اعتراف کرا لینے میں کامیاب ہوتا رہا، اس لئے شدید مذمت اس بات

کی تھی کہ ایسی کوئی شخصیت میدان میں آئے جس کی زہلی ہر تری میں کوئی شبہ ہو نہ تقویٰ و دیانت میں جو اس موضوع پر ایسے انداز میں علمی بحث و گفتگو اور مواد فراہم کرے جس کے بعد پھر کسی جوہانے حق کے لئے عذر باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے صحیح وقت پر ایسے ہی ... ایک عظیم شخص کو اس کام کی توفیق بخشی یعنی امام عصر، محدث جلیل، ماہر منقول و معقول حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے یہ خدمت بطریق احسن انجام دی، کہ اپنے وسیع و عمیق مطالعہ ادب نے نظیر حافظہ کی مدد سے اس موضوع پر اتنا مواد جمع کر دیا کہ جو مرزائی عہارت کی تمام دیواروں کو شکستہ و منہدم کرنے کیلئے بالکل کافی ہے اور بعد میں اس راہ پر چلنے والوں کے لئے مزید تحقیق کی حاجت نہ چھوڑی۔

حضرت علامہ موصوف نے اس سلسلے میں متعدد کتابیں خالص علمی انداز پر لکھیں جن میں "الکفار الملحدین" کا تو گویا خاص موضوع ہی "مذکورہ بالا قسم کے اقوال اور کلامی عبارتوں سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہے" مثلاً امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب مذکورہ بالا قول "لا تکفر احد امن اهل القبلة" کے بارے میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالوں کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "و سیاقها عن ابی حنیفة۔" و لا تکفر اهل القبلة بذنب: فقید بالذنب و صحی فی رد المعتزلة والخوارج لا غیر۔ اذ صورة العبارة تعریض لمن یکفر اهل القبلة بغیر ما یوجب الکفر و هو الذنب و اما کلمات الکفر فان لو یکفر بها فلیقل انها لیسبت بکلمات کفر و هو سفسطہ" پھر اس کے بعد۔
 شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کی کتاب "الایمان" سے اپنی تائید میں یہ عبارت پیش فرمائی: "نحن اذا قلنا اهل السنة متفقون علی انه لا یکفر بالذنب فانما نرید به المعاصی كالزنا والشرب" پھر فرمایا، "واوضحه القوفی فی شرح

العقيدة الطحاویة: انما لا تکفر هو بذنب كما یفعله الخوارج، قال القنوی
 وفقوله: بذنب" اشارة الى تکفیرة بفساد اعتقاد، کفساد اعتقاد المجسمة
 والمشبیه ونحوه لان ذلك لا یسمی ذنباً: (اکفار المحمدين ۱۲)

ام ابو حنیفہ کی طرف سے ایک قول (۹۹) احتمال کفر کے ہوں اور ایک سلام کا
 تو اسے کافر نہیں کہا جائیگا) کے ذریعہ پھیلائی جانے والی غلط فہمی کے ازار کی غرض سے
 ہی نابا حسب ذیل افادات و تفسیر کے عنوان سے قلم بند فرماتے ہیں۔

اتفقوا فی بعض الافعال علی انها کفر مع انه یمکن فیہا ان ینسلخ من

التصدیق لانہا افعال الجوارح لا القلب، وذلک کالھزل بلفظ کفر وان
 یعتقدہ، وکالسجود لصنم، وکقتل نبی والاستخفاف بہ..... واخلطوا
 فی وجہہ الکفر بہا بعد الاتفاق علی التکفیر، پھر اس تحقیق کی تائید و توجیہ کیلئے
 متحد و ممتاز علماء و فقہاء مثلاً امام ابو الحسن اشعری، علامہ ابن تیمیہ، علامہ قاسم و المساری
 کے حاشیہ نگار، اور علامہ شامی کی کتابوں اور اقوال سے حوالہ دینے کے بعد کہتے ہیں

وبالجملۃ ینکفر ببعض الافعال ایضاً اتفاقاً، وان لم ینسلخ من التصدیق
 اللغوی القلبی، وقال القاضی ابوبکر الباقلانی کما فی الشفاء والمسایرة: فان
 عصی بقول او فعل نصر اللہ تعالیٰ ورسوله، او جمع المسلمون لانه لا یوجد
 الا من کافر، او یقوم دلیل علی ذلك، نقد کفر، وقال ابوالبقاد فی کلیاتہ: والکفر
 قد یحصل بالقول کثرة وبالفعل اخی، والقول المرجب للکفر انکار محمد علیہ

فیہ نص، ولافوق بیان ان یصدر عن اعتقاد او عناد او استہزاء (۱۰) ایضاً
 اس کے ساتھ شاہ صاحب نے ان امور کی تفصیل بہت شرح و بسط کے ساتھ
 فرمائی جو کام عمار شریعت کی اصطلاح میں نزویات دین ہے کہ ان میں سے ہر ایک
 پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور کسی ایک کا بھی انکار کفر کا موجب ہو جاتا ہے۔ یہ بحث

خاصی طویل ہے، اختصاصاً اس سے یہاں پیش نہیں کیا جا رہا ہے

تاییدی عمارت کو سہارا دینے کے لئے منکبین کے اس اصول سے بھی مرزائی ظفر
اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ، "کسی نص کی تاویل یا تاویل سے انکار کی بنا پر
کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا، علامہ موصوف نے اس اصول کی تشریح فرما کر بتایا کہ
وہ کوئی سی تاویل ہے جس سے معذور ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں، فراتے ہیں والشارع
لو بعد رقط، فی تاویل باطل، قال، فی عبد اللہ بن حذافہ امیر السریة من
تحتہ بدخول النار۔ لو دخلوها ما خرجوا منها الی یوم القیمة، انما الطاہرۃ
فی معروف وغیر ذلک من الوقائع ما کانت التاویل
فیہا فی غیر محلہ، وعلى تعبد الفقہاء فی فصل غیر مجتہد فیہ (ای لو یکن
التاویل فیہ قطعی البطلان، لکما یظہر من کلامہ بعد سطریں)

اس کے بعد علامہ تقی زانی کی مشہور کتاب "مقاصد الطالبین فی اصول الدین"
سے حسب ذیل عبارت شاہ صاحب نے بطور تائید نقل فرمائی الکافران اظہر الایمان
خص باسم النافق وان ابطن عقائدھی کفر بالاتفاق فبالزندیقہ پھر اس کی
مزید توضیح ایسی طور کی، قال فی شرحہ قد ظہر ان الکافر وان کان مع لطوفہ
بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظهار شتاؤ الاسلام واطن عقائدھی
کفر بالاتفاق خص باسم الزندیقہ فالمراد بابطال بعض عقائد اسکفر
لیس هو الکفر من الناس بل المراد ان یعتقد بعض ما یخالف عقائد الاسلام
مع اذعانہ ایاہ، وهو المراد بقولہم واطن الکفر ای غلط، کما فی فتح الباری
ص ۱۰۰ مجموع من خیف المصنوع الکفر الذی غیر الکفار والمطہرین (مکتبہ)
تاییدی عمارت کا نام تین حضرت میں خلاصہ کے بارے میں ظفر نے لکھا
اور پھر فریب کلمات میں، جن میں غالباً سب سے اہم، فریب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر موت طاری کی جا چکی ہے، اس اب ان کا دوبارہ دنیا میں واپس آنا ممکن نہیں اور اپنے اس مخالف میں وزن پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی دوبارہ آمد کے عقیدہ سے ختم نبوت کے عقیدہ پر زرد پڑتی ہے حالانکہ خود مراحۃ نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں، پر دلا درست دزدے کہ بگفت چراغ دارد" اس قسم کی فریب دہی کے ذریعہ دراصل وہ۔ بزعم خویش۔ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث نبویہ میں جس سیح کی آمد کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اس کا مصداق وہ خود۔ مرزا جی۔ میں (العیاذ باللہ) نہ کہ مشہور اسرائیلی پیغمبر (چنانچہ قادیانی است ان مرزا جی کو ہی سیح موعود کہتے ہیں) مرزائیوں کا یہ دعویٰ اگرچہ اس درجہ لغو و باطل ہے کہ اس کی تردید تو کیا تذکرہ بھی ضرورت نہ ہونی چاہئے تھی، لیکن اسے زمانہ کی ستم ظریفی کہتے۔ یا۔ بقول ایک مفکر۔ انتشار فکر و خیال کے اس دور کی کمزوری کا نام دیتے کہ ایسا لغو بلکہ بہودہ دعویٰ نہ صرف قابل غور ٹھہرا بلکہ بہت سے ضعیف العقول لوگ اس کا شکار ہو گئے۔

اس لئے یہ بھی بہت ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے اور دوبارہ دنیا میں واپس آنے سے متعلق جو احادیث صحیحہ اور قرآنی آیات سے حقائق ثابت ہوتے ہیں وہ سلطفے لائے جائیں تاکہ پھر کسی طالب حق کے لئے فریب خوردگی کا امکان نہ رہے، اس غرض سے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ایک طرف خود عقیدۃ الاسلام، و تھیۃ الاسلام کے نام سے گراں قدر علمی مواد اور کثیر الجہات نیز پر مغز مباحث پر مشتمل ایک قیمتی کتاب تصنیف فرمائی، دوسری طرف اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب (جو اسی درجہ العلوم کے امین و فرزند ہیں) سے انہی راہنمائی و نگرانی میں۔ تصنیف باوقواف ترقی نزل السیاح نامی کتاب مرتب کرانے میں مقرباً سے مدد پیش ہیں جس میں پالیسی سے زیادہ صحیح و صحیح

کے درجہ کی ہیں، مختلف معتبر، متداول و غیر متداول ماخذ سے جمع کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی دنیا میں قیامت کے قریب دوبارہ تشریف لائے گا مسئلہ احادیث متواترہ سے ماخوذ اور اجماعی ہے، جس پر ہر دور کے اہل سنت مجاہد سے لیکر آج تک متفق رہے ہیں۔ مزید یہ کہ قادیانی امت نے اپنی عادت کے موافق جن حضرات (علمائے سلف) پر یہ افتراء کیا کہ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مرزائیوں جیسا عقیدہ رکھتے تھے (کہ ان کی موت ہو چکی ہے لہذا دوبارہ آمد کا گویا امکان نہیں) انہوں نے اس غلط بیانی کا پردہ چاک کر کے مدلل طریقے اور مکمل حوالوں کے ساتھ واضح کیا ہے کہ وہ حضرات بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح ان کی دوبارہ آمد کے قائل تھے، اس بارے میں ان کی تصدیقات، معتبر ماخذ کے حوالوں سے۔ نقل کی ہیں جس سے ان حضرات کے دامن کا اس الزام سے پاک صاف ہونا منقطع ہو کر سامنے آجاتا ہے، یہ کتابیں دراصل اہل علم کے استفادہ کی غرض سے لکھی گئی ہیں (اسی وجہ سے عربی زبان میں ہیں) اور ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ بھی اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔

ان کے علاوہ شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک کتاب فارسی زبان میں بھی — خاتم النبیین ہے جو دراصل انہوں نے اپنے اہل وطن کشمیریوں، اور بلوچستان کے رہنے والوں کے واسطے لکھی ہے۔ کیوں کہ ان علاقوں میں فارسی بھی عام طور سے مقامی زبانوں کے علاوہ سمجھی جاتی ہے، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ نگار علامہ کے شاگرد مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی مرحوم نے تصریح کی ہے، اس میں مصنف کے بیان کے مطابق قرآن مجید کی سورۃ احزاب کی آیت، خاتم النبیین، کی صحیح تفسیر و تشریح، علویٹ نمبر ۱ اور اقوال صحابہ و تابعین نیز جمہور امت کی آراء کی روشنی میں کی گئی ہے کہ اس سے مرزائیوں کی غلط توصیحات اور باطل تاویلات کا پردہ چاک ہوجاتا ہے۔ مرزائیوں نے مذکورہ آیت کی ایسی ایسی رنگ اور مضحکہ خیز تاویلات کی ہیں کہ سن کر ان کے علم و فہم

نیز ان کی عقل و خرد پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے، رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے خود مصنف علیہ الرحمہ نے لکھا، ایں مقالہ رسالہ ایست در ختم نبوت، تفسیر آیت کریمہ۔ خاتم النبیین، کہ در رد الحاد و زندقہ و کفر و ارتداد و قادیانی علیہ اعلیہ صورت تحریر بہت " (مقدمہ خاتم النبیین)

علامہ کشمیری کے بعض تلامیذ کی مساعی | حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس فقہہ (قاویانیت) کی کس

قدر اہمیت تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہے کہ موصوف نے اپنے ذوق و مزاج کے خلاف، اور دیگر کثیر علمی مشاغل میں اشتغال اور قلت فرصت کے باوجود صرف یہ کہ خود گراں قدر علمی ذخیرہ جمع کر کے اس فقہ کے قلع قمع کرنے کی فکر کی، بلکہ اپنے متعدد ممتاز تلامیذ کو بھی اس راہ پر لگایا چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق احادیث جمع کرنے کا کام اپنی راہنمائی اور نگرانی میں انجام دلویا، جس کے نتیجہ میں "التفصیح بما توأثر فی نزول المسیح" جیسی عظیم و نافع کتاب وجود میں آئی اس کتاب کو بعد میں محقق عصر و محدث روزگار شیخ عبد الفتاح ابو غنہ شاہی استاذ جامعہ الامام محمد بن سعود (ریاض) نے نہایت اہتمام سے شائع کر کے اس کے حسن معنوی و صورتی میں غیر معمولی اضافہ کیا (فجزاہ اللہ خیر الجزاء)

اس کے علاوہ مفتی صاحب نے ایک کتاب سلیمس اردو زبان میں "ختم النبوة" کے نام سے لکھی جو تین حصوں میں مکمل ہوئی، پہلے حصہ "ختم النبوة فی القرآن" میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ آیت "خاتم النبیین" کی عالمانہ تفسیر و تشریح ہے، کہ اسے چھنے کے بعد مرزائی باطل توہمات اور رنگ تاولات کا آثار بوند بکھر کر رہ جاتا ہے موصوف نے اس حصہ میں پوری ایک سو آیتوں سے آنحضرت صلیم

چرچوت کا سلسلہ ختم ہو جانا ثابت کیا ہے۔

دوسرے حصہ میں مصنف کے بیان کے مطابق دو ٹوٹوس احادیث ختم نبوت کے اثبات میں حج کعبہ کے پیش کی گئی ہیں، ایسے اور آخری حصہ میں دو ٹوٹوں کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت ان مسائل میں سے ہے جن پر صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے، نیز یہ کہ ان چیزوں میں ہے جنہیں ضروریات دین کا درجہ حاصل ہے، اس بارے میں خود مصنف کے الفاظ یہ ہیں، "اسلامیت اسلامیہ کے ان ضروریات میں سے ہے کہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تیرہ سو سال تک تمام امت اسلامیہ کے افراد کا قطعی اجماع و اتفاق رہا ہے، جس نے کسی مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہو وہ کبھی اس مسئلہ میں شبہ یا تاویل کے درپے نہیں ہو سکتا (ختم نبوت حصہ سوم ص ۱۷)۔"

علامہ کشمیریؒ ہی کے ایک دوسرے ممتاز شاگرد، جن کی سعی و توجہ سے علامہ کی بخاری شریف کی درسی تقریر "فیض الباری" کے نام سے عربی کا جامہ پہن کر اور زیور طبع سے آراستہ ہو کر زندہ و جاوید بن گئی، یعنی حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ "ممدنی" کے بھی اس سلسلے میں گراں قدر نقوش ہیں، جن میں ان کا ایک رسالہ "آواز حق" جب منظر عام پر آیا تو اہل نظر نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی۔ جن کی تصنیف "قادیانی مذہب" اس موضوع پر سنگ میل کا درجہ رکھنے والی ایسی کتاب ہے جس سے قادیانیت پر کام کرنے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ نے اپنی اسی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے، "قادیانی صاحبان کی یہ غیر معمولی یورش اور سرگرمیاں دیکھ کر بالآخر مسلمانوں میں بھی توجہ و حرکت پیدا ہوئی، تحقیق کا شوق پھیلا چنانچہ ختم نبوت کے مسئلہ پر مسلمانوں کی طرف سے بھی رسالے نکلنے شروع ہوئے، لیکن اس سلسلے میں سب سے پہلے اور جامع رسالہ "آواز حق" نکلا، جو مولانا

بد عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا علمی کوشش ہے اور
 حیدرآباد میں شائع ہوا۔ (قادیانی مذہب ص ۱۷)

اسکے علاوہ مولانا مرحوم نے اپنی گراں قدر بلکہ شاہکار تصنیف "تجلیات اللہ"
 کے حصہ سوم کے مستقل ایک باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر
 تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے تشریف لانے پر حارثیہ
 نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے استدلال کے اسے ثابت کیا ہے، مولانا نے مسئلہ نزول
 عیسیٰ علیہ السلام پر اس تفصیل کے ساتھ کلام قادیانی فتنہ کے ہی پیش نظر کیا ہے
 اور قادیانی تبلیغات کا اچھی طرح جائزہ لے کر برا فائدہ نقاب کیا ہے اسی لئے یہ
 باب کتابی شکل میں مصنف کے پیش لفظ کے ساتھ "نزول عیسیٰ علیہ السلام" کے
 نام سے پاکستان کے ایک ادارہ (ادارہ نشریات اسلام، رحیم یار خاں) نے علاحدہ
 شائع کر دیا ہے اس میں مولانا نے اپنے خاص محققانہ اسلوب میں بہت بعیرت
 افروز اور علمی طریقہ پر نزول مسیح کے بارے میں اہل سنت کے عقیدہ کا اثبات
 اور مرزائی دعوائے مسیحیت کا ابطال کیا ہے، موصوف نے بحث کا آغاز ہی ایک
 نسبتہ اچھوتے اور موثر انداز میں کیا ہے، فرماتے ہیں، "حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کا رنج و نزول بے شک عالم کے عام دستور کے خلاف ہے، لیکن ذرا اس پر بھی
 تو غور کیجئے کہ ان کی ولادت کیا عالم کے عام دستور کے موافق ہے؟ ان کا نزول عالم
 کے درمیانی واقعات میں سے نہیں بلکہ عالم کے تخریب کی علامات میں شمار ہے، اور
 تخریب عالم، یعنی قیامت کی بڑی علامات میں سے ایک علامت بھی ایسی نہیں جو
 عالم کے عام دستور کے موافق ہو" (نزول عیسیٰ ص ۱۷)

اس بارے میں علامہ کشمیری کے ایک اور شاگرد حضرت مولانا محمد منظور اعوانی
 مدظلہ کی قلمی کاوشوں کا ذکر کرنا موصوف کے ساتھ ہی نہیں، موضوع کے ساتھ ہی

ناانصافی ہوگی، مولانا نہمانی کے قلم کی سادگی اور پرکاری عوام، بالخصوص بے پڑھے لکھے
 یا بہت کم پڑھے لکھے لوگوں کیلئے جس درجہ مفید اور موثر ہوتی ہے، اس کا مقابلہ
 نیردلوں میں اتر جانے والے ان کے انداز تحریر کا اثر عام لوگ جتنا لیتے ہیں اس
 کی برابری کم سے کم موجودہ فضلاء دارالعلوم میں شاید ہی کوئی کر سکے، مولانا محترم
 کے اپنے اسی خاص طرز میں مختصر مگر نہایت جامع اور موثر دو رسالے "قادیانیت
 پر غور کرنیکا سیدھا راستہ" اور "قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟" عام طور پر قادیانیت
 کے توڑ میں جتنے مفید، بلکہ ستم قادیانیت کے بارے میں عوام کے لئے جس درجہ کسیر
 ہیں، اس میں غالباً اس درجہ کی کسی اور کتاب کا نام لینا مشکل ہوگا البتہ دارالعلوم
 کے مستفیدین میں عالمی شہرت کے حامل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی
 ندوی مدظلہ کی کتاب "قادیانیت" خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے
 مرزائیت کے زہر کا تریاق فراہم کرتی ہے، مولانا نے محرم نے اس گردہ کی نفسیاتی
 اور ان کی ذہنی سطح و مذاق کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے عصری اسلوب میں یہ کتاب
 لکھی ہے اور ایک خاص بات یہ تحریر فرمائی ہے۔ جس کے لئے بعض غیر مسلم
 ہندوستانیوں کے مضامین بطور حوالہ پیش کئے ہیں۔ کہ قادیانیوں کو "ہندو"
 قومیت کے علمبردار ذہین لوگوں کی تائید و حمایت بھی حاصل رہی ہے، کیوں کہ
 وہ سمجھتے ہیں کہ "قادیانی نبوت پر ایمان لانے والوں کا قبلہ ہندوستان ہوگا
 نہ کہ حجاز" اور اس تحویل قبلہ کے جو دور رس نتائج ہو سکتے ہیں وہ اہل نظر
 سے مخفی نہیں (دیکھئے قادیانیت ۱۹۵۰ء طبع لاہور ۱۳۸۶ھ)۔

مولانا علی ہمایا صاحب نے ایک دوسری کتاب "البنی الخاتم" بھی لکھی ہے
 جس میں اس فتنہ کے بعض اور اہم پہلو بھی سامنے لائے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ
 "ختم نبوت" کا عقیدہ جن ملتوں میں نہیں ہے (مثلاً عیسائیت) وہ اس درجہ

انتشار اور براگنڈگی کا شکار نہیں کہ ہر روز نئے نئے پیغمبروں سے تنگ آکر وہ ان سب کی تکذیب ہی میں عافیت سمجھنے لگیں، اس پر مولانا نے ان ملتوں کے بعض ذہین لوگوں کی تصانیف شہادت میں پیش کیں (تخصیص کے لئے دیکھئے البنی الخاتم (عربی) از ۵۵ تا ۶۲)

آخر میں "مسک الختام" کے خطوط پر دارالعلوم کے اس عظیم فرزند کے ذکر سے قلم کو عزت بخشنا اور مقالہ کا حسن اتمام مقصود ہے جس نے نہ صرف زبان و قلم سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا بلکہ اس کی سرکوبی کے لئے سربکف میدان میں اتر پڑا کہ پھر جس کی قلندرانہ جسارت کی بنا پر ان فتنہ ساموں کا عرصہ حیات اسی زمین میں تنگ ہو گیا، جو سب سے زیادہ ان کے لئے فراخ، اور اپنے سینہ میں وسعت رکھتی تھی، میری مراد حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ سے ہے کہ جن کی مساعی جمیلہ اور تحریک "تحفظ ختم نبوت" دکرجس کے آخری اور فیصلہ کن دور میں وہ قائد تھے، کی بدولت پہلے پاکستان میں، پھر اس کی اتباع میں عالم اسلام کے دیگر ملکوں میں قادیانیوں کو غیر مسلم اور کافر قرار دیا گیا۔

ربنا لاترغ قلوبنا بعد اذ ہدینا وھب لنا من لدنک رحمة انک انت الوھاب۔

(حق)

محمد برہان الدین
دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ کلمنؤ۔

رأس الاذکیاء

حضرت مولانا اسید احمد حسن محدث امر وہی

اور مرزات اوپانی

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امر وہی

حضرت مولانا اسید احمد حسن محدث امر وہی (۱۳۳۰ھ) حضرت قاسم العلوم
والمعارف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت
نانوتوی کے خلیفہ مجاز بھی تھے، تحریر و تقریر میں اپنے استاذ معظم سے بہت مشابہت
رکھتے تھے اس لئے ان کو تصویر قاسم کہا جاتا تھا، حضرت مولانا نانوتوی ہی کے زلف
میں وہ کافی شہرت حاصل کر چکے تھے مدرسہ اسلامیہ خورجہ اور مدرسہ عبدالرب ہلی
میں مسند صدارت پر فائز رہے، بعد ۱۳۶۶ھ میں وہ حضرت نانوتوی کے ایما سے
مکسر شاہی مراد آباد کے سب سے پہلے صدر المدرسین ہوئے، ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ

عہ حضرت شیخ الہند سے حضرت محدث امر وہی کا رشتہ لکھا ہے جس کے چند اشاریہ ہیں۔

گم ہوئی آج مدح سرت ہمارے ہاتھ سے :- حضرت قاسم ثنائی دے گئے تھے اپنی جو
سید العلماء امام اہل عقل و اہل عقل :- پاک صورت پاک سیرت صاحب خلق بنکو
جب بشیرہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم :- تم ہی تباہ ہو کر پھر ہم کیا کریں اے دوستو
لوگ کہتے ہیں کہ چلے علامہ احمد حسن :- اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی، ہونہ ہو
کامل و اکمل سبھی موجود ہیں پر اسکو کیا :- جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو
اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں سب اہل کمال :- پر جگہ استاذ کی خالی پڑی ہے دیکھ لو
بادل پڑنا اس آئی کان میں میرے صدا :- حک ہوئی تصویر قاسم صفحہ ہستی سے نو

شاہی سے مستغنی ہو کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد اردو بہ گی داغ بیل ڈالی ،
 دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ بام عروج پر پہنچ گیا اور ملک و بیرون ملک سے حقوق و جوق
 تشنگان علوم اس دلائل علم میں آتے رہے۔ حضرت محدث اردو ہی کی شخصیت اور
 حضرت نانوتوی کی نسبت کی وجہ سے یہ مدرسہ بھی دیوبند اور سہارنپور کے مدارس
 سے کسی طرح کم نہ تھا، حضرت محدث اردو ہی کے شاگرد رشید، جو حضرت نانوتوی
 اور حضرت گنگوہی کے بھی شاگرد نیز حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز
 یعنی مفسر قرآن حضرت مولانا حافظا عبد الرحمن صدیقی محضی بیضادی، حافظا عبد لغنی
 صاحب پھلا ڈوی اور دیگر اکمال اساتذہ نے اس مدرسہ کو حضرت اردو ہی کی
 رفاقت میں چلایا، استاذ القراء حضرت قاری ضیاء الدین الابدادی نے اس مدرسہ میں
 درس تجوید دیا اور بیس حدیث حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، مولانا سید علی زینبی،
 اردو ہی، بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی، مولانا محمد امین الدین مترجم نفسی جسے سکولوں
 باکمال حضرات نے جو اپنے اپنے علاقوں میں صاحب درس و فتویٰ ہوئے اور تسلیم
 و تبلیغ کا کام انجام دیا، اس چشمہ رفیق سے سیرابی حاصل کی۔

پروفیسر عبدالعزیز زینمیں نے بھی اس مدرسہ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے، معقول
 و منقول کی انتہائی تعلیم اس درس گاہ میں ہوتی تھی یہاں کے فارغ شدگان کی
 ایک طویل فہرست ہے جس کو یہاں درج کرنا مقصود نہیں۔

حضرت اردو ہی نے اپنے استاذ حضرت قاسم العلوم والمطرف کی طرح ہر فن
 کا مقابلہ کیا اور اپنی تحریر و تقریر سے باطل کا پھرنے نہ دیا، باطل کی سرکوبی کرنا ان
 کا خاص نصب العین تھا، اس کام کو کہاں کہاں اور کس کس تدبیر سے انجام دیا
 اس کی تفصیل بھی مد نظر نہیں، مجھ اس مقالہ میں صرف حضرت محدث اردو ہی کی اس
 عروج و کونکر کتابے جو انہوں نے ہر زاویہ پر ان کے مقابلہ کی بدستوری سے

میں حکیم محمد حسن جو ایک اچھے خاندان کے فرد تھے مرزا قادیانی کے دام فریب میں آگئے اور قادیان سے ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا، قادیانی مذہب کے واقفین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حکیم محمد حسن امر دہی اور حکیم نور الدین بھیروی قادیانیوں کے یہاں نوحہ باللہ شیخین کا مرتبہ رکھتے ہیں اور ان کو رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے مرزا کی جھوٹی نبوت کا دار و مدار انھیں دونوں کی دجل آئینہ تحقیق پر تھا، حکیم محمد حسن نے اپنے محلہ کے قریب رہنے والے چند اشخاص کو مرزا قادیانی کی طرف مائل کر دیا تھا حضرت مولانا امر دہی اور ان کے ذی استعداد شاگردوں نے حکیم محمد حسن کا ڈنٹ کر مقابلہ کیا اور وہ اپنی باطل و بیجا کوشش میں امید کے مطابق کامیاب نہ ہو سکے ان لوگوں میں سے جو قادیانی کی طرف مائل ہو گئے تھے بعض لوگوں نے توبہ کر لی تھی حضرت محدث امر دہی کو بڑا فکر تھا کہ ان کے وطن میں یہ فتنہ و بار کی طرح پھیلتا جا رہا ہے چنانچہ وہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں جو مولانا حافظ عبدالغنی صاحب پھلاؤدی کے نام ہے اس فتنہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

بندہ نحیف احقر الزمان احمد حسن غفرلہ۔

خدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم حافظ مولوی محمد عبدالغنی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام و عائن گلہ ہے کہ امر وہ میں اور خاص محلہ دربار (کلاں) میں ایک مرض و بانی ہلک یہ پھیل رہا ہے، کہ محمد حسن جو مرزا قادیانی کا خاص حواری ہے، اس نے حکیم آل محمد کو جو مولانا نوحی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے مرزا کا مرید بنا چھوڑا اور سید بدر المحسن کو جس نے مدرسہ میں مجھنا کلامہ سے بھی

مولانا سید بدر الحسن امر دہی حضرت امر دہی کے تلامذہ میں سے تھے، ان کی آمد و رفت محمد حسن کے پاس رہنے لگی اور ان کی باتیں سن کر حیات حیح علیہ السلام میں (بیگانہ کے طور پر)

کچھ پڑھا رہے، مرزا کی طرف مائل کر دیا، ان دونوں کے بگڑنے سے محمد احسن کی بن پڑی، بن ترانیاں کرنی شروع کیں، طلبہ کے مقابلے سے یوں عقب گزاری (کی) احمد احسن میرے مقابلے پر آوے، میں جب مناظرہ پر آمادہ ہوا اور یہ پیغام دیا کہ حضرت! مرزا کو بلائیے صرف راہ میرے ذمہ دیا، مجھ کو لے چلئے میں خود اپنے صرف کا متکفل رہوں گا، بسم اللہ آپ اور مرزا دونوں مل کر مجھ سے مناظرہ کیجئے یا میرے طلبہ سے مناظرہ کیجئے ان کی مغلوبی میری مغلوبی، تب مناظرہ کا دعویٰ چھوڑ، مباہلہ کا ارادہ کیا، بنام خدا میں اس پر آمادہ ہوا اور بے تکلف کہلا بھیجا، بسم اللہ مرزا آوے، مباہلہ مناظرہ جو شوق دہ اختیار کرے میں موجود ہوں (میں نے) اسکے بعد جامع مسجد (امروہر میں) ایک وعظ کہا اور اس پیغام کا بھی اعلان کر دیا اور مرزا کے خیالاتِ فاسدہ کا پورا رد کیا۔

کل بروز جمعہ دوسرا وعظ ہوا جو بھضندہ تعالیٰ بہت پر زور تھا اور بہت زور کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان کو شک و تردد ہو گیا، بہت سے علماء نے ہر چند ان کو سمجھایا لیکن ان میں باطل کا اثر ہو گیا تھا اس لئے کسی کی زبانتے تھے اور اٹنا مناظرہ کرتے تھے، حضرت محدث اروہیؒ کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی ایک دن ان کو حضرت کے پاس لایا گیا ڈھ خود بخود آئے۔ حضرت نے ان کو دیکھ کر حرا یا مولوی بدر الحسن، حقیقت میں تم ہمارے طیب روحانی ہو، ہمیں غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہو سکتا، اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے تم نے ہمارا غرور توڑ دیا، نہ معلوم کہ کس جذبہ سے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ مولوی بدر الحسن زار زار رونے لگے اور قدموں پر لوٹے لوٹے پھرے اور اپنے فاسد عقیدہ سے توبہ کی یہی بدر الحسن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مجلس مناظرہ راجپور میں موجود تھے۔

ساتھ یہ پکار دیا کہ دیکھو مولوی فضل حق کا یہ اشتہار مطبوعہ راور، میرا یہ اعلان مرزا صاحب کو کوئی صاحب لوجہ اللہ غیرت دلائیں، کب تک غلوت خانہ میں چوڑیاں بیٹھے رہیں گے؟ میدان میں آؤ اور اللہ برتر کی قدرت کاملہ کا نام لے کر دیکھو کہ ابھی تک خدا کے کیسے کیسے بندے تم سے دہاں امت کی سرکوبی کے واسطے موجود ہیں۔ اگر تم کو اور تمہارے حواریں کو غیرت ہے تو آؤ ورنہ اپنے ہفتوات سے باز آؤ۔ بفضلہ تعالیٰ ان دونوں وعظوں کا اثر شہر میں امید سے زیادہ بڑا اور دشمن مرعوب ہوا۔

پیش گوئی تو یہ ہے کہ نہ مباہلہ ہو، نہ مناظرہ مگر دعائے ہر وقت یاد رکھنا مولانا گنگوہی مظلوم (اور) مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے بہت کلمات اطمینان تحریر فرمائے ہیں، ارادہ دہے، دوچار وعظ اور کہوں۔

(۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۰۲ء از امر وہہ)

خود حضرت محدث امر وہی نے مرزا کو براہ راست بھی ایک مکتوب گرامی تحریر فرمایا جو تادیبانیوں کی روئیداد مباحثہ راجپور میں درج ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں "بسم اللہ آپ تشریف لائے، میں آپ کا مخالف ہوں آپ مسیح موعود نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں آپ اپنے کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، میں بنام خدا مستعد ہوں، خواہ مناظرہ کیجئے یا مباہلہ آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث معتبرہ سے ثبوت دیکھے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس دعوے کی قرآن و احادیث صحیحہ سے تردید کروں گا۔ والسلام علی من اتبع الهدی"

راقم خادم الطلبة احقر از من احمد حسن غفرلہ

مدرس مدرسہ عربیہ امر وہہ

(ستہ ضروری مباحثہ راجپوری ص ۵۵)

(ماشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

ان تمام کوششوں کا ذکر مرزائے قادیان کے سامنے بھی ان کی ۳۱ عمت کی طرف سے بذریعہ خط یا براہ راست کیا جاتا ہوگا، مرزا کو جہاں دیگر علما، حق سے عناد تھا حضرت امروہیؒ سے بھی دلی بغض ہو گیا اور ایک رسالہ دافع البلاء لکھا جس میں ایک بڑی لمبی چوڑی تمہید کے بعد حضرت امروہیؒ کو مخاطب کیا ہے، مخاطبت میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا کو حضرت کی ذات سے اپنے لئے بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، دافع البلاء سے مرزا کی تحریر کے چند جملے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) عہ حضرت محدث امروہیؒ کی ایک تحریر مجھے ملی ہے جو عربی زبان میں ہے اور جس کو میں رسالہ دارالعلوم دیوبند بابت شعبان ۱۳۲۵ھ میں سلسلہ سوانح حضرت محدث امروہیؒ شائع کرا چکا ہوں اس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسیح ابن مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اٹھایا اور انکو قتل و صلیب سے بچا لیا وہ قرب قیامت میں خروج دجال کے بعد جامع دمشق کے منارہ شرقی سے اتریں گے اور دو دروازوں میں لپٹے ہوں گے اور دو فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا، گویا وہ ابھی غسل کر کے غسل خانہ سے برآمد ہوئے ہیں وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے دجال اکبر ان کے ہاتھ سے قتل ہوگا ان کے سانس سے کافر مرجائے گا، جہاں تک ان کی نظر جائے گی باطل ختم ہو جائے گا، یہ باتیں حق ہیں اس میں باطل کو راہ نہیں۔

کتاب اللہ سے اور نبی صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے یہی ثابت ہے جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح ابن مریم دفات پانگے اور وہ خود نبوذا اللہ (قادیانی) ہے

..... مولوی احمد حسن صاحب امرودھی کو ہمارے مقابلہ کیلئے
 خوب موقع مل گیا ہے ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے
 مشرکاذ عقیدہ کی حمایت میں، تاکہ کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچائیں
 اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنا دیں بڑی جا فکاہی سے کوشش کر رہے ہیں ...
 اگر مولوی احمد حسن صاحب کسی طرح باز نہیں آتے تو اب وقت آ گیا ہے
 کہ آسمانی فیصلہ سے ان کو پتہ لگ جائے یعنی اگر وہ درحقیقت مجھے جھوٹا سمجھتے
 ہیں اور میرے الہامات کو ان کا انفرادی خیال کرتے ہیں نہ خدا کا کلام تو سہل
 طریق یہ ہے کہ جس طرح میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر انہ اوی القویۃ لولا
 الاکھلام لہلک المقام ڈانہ اوی الامردھہ لکھدیں مومنوں کی دعا تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسیح موعود ہے اس نے اللہ اور اسکے رسول سے بغاوت کی
 اور اس نے کتاب اللہ اور احادیث کی نصوص ظاہرہ سے اعراض کیا اور اثبات کی
 مخالفت کی وہ ومن یشاقق الرسول الایہ کامصدق ہے، یہ مرزائی جھوٹ بولتے
 ہیں، یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے قول کو باطل
 کر دکھلایگا اور حق کی فتح ہوگی، اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے، اے مسلمانو! اور اے
 کتاب اللہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ایوب! تم اس گمراہ اور گمراہ کن
 شخص سے بچتے رہو اور اسکے میل جول سے سخت پرہیز رکھو اس لئے کہ یہ اس
 امت کا دجال ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ
 قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس جھوٹے دجال نہ آجائیں ان میں سے ہر ایک
 یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حررہ خادم الطالبہ احقر الزین

احمد حسن حسینی امرودھی مخزن دارالودیعہ دارالاسیما دہلی

خدا سنتا ہے وہ شخص کیسا مومن ہے کہ ایسے شخص کی دعا اسکے مقابلہ میں تو سنی جاتی ہے جس کا نام اس نے دجال اور بے ایمان اور منقری رکھا ہے مگر اس کی اپنی دعائیں نہیں سنی جاتیں۔ پس جس حالت میں میری دعا قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آوے۔ اسی طرح مولوی احمد حسن صاحب کو چاہئے کہ اپنے خدا سے جس طرح ہو سکے امر و نہی کی نسبت دعا قبول کرائیں کہ وہ طاعون سے پاک رہے گا اور اب تک یہ دعا قریب قیاس بھی ہے کیوں کہ ابھی تک امر و نہی طاعون سے دو سو کو س کے فاصلہ پر ہے لیکن قادیان سے طاعون چاروں طرف بفاصلہ دو کو س آگ لگا رہی ہے، یہ ایک ایسا صاف صاف مقابلہ ہے کہ اس میں لوگوں کی بھلائی بھی ہے اور نیز صدق اور کذب کی شناخت بھی کیونکہ اگر مولوی احمد حسن صاحب لعنت باری کا مقابلہ کر کے دنیا سے گذر گئے تو اس سے امر و نہی کو کیا فائدہ ہوگا، لیکن اگر انھوں نے اپنے فرضی مسیح کی خاطر دعا قبول کرا کے خدا سے یہ بات منوالی کہ امر و نہی میں طاعون نہیں پڑے گی تو اس صورت میں نہ صرف ان کو فتح ہوگی بلکہ تمام امر و نہی پران کا ایسا احسان ہوگا کہ لوگ اس کا شکر نہیں کر سکیں گے اور مناسب ہے کہ ایسے مباہلہ کا مضمون اس اشتہار کے کے شائع ہونے سے چند دن تک بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے دنیا میں شائع کر دے جس کا یہ مضمون ہو کہ میں یہ اشتہار مرزا غلام احمد کے مقابل پر شائع کرتا ہوں جنھوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میں جو مومن ہوں، وہاں قبولیت پر بھروسہ کر کے یا اللہم پا کر یا خواب دیکھ کر یہ اشتہار دیتا ہوں

مرزا قادیانی کے یہاں طاعون موخت ہے

کہ امر وہ ضرور بالفرد طاعون کی دست برد سے محفوظ رہے گا، لیکن
 قادیان میں تباہی پڑے گی کیونکہ مغربی کے رہنے کی جگہ ہے۔ اس اشتہار
 سے غالب آئندہ جاڑے تک فیصلہ ہو جائیگا، دوسرے تیسرے جاڑے تک
 اول یہ کارروائی (طاعون) پنجاب میں شروع ہوئی لیکن امر وہ
 بھی مسیح موعود کی محیط ہمت سے دور نہیں، اس لئے اس مسیح کا کافر کل
 دم ضرور امر وہہ تک بھی پہنچے گا یہی ہماری طرف سے دعویٰ ہے، مولوی
 احمد حسن اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد جس کو وہ قسم کے ساتھ
 شائع کرے گا امر وہہ کو طاعون سے بچا سکا اور کم سے کم میں جاڑے امن سے
 گذر گئے تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں، پس اس سے بڑھ کر اور کیا فیصلہ
 ہوگا اور میں بھی خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں اور وہی
 ہوں جس کا نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانے کا نسبت
 توریت اور انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے کہ اس وقت آسمان پر
 خسوف و کسوف ہوگا اور زمین پر طاعون پڑے گی، اور میرا یہی نشان ہے
 کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امر وہہ میں رہتا ہو اور خواہ امرتسر میں خواہ دہلی
 میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹار میں
 اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہیگا تو ضرور
 وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائیگا، کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر
 گستاخی کی اور یہ امر کہہ مولوی احمد حسن صاحب تک محدود نہیں بلکہ اپنا
 تو آسمان سے تمام مقابلہ کا وقت آگیا اور جس قدر لوگ مجھ جھٹا سمجھتے ہیں جیسے
 شیخ محمد حسین بٹالوی جو مولوی کر کے مشہور ہیں اور پیر مہر علی شاہ گولڑہ
 جس نے بہتوں کو خدا کی راہ سے روکا ہے اور عہد انجیل اور عہد توریت اور عہد

جو مولوی عبداللہ کی جماعت میں سے طہم کہلاتے ہیں، اور نقشی الہی بخش صاحب - اکاونٹنٹ جنھوں نے میسر مخالف اہام کا دعویٰ کر کے مولوی عبداللہ صاحب کو سید بنا دیا ہے اور اس قدر مرتج جھوٹ سے نفرت نہیں کی اور ایسا ہی نذیر حسین دہلی جو ظالم طبع اور تکفیر کا بانی ہے ان سب کو چاہئے کہ ایسے موقع پر اپنے اہاموں اور اپنے ایمان کی عزت رکھیں اور اپنے اپنے مقام کی نسبت اشتہار دے دیں کہ وہ ظالموں سے بچا یا جائیگا اس میں مخلوق کی سراسر بھلائی اور گورنمنٹ کی خیر خواہی ہے اور ان لوگوں کی عظمت ثابت ہوگی اور دلی سمجھے جائیں گے ورنہ وہ اپنے کا ذیل دروغری ہونے پر مہر لگادیں گے اور ہم عنقریب انشاء اللہ اس بارے میں مفصل اشتہار شائع کریں گے۔ والسلام علی من اتبع الهدی

(ماخوذ از داغ البلاہ ۱۳ ماہ ۱۳۱۵ مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان مورخہ اپریل ۱۹۲۲ء)

طاعون کی پیش گوئی کا انجام

قادیان میں طاعون کا آنا، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزا کی بہت سی پیش گوئیوں کا اثاثر دکھانے کے بعد اس پیش گوئی پر بھی اپنے رسالے اہامات مرزا میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، میں اس موضوع پر آج کے پچھلے صفحہ میں چند اقتباسات پیش کرتا ہوں، مولانا امرتسری فرماتے ہیں

”اس پیش گوئی پر تو مرزا جی نے اپنی صداقت کا بہت کچھ مدار رکھا ہے، رسالہ داغ البلاہ میں تو اس قدر زور ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کو لاکھا جاتا ہے: کوئی ہے کہ وہ بھی ہلای طرح اپنے اپنے شہر کو بہت کہے انہ اویحی القویۃ۔ یہاں (قادیان میں) طاعون کیوں نہیں آتا، بلکہ جو کوئی بہر کا آدمی قادیان میں آتا ہے وہ بھی اچھا بھاتا ہے: مگر خلیک سٹین کیا ہی کسی نے پچ کہا ہے۔“

حبیب بکر کو دیکھو وہ کیسا سراسر اٹھاتا ہے
سکبر وہ بری شئی ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

چند روز تو مرزا جی نے بہت کوشش کی کہ قادیان کے طاعون کا اظہار نہ ہو مگر بکری کی ماں کب تک خیر ملتے، اُسے جب یہ امر ایسا مستحق ہو گیا کہ مرزا جی کو اپنی جان کے لئے پڑ گئے تو ایک اعلانِ خلیّیٰ حرفوں میں باری کیا جو درج ذیل ہے۔
اعلانِ بے چونکہ آج کل مرض طاعون ہر جگہ بہت زور پر ہے اس لئے اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برعایت اسباب بڑا مجمع جمع ہونے سے پرہیز کیا جائے اس لئے یہ قیوں مصلحت ہوا کہ دسمبر کی تعطیلوں میں جیسا کہ پہلے اکثر احباب قادیان میں جمع ہو جایا کرتے تھے، اب کی دفعہ اس اجتماع کو ملحوظ مذکورہ بالا ضرورت کے موقوف رکھیں اور اپنی اپنی جگہ پر خدا سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اس خطرناک ابتلاء سے ان کو اور ان کے اہل و عیال کو بچا دے
(اخبار البدر قادیان ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

اشارت کیسی دلی زبان سے قادیان میں طاعون ہونے کا اقرار ہے، کس سوچ بچار سے کھا گیا ہے کہ "نسبتاً آرام" ہے جس سے دامِ افتادوں کو بالکل آرام ہی معلوم ہو مگر دانا اس نسبت کے لفظ کی نسبت کو سمجھتے ہیں اور اس کی جانچ کرنے کو سرکاری رپورٹس پیش کرتے ہیں، چنانچہ قادیان کے اخبار البدر دجھڑا جی کا ڈائری نوٹس ہے کے نمبر ۱۵ صفر ۱۳۲۲ پر لکھا ہے کہ۔

رانے پر تاپ سنگھ نے جو قادیان میں لوگوں کو تیکر لگانے آئے تھے، کہا کہ میں مرزا صاحب سے بھی کہتا مگر انہوں نے ڈھنگ بنایا ہوا ہے اس لئے میں نہ سرِ رحمت ان کی خدمت میں کچھ نہیں کہتا۔ میں یہاں تر آتا مگر چونکہ تودہ تر پورٹ پہنچ رہی ہے کہ یہاں (چوہڑوں میں طاعون ہے اس لئے) لگا پڑا ہے۔

یہ سنکر جناب مرزا صاحب کس نازداد اسے بعد تسلیم وجود طاعون دہلی زبانی سے
تاریخ لکھتے ہیں۔

انہ اوی القویہ میں قریہ کا لفظ ہے قادیان کا نام نہیں اور قریہ قیرا سے
نکلے جس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں وہ لوگ جو آپس
میں مواصلت رکھتے ہیں، اس میں ہندو اور چوہڑے داخل نہیں۔
(اخبار مذکورہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حالانکہ رافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند مشہور رکھتے ہیں، خدا نے سبقت کر کے
قادیان کا نام لے دیا ہے۔ اب یہاں صاف ہی انکار ہے۔ خدا کی شان کہ
ابھی کلی ہی کا ذکر ہے کیوں لکھا جاتا تھا اور شور مچایا جاتا تھا کہ
(تیسری بات جو اس وحی (متعلق طاعون) سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے
کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گوستر برس تک رہے)
قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھیگا کیونکہ یہ اس کے رسول کا
تخت گاہ (ہے) اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔
مولانا امیر تسری اس عبارت کو درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

مگر آج یہ بات کھلی کہ قادیان کا نام ہی نہیں قادیان کے رہنے والوں سے ہم نے
بگوش خود سنا کہ اگر مرزا یہ پیش گوئی کرتا تو قادیان میں کبھی طاعون نہ آتا،
جب سے اس نے پیش گوئی کی ہے ہم نے اسی روز سے سمجھا تھا کہ ہماری خیر
نہیں، خدا اس کی تکذیب کرنے کو قادیان میں ضرور ہی طاعون بھیجے گا، سو ایسا
ہی ہوا۔

۱۱ اپریل ۱۹۰۲ء کے اخبار البدر قادیان میں مندرجہ ذیل ایک نوٹ
ایڈیٹور کی طرف سے نکلا تھا (وہ یہ ہے)

قادیان آریہ سماج کے دو ستر سالانہ جلسہ پر جو کہ ۲-۳ اپریل کو ہوا، سنا گیا ہے کہ یوگینڈا پال صاحب نے بڑے دعوے سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہم بذریعہ ہٹون کے قادیان کو (طاعون سے) پاک دھوا کر سگے۔ سو جلسہ کا ختم ہونا تھا کہ یوگینڈا پال تو کیا صاف کرتے خود طاعون نے صفائی شروع کر دی اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں معتبر شہادت کے حوالہ سے بتلایا گیا ہے کہ مارچ اپریل ۱۹۰۲ء کے دو مہینوں میں ۳۱۳ آدمی قادیان میں طاعون سے مرے ہیں حالانکہ کل آبادی ۲۸۰۰۰ کی ہے، سب لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے تمام قصبہ ویران سنسان نظر آتا ہے۔

مولانا شامشاہد امرتسری مرزا غلام احمد قادیانی کی مندرجہ ذیل عبارت حقیقت الوحی مش سے نقل فرماتے ہیں۔

” طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون زور پر تھا میرا رطاکا۔ شریف احمد بیمار ہوا راخوذازاہلمات مرزا مصنفہ مولانا شامشاہد امرتسری (

مناظرہ رام پور

رامپور میں نشی ذوالفقار علی قادیانی ہو گئے تھے رجب مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے) اور ان کے چچا زاد بھائی حافظ احمد علی خان شوق رامپوری، بھارت حق کے ساتھ تھے دونوں ہی نواب رامپور کے خاص ملازم تھے، مولانا شامشاہد امرتسری کے قول کے مطابق ان دونوں میں بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا، نواب محمد علی خان دانی ریاست رامپور نے اس بحث و مباحثہ کا حال معلوم کر کے کہا کہ دونوں فریق سرکاری خرچ پر اپنے اپنے علماء کو بلائیں، چنانچہ ۱۵ جون مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی، اہل حق کی طرف سے حضرت محدثہ امروہی شیخ الہند

مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد، حضرت مولانا تھانوی وغیرہم کو مدعو کیا گیا، ابوالوفاء مولانا شمارا شمار تسری نے مناظرہ کیا، فریق ثانی کی حمایت کے لئے حکیم محمد احسن امر وہی، خواجہ کمال الدین وغیرہما رامپور پہنچے تھے حضرت مولانا مروہی نے مولانا حافظ جلدغنی پھلا دئی کو ایک مکتوب گرامی میں اس مناظرہ کے بارے میں یوں تحریر فرمایا تھا

..... امسال ایک مرتبہ دہرہ دون جانا ہوا اور پھر بھاگلپور اب ریاست رامپور میں فیما بین اہل سنت و جماعت و گروہ قادیانی مناظرہ قرار پایا ہے، رئیس (نواب) کی خواہش ہے میری مشافہت میں مناظرہ ہو، قادیانیوں نے مولوی محمد احسن امر وہی، مولوی سرور اور دوچار اور کو منتخب کیا ہے، ادھر سے اول میرا نام لیا گیا ہے اور مولوی محمد اشرف علی صاحب کا (اور) مولوی خلیل احمد، مولوی مرتضیٰ حسن چاند پوری کا، نیز پندرہ جون مقربے کل بطلب بندہ رجسٹریا خط آیا کہ آپ بروز پنجشنبہ دس جون کو رام پور آجائیں امور مزوریہ آپ کے سامنے طے ہونے میں، غالباً جمعہ کے بعد روانہ ہوں، میں نے مولانا محمود حسن صاحب صاحبزادہ صاحب (مولانا حافظ محمد احمد) اور مولانا حبیب الرحمن صاحب کو لکھا ہے کہ (امروہہ) جمعہ پڑھیں اور ایک ساتھ روانہ ہوں، غالباً سب حضرات تشریف لائیں آپ کو مزوریہ تکلیف دی جاتی ہے کہ دعا اور ہمت قلبی سے اعانت کریں۔

(۱۹ جمادی الاول ۱۳۲۴ھ بروز چہار شنبہ مطابق) ۸ جون ۱۹۰۹ء)

اپنے دوسرے مکتوب گرامی میں اس مناظرہ میں جو نمایاں کامیابی ہوئی اس کو مولانا حافظ جلدغنی پھلا دئی کے نام ایک مکتوب میں یوں ارقام فرماتے ہیں۔

پندرہ نحفہ احقر الزمن احمد حسن فقیر! — بخدمت جامع مک لالتا

برادر مکرم مولوی حاجی حافظ محمد عبدالغنی صاحب سلمہ

بعد سلام مسنون مکلف ہے۔

..... رامپور جانے کے بعد شنبہ کے روز مناظرہ شروع ہوا مسئلہ

وفات مسیح کا مولوی محمد احسن قادیانی مرزائی نے ثبوت پیش کیا

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اہل اسلام کی طرف سے تحقیق والایمی وہ جوابات
دنوں شکن دینے کے ماٹار اللہ مجلس میں ہر خاص و عام پر محمد احسن کی مغلوب اور
مولوی ثناء اللہ کا غلبہ واضح و ثابت ہو گیا، اسی روز رامپور میں عام شہرت ہو گئی
(کہ) قادیانی پسپا ہوئے مگر وہ بے غیرت اگلے روز بھی آگے بڑھنے لگے، محمد احسن کو
ناقابل مان کر خود ان کے گروہ نے دوسرا مناظرہ مقرر کیا وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا،
تیسرے روز الزامی جوابات میں بہت ذلیل ہوئے، نواب صاحب نے فرمایا
یہ مسئلہ ختم ہوا اور حاضرین کو حق و ناحق معلوم ہو گیا، اب نبوت مرزا کا ثبوت دیکھنے
آبادہ نہ ہوئے اور ایک شب کی ہمت لی، شب میں یہ درخواست لکھی کہ حضور
(نواب صاحب) اہل اسلام کے حامی ہیں بمقابلہ حضور ہم کو مناظرہ کرنا منظور
نہیں، نیز مناظرہ اہل اسلام بد زبان ہے ہمارے مقتدا وسیلہ نجات (مرزا قادیانی)
کی بھاری گستاخی کرتا ہے، لہذا ہم کو مناظرہ کرنا کسی حال میں منظور نہیں، معاف
فرمائیے۔ یہ درخواست لکھ کر بعضے شب میں ہی روانہ ہوئے اور بعضے دن
میں راہی ... واللہ شہد ... (۲۸ جون ۱۹۰۹ء)

اب مناسب خیال کرتا ہوں کہ مناظرہ رامپور کی کچھ رویتداد ہفت روزہ

اجنار دہ بد بے سکندری رامپور سے پیش کی جائے

دہ بد بے سکندری کے دوپہر چوں میں مناظرہ کا مختصر حال لکھا ہے مفصل طور پر

مناظرہ کی رپورٹ نہیں لکھی ہے۔ ایک پرچہ سے معلوم ہوا کہ حافظ احمد علی صاحب نے

مناظرہ کی مکمل روئیداد دہدہ سکندری کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ بعض مواعظ کی دہرے پوری کیفیت تحریر کر کے دہدہ سکندری کو نہ بھیج سکے، ممکن ہے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے رسالہ اہل حدیث میں مناظرہ کے تمام احوال و کوائف شائع کر دیئے ہوں، لیکن رامپور کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اخبار اہل حدیث کا کوئی فائل ۱۹۱۱ء سے پہلے کا نہیں ہے، حضرت محدث اردوہی کی ایک معرکہ الاماء تقریر بھی مناظرہ کے دوران یا اختتام پر نواب کی موجودگی میں ہوئی تھی اس کا بھی حاضرین پر بہت اثر پڑا تھا، مولانا عبدالوہاب خاں رامپوری مرحوم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے یہ تقریر سنی تھی، یہ مناظرہ قلعہ رامپور کے اندر ہوا تھا اور اندازہ ہوتا ہے کہ علاوہ خواص کے شہر کے اور بھی بہت سے تعلیم یافتہ اشخاص کو سماعت کا موقع ملا تھا، مناظرہ ۵ جون ۱۹۰۹ء کو شروع ہوا اخبار دہدہ سکندری کے پرچوں میں اس کی جو روئیداد چھپی ہے اس کی تغیص یہ ہے۔

اس ہفتہ میں کئی روز حضرات علماء اسلام اور جماعت احمدیہ قادیانی میں نہایت عمدہ مناظرہ ہوا، اس مناظرہ کے محرک و مجوز جناب حافظ احمد علی خاں صاحب حنفی نقشبندی ہستم کار خانہ جات، ذات خاص حضور اور منشی ذوالفقار علی خان صاحب پرنٹنگ ٹنٹلر محکمہ آبکاری ریاست رامپور میں۔

بہت سے حضرات علماء اسلام مناظرہ میں تشریف لائے ہیں، جن میں سے چند حضرات کے نام نامی یہ ہیں۔ (حضرت) مولانا احمد حسن اردوہی حضرت مولانا فیصل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، جناب مولانا محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، جناب مولانا محمد الدین صاحب امرتسری، جناب مولانا محمد برکات علی صاحب سہارنپوری، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب دلپوی، جناب مولانا محمد عاشق الدین صاحب میسرہ علی

جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، جناب حاجی محمد عبد الغفار صاحب سوداگر
 دلپن، جناب مولوی حکیم قیام الدین صاحب جوپوری، جناب مولوی محمد جواد رضا خاں
 صاحب حنفی قادری بریلوی، جناب ڈاکٹر محمد عبد الحکیم صاحب سنٹ سرجن پیٹالہ،
 حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری، جناب مولوی عبد الغفار خاں
 صاحب حنفی نقشبندی رامپوری جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست
 رامپور، جناب مولانا محمد فضل حق صاحب رامپوری مدرس اول مدرسہ عالیہ ریاست رامپور
 جماعت قادیانی کی طرف سے یہ اشخاص آئے ہیں

مولوی محمد احسن صاحب مردہی، میاں سرور شاہ صاحب منشی مبارک علی
 صاحب، منشی قاسم علی صاحب، منشی محمد علی صاحب ایم، اے، خواجہ کمال الدین
 صاحب وکیل لاہور، منشی یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم قادیان، حافظ روشن علی
 صاحب، ڈاکٹر محمد یعقوب خاں لاہوری، شیخ رحمت اللہ سوداگر لاہور وغیرہ۔
 ۱۵ جون ۱۹۰۹ء - حیات و ماتِ مسیح علیہ السلام کی بحث چلی، سب
 سے پہلے جماعت قادیانی کی طرف سے محمد احسن مردہی نے ایک تحریری مضمون پڑھا
 مولانا محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ان کے چاروں استدلالوں پر نقض قائم کر دینے
 مولوی محمد احسن کے بیان کی بے ربطی کا خود قادیانی جماعت نے اقرار کیا اور اس امر
 کو ان کی پیرائے سالہ کے سرمنڈھا۔

۱۶ جون ۱۹۰۹ء - کو بعد معزونی محمد احسن منشی قاسم علی نے تحریری بیان
 و ماتِ مسیح علیہ السلام پر پڑھنا شروع کیا، بجائے اسکے کہ مولانا محمد ثناء اللہ کے
 کل کے چار اعتراضات کا جواب دیا جاتا وہ ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر کے بعد صرف
 ایک عرض کی جانب پلٹ کر آئے

۱۷ جون ۱۹۰۹ء - کو ناسازی طبع کی وجہ سے نواب صاحب غنائی

میں نہیں آئے اور ان کی قائم مقامی چیف سکریٹری اور ریونیوسیکریٹری نے کی،
(آج) قادیانی جماعت کے مناظر سے کہا گیا کہ وہ مولانا ام تسری کے اعتراضات کا
جواب دیں مگر جماعت قادیانی کی جانب سے جواب دینے میں بہلو تھی کی گئی۔

۸ جون ۱۹۰۹ء — کو مناظرہ نہیں ہوا۔

۹ جون ۱۹۰۹ء — کو مناظرہ ہوا۔ آج بھی قادیانی مناظرہ دفات
مسیح علیہ السلام کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے۔ (اخبار دبیر سکندری ۱۱ جون ۱۹۰۹ء)
۲۰ جون کو اہل اسلام نے کہا کہ قادیانی ثبوت دفات مسیح علیہ السلام دینے سے

گریز کرتے ہیں اور بار بار کے اصرار پر بھی عاجز ہیں کل سے حضرات علماء اہل اسلام
ابطال ثبوت مرزا پر گفتگو کریں گے، اس پر خواجہ کمال الدین نے مناظرہ سے جان
بچانے کے ڈھنگ نکالے اور بیٹ دھرم سے کام لینا چاہا، بہت رد و قرح کے
بعد قادیانیوں سے کہا گیا کہ دفات حضرت مسیح علیہ السلام پر آپ کو جو کچھ کہنا ہو
کہیں تاکہ مسئلہ تو ختم ہو چنانچہ فتنی قاسم علی نے تحریری مضمون پڑھنا شروع
کیا اور اہل اسلام کی طرف سے جو تقض ان پر وارد ہوئے تھے بعض کا جواب دیا،
قادیانیوں کی تحریر کے ختم پر جناب مولانا شہار اللہ صاحب کھڑے ہوئے، اور
تھوڑی دیر میں انھوں نے فریق مخالف کے تمام دلائل کو تار عنکبوت کی طرح
توڑ دیا۔ اسی دن قادیانیوں نے یہ لکھا کہ ہم مناظرہ کرنا نہیں چاہتے، اسی بعد اولیٰ علی
اللہ تعالیٰ نے دین حق کی نصرت فرمائی اور قادیانی صاحب و خاسر ۳۰ جون
کی شب اور ۳۱ جون کو یہاں سے چلے گئے جناب مولانا قیام الدین صاحب بخت
چمپوری نے کیا خوب تاریخ کہی۔

رام پوداے مگر کھائی شکست
لیکن اس نسبت آہنا غلط است

قادیانی پئے احقاق حق
اجہری کہتے ہیں پئے کودہ لوگ

بخت نے لکھی یہ سچی تاریخ احمدیوں کو ہونی فاش فکرت

(اخبار دبیدہ سکندری ۲۸ جون ۱۹۰۹ء)

اخبار دبیدہ سکندری ۲۲ جون ۱۹۰۹ء کو ایک تحریر فیصلہ حضرات علماء کرام اہل اسلام دربارہ مسد حیات دہمت حضرت سیح علیہ السلام کے عنوان سے چھپی ہے جس کے آخر میں علماء امر وہب، مراد آباد، رامپور، بسولی، دیوبند، سہارنپور، کاڈھلہ میرٹھ، دہلی، امرتسر، سیالکوٹ، جوچنوز کے علماء کے دستخط ہیں، ذیل میں فیصلہ کی تحریر اور دستخط کنندگان کے نام لکھے جاتے ہیں۔

۱۶ جون ۱۹۰۹ء کو مباحثہ

بموجودگی نواب صاحب رامپور یہ مباحثہ مجمع عام میں ہم لوگوں کے سامنے تواریخ مذکورہ میں ہوا، جماعت اہل اسلام کی طرف سے جناب مولانا مولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری مناظر مقرر ہوئے (پہلے دن جماعت قادیانی کے مولوی محمد حسن صاحب نے ایک تحریر پڑھی جس پر اعتراضات ہوئے) مگر دوسرے دینے روز جماعت قادیانی کی طرف سے منشی قاسم علی صاحب ہوی نے تحریر پڑھی وفات سیح علیہ السلام کے متعلق جتنے دلائل قادیانی جماعت کی طرف سے پیش ہوئے اسلامی مناظر نے ایک ایک کا جواب بڑی خوبی سے دیا، نمایاں طور پر حیات سیح علیہ السلام کو ثابت کر دیا، فجزاء اللہ عنا و سائر المسلمین خیراً اے اس بحث سے شکستہ خاطر ہو کر قادیانیوں کو دوسرے مسد (نبوت مرزا قادیانی) پر بلو جو دیا گیا ہے بحث کرنے کی جرأت نہ ہوئی لہذا وہ دوسرا مسئلہ پیش کئے بغیر خود بخود پھلے گئے خدا اللہ علی ذلک صدق اللہ العلی العظیم جبار الحق و زوق الباطل اذ الباطل کا لہذا ہوتا

(مولوی محمد عبدالغفار رامپوری (مولوی) محمد لطف اللہ ابن مفتی سعد اللہ رامپوری)
 (مولوی) محمد اعجاز حسین وکیل رامپوری (مولوی) محمد فضل اللہ رامپوری (مولوی)
 محمد بشیر احمد مدرس دل مدرسہ انوار العلوم رامپور (مولوی) محمد اسلم (مولوی) فضل حق
 رامپوری مدرس اول مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) افضال الحق رامپوری (مولوی)
 محمد نبی رامپوری (مولوی) مرتضیٰ حسن چاند پوری مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند (مولوی)
 ابراہیم سیالکوٹی (مولانا) محمود حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ دیوبند (مولانا)
 عبد الرحمن مدرس اول مدرسہ شاہی مراد آباد (مولوی) محمود حسن ہسوانی مدرس دوم
 مدرسہ شاہی مراد آباد (مولانا) محمد شرف علی تھانوی (مولانا) احمد حسن امرہی،
 مدرس اول مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امرہہ (مولوی) محمد امین مدرس مدرسہ جامع مسجد امرہہ
 (مولوی) رضا حسن مدرس مدرسہ امرہہ (مولوی) عبدالرؤف امرہہ (ابن مولانا
 سید رانت علی) (مولوی) محمد شفیق احمد امرہہ (مولوی) محمد معظّم حسین امرہہ
 (مولوی) محمد سلیم سکندر پوری مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) سید محمد شاہ (محدث)
 رامپوری (مولوی) سید محمد شاہ رامپوری (مولوی) محمد منور علی (محدث) رامپوری،
 مدرس درجہ حدیث مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) محمد طیب عرب (مولوی) محمد قیام الدین
 جونپوری (مولانا) محمد سہول بھانگلپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند (مولوی) محمد ابراہیم
 دہلوی (مولوی) محمد قدرت اللہ مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد (مولانا) خلیل احمد
 (محدث) سہارنپوری مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (مولوی) محمد عاشق الہی
 میرٹھی (مولوی) محمد یحییٰ مدرس دوم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (دلیلہ شیخ الحدیث)
 (مولوی) محمد اسماعیل انصاری امرہہ (مولوی) سید بدر الحسن امرہہ (مولوی)
 سزاد احمد امرہہ (مولانا) محمد فیصل اللہ مدرس مقیم رامپور (مولوی) احمد امین خان
 دوم مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) احمد نور مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) غلام رسول
 صاحب شاہیہ اکلہ مغربیہ

مدد مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) صاحبزادہ محمد الطاف المعروف میانجامنشاں رامپوری،
 (مولوی) محترم اللہ خاں (مدرس مدرسہ عالیہ رامپور) (مولوی) محمد یوسف (مقیم رامپور)
 غلام رحمانی مقیم رامپور، (مولوی) سید سجاد علی بسولوی مقیم رامپور (مولوی)
 وزیر محمد خان مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) محمد فضل کریم مقیم رامپور (مولوی)
 دیانت حسین مقیم رامپور (مولوی حافظ) عبدالغفار دہلوی (مولانا حافظ) —
 نور الدین احمد دہلوی۔

نواب رامپور نے اس مناظرہ کا جو فیصلہ دیا ہے اس کو مولانا ثناء اللہ امرتسری
 نے صحیفہ محبوبیہ اور اہاماتِ مرزا کے آخر میں درج کیا ہے، ذیل میں اس کو بھی
 نقل کیا جاتا ہے۔

” رامپور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفاد
 محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت
 فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔
 انھوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت
 کیا ہم ان کے بیان سے محفوظ و مسرور ہوئے۔

(محمد حامد علی خان والی ریاست رامپور)

(صاحبیہ صفحہ گذشتہ) دبدبہ سکندری میں بجائے محمود حسن کے محمد میاں لکھا گیا ہے، جو
 غالباً نامہ نگار کلام واقفیت کا نتیجہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فتنہ قادیانیت (حصہ)

حضرت مونگیریؒ کی خدمات جلیلہ

از :- امیر شریعت بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مدظلہ، مونگیر

فرق باطلہ میں قادیانی فرقہ بڑی تیزی سے ابھرا، بڑھا، اور مسلمانوں میں پھیلتا چلا گیا، اس سے جاہل عوام اور ناخواندہ مسلمان ہی متاثر نہ ہوئے، تعلیم یافتہ بھی ان کے حلقہ بگوش ہوئے، قادیانی فرقہ نے جس زلزلے میں اپنی تحریک و دعوت کا آغاز کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ متحدہ ہندوستان کے مسلمان مختلف گروہوں، ٹولیوں میں منقسم تھے، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور کربستہ تھا، مذہبی مناظروں اور مباحثوں کا بازار گرم تھا، جس کے نتیجے میں اکثر اربپیٹ، قتل و خون، اور عدالتی چارہ جوئیوں کی نوبت آئی، گویا سارے ہندوستان میں مذہبی خانہ جنگی قائم تھی اس صورت حال سے علماء کے وقار اور دین کے احترام کو بڑا نقصان پہنچا تھا، نیز سارے مسلمان اختلافی باتوں کے سننے پڑھنے اور سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے اعدائیں اس میں بڑا لطف آتا تھا۔ یہ تو دینی حالات کا ایک اجمالی خاکہ ہے جس میں اس وقت کے ہندوستانی مسلمان مبتلا تھے، سیاسی لحاظ سے مسلمان شکست خوردگی سے چور تھے، حکومت برطانیہ کے قدم ہندوستان میں جم چکے تھے اور شہزادوں میں آزادی کی جدوجہد میں ناکامی کے بعد مسلمان تنگ دل و دلجو

کم ہمت ہو چکے تھے۔ ان کے سامنے ماحول تاریک تھا اور راستے مسدود، مسلمانوں کے احساسِ شکست خوردگی سے فائدہ اٹھانے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی مذہبی لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے درمیان آئے۔ ”براہین احمدیہ“ نامی کتاب پانچ جلدوں میں لکھ کر کافی نام پیدا کیا، شہرت بڑھی اور عوام سے لے کر خواص تک میں ان کا نامہ تعارف ہوا جبکہ آنجنابی مرزا صاحب خود تحریک فرماتے ہیں: ”یہ وہ زمانہ تھا جس میں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا، نہ کوئی موافق تھا نہ کوئی مخالف، کیونکہ میں اس زمانے میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور ایک احمد من الناس اور زاویہ گنہا میں پوشیدہ تھا، اس قصبہ قادیان کے لوگ اور دوسرے ہزار لوگ جانتے ہیں کہ اس زلزلے میں درحقیقت میں اس مردے کی طرح تھا جو قبر میں صد ہا سال سے مدفون ہو اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کی قبر ہے (تمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۸۲)“

۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے ہشیار پور میں ایک آریہ سماج سے مناظرہ کیا اس مناظرہ کے متعلق ایک کتاب لکھی جس کا نام ”سرمہ چشم آریہ“ ہے، اس کتاب سے مرزا صاحب کی شخصیت اور نمایاں ہوئی، مرزا صاحب نے محسوس کیا کہ ان میں اپنے ماحول کو متاثر کرنے اور ایک دینی تحریک کے چلانے کی اچھی صلاحیت ہے چنانچہ اس احساس نے ان کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی اور اب ان کا رخ عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے ہٹ کر خود مسلمانوں کی طرف ہوا۔

تدریجی ارتقاء مرزا غلام احمد نے پہلے دسمبر ۱۸۹۰ء تک (مجموعہ مہمور ہونے کا دعویٰ کیا پھر بمبشورہ حکیم نور الدین ص ۱۸۱ء)

میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اپنے دعویٰ کی حمایت میں ”فتح اسلام“ نامی کتاب لکھی، ۱۸۹۰ء کی بات ہے کہ قادیان (ضلع گودا سپور پنجاب) کے مسیح کے امام عبد الکریم صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں آنجنابی مرزا صاحب کا نام لیا اور ان کے لئے

نبی اور رسول کے احفاظ استعمال کئے، خطبہ میں ان باتوں کو سکر مولوی محمد اسحاق نے بیچ و تاب کھانے لگے، دوسرے جمعہ میں پھر مولوی عبدالکریم صاحب نے مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو خدا کا رسول اور نبی مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح فرمادیں، نماز کے بعد جب مرزا صاحب جانے لگے تو پھر مولوی عبدالکریم صاحب نے مخاطب کیا تو اسکے جواب میں مرزا نے کہا: "مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا، مولوی عبدالکریم اور مولوی محمد احسن صاحب میں اس موضوع پر باتیں تیز ہونے لگیں، مرزا صاحب گھر سے باہر آئے، اور ظالم نے یہ آیت پڑھی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (القرآن) جس میں آواز اونچی کرنے والوں کو ہدایت بھی ہے اور اپنے نبی ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ مرزا صاحب متعدد مراعات طے کرنے کے بعد نبوت تک پہنچے، اس دعوے کے بعد کوئی مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ مسلمان تو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور شریعت قیامت تک کے لئے برکھاط سے کامل اور مکمل ہے نہ اس میں کمی کی ضرورت ہے اور نہ ہی زیادتی کی گنجائش ہے، اگر مرزا صاحب کی کتابوں کو پڑھا جائے اور ان کی عیاری کو مرتب کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنجنابی مرزا صاحب ایک متوازی نبوت اور متوازی امت قائم کرنا چاہتے ہیں جو نبوت کی طرح حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے کم نہیں، اور جو اہمت کہ امت محمدیہ علی ما جہا الصلوٰۃ والسلام سے کم نہیں بلکہ فائق ہی ہے۔

اس دعویٰ کے بعد ملائے اسلام بران کی بدیہی اور اسلام کے خلاف

ان کی خناز ش کھل کر سامنے آئی چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مقیم امرتسر مرزا کی مخالفت میں کراہوسرگم رہے اور اشتہادات کے ذریعہ مرزا صاحب کے فاسد خیالات کی دھجیاں بکھرتے رہے اور وہ مباہلہ کیلئے تیار ہوئے جسے مرزا صاحب نے منظور کیا، اس وقت جو اشتہا تیار ہوئے
ہوا اس کا مضمون یہ تھا

— اطلاع عام ہوائے اہل اسلام —

از مولوی صوفی عبدالحق غزنوی مباہل مرزا

اس میں کچھ شک نہیں کہ میں مرزا صاحب کے مباہلہ کا مدت سے پیاسا ہوں، اور تین برس سے اس سے یہی درخواست ہے کہ اپنی کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں شائع کئے ہیں مجھ سے مباہلہ کر۔ لہذا میں نے یہ خط مسطور الذیل بتاریخ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ ارسال کیا کہ ہیکو آپ سے مباہلہ بدل و جان منظور ہے مگر تاریخ تبدیل کر دو۔ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ میں خط لکھا کہ میں مباہلہ کیلئے تیار ہوں چنانچہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ کو امرتسر کی عید گاہ میں دونوں صاحبوں کا مباہلہ ہوا اور دونوں فوجی امن و امان سے واپس آگئے، لیکن مرزا صاحب اپنے مباہل مرزا صاحب غزنوی کی موجودگی میں ۲۶ مئی ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو فوت کرینگے اور الحمد للہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی کئی برس زندہ رہے

مولانا محمد نذیر حسین دہلوی کا مناظرہ :-

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد رشید مولوی محمد حسین صاحب دہلوی شروع ہی سے مرزا صاحب کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے مرزا صاحب نے خود اپنے بچاؤ کے استاذ سے مناظرہ کرنا پسند کیا چنانچہ مرزا صاحب نے ایک اشتہار نکالا اور اس میں مناظرہ کی دعوت دی جس میں لکھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں تیار

ہوں، اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں، اگر میرے ساتھ
 پابندی شرائط مند بہر اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء با اتفاق بحث کر لیں۔ اگر انہوں نے
 بقبول شرائط اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کے لئے مستعدی ظاہر نہ کی اور پوچھ
 اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائیگا کہ انہوں نے مسیح بن مریم کی وفات کو
 قبول کر لیا، چنانچہ حضرت میاں صاحب نے مناظرہ کو قبول کیا، میاں صاحب کے حکم
 مولوی بشیر احمد صاحب تھے، انہوں نے پہلے دن حیات مسیح پانچ دلائل حاضرین مجلس
 کو سنائے اور پھر اس پر دستخط کر کے مرزا صاحب کو دینے مرزا صاحب نے مجلس بحث
 میں جواب لکھنے سے عذر کیا، دوسرے دن بھی جواب نہیں کر سکے اور اس طرح مناظرہ
 سے شکست کھا کر واپس ہو گئے (حوالہ رسالہ الحق الصریح ص ۱۷)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاضل دیوبند

مرزا کی مخالفت پنجاب میں کھل کر مولانا ثناء اللہ صاحب کرتے رہتے تھے، اس
 لئے مرزا غلام احمد نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو قادیان آنے اور گفتگو کرنے کی
 دعوت دی، دعوت نامہ میں وہ لکھتے ہیں: مولوی ثناء اللہ اگر سچے ہیں تو قادیان میں
 اگر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کے لئے ایک ایک سو
 روپے انعام دیا جائیگا، اور آمد و رفت کا کرایہ علیحدہ (اعجاز احمدیہ ص ۱۷)
 آگے پھر وہ لکھتے ہیں، واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے فقیر
 تین نشانیاں سیکے نظر آ رہی ہیں۔

۱۔ وہ قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے
 اور سچی پیشین گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی۔
 ۲۔ اگر اس پیشین گوئی پر وہ مستعجب نہ ہوں گے کہ کاذب، عاقل سے پہلے مر جائے تو مردودہ

پہلے میں گئے اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر
جلد تران کی روسیاسی ثابت ہو جائے گی (۳۷)

مولانا ثناء اللہ صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے اور مرزا صاحب کو
اطلاعی خط لکھا کہ خاک ر قادیان میں اس وقت حاضر ہے مگر مرزا صاحب ٹال مٹول
کرتے رہے اور بیجا شرطیں لگاتے رہے اسلئے دونوں حضرات میں مباحثہ نہ ہو سکا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب سے تقریری مقابلہ بھی کیا اور
تقریری بھی، مختلف کتابوں، رسائل اور اشتہارات کے ذریعہ ان کی کذب بیانی اور دروغ
بانی اور افتراء بددازی کی دھیماں بکھرتے رہے اور اپنے لطائف سے مرزا صاحب کو ذلیل
و خوار کرتے رہے، بالآخر عاجز آکر مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ صاحب کو یہ خط لکھتے ہیں کہ
"اگر یہ دعویٰ سچ موجود ہونے کا محض سیہ نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد
اور کذاب ہوں، اور دن رات افتراء کرتا میلا کام ہے تو اسے میرے پیارے مالک! اپنی عجزی
سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر
اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے (آمین) مگر اے میرے مہل
اور صادق خلد! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں
عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کرے مگر انسانیت
ہاتھوں سے بلکہ ظالموں دہیفہ وغیرہ امراض ہلکے سے۔"

اس کتاب میں تیری ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ستمی ہوں
کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرا۔ اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور
کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے، یا کسی اور نہایت نعمت
آتش میں جو موت کے برابر ہو جتا کر، اے میرے پیارے مالک! ایسا ہی کر۔
(راجلہ بزرگی ادیان مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۰۳ء)

پھر مرزا صاحب اعلان کرتے ہیں کہ: شمار اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے ۔
(حوالہ - اخبار ۲۵ اپریل ۱۹۰۶ء سنہ ۱۳۲۵ء کالم ۲)

اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کے کذب و افتراء کو دنیا پر آشکارا فرمایا، اور مرزا صاحب ۲۹ مئی ۱۹۰۶ء کو فوت کر گئے، اور بھلا اللہ مولانا ثناء اللہ صاحب ہر طرح صحت و صافیت سے بہت دن زندہ رہے۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیری اور فتنہ قادیانی

جب فتنہ قادیانی پنجاب سے نکل کر دوسری جگہوں پر پھیلا، تو علمائے حق بے چین ہو گئے، ان کا آرام حرام ہو گیا، اور ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی، اسی گروہ کے سرخیل محمد عرفان حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمہ اللہ بھی ہیں، جن کو اس فتنہ کا اتنا شدید احساس ہوا کہ تہجد کے وقت بھی فتنہ قادیانیت سے متعلق رسائل تصنیف کرتے کتابیں لکھتے اور اس کی اشاعت کا انتظام کرتے، حضرت مولانا مونگیری کے اضطراب کو اس خط میں دیکھا جاسکتا ہے۔ قادیانی کی سعی اور کوشش اس قدر تھک اور مستم ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے کہ الہی یہ کیا طوفان کھڑا کرے اور یہاں ان کے لوگ تبلیغ کرتے ہوں، اور ہندوستان کے علاوہ یورپ، انگلستان، جرمنی، امریکہ اور جاپان میں لڑے زوروں اور نہایت نظم سے اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی بینک نہیں، کوئی ریاست نہیں، صرف ایک بات ہے کہ مرزا نے کہہ دیا ہے کہ ہر مرید حبیب متطاعت اپنا مذہب کی اشاعت کیلئے کھڑے، اور جو زمین آہ تک کچھ نہیں دیکھا وہ بیعت سے فارغ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المال میں

لاکھوں روپے جمع ہو گئے، اور ان کا ہر روپہ اپنی آمدنی کا کم از کم دسواں حصہ اور بعض تو تہائی اور چوتھائی حصہ قادیان بھیجتے رہتے، میں جس سے وہ خاطر خواہ اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں (کمالات محمدیہ ص ۲۵)

حضرت مونگیریؒ نے یہ محسوس کیا کہ اگر پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ نہ کیا گیا تو اس سے بڑے افسوسناک نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں، یہی وہ موڑ تھا جہاں حضرت مونگیریؒ کی اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور اپنا سارا وقت اور ساری قوت اس کے لئے وقف کر دی، اپنے تمام مریدین دستہ شدید رفقا اور اہل تعلق کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تلقین کی اور صاف صاف کہا کہ جو اس معاملہ میں میرا ساتھ نہ دینگا میں اس سے ناخوش ہوں (کمالات محمدیہ ص ۴۳)

بہار میں قادیانیوں نے چار ضلعوں میں بہت کامیابی حاصل کی تھی، خاص طور پر مونگیر اور بھاگلپور کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ دونوں ضلع قادیانی ہو جائیں گے بھاگلپور میں آنجنابی مولوی عبدالمجید صاحب پورینی، بھاگلپور (جو ایک حید عالم اور اچھے مدرس تھے، منطق اور فلسفہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور انہوں نے شریعت مزہب پر حاشیہ لکھ کر فن منطق سے اپنی مناسبت کا پورا ثبوت پیش کیا، اور ان کا حاشیہ آج بھی کتب خانہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں موجود ہے) قادیانی ہو چکے تھے اور اپنی پوری صلاحیت اس باطل مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کر رہے تھے، مونگیر کا تو کہنا ہی کیا، مونگیر میں آنجنابی مرزا صاحب کے خاص سمدھی اور مرزا بشیر محمود آنجنابی کے سمر مولوی حکیم فیل احمد صاحب آنجنابی تشریف فرما تھے اور خدا کی دی ہوئی ذکاوت اور طاقت لسانی کو مرزا صاحب کے نوزائیدہ مذہب کی حمایت میں مشب و روزخرف کر رہے تھے ان دو حضرات نے بھاگلپور اور مونگیریؒ کی فضا کو بہت زیادہ مسموم کر رکھا تھا اور اس کا خطرہ تھا کہ ان دونوں جگہوں پر رہنے والے مسلمان رفتہ رفتہ قادیانی

مذہب اختیار کریں گے، پٹنہ اور ہزاری باغ میں قادیانی تحریک زوروں پر پھیل رہی تھی، حضرت مولانا مونگیری نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے کہ بہار کے علاوہ جنگال میں بھی اس نے ہم شروع کر دی ہے۔

حضرت مولانا مونگیری نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ اور منظم طریقے پر زبردست ہم شروع کی، اس کے لئے دورے کئے خطوط لکھے، رسائل اور کتابیں تصنیف کیں، دہلی اور کانپور سے کتابیں طبع کرا کے مونگیر لائے اور اشاعت فرمانے میں خاصہ وقت صرف ہوتا تھا، اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں ذرا بھی تاخیر ہو اسلئے مولانا نے خانقاہ میں پریس اسی مقصد کیلئے قائم کیا اس پریس سے سٹو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں ردقائیت پر شائع ہوئیں جو سب مولانا کے قلم سے ہیں، اس قدر ضعف اور سلسلہ علالت کے ساتھ اتنا دقیق اور عظیم تصنیفی کام بچائے خود ایک کرامت سے کم نہیں اور جس کی توجیہ تائید الہی و توفیق خداوندی کے سوا کسی اور چیز سے نہیں کی جاسکتی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے، ہر چیز میں خدا کا فضل ان کے شامل حال تھا۔

حضرت مونگیری نے اپنے ایک معتمد اور خادم خاص کو ایک خط میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرا ضعف و ناتوانی اے عزیز تم پر اور اس کے سب بھائیوں پر ظاہر ہے کہ میں مدت سے بیمار ہو چکا ہوں، اور میرے ظاہری قوی نے جواب دیدیا ہے مگر خدا کی ارشاد: انا نحن نزلنا الذکر وانا نحن اعلمون نے اپنی غیر محدود قدرت کو ایک ضعیف و ناتوان ہستی میں جلوہ گر فرما کر وہ کام لیا جس کا خیال و خطرہ بھی نہ تھا، اس قدر رسائل اس ضعف و ناتوانی میں لکھوا دینا اسی کا کام ہے (کلمات محمدیہ)

حضرت مولانا محمد علی مونگیری علیہ الرحمہ نے قادیانیت کی تردید میں سٹو سے زیادہ

کتابیں اور رسائل تصنیف کئے جس میں سے صرف چالیس کتابیں ان کے نام سے طبع ہوئیں اور بقیہ دو سو پچاس ناموں سے یا ابوالختم کے نام سے جو حضرت کی کینت تھی حضرت مولانا نے فقہ قادیانیت کے ہر گوشہ اور ہر پہلو پر گفتگو کی اور رسائل لکھے اور اس ناطق مذہب کے رد میں لکھنے کیلئے کوئی چیز نہ چھوڑی انہوں نے قادیانیت کی تاریخ لکھی کی، اور اسکے استیصال کو وقت کا اہم ترین جہاد قرار دیا ہے، حضرت مونگیری کی کتاب پر کتاب تردید میں لکھتے جاتے اور لوگوں میں مفت تقسیم کرتے اور مناسب جگہوں پر پہنچاتے اس راہ میں ہزاروں روپے صرف کئے، اس مہم میں اپنے دوستوں، عزیزوں، اور عقیدت مندوں کو بھی متحد اور منظم ہو کر مقابلہ کرنے کی ہدایت کرتے، حضرت مونگیری اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: "میں چاہتا ہوں کہ مخالفین اسلام کی بے انتہا سعی اور کوشش کا جواب دیا جائے بالخصوص مرزائی جماعت کا فتنہ رنح کرنے میں جو کچھ ہو سکے اس سے دریغ نہ کیا جائے، اور نہایت انتظام کے ساتھ یہ سلسلہ میسر ہو جائے اور اس لئے رائے یہ ہے کہ ایک نجن قائم کی جائے جس کا نظم تم لوگ اپنے ہاتھ میں لو، اور اس کیلئے ہر وہ شخص جو مجھ سے ربط و تعلق رکھتا ہے وہ اس میں حسب حیثیت التزام کے ساتھ ماہانہ شرکت کرے ورنہ جو شخص میسر اس دینی اور ضروری ہدایت کی طرف بھی متوجہ نہ ہو گا میں اس سے ناخوش ہوں اور وہ خودیہ سمجھے کہ اس کو مجھ سے کیا تعلق باقی رہا۔ (کمالات رحمانی ص ۱۷۷)

حضرت مونگیری کو فتنہ قادیانی کا شدید احساس تھا اور اسکے مقابلہ کا ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے "اتنا لکھو اور اس قدر طبع کرو اور تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح کو سو کر اٹھے تو اپنے سرانے رد قادیانی کی کتاب پائے۔ حضرت مونگیری نے تصنیف و تالیف ہی کے ذریعہ قادیانی کی تردید پر اکتفا نہ کیا بلکہ مناظرہ بھی کئے، مونگیری کے مناظرہ سے قادیانیت کی تحریک پر ضرب کاری لگی جس سے اس کے قدم

اکھڑ گئے، اور ملتِ اسلامیہ کو اس سے بڑا فائدہ پہونچا۔

یہ مناظرہ ۱۹۰۶ء میں ہوا جس میں تقریباً چالیس علماء شریک ہوئے مرزا صاحب کی طرف سے حکیم نور الدین وغیرہ آئے اس کی تفصیل یہ ہے۔ مرزا صاحب کے نمائندے حکیم نور الدین صاحب، سردر شاہ صاحب اور روشن علی صاحب مرزا صاحب کی تحریر نے کرائے کہ ان کی شکست میری شکست ہے، ان کی فتح میری فتح، اس طرف سے مولانا رفیق حسن چاند پوری صاحب، ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، علامہ الور شاہ کشمیری مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالوہاب بہاری، مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور تقریباً چالیس علماء بلائے گئے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ عجیب منظر تھا صوبہ بہار کے ہضار کے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ میں علماء کی ایک بڑی بارات ٹھہری ہوئی ہے، کتابیں اٹھی جا رہی ہیں، حوالے تلاش کئے جا رہے ہیں اور بحثیں چل رہی ہیں سوال یہ پیدا ہوا کہ مولانا محمد علیؒ کی طرف سے مناظرہ کا وکیل اور نمائندہ کون ہو۔؟ قرعہ فال مولانا رفیق حسن صاحب کے نام پڑا، آپ نے مولانا رفیق حسن صاحب کو تحریر اپنا نمائندہ بنایا، علماء کی یہ جماعت میدان مناظرہ میں گئی وقت مقرر تھا، اس طرف مولانا رفیق حسن صاحب اسٹیج پر تقریر کیلئے آئے اور اس طرف آپ سجدہ میں گئے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک کہ فتح کی خبر نہ آگئی بڑوں کا کہنا ہے کہ میدان مناظرہ کا منظر عجیب تھا مولانا رفیق حسن صاحب کی ایک ہی تقریر کے بعد جب قادیانیوں سے جواب کا مطالبہ کیا گیا تو مرزا صاحب کے نمائندے جواب دینے کے بجائے انتہائی جھانکی اور گھبراہٹ میں کرسیاں اپنے سر پر لئے ہوئے یہ کہے جھاگے کہ ہم جواب نہیں دے سکتے۔

فیصلہ آسمانی | مولانا کی سب سے پہلی تصنیف فیصلہ آسمانی ہے جو تاریخ نبویہ کے حق میں واقع فیصلہ آسمانی ہے۔

تاریخ نبویہ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، اس کے تین ایڈیشن مولانا کا دارنگہ میں شائع

ہو گئے۔ لیکن کسی قادیانی کو اس کا جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، مولانا کی وفات کے بعد بھی کسی قادیانی نے اس کا جواب دینے کی حرأت نہ کی قادیانیت کے خلاف سارے لٹریچر میں جواب تک لکھا گیا ہے یہ کتاب ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور اپنے محکم طرز استدلال، اسلوب کی وضاحت اور صفائی و صحیح و طاقتور گرفت کے اعتبار سے بہت کم کتابیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں، اس رام کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہوئے امداد کے ایک بڑے مسعر کی رائے یہ ہے کہ قادیانیت کی رد میں لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں بعض بعض جگہ احتمال کی گنجائش نکل آتی ہے، لیکن اس کتاب میں کسی جگہ احتمال کی گنجائش یا استدلال میں کوئی خامی اور کمزوری نظر نہیں آتی۔

مرزا صاحب نے اپنے کمال و اعجاز کیلئے "اعجاز احمدی، لکھی یا لکھوائی تھی، اور اس کا دعویٰ کیا تھا کہ اس رسالہ اور قصیدہ اعجازیہ کی ادبی بلاغت اور فنی کمال کی نظر کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکتا، مولانا نے اس قصیدہ کا بہت پر لطف قصہ بیان کیا ہے اور اس سارے جال کا تار و پود بکھر دیا ہے جو مرزا صاحب نے علماء اور عام مسلمین دونوں کو بیک وقت فریب دینے کے لئے پھیلا یا تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ وہ اس جال میں خود ہی گرفتار ہو گئے، اور تدبیر ان کے لئے انٹی پرائگنی، مرزا صاحب نے ۵ نومبر ۱۸۹۹ء میں یہ اعلان کیا تھا۔ اے میرے مولیٰ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں تو ان تین سالوں کے اندر جو خوری ۱۹۰۰ء سے آخر دسمبر ۱۹۰۲ء تک ختم ہو جائیگا کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو اگر تین برس کے اندر میری تائید اور تصدیق میں کوئی نشان نہ دکھلاوے تو میں نے اپنے لئے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری یہ دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود و ملعون اور کافر اور بے دین اور خانی ہوں جیسا کہ مجھے سمجھا گیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس دعا کے بعد مرزا صاحب تین برس آگے فکر و تجویز میں رہے کہ کوئی نشان تراش کر مسلمانوں کو دکھایا جائے، میرے خیال میں

انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ ہندوستان میں عربی ادب کا خالق نہیں ہے اس لئے ایک عربی قصیدہ لکھوا کر اور اس کی تمسید اردو میں لکھ کر رسالہ شائع کر کے اعجاز کا دعویٰ کیا جائے۔ یہ اس زمانہ میں ایک عرب طرابلس کے رہنے والے ہندوستان میں آئے ہوئے تھے، جا بجا وہ پھرتے رہے اور حیدرآباد میں ان کا قیام زیادہ رہا ہے۔ یہ عربی کے شاعر تھے اور مزاج میں آزادی بھی شاعروں کی سی رکھتے تھے۔ اس شہر میں مرزائی زیادہ ہیں انہوں نے مرزا صاحب سے ربط کرادیا اور خط و کتابت ہرنے لگی، انہوں نے قصیدہ کی فرمائش کی، عرب صاحب نے روپیہ لے کر قصیدہ لکھ دیا، مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپور کی مفتی دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں کہ حیدرآباد میں، میں نے ان سے ادب کی کتابیں پڑھی ہیں، بڑے ادیب تھے، کہتے تھے کہ مجھے روپیہ کی ضرورت پیش آتی تھی، میں نے مرزا کو لکھا اس نے قصیدہ لکھوایا، میں نے لکھ دیا اس نے سب کچھ پلے دیئے (فیصلہ آسمانی ص ۵۹)

اس شخص نے جان بوجھ کر کچھ ایسی غلطیاں بھی قصیدہ میں شامل کر دی تھیں جو اہل زبان سے مستبعد ہیں، اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں۔

۱۔ سعید (شاعر کا نام) مرزا کو جھوٹا جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ عربی ادب سے مرزا کو شمس نہیں ہے اس لئے اس نے قصداً غلطیاں رکھیں تاکہ اہل علم اس سے واقف ہو کر اس کی تکذیب کرے چونکہ عرصہ تک ہند میں رہا ہے اور بعض علوم عقلیہ اس نے یہاں پڑھے ہیں اس لئے وہ ہندی محاورات سے بھی واقف تھا اس لئے مرزا صاحب کو فریب دیا اور بعض ہندی الفاظ بھی قصیدہ میں داخل کر دیئے، الحاصل یہ قصیدہ مرزا صاحب کا اعجاز نہیں ہے، اگر اعجاز کہا جائے تو سعید شاہی کا اعجاز ہوگا (ایضاً)

حضرت مونگیری کی اس سخی پیہم اور آہ سحرگاہی نے بہار کا باغ مخصوص نقشہ پٹنا اور پھر سے لوگ دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے۔

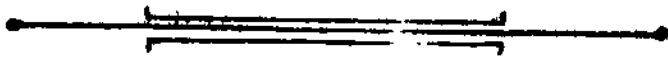
فتنہ قادیان اور علمائے دیوبند

اور کوششیں بھی نہایت اہم اور ناقابل فراموش ہیں، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند جو راقم الحروف کے استاذ بھی ہیں نے اس سلسلہ میں دور کے تقریریں کیں اور مناظرے بھی کئے اور مونگیر کے مناظرہ میں مولانا مرحوم ہی حضرت مونگیری علیہ الرحمہ کے وکیل اور نمائندہ تھے ساتھ ہی ساتھ آپ نے رد قادیانیت پر متعدد رسائل بھی تصنیف کئے جو مطبع رحمانی مونگیر اور دوسرے مطابع سے شائع ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس فتنہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور بھادپور کے مقدمہ میں جا کر شہادت دی اور اپنے علمی و تحقیقی بیان سے جموں کو قادیانی کے خلاف فیصلہ لکھنے پر مجبور کر دیا اس مقدمہ میں شہادت دینے والوں میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب بھی شامل تھے پھر حضرت شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ نے حیات مسیح پر ایک نہایت قیمتی بیالیس صفحہ کا رسالہ لکھ کر مرزا صاحب کے دعویٰ مسیح موعود کے سامنے لوہے کی دیوار کھڑی کر دی حضرت شاہ صاحب کا یہ رسالہ التفریح ما تواتر فی نزول المسیح " دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا ہے، اسی طرح حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اور پھر اس عاجز کے استاذ المحترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند کی ثم پاکستانی نے مسئلہ ختم نبوت پر تین رسالہ لکھ کر ختم نبوت کو قیامت تک کے لئے ورنہ کر دیا۔

ختم نبوت فی القرآن، ختم نبوت فی الاما دین، ختم نبوت فی الآثار، یہ تینوں رسالے مسئلہ ختم نبوت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اس فرقہ کا

کے استعمال کے لئے جن علمائے کرام نے جدوجہد کی ہے، ان کا استقصار مقصود نہیں ہے، یقیناً جن حضرات کے نام لکھے ہیں، ان سے کہیں زیادہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس مختصر سے مقالہ میں نہیں کر سکا ہوں، تقریباً یہ سب واصل بحق ہو چکے ہیں، حق تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرما دے ان کے مراتب بلند کرنے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر نامناسب ہوگا اگر پروفیسر محمد ایسا صاحب برنی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کنکانام ذلیا جائے، انہوں نے قادیانی مذہب کے نام سے ایک ہزار صفحات پر کتاب لکھ کر خود قادیانیوں کے ہاتھ میں آئینہ دیدیا ہے کہ وہ اپنی صورت اور قادیانیت کے سارے خدوخال صاف طریقہ پر قادیانی مذہب کے آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں، اس کتاب میں ایسا صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، اس میں جو کچھ ہے وہ قادیانی سربراہوں اور ان کے رہنماؤں اور مبلغوں کی تقریریں اور تحریریں ہیں جو صحیح حوالے کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں، پروفیسر صاحب مرحوم نے ان تحریروں اور تقریروں کو مختلف حصوں اور ابواب میں جمع کر کے عنوان لگا دیا ہے، اس کتاب کی قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، پروفیسر صاحب مرحوم اس وقت دنیا میں نہیں ہیں، ہم ان کے لئے سعادت و نجات کا دعا کرتے ہیں۔



ردِّ قادیانیت پر دو اہم رسائل

مولانا عبدالحی فاروقی ایم اے (عربی) ایم، اے (معاشیات) نئی دہلی

ہوز (مجلد اول) قادیانی (۱۸۴۵ء - ۱۹۰۸ء) نے جب سے اپنے باطل دعویٰ کا آغاز کیا اسی وقت سے علماء حق نے ان کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حق و صداقت کی راہ میں رخنے ڈالے گئے، طاغوتی طاقتوں نے سراٹھانا شروع کیا اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی جانے لگی تو اس کے خلاف جو طبقہ سب سے پہلے سامنے آیا وہ ہمارے علمائے کرام ہی کا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۶۶۴ء) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۸۴۲ء) حضرت سید احمد شہینڈ (ش ۱۸۳۱ء) مولانا سید محمد علی مونگیری (م ۱۸۴۶ء) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م ۱۹۵۶ء) وغیرہ ایسے ہی مجاہد علماء حق ہیں۔ یہ تھے جو مذہب کے نام پر پیدا ہونے والی ہر اسلام مخالف تحریک کے خلاف سرکھن اور کفن بردوش اٹھ کھڑے ہوئے اور یہاں تک نبرد آزا ہوتے رہے جب تک کہ حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم نہیں ہو گئی، قادیانیت بھی اسی قسم کی ایک اسلام دشمن اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ سے بغض و عناد رکھنے والی ایک جماعت ہے جس نے ہندوستان میں جنم لے کر پورے عالم اسلام کو اپنے

گرداب بلا میں لپیٹنا چاہا تھا، مرزا کے تحریرات کے منظر عام پر آنے کے بعد ہی سے علمائے ان کے عزائم اور مستقبل کی خطرناکیوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا، لہذا اس کے سدباب کے لئے علمی اور سانی جہاد کا آغاز کیا گیا، مضامین لکھے گئے رسائل اور کتابیں تصنیف کی گئیں اور اخیر میں براہ راست مناظرے بھی کئے گئے تاکہ عوام و خواص کو عقائد کی گمراہیوں سے بچایا جاسکے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ردِ قادیانیت پر دیکھتے ہی دیکھتے اچھا خاصہ ذخیرہ معرض وجود میں آ گیا جس کی مدد سے دین کی فہم و فراست رکھنے والوں کو اس فرقہ کو سمجھنے اور اس کو خارج از اسلام قرار دینے میں بڑی مدد ملی افسوس ہے کہ آج ہمارے ترییدی لٹریچر میں اب ایسے بہت سے رسائل اور کتب اگر نیا نہیں تو کیا اب ضرور ہوتی جا رہی ہیں، اس وقت ہم ایسے ہی دو کیا اب مطبوعہ رسائل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مکمل ہیں ان دونوں رسائل کا تعلق مشہور عالم دین اور مصلح امت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی مدظلہ العالی کی علمی تحقیقات سے ہے۔

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولوی حافظ ناظر علی صاحب ضلع فتح پور یونی میں تحصیلدار تھے آپ کی ابتدائی تعلیم اور عربی کتب درسیہ یعنی جلالین ہدایہ قطبی اور نور الانوار ضلع فتحپور ہی میں مختلف مقامات پر مکمل ہوئیں لیکن بعد کی ساری کتابیں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید عین القضاة صاحب حیدرآبادی ثم لکھنوی بانی مدرسہ عالیہ فرزانہ لکھنؤ سے پڑھیں جو حضرت مولانا عبدالحی فرغانی علیہ السلام کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ۱۳۱۳ھ میں آپ نے تعلیم سے فراغت پائی آپ اپنے استاد کے نہایت معتمد اور مقرب شاگردوں میں سے تھے، شروع (باقی اگلے صفحہ)

پہلا رسالہ اس سلسلہ کا پہلا رسالہ: "میرے رنگون برپیروان دجال زبون"

ہے ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اس مناظرے کی روداد ہے جو مولانا لکھنوی اور قادیانیوں کی ملاہوری پارٹی کے سربراہ خواجہ کمال الدین بی، اے، ایل، ایل، بی کے درمیان ۱۹۳۰ء میں بمقام رنگون ہوا تھا، اس مناظرے کا اہتمام جمعیتہ علمائے رنگون نے کیا تھا جس کے سربراہ مولانا احمد بزرگ سملکی تھے جو اس وقت جامع سورتی رنگون کے مہتمم اور مفتی بھی تھے، آپ ہی کی خصوصی دعوت پر مولانا لکھنوی رنگون تشریف لے گئے تھے آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے مولانا جلدو من صاحب فاروقی (م ۱۹۶۷ء) اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دیرالفرقان دامت برکاتہم بھی شریک سفر تھے۔

اس رسالہ کو ایک مقدمہ، دو ابواب اور ایک خاتمہ میں منقسم کیا گیا ہے، مقدمہ میں مرزا اور زائیت کی مختصر تاریخ دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے، پہلے باب میں خواجہ

(بقیہ ساری صفحہ گذشتہ) کے کچھ دنوں دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ عالیہ فرقانیہ اور مدرسہ عالیہ اردبیل یوپی میں تدریسی خدمات انجام دیں لیکن جلد ہی ملازمتوں کا سلسلہ ختم کر کے ساری زندگی تصنیف و تالیف میں بسر کی، ۱۳۳۲ھ میں اپنا مشہور ماہنامہ "علم الفقہ" اور ایک ہفت روزہ رسالہ "انجم" لکھنؤ سے جاری کیا، انجم ۱۹۳۷ء تک نکلتا رہا ۱۳۵۱ھ میں لکھنؤ میں ایک دینی ادارہ "دارالبلغیہ" کی بنیاد ڈالی جو اب بھی باقی ہے، تقریباً ۷۰ کتابیں آپ نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کیں، رد تعلقہ زائیت اور بدعت کے علاوہ رد شیعیت میں آپ نے نمایاں کارنامے انجام دیئے اسی بنا پر اسلامیان ہند کی طرف سے آپ کو "امام اہلسنت" کے خطاب سے نوازا گیا، سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالحسن صاحب بھوپالی سے آپ کو سچت و خلافت حاصل تھی، ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں لکھنؤ میں آپ نے وفات پائی۔

کمال الدین اور مولانا لکھنوی کے رنگوں پہنچنے کے بعد خواجہ صاحب کے مقابلہ میں اتنا حق کی جنبی بھی کار دعائیاں ہوئیں تھیں ان کا مفصل بیان ہے، دو کتاب میں مرزا اور مرزائیت کے باطل اور خارج از اسلام ہونے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں، اس سلسلہ میں جن امور کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) مرزا کی کذب گوئی خود انہی کی کتابوں سے (۲) مرزا کے اقوال توہین انبیاء علیہم السلام (۳) مرزا کا دعویٰ نبوت (۴) مرزا کا منکر فروریات دین ہنہا (۵) ختم نبوت کی بحث (۶) حیات مسیح علیہ السلام کی بحث (۷) مرزائیوں کے شائع کردہ انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے کچھ مفسد اور خاتمہ میں مرزا اور مرزائیوں کے کفر پر علمد اسلام کے فتوے، اس کے بعد حکومت وقت کا ایک فیصلہ درج کیا گیا ہے جس میں مرزائیوں کا خارج از اسلام ہونا اور مسلمانوں کے فرستادنوں سے ان کا بیدخل ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس رسالہ کے متعلق مولانا احمد بزرگ صاحب تحریر فرماتے ہیں :

” الحمد للہ کہ یہ کتاب ایسی جامع و مکمل تیار ہو گئی ہے کہ جو شخص اس کو اوائل سے آخر تک دیکھ لے وہ مرزائیت کی پوری حقیقت سے واقف ہونے کے علاوہ بڑے سے بڑے مرزائی کو بحث میں مغلوب و سپوت کر سکتا ہے۔“

کادیان یا قادیان؟

کادیان اور اصل نام کادیان ہے، اہل پنجاب اب بھی اس کو اسی نام سے پکارتے ہیں پنجابی زبان و کادی، کیوڑہ کو کہتے ہیں چونکہ اس بستی میں زیادہ تر کیوڑہ فروش رہا کرتے تھے اسلئے پوری بستی کو کادیان کہا جانے لگا۔ مرزا صاحب کو جہاں دینی و دنیا کی آفت میں توڑ مروڑ، تحریف اور تادیل کرنے کا چکر لگا ہوا تھا وہاں وہ دنیاوی مصلحت

میں بھی رد و بدل اور حقائق کی پردہ پوشی کیا کرتے تھے، لہذا اپنی اسی ذہنیت کی بنا پر انہوں نے کافی روپیہ خرچ کر کے سرکاری کاغذات میں اس کو قادیان، لکھنؤ یا اور مشہور یہ کیا کہ یہ لفظ درحقیقت قاضیان تھا جو اب بگڑ کر قادیان ہو گیا ہے۔

چند اعتراضات اور ان کے جوابات | فرقیہ باطلہ کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ براہ راست مناظرے سے

گریز کرتے ہیں لیکن آڑ میں بیٹھ کر خطوط یا اشتہار بازی سے کام لیکر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خواجہ کمال الدین مرزائی نے بھی زنگون میں یہی کیا اور صرف مراسلات و اشتہارات ہی کو ذریعہ تمخاطب بنایا براہ راست مناظرے کی نوبت نہیں آنے دی، اپنے آخری اشتہار میں خواجہ صاحب نے اسلامی معتقدات کے خلاف چار سوالات قائم کر کے شائع کئے اور اپنے دماغ میں یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ علماء اسلام سے ان کا جواب دیتے زمین پڑیگا، لیکن حضرت مولانا لکھنوی نے فی الفور ان سوالات کے جوابات لکھ کر شائع کر دیئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

پہلا اعتراض - قرآن مجید ظاہر کرتا ہے کہ ہر رسول پر اسی قوم کی زبان میں وحی آئی ہے جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہے اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل ہوا ہے تاکہ مخاطب لوگ اس کو سمجھ سکیں، لہذا معلوم ہوا کہ قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف عرب ہی کیلئے آئے تھے اس لئے یہ دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے آیا ہے؟

جواب ہے - قرآن مجید میں مذکورہ مضمون صرف ان نبیوں کی بابت آیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے تھے کیونکہ آپ سے پہلے کسی نبی کی نبوت ساری دنیا کے لئے نہیں ہوئی تھی چنانچہ ہر نبی صرف ایک خاص قوم کے لئے ہوتا تھا اور اسی قوم کی

زبان میں ان پر وحی اترتی تھی۔ اس قضیہ کو الٹ کر یہ نتیجہ نکالنا کہ جس نبی کی جو زبان ہو اس کی نبوت اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے غلط ہے، قرآن عربی زبان میں اس لئے آیا ہے کہ سب سے پہلے اس کی مدد سے عربوں میں پھیلے اور پھر اس کے ذریعہ ساری دنیا منور ہو، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری ہوتا ہے۔

يَعْلَمُ تَوَلَّوْا مُشْهَدًا ۙ عَلَيَّ
النَّاسِ وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (۱۰) ۱۰

اے اہل عرب تم سب لوگوں کے سامنے
گواہی دینے والے خواہ رسول تمہارے
سامنے گواہی دینے والے نہیں۔

یہاں قرآن یہ صاف تصریح کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کی ہدایت ساری دنیا کے لئے ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل آیتیں مزید اس کی شاہد ہیں

۱۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ
اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا فَأَمِنُوا
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأَخِي ۝ ۱۰

۲۔ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً
لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝

اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف
اللہ کا رسول ہوں، پس ایمان لاؤ اللہ
پر اور اس کے رسول نبی امی پر

۳۔ وَأَوْحِيَ إِلَيْهِ هَذَا
الْقُرْآنُ لِتُنذِرَ بِهِ
وَمَنْ يَكْفُرْ ۝ ۱۰

یہ قرآن مجید پر وحی کیا گیا تاکہ میں تم کو اس
کے ذریعے سے ڈراؤں اور قرآن تمام
لوگوں کو ڈراؤں، جن تک یہ قرآن پہنچا

۱۰۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔

۴۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْقُرْآنَ
عَلَىٰ عَبْدِهِ ۖ لِيُذَكِّرَ بِهِ لِّلْعَالَمِينَ
برکت والا وہ خدا جس نے اپنے بندوں پر
قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کے لئے
نذیثاً۔ بلہ ڈرانے والا بنے۔

لہذا جب قرآن مجید کی یہ واضح تفسیر ہے تو اسکے خلاف آیت کا مطلب لینا
کیسے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ کسی کلام سے کوئی ایسا مفہوم استنباط کرنا جو اس کلام کے
دوسرے حصہ کی تفسیر کے خلاف ہو یہ عقلاً بھی جائز نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض — قرآن دوسرے مذاہب کے خدائی آغاز کو تسلیم
کرتا ہے اور توریت کو نور و ہدایت کہتا ہے اس لئے ایسی حالت میں اگر یہ وحیاں
کال تھیں تو کیوں منسوخ ہوئیں اور اگر کامل نہیں تھیں تو وہ لوگ کیوں کامل جز سے
محروم کئے گئے!۔

جواب ہے ۱۔ قرآن شریف نے بیشک یہ بیان کیا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک
میں نبی آئے اور ہدایت اتری ہے مگر یہ کہیں نہیں بیان کیا گیا کہ دنیا کے موجودہ
مذاہب بعینہ وہی ہیں جن کی تعلیم ان کے نبیوں نے دی تھی جبکہ اس کے برعکس
یہ تفسیر منور آیتوں میں ہے کہ انبیاء کی تعلیمات اور ان کی خدائی کتابوں میں ان
نبیوں کے بعد بہت کچھ تحریف و ترمیم کر دی گئی ہے، اس تحریف و ترمیم کا ثبوت
تاریخی واقعات اور دوسرے دلائل سے بھی ہم کو ملتا ہے، لہذا یہ سمجھ لینا چاہئے کہ
اگلی شریعتوں کے منسوخ ہونے کے دو اسباب ہیں، ایک یہ کہ وہ شریعتیں اصلی
حالت پر رہتی نہیں رہی تھیں اور ان میں بہت کچھ تحریفات کر دی گئی تھیں۔ دوسرے
یہ کہ قرآن مجید دین کامل لے کر آیا ہے جبکہ اگلی شریعتیں بہ نسبت شریعت محمدیہ کے
دین کامل لے کر نہیں آئی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ لے آج میں نے تمہارا دین تمہارے کامل کر دیا
 لہذا اگلی شریعتوں کے بنسبت شریعت محمدیہ کا مکمل ہونا اور مذکورہ بالا دوسری
 شریعتوں کے مسائل دیکھنے سے بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے

اب یہ کہنا کہ اٹلی تو میں کیوں ایسے دین کامل سے محروم کی گئیں یہ ایک بے جا
 اعتراض ہے، نظام عالم ہموکتبلا رہا ہے کہ قانون قدرت یہی ہے کہ ترقی بتدریج ہوتی
 ہے چنانچہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ اس وقت کمزور ہوتا ہے کیونکہ بولنا چلنا
 پھرنا اور تمام وہ قوتیں جو انسان سے تعلق رکھتی ہیں وہ بتدریج اس میں پیدا ہوتی ہیں
 اور ترقی کرتی ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض کرنا کہ پہلے ہی سب قوتیں انسان کو کیوں نہ
 مل گئیں اور بچے اس کمال سے کیوں محروم کئے گئے قانون فطرت پر اعتراض کرنا ہے
 تیسرا اعتراض — بہائی لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبری ختم نہیں

ہوئی ہے، خدا نے حضرت آدم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتے رہیں گے
 اس لئے نبی آدم میں ہمیشہ نبوت کا سلسلہ قائم رہنا چاہئے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
 پر نبوت ختم ہونے کا عقیدہ غلط ہے۔

جواب ہے، — بہائی لوگوں کا یا ان سے سیکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی اور
 ان کے پیروؤں کا یہ کہنا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی ہے قرآن اور عقل دونوں کے خلاف
 ہے، قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ
 وَلَكِنَّهُ سُوْلُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں
 ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں
 قرآن مجید کی وہ آیات جن کا حوالہ اعتراض میں ہے ان کا مطلب وہ نہیں ہے جو بہائی
 اور مرزائی بیان کرتے ہیں بلکہ ان کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ خدا کی طرف سے نبی

آئیں گے اور ہدایت آئے گی کسی لفظ سے اشارہ بھی یہ نہیں نکلتا کہ نبوت کبھی ختم نہیں ہوگی، یہ بات دوسرا اعتراض کے جواب میں بیان ہو چکے کہ اگلی شریعتیں کیوں منسوخ ہوئی ہیں چونکہ منسوخیت کی وہ وجہ شریعت محمدیہ میں نہیں ہے اسلئے محمد علی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا ختم ہو جانا عقل کے بھی موافق ہے، اگلی شریعتیں دین کا نہیں تھیں اور شریعت محمدیہ نہ من کال ہے اگلی شریعتوں میں تحریف ہو گئی تھی لیکن شریعت محمدیہ کے محفوظ رہنے کا خود خدا تعالیٰ ذمہ دار ہے۔

إِنَّمَا نَحْنُ كُنُوزٌ الذِّكْرُ وَإِنَّا
لَهُ لَحَافِظُونَ ۗ

(ہی) اسکے محافظ ہیں۔

شریعت محمدیہ کا محفوظ رہنا ان سلسلہ اسانید کے علاوہ جو اہل اسلام کے پاس ہیں تا دینی واقعات اور غیر مسلم اصحاب کی شہادت سے بھی بخوبی ظاہر ہے جو توہما اعتراض — قرآن کسی خاص پیغمبر کی پیروی میں نجات کو منحصر نہیں کرتا جیسا کہ دوسرے پارے کی آیت سے ظاہر ہے، لہذا صرف دین اسلام ہی قبول کرنے کا کیا ضرورت ہے؟

جسوا ہے۔ کسی خاص پیغمبر کی پیروی میں نجات کا منحصر نہ ہونا صرف خواجہ کمال الدین ہی کا قول ہے در ذل قرآن کی بہت سی آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ نجات دین اسلام میں منحصر ہے۔

وَمَنْ يَلْتَمِثْ عَتِيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۗ

جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائیگا۔

دوسرے پارے کی وہ آیت جس کا حوالہ لائق معترض نے دیا ہے اس کا مطلب انھوں نے صحیح بیان نہیں کیا ہے، اس آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ قرآن نجات

کو کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بتاتا جیسا کہ یہودیوں کا قول تھا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور نَصَارَىٰ اور صٰبِئِيْنَ وغيرہ الفاظ مذہبی حیثیت سے متجاوز ہو کر قومیت کے معنی میں مستعمل ہونے لگے تھے، لفظ عرب، قومیت کے معنی میں مخصوص ہے مگر تمدن عرب، کا مصنف مذہبی معنوں میں استعمال کرتا ہے یعنی مسلمانوں کو خواہ کسی بھی قوم کے ہوں، وہ عرب، کہتا ہے اسلئے قرآن نے بتایا کہ جو شخص اسلام قبول کرے خواہ وہ کسی قوم کا ہو نجات کا حقدار ہے، اگر آیت کے وہ معنی لئے جائیں جو خواجہ کمال الدین کہتے ہیں تو معاذ اللہ یہ ایک ہل کلام ہوا جاتا ہے اس لئے کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ مَنْ اٰمَنَ کا لفظ کسی طرح نہیں لگ سکتا یعنی ایمان والوں کے لئے یہ شرط لگانا کہ وہ ایمان لائیں بے معنی ہے لہ

رسالہ کے بعض دو کے مباحث | ان مکمل جوابات کے بعد پھر خواجہ صاحب کی طرف سے کوئی جواب لکھا

نہیں آیا اور وہ انتہائی ذلت در سوائی کے ساتھ رنگون سے رواد ہو گئے، اس رسالہ کا ایک اہم حصہ وہ ہے جس میں مرزا غلام احمد کی تحریروں کے ستائیس اقتباسات بطور نمونہ لئے گئے ہیں جن سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدعی نبوت تھے، یہ اس نے ضروری ہوا کہ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی اکثر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہہ دیتی ہے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت تو کیا ہے مگر یہ دعویٰ محض مجازی ظنی، بردوزی اور غیر مستقل نبوت کا ہے اور یہ کہ انھوں نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کا سب سے زیادہ لائق توجہ وہ حصہ ہے جس میں ختم نبوت کے مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے یہ مسئلہ ایسا اہم بالشان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبارک سے لیکر اس وقت تک ہر زمانہ اور ہر مقام کے مسلمانوں کا اسپر اجماع ظنی

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے لہذا جو شخص بھی آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب و دجال ہے اور قطعاً کافر ہے۔

ایک بار مولانا لکھنوی سے مناظرہ کرنے کیلئے مرزا غلام احمد کے خلیفہ حکیم نور الدین دم ۱۳۳۲ھ نے تین مرزائی مولویوں کو جن کے نام مولوی سرور شاہ، مفتی محمد صادق، اور میر تقی علی دہلوی تھے لکھنؤ بھیجا تھا ان لوگوں نے زبانی مناظرہ کرنے کے بجائے تحریری مناظرہ کی خواہش، چنانچہ مولانا مدد بخ نے اپنے رسالہ "انجم" لکھنؤ کی جلد ۱۰ نمبر ۱۳ میں ایک مضمون ختم نبوت پر اور ایک مضمون حیاتِ سیح پر سپرد قلم کیا جس کا آج تک کسی مرزائی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

رسالہ کے آخر میں ۲۸۸ علماء اسلام کے اسماء گرامی درج ہیں جنہوں نے اس فتویٰ پر دستخط کئے تھے کہ مرزا غلام احمد اور ان کے شیعین

قطعاً کافر ہیں، ان کے ساتھ کوئی اسلامی معاملہ جائز نہیں ہے، نہ انکے ساتھ مناکحت درست ہے، نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے نہ انکو اپنی مسجدوں میں نماز کی اجازت دینی چاہئے اور

اور نہ ہی ان کے مردوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے کی، ان دستخط کنندگان میں مولانا سید عطاء اللہ بخاری (دم ۱۳۸۱ھ) مولانا محمد داؤد غزنوی (دم ۱۳۶۳ھ) مولانا شامی اللہ ترمذی

(دم ۱۳۶۶ھ) مولانا محمد عیسیٰ قاضی شہر بھوپال، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (دم ۱۳۶۶ھ) مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری (دم ۱۳۶۶ھ) شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب

(دم ۱۳۳۹ھ) مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (دم ۱۳۶۹ھ) مولانا محمد ابراہیم پٹیاوی (دم ۱۳۸۷ھ) شیخ اللہ اللہ مولانا اعجاز علی صاحب (دم ۱۳۷۲ھ) مولانا ضیاء اللہ صاحب سہارنپوری (دم ۱۳۳۶ھ)

مولانا شاہ جبار رحیم صاحب راپوری (دم ۱۹۱۹ھ) مولانا شاہ جبار نقاد صاحب راپوری (دم ۱۳۵۵ھ) مولوی جبار رفیق صاحب دانا پوری، مولانا جبار باری صاحب قرنگی محلہ (دم ۱۳۳۲ھ) مولانا جبار شکھ صاحب

لکھنؤ --- اور مولانا سید فخر الدین صاحب مراوا بادی (دم ۱۹۷۲ھ) وغیرہم کے نام زبانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں جبکہ

اس فتوے کے بعد قادیانیوں کے خلاف ایک عدالتی فیصلہ بھی درج کیا گیا ہے جو مسلمان ازیبہ کی درخواست پر کلکتہ کی عدالت نے ۱۹۹۹ء کو صادر کیا تھا اس مقدمہ کی پوری کارروائی اخبار دی اُٹریا کلکتہ نے ۲۶ مارچ ۱۹۹۹ء کو شائع کی تھی۔

دوسرا رسالہ اس سلسلہ کے دوسرے رسالہ کا نام ہے: صولت محمدیہ بر فرقہ غلڈیہ۔ سب سے پہلے رسالہ ۱۹۲۳ء میں انجمن

لکھنؤ کے صفحات پر قسطوار شائع ہوتا رہا پھر اسکے بعد علیحدہ سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا، اسکے مرتب ناشر مولانا عبد السلام صاحب فاروقی "م ۱۹۴۳ء تھے جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت لکھنوی کے صاحبزادے تھے، اس رسالہ کے اندر ایک تاریخی مقدمہ کی کارروائی درج ہے جو غیر منقسم ہندوستان کی مشہور ریاست بھاد پور (پنجاب) کی عدالت میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان دائر تھا، اصل مسئلہ تھا کہ صفات بھاد پور میں مولوی الہی بخش نامی ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کیا ابھی رخصتی نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ شخص مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا، مولوی صاحب نے عدالت میں نسخ نکاح کا مقدمہ دائر کر دیا، لیکن بعض "روشن خیال" افسران نے قانون وقت کے مطابق اس دعویٰ کو خارج کر دیا، مجبور ہو کر مولوی الہی بخش نے ریاست کی عدالت میں جو کہ ایک اسلامی ریاست تھی اپیل دائر کر دی، اسلامی عدالت نے فریقین کو ہدایت دی کہ وہ اپنے مشہور اور مستند علماء کی مذہبی شہادت عدالت میں پیش کریں، اس مرحلہ میں یہ معاملہ بجائے شخصی کے ایک قلمی معاملہ بن گیا، لہذا اس کی بیرونی انجمن مولانا غلام بھاد پور نے اپنے ہاتھ میں لے لی مولانا غلام محمد صاحب شیخ الحاکم جامعہ عباسیہ بھاد پور نے جو کہ ریاست کے صدر الصدور بھی تھے اس وقت کے لاہور اراٹھل کو عدالت کے سامنے قادیانیت کے خلاف شہادت دینے کیلئے دعوت دی، جن علماء نے بھاد پور کا رخصت میں شہادت دی ان میں مولانا سید رفیع حسن پانڈی

۱۹۹۲ء) سابق صدر المدینہ منہ اعاد یہ مراد آباد، مولانا نجم الدین صاحب (۱۹۹۲ء) سابق پروفیسر اور ڈپٹی کالج لاہور، مولانا محمد شفیع صاحب (۱۹۹۲ء) سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد حسین صاحب ساکن کولتار، روضہ صلیح گوجرانوالہ اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی (۱۹۹۲ء) تھے۔

علماء کا فیصلہ ان حضرات کی شہادتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین کافر و مرتد ہیں، ان کے ساتھ مناکحت حرام ہے۔ اگر نکاح کے بعد کوئی شخص مرزائی ہو جائے تو وہ نکاح بغیر قضا کا منی فسخ ہو جاتا ہے اور اس کی منکوحہ کو دوسری جگہ نکاح کر لینا درست ہے۔

مرزا غلام احمد کے کافر و مرتد ہونے کے پانچ وجوہ بیان کئے گئے تھے، اول یہ کہ انہوں نے اپنے اوپر دجی نازل ہونے کا دعویٰ کیا تھا، دوم یہ کہ انہوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، سوم یہ کہ انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی اور حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخیاں کیں تھیں، چہارم یہ کہ انہوں نے ضروریات دین کا شوشہ جمانی وغیرہ کا انکار کیا تھا اور پنجم یہ کہ انہوں نے تمام دنیا کے ان مسلمانوں کو جو ان کو نبی نہیں تسلیم کرتے کافر کہا ہے۔

اس فرقہ کو احمدی کہنا گناہ ہے مولانا لکھنؤی فرماتے ہیں کہ مرزا کے انے والے اپنے کو احمدی، لکھتے اور

کہتے ہیں اور اکثر مسلمان بھی اپنی نادانی اور کم علمی کی بنا پر انہیں احمدی کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو احمدی کہنے میں تین گناہ ہیں،

اول - احمدی کہنا گویا اس شخص کی تصدیق کرنا ہے جو وہ اپنی کتابوں میں میں لکھ گیا ہے کہ آیہ کریمہ

۱۹۹۲ء مولانا محمد رفیع صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب

وَبَشِّرِ الْأَكْبَرِ سُورِي يَا قَوْمِ بَعْدِي
 اِسْمُهُ أَحْمَدٌ - ۱۰
 اور میں بشارت سنا ہوں کہ ایک پیغمبر جو
 میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا۔
 کا مصداق میں ہی ہوں۔

دوم - 'احمدی' کہنے میں اس امر کا شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ نسبت
 سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک 'احمد' کی طرف ہے، جب کہ
 ایسا بالکل نہیں ہے۔

سوم - آج سے بہت پہلے لفظ 'احمدی'، امام ربانی مجدد الف ثانی
 حضرت شیخ احمد سرہندی کے متوسلین کا مخصوص لقب رہ چکا ہے چنانچہ
 اس سلسلہ کے اکابر بطور شعار یہ لفظ اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا کرتے
 تھے جیسے (شاہ) غلام علی احمدی اور (شاہ) احمد سعید احمدی وغیرہ، ان حضرات
 کی قبروں میں یہ نسبت اسی طرح کندہ تھی اس لئے قادیانیوں کو احمدی کہنا گویا
 اکابر امت کے ایک امتیازی لقب کا غصب کرنا ہے۔ ۱۰

فِرْقَةٌ غُلْدِيَّةٌ
 اس فرقہ کا ایک مشہور نام مرزائی ہے لیکن یہ
 لوگ اس نام سے چڑھتے ہیں، حضرت مولانا

سید محمد علی مونگیریؒ اس فرقہ کو "جدید عیسائی" کہا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا
 معتقدی اپنے عیسائی ہونے کا مدعی تھا لیکن حضرت مولانا عبد الشکور صاحب
 لکھنویؒ اس فرقہ کو "غلدی" کہا کرتے تھے، غلام احمد نام میں دو جزوہ میں اللہ
 دونوں کی طرف نسبت اس نام میں آگئی ہے، عربی قاعدہ کے مطابق بھری طریق
 نسبت کثیر الاستعمال ہے جیسے عبد شمس سے عثمینی، محمد القاسم سے محمدی
 اور علیا قیس سے عثمینی وغیرہ۔ علی حلقوں میں یہ نام بہت استعمال ہوا ہے

۱۰ سورة الصف، ۶۔ ع صورت محمدیہ رنگ۔

حضرت نوگیریؒ نے بھی اس نام کو بہت پسند کیا تھا چنانچہ ان کے متوسلین اس نام کو برابر اپنی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں میں استعمال کیا کرتے تھے یہ

یہ پورا رسالہ چھپانے کے وقت صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے اکثر و بیشتر مضامین وہی ہیں جو صحیحہ رنگون برپیروانِ دجال زبون میں لکھے گئے ہیں لہذا ان کی تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ ایسے رسائل اور کتابیں جو اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں انہیں دوبارہ شائع کیا جائے تاکہ ان سے روشنی حاصل کر کے آنے والی نسلیں صحیح اور سیدھی راہ کو اختیار کر سکیں اور عقائد کی گمراہیوں سے خود بھی بچ سکیں اور دوسروں کو بھی بچا سکیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۸۱ کا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امامت فرمائیں گے۔ یعنی جو افضل ہوگا۔ وہی امامت کرے گا۔ البتہ پہلے دن امامت سے گریز اس لئے ہوگا۔ تاکہ جو شبہ پیدا ہونے والا ہو۔ وہ زائل ہو جائے۔ اب جب ایک وقت (وہ بھی آتے ہی) امام ہدیکہ کی اقتدار میں نماز پڑھ لی، وہ احتمال رفع ہو گیا۔ اور شریعت محمدیہ کا استقلال و دوام ثابت ہو گیا تو بعد میں حضرت عیسیٰؑ کی امامت سے کسی قسم کا اشکال پیدا ہونے کا سوال ہی نہ ہوگا۔ اس لئے مستقلاً حضرت عیسیٰؑ ہی امامت فرمائیں گے۔ (دیکھئے تفصیلات کے لئے فتح الملہم ج ۲ ص ۲۵۵)

مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۲۲۷

کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ

سلم شریف کی معنی روایات میں "وَأَمَّا كَرْمٌ مِّنْكُمْ" اور "فَأَمَّا كَرْمٌ مِّنْكُمْ"

لے صورت محمدیہ ص ۱۱۱

کے لفظ آئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامت حضرت عیسیٰ ہی فرمائیں گے اور امام مہدی مقتدی ہوں گے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس سے بھی قادیانی حضرت کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارے مذکورہ بالا جواب سے صاف ظاہر ہے کہ امام مہدی کے مقابلے میں اصل اور واقعی امام (انفصیت کے اعتبار سے) حضرت عیسیٰ ہی ہوں گے اور صرف ایک وقت امام مہدی کا امامت کرنا اسی شبہ کو زائل کرنے کیلئے ہو گا۔ جو اد پر بیان کیا گیا اور اس وقت کی امامت بھی حضرت عیسیٰ کے ہی حکم اور مرضی سے ہو گی۔

اس کے ساتھ ہی مسلم شریف کی اس روایت نے قادیانی حضرات کے ایک اعتراض کا جواب بھی فراہم کر دیا جو ان کے خیال میں نہایت ہی معرکہ آرا و اعتراض ہے۔ اور غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

اعتراض یہ ہے۔

(۱) حضرت عیسیٰ کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی اور حضور کی بعثت سارے عالم کی طرف، اب اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضرت عیسیٰ ہی مسیح موعود بن کر آئیں گے؟ اور کیا یہ عقیدہ حضور کی اس خصوصیت (سارے عالم کے لئے نبی ہونا) کو نہیں توڑتا؟

(۲) اگر ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہ آئے، تو حضرت عیسیٰ کا آنا کیا ختم نبوت کے سنا فی ہو گا؟

(۳) اس اعتبار سے خاتم النبیین، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوتے کیونکہ ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، حضور ﷺ خاتم النبیین نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ (دیکھئے نزول المسیح ص ۱۵۰ از قاضی محمد زبیر)

اس اعتراض کا بہت ہی آسان اور سیرھا و سادہ جواب ہے، جو اعتراض کی

تینوں شخصوں کو شامل ہے، جو اب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی بعوث نہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول، حضرت عیسیٰؑ کی بعثت نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سو سال پہلے بعوث ہو چکے تھے۔ اور جب بعثت نہ ہوئی تو یہ سوال ہی ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام صرف نبی اسرائیل کے لئے نبی ہوں گے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سارے عالم کے لئے بعثت پر ہی دار و مدار تھا۔ عقیدہ ختم نبوت کا بھی، جب بعثت نہ ہوئی تو حضرت عیسیٰؑ کا نزول ختم نبوت کے منافی نہ ہوا۔ اس طرح خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہے نہ کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام، کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب ہی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی بعوث نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی بعوث نہ ہو گا۔

رہا یہ سوال کہ کیا ثبوت ہے کہ حضرتؑ کا نزول، بحیثیت بعثت نہ ہوگا، اس کا جواب مسلم شریف کی اسی زیر بحث روایت میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا تھا:

وَأَمَّاكُمْ مِنْكُمْ
اور وہ امامت کریں گے تمہاری، تمہیں میں
یعنی تمہاری شریعت کے مطابق نماز پڑھا میں گے (ذکر کہ اپنی شریعت کے مطابق)
اس روایت کے ایک راوی ابن ابی ذئبؓ ہیں اور ان سے روایت کرنے والے
ولید بن مسلمؓ ہیں، ولید بن مسلمؓ کہتے ہیں کہ ابن ابی ذئبؓ نے مجھ سے کہا: اَللّٰهُمَّ
مَا أَمَّاكُمْ مِنْكُمْ (کیا تمہارے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ تمہاری کیا امامت کریں گے۔
تمہیں میں سے؟) ولید بن مسلمؓ نے کہا: تخبرونی (آپ ہی بتائیے) انہوں نے کہا۔
فَاتَّكَمَ بِلِسَانٍ وَبَكَرَ عِزًّا وَجَلَّ
پس وہ تمہاری امامت کریں گے تمہارے
وَسَمِعَتْ نَبِيَّتُكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رب عزوجل کی کتاب (قرآن) اور تمہارے

رسلم ج ۱ ص ۵۸، فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۳
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے مطابق۔

فتح الملہم ج ۲ ص ۳۲

طبرانی میں عبداللہ بن مفضل کی روایت میں ہے۔

ینزل عیسیٰ بن مریم مصداقاً
عیسیٰ ابن مریم اتریں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی تصدیق کرتے ہوئے ان کے مذہب پر
محمد علی ملتہد فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۱
نوروی میں ہے۔

ای ینزل حاکماً بهذا الشریعة
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے،
لا ینزل نبیاً برسالة مستقلة
اسی شریعت کے مطابق، مستقل سلطت
شریعة ناسخة بل هو حاکم من
و شریعت لے کر نہیں آئیں گے کہ وہ ادیان
حکام هذه الامة نوروی علی السلم
باقیہ کے لئے ناسخ بن جائے بلکہ وہ
ج ۱ ص ۵۸
اسی امت کے حکام میں سے ایک حاکم
ہوں گے۔

فتح الملہم میں ہے۔

قال الطیبری المعنی یومکم عیسیٰ
طیبری فرماتے ہیں یومکم کا مطلب یہ ہے
حال کونہ فی دینکم (ج ۲ ص ۳۳)
کہ حضرت عیسیٰ تمہاری امامت کریں گے۔
ان کے ہونے کی حالت میں تمہارا دین پر۔

مرقات المفاتیح میں ہے

ای یومکم عیسیٰ حال
امامت کریں گے عیسیٰ ان کے ہونے
کی حالت میں تمہارے دین پر۔
کونہ من دینکم -
ج ۵ ص ۲۲۲

• • • • •
• • • • •

ایک نکتہ!

ایک قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ زیر بحث حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ کی خوش قسمتی اور نصیبہ درمی کو بیان فرمایا ہے۔ کَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامَكُمْ مِنْكُمْ (تم کتنے اچھے اور خوش قسمت ہو گے۔ جب تم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، حال یہ کہ تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔)

اس خوش قسمتی کی دو ہی شکل ہو سکتی ہے، تیسری نہیں۔

۱۱، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے، امت محمدیہ کا یہ اعزاز ہو کہ امت، امت کا ہی کوئی فرد کرے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

کیا حال ہوگا تمہارا (یعنی تم کتنے خوش قسمت ہو گے کہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قابل اعزاز و اکرام ٹھہرے، حال یہ کہ عیسیٰ ابن مریم تم میں اتریں گے۔ اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ اور عیسیٰؑ تمہارے امام کی امتداد کریں گے تمہارے دین کے اعزاز کو ظاہر کرتے ہوئے۔ اور اس کی تائید آنے والی حدیث (روایت جابرؓ) بھی کرتی ہے بلکہ

کیف حالکم وانتم مکرمون عند اللہ تعالیٰ والحال ان عیسیٰ یُنزل فیکم و امامکم منکم و عیسیٰ یقتدی بامامکم تکرمة لدینکم و یشہد لہ الحدیث الاتی الخ (مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۲۲)

✦ ✦ ✦ ✦ ✦
✦ ✦ ✦ ✦ ✦
✦ ✦ ✦ ✦ ✦

لہ یہ حدیث گزر چکی ہے

(۳) امامت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام تھا کریں، لیکن اپنی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ امت محمدیہ کو عطا کردہ مشرعیّت کے مطابق، جیسا کہ ابن ابی ذئب کی روایت سے پتہ چلا۔

دونوں میں سے جو مفہوم بھی لیا جائے، قادیانی حضرات کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امامت کرنے والے عیسیٰ، امت محمدیہ میں سے ہوں گے، وہ عیسیٰ ابن مریمؑ نہ ہوں گے۔ جن کے متعلق رفع الی السماوات کا عقیدہ ہے۔ مذکورہ بالا مباحث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ، وہی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام ہوں گے۔ جو زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور مہدی امت محمدیہ کے ایک فرد ہوں گے، جو نزول مسیح کے وقت موجود ہوں گے، لہذا دونوں ایک شخصیت نہیں، دو شخصیتیں ہیں
(ختم شد)

یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ سے ماہنامہ دارالعلوم کی
شرح خریداری = ۲۰/ سالانہ ہوگی

ختم نبوت نمبر۔ ایک ساتھ پانچ نسخے منگائے ۲۵ فیصد
کیشن دیا جائے گا۔۔۔

ختم نبوت نمبر۔ قیمت = ۲۰/ روپے۔

معصوم تو بہا اول

آپ کے بچوں کو دینی شعور اور اسلامی تاریخی واقفیت
کی آج بہت زیادہ ضرورت ہے
اس کے لئے ان کو "اسلامی تاریخ" یہ سلسلہ
ضروری پڑھائیے۔

آسان زبان • دلچسپ طرز • حسین کتابت • سفید کاغذ
خوبصورت ٹائٹل • آفسٹ

رسول عربی اردو - ۸۶ ہندی - ۱۱/، انگریزی - ۱۰/۔ خلافت راشدہ اول - ۱۰/۔
خلافت راشدہ دوم - ۶/، خلافت نبوی امیر - ۶/۔

دینی درسگاہ کے ذمہ داران کتابوں کو نصاب میں داخل فرمائیں
اور تحسید بہ فرمائیں

دارالعلوم دیوبند - جامعہ ملیہ اسلامیہ - مدرسہ اسلامیہ لہور آباد - دارالعلوم دیوبند
کے علاوہ

ہندوستان، افریقہ، عرب، ہندوستان، چین، جاپان،
ملائے، کینیڈا، برقی کتاب گھر، ڈاکٹر نگر جامعہ اسلامیہ دیوبند

(دہلی اور دیوبند کے ہر جگہ سے طلبہ کے لئے)

DARUL ULOOM MONTHLY

Deoband (U.P.)

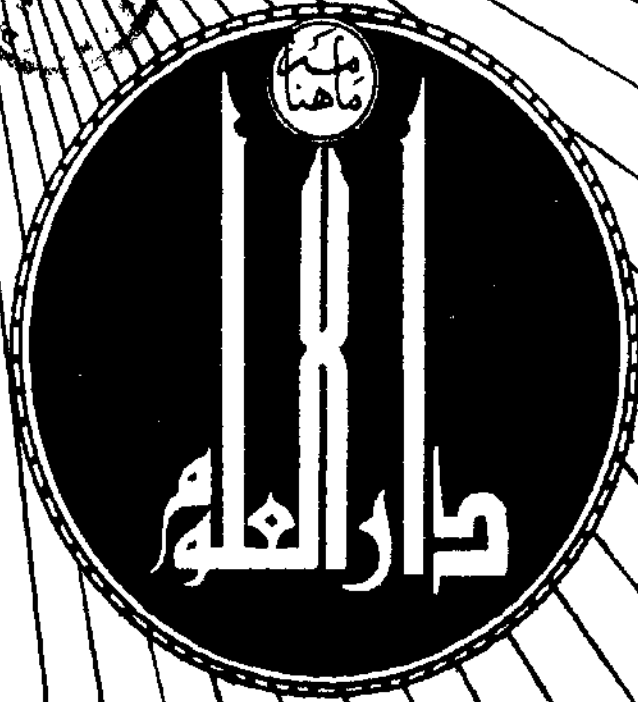
فہرست مطبوعات مکتبہ دارالعلوم دیوبند

۲۷/۰	جماعت اسلامی کا دینی رخ	۳/۰	قرآنی پیشین گوئی	۳۱۱/۰	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
	عکس در چہار حصص	۱۲/۰	انتصار الاسلام		مکمل بارہ جلدوں میں
۶/۰	مودودی دستو زوم	۳۵/۰	قبلاً نما	۳۵/۰	مقالات حریری
	عقائد کی حقیقت	۱۲/۰	برائین قاسمیہ	۱۵/۰	دیوان الشنفری
۴/۰	ایمان و عمل	۵/۰	حکمت قاسمیہ جلد		حصائی
۵/۰	غلط فہمیوں کا ازالہ	۶/۰	قرآن محکم		ملاحضات
۱/۰	دو ضروری سننے	۱۵/۰	حجۃ الاسلام	۱۵/۰	عقیدہ نظریہ
۱۰/۰	مشاہیر علماء دیوبند	۲۲/۰	مدارج سوک	۱۶/۰	مشکوٰۃ الامجد
۱۲/۰	علماء دیوبند اور علم حدیث	۱۶/۰	جانزہ تراجم قرآنی	۱۶/۰	الفیہ الحدیث
۱۲/۰	دارالعلوم کی تاریخ سیاست	۱۲/۰	دینی دعوت کا قرآنی اصول	۵/۰	الفتویٰ
۱۰/۰	سکاح و طلاق	۲/۰	اسرائیل	۹/۰	نیفحۃ الادب
۲/۰	ڈر منشور اولی	۳/۰	حقیقت معراج	۱۵/۰	مقدارین الصلاح
۱/۰	ڈر منشور دوم	۲/۰	دارالعلوم کا ایک فتویٰ	۱۰/۰	المنار الانوار
۲۵/۰	اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ	۲/۰	اور اس کی حقیقت	۳۲/۰	الاشباہ والنظائر
۸/۰	نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی	۲۲/۰	ناقابل فراموش واقعات	۱۱/۰	تفسیر مدارک التنزیل
۴/۰	تحقیق الکفر والارمانی	۱۶/۰	تفسیر القرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	۵/۰	تفسیر معوذتین
۱/۰	اسلام اور سزائیت کا اصولی اختلاف	۱/۰	اجتماع گنگوہ	۲/۰	ماثورہ و عامیہ، دورنگیں
۳/۰	دعادی مرزا	۲/۰	اسلامی عقائد اور سائنس	۵/۰	مشنوی فروغ
۵/۰	ختم نبوت	۵/۰	مودودی مذہب	۳۹/۰	مخطوطات مکمل در دو جلد
۲/۰	مسیح موعود کی پہچان	۴/۰	نظریہ دو قرآن پر ایک نگر	۱۰۰/۰	تاریخ دارالعلوم مکمل اردو و ہندی
۳/۰	قادیانیت پر غور کر کے کاسیہ ضلالت	۴/۰	مکتوبہ ہدایت	۳۱/۰	تاریخ دارالعلوم مکمل انگریزی
۲/۰	شانائت مرزا	۶/۰	مکتوبہ ہدایت	۱۰/۰	مصائب الزادین
۲/۰	غسٹم ختم نبوت	۲/۰	اعظام اللہ	۱۲/۰	سوانح قاسمی مکمل در دو جلد



ستمبر ۱۹۸۶ء

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان



مدیر

حبیب الرحمن قاسمی

دَارُ الْعُلُومِ دِيوبَنْدِ كَاتِبِ
 مضافاً دِيوبَنْدِ
دَارُ الْعُلُومِ

شماره نمبر ۱ باب ۱۰ ماہ ستمبر ۱۹۸۶ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۷ھ جلد نمبر ۱

نگران
 حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مستشرق و دارالعلوم دیوبند

مدنی
 مولانا حبیب الرحمن القاسمی

سالانہ
 40/=

فی شمارہ
 ۹=

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے
 سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا وغیرہ کا سالانہ =/160
 پاکستان سے -/70 روپے، بنگلہ دیش =/50 ہندوستان



سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا ہے

فہرست مضامین

صفحہ	نکاح	مضامین	نمبر شمار
۳	ادارہ	حرف آغاز	۱
	حضرت مولانا ریاست علی صاحب مجبوری	ہندوستان کے مدارس عربیہ کی جائیدادیں	۲ ✓
۷	استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند	وقف یا املاک عامہ	
۲۷	مولوی نسیم احمد مظفر پوری	تحقیق والد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام	۳
	فاضل دارالعلوم دیوبند		
۳۵	حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی	سوشل سیکرٹری کے آسان فیصلہ	۴ ✓
	پانچٹر - انگلینڈ		
۴۱	مولانا عبدالقیوم صاحب - دارالعلوم	پارچہ پانچ علماء علامہ سمعانی کی نظر میں	۵ ✓
	اکوڑہ خٹک		

ہندوستانی و پاکستانی خریداریوں سے ضروری گزار

۱۔ ہندوستانی خریداریوں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اڈل فرمت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

۲۔ پاکستانی خریداری اپنا چندہ مبلغ ۷۵ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب بہتر جامعہ عربیہ محمودیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ضلع ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں

۳۔ خریداری حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ والسلام

منیجر رسالہ دارالعلوم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَرْفِ آغَاذِ حَادِثَةِ جَرَمِ پَاکِ شِیعِیَّتِ كِے مَنْفِی كِرْدَارِ كِی وَشَنی مِیں

ترقہ شیعہ دراصل یہودیت کی پیداوار ہے۔ جس طرح سینٹ پال دپولوس رسولِ یہودی نے ازراہ تعصبِ مسیحیت کا لبادہ اڑھ کر دینِ مسیح کی صداقت اور عقیدہ توحید کو دشمنیت اور شرمک سے آلودہ کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح صنعا کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے صاف و شفاف چشمے کو اپنے مشرکانہ عقائد سے مکدر کرنے کا ناپاک کوشش کی۔ یہ یہودی منافق اگرچہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کے خدائی وعدہ حفاظت کی بنا کر اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن ملتِ اسلامیہ کے اندر اختلاف و انتشار کا ایسا بیج ہو گیا کہ امتِ اسوقت سے لیکر آج تک اتفاق و اتحاد سے محروم ہے

یہی ابنِ سبا یہودی شیعیت کا مؤسس و بانی ہے اسی لئے مشہور تابعی امام شعبی فرماتے تھے کہ "شیعہ اس امت کے یہود ہیں" (الفصل ج ۴ ص ۱۸۰) یہی امام شعبی ایک دوسرے موقع پر اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"احذروکم اهل هذه الازواء المضلة وشرها الرافضة لم یدخلوا فی الاسلام رغبة ولا هبة ولیکن مقتلا اهل الاسلام وبعیا علیہم وقد نفاہم علی رضی اللہ عنہ الی البلد ان منہم عبد اللہ بن سبا یہودی من یہود صنعا نفاہ الی سباط و عبد اللہ بن یسار الی خازر"

(الصراع بین الاسلام والوثنیة)

یہودیت اور شیعیت کے تقابلی مطالعہ سے امام شعبی کے قول کی طرف بہ حرف تائید ہوتی ہے کیونکہ فرقہ شیعہ کے بیشتر عقائد، اخلاق اور اعمال یہودیت کی صدیوں پرانے باہر گشت معلوم ہوتے ہیں بطور مثال دمنونے کے چند امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر انہیں الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے قائل ہیں

۲۔ یہودیوں کے نزدیک خلافت حکومت آل داؤد کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح شیعوں کے نزدیک خلافت امامت آل رسولی و آل بیت ہی کا حصہ ہے۔

۳۔ یہود حضرت جبرئیلؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ دھو عدا و نامن الملائکۃ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔

۴۔ یہود نے اپنی کتاب تورات میں تحریف کی، شیعہ فرقے نے بھی قرآن کریم میں تحریف کی ناپاک کوشش کی

۵۔ یہود مسیح علیٰ الفین کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہی مسلک شیعوں کا بھی ہے۔

۶۔ یہود اپنے علاوہ کسی کو جنتی نہیں سمجھتے لن یدخل الجنة الا من کان یہوداً۔ شیعہ فرقہ

کا بھی یہی زعم باطل ہے

۷۔ یہود اشتباک نخوم تک نماز کو مؤخر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ نماز مغرب کو اشتباک

انجوم کے بعد ادا کرتے ہیں۔

۸۔ یہود الخرمی والرباہی چھسلی کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہی مذہب شیعوں کا بھی ہے۔

۹۔ یہودیوں کے یہاں عورتوں پر عذت نہیں ہے۔ یہی بات شیعہ بھی کہتے ہیں

۱۰۔ یہود تمام غیر یہودیوں کے احوال کو اپنے لئے خلال سمجھتے ہیں۔ اسی نظریہ کے قائل شیعہ بھی ہیں

و تلك عشرة كاملة، ان کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے امور ہیں۔ جن میں شیعہ اپنی

اسلام کے بجائے یہودیوں کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ چونکہ اس فرقہ کا تو بس اصلاً

یہودی ہے اس لئے شیعیت اور یہودیت میں یہ مناسبت و مطابقت فطری ہے۔

فرقہ شیعہ اپنے ابتداء سے وجود سے عالم اسلام کے لئے ایک خطرہ بنا ہوا ہے اور ہمیشہ سے اس کی بڑی کوشش رہی ہے کہ ملت اسلامیہ میں اختلاف و انتشار پیدا کر کے اسکے شیرازہ کو منتشر کر دے۔ چنانچہ اس کے بانی ابن سبار نے اپنی خفیہ سازشوں کے ذریعہ خلیفہ ثالث داما دروجل حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بغاوت برپا کی جس کے نتیجہ میں ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کا ظلم کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، بانی تشیعیت کی منافقانہ سازشوں کی بنا پر ۳۶ھ میں واقعہ جمل اور ۳۷ھ میں صفین کا حادثہ پیش آیا۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی متحدہ قوت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے نقصان دہ اثرات سے آج تک امت مسلمہ چھٹکارا حاصل نہ کر سکی، شیخ الشیوخ نصیر طوسی اور وزیر علقمی شیعہ کی دوپہرہ کوششوں سے ہلاک خواں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کا سقوط اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ تاریخ اسلام کے یہ ایسے دردناک اور ہلاکت خیز حادثات ہیں جن کا اسلام اور مسلمانوں کو بعض شیعوں کی فتنہ پردازوں اور دربرہ سازشوں کی بنا پر دوچار ہونا پڑا ہے۔ (تفصیل کیلئے تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ کیجا جو نیک شیعوں کے نزدیک مکہ میں رہنے والے مسلمان خدا کے کھلے ہونے شکر اور اہل مدینہ مکہ والوں کی بر نسبت ستر گنا پلید ہیں) (اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹) نیز ان کے نزدیک حرین شریفین کے مقابلہ میں نجف اور کربلا زیادہ محترم و مقدس ہیں (اصول کافی) و الشیخ والمناص (۲۵) اس لئے حرین شریفین کے مسلمانوں کو قتل کرنا اور حرین کی مرکزیت کو ختم کرنا ان کے نزدیک کار ثواب ہے۔ اسی بنا پر شیعوں کو جب بھی اقتدار نصیب ہوا ہے انھوں نے حرین شریفین یا مخصوص مکہ معظمہ کی مرکزیت کو پامال کرنے کی پوری کوشش کی ہے چنانچہ فرقہ امامیہ کی مشہور شاخ اسماعیلیہ نے اپنے دور اقتدار میں ملت اسلامیہ کو جس طرح اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور اہل سنت و الجماعت کے علمائین کو جس طرح جُن جن کر انھوں نے قتل کیا تاریخ اسلام کے اوراق اس خوفناک داستان سے لالہ زار ہیں۔ علاوہ ازیں اس فرقہ نے اپنے دور اقتدار میں مکہ معظمہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کی غرض سے ایسی ایسی انسانیت سوز حرکتیں کی ہیں۔ جنھیں یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۱۸ھ میں انھوں نے مکہ معظمہ سے حج کر کے

واپس لوٹنے کے مواقع پر زبردستی حملے کئے اور تقریباً بیس ہزار حاجیوں کو شہید کر ڈالا۔ پھر اسی گروہ نے ۱۹۳۷ء میں اپنے سردار ابوطاہر سلیمان کی زیر قیادت تپا مہج میں مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور خاص یوم ترویہ میں حاجیوں پر شب خون مار کر ان کے مال و اسباب لوٹ لئے اور بہت ساکڑا حاجیوں کو بیت الحرام میں قتل کیا۔ مجرماً سود کو نکال کر اپنے دار الخلافہ لے گئے تاکہ مسلمان مکہ معظمہ میں حج کرنے کے بجائے ہمارے دارالسلطنت میں حج کرنے آیا کریں، حسب بیان احمد امین اس قتل و غارتگری کا سلسلہ بارہ دن تک جاری رہا (ظہر الاسلام)

فرقہ امامیہ کی دوسری مشہور و معروف شاخ اثنا عشریہ بھی اس وقت اسی منہی کردار کو دہرا رہی ہے۔ چنانچہ اپنے قائد امام ہمشوا اور نائب امام غائب علامہ خمینی کی ہدایت کے مطابق یہ لوگ ہر سال حج کے موقع پر انتشار و احتمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ گذشتہ حج کے نام پر آنے والے ان دہشت گرد پاسداران خمینی کی اٹیچیوں میں اچھی خاصی مقدار میں پلاسٹک بم اور دیگر آتش گیر مادے پکڑے گئے تھے کہ ان کی تھوڑی سی مقدار ہزاروں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھی۔ حج کے موقع پر پاسداران خمینی کی ان دہشت انگیزیوں کا مقصد یہ ہے کہ حجاج اس طرح کے اھل بھل سے گھبرا کر وہاں آنا بند کر دیں اس طرح سے مکہ کی مرکزیت از خود ختم ہو جائے گی اس کے بعد اس پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ جس کا خواب خمینی ایک عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔ حرم پاک کے اس حادثہ کو جو لوگ ایک وقتی حادثہ سمجھ رہے ہیں وہ غالباً شیعیت کے اس تاریخی منہی کردار سے یا تو واقف نہیں ہے یا جان بوجھ کر سہل انگاری سے کام لے رہے ہیں۔ ورنہ درحقیقت شیعیت کی طرف سے ملت اسلامیہ کو ایک چیلنج ہے جس کا جواب نہ صرف سعودیہ حکومت ہی کے ذمہ نہیں ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر اس کی جوابدہی ضرور لازم ہے۔ ایک ہون سلم حرم کی پاسبانی کے لئے ہند کے ساحل لے کر تاجا کھ کا شہر

ہندوستان کے مدارس کی جاہلیانہ وقف یا املاک عامہ

از۔ مولانا ریاست علی صاحب بجنورہ

اسلام نے جس وقت ارض حجاز سے قدم باہر رکھا تو اس کے ایک ہاتھ میں فتح و نصرت کا پرچم اور دوسرے میں علم و فن کا چراغ تھا۔ وہ جس سو زمین میں بھی پہنچا وہاں علوم و معارف کی مجلسیں آراستہ کر دیں۔ یہاں علیٰ مجلسیں آگے چل کر ”مدارس“ کے نام سے یاد کی جانے لگیں۔

ابتداء میں ان مدارس کے لئے علاحدہ اور مستقل عمارتیں نہیں تھیں بلکہ عام طور پر مساجد ہی سے درسگاہوں کا کام لیا جاتا تھا۔ مورخین کی تحقیق کے اعتبار سے ۱۳۹۵ء سے مدارس کیلئے مخصوص عمارتوں کے سلسلہ غیر کی ابتدا ہوئی پھر تو ہر امیر و رئیس کا یہ عمومی طریقہ کار بن گیا کہ وہ اپنے اپنے دور میں مدارس کی تعمیر اور ان کے مصارف کیلئے جاگیروں اور وظائف کا انتظام اپنی نیک نامی کے لئے فرما دیتے تھے۔

دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح برصغیر میں بھی مدارس اور اسلامی درسگاہوں کا سلسلہ مسلمان سلاطین اور ان کے امراء کی داد و دہش ہی سے تعلق رہا۔ اور ہر کہ آمد عمارتوں کی ساخت و تعمیر اور اس کے نیک دل و ذرا و امراء نے شہر و قصبہ میں اسلامی مدارس کا ایک جلال بھیلادیا جس کا سلسلہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تسلط تک جاری رہا۔ لیکن جب برطانوی سامراج نے ملک کے اقتدار کو اپنے پنچے استبداد میں پوری طرح جکڑ لیا تو نہ صرف یہ سلسلہ خیر ختم ہو گیا بلکہ قدیم درسگاہوں اور ان کی جاگیروں کو بھی کو ضبط کر لیا گیا۔

اس صورت حال کی سنگینی اور اس کے دور رس نتائج بد علانے فن کی نگاہوں کے سامنے ایک حقیقت کی طرح نمایاں تھی وہ اپنے نور بھیرت سے دیکھ رہے تھے کہ عملی درجہ تک ہمیں اسی طرح بے خانماں بر باد رہیں تو پھر مادی اقتدار کے ساتھ ملت اپنے اسلامی عقائد و اعمال سے بھی محروم ہو جائے گی۔ چنانچہ خانوادہ دلی اٹھتی سے منسلک اکابر دیوبند اس صورت حال سے مقابلے کی ایک نئی اسکیم سوچی کہ اب تک مدارس اور ان کے مصارف مسلمان امراء و رؤسا کی داد و بخش پر موقوف تھے۔ لیکن اب اسلامی درسگاہیں عوامی چندے کی بنیاد پر قائم کی جائیں۔ اس کا اولین تجربہ دیوبند ہی کی سر زمین میں کیا گیا جو سونی صد کا نیا رہا اس لئے اس تجربہ کے بعد اسی پنج پریور سے برصغیر میں مدارس کا چال پھیلادیا گیا۔ اور اور اس وقت خیالی یہاں ہے کہ برصغیر کے تمام مدارس عوامی چندے ہی سے قائم ہیں کسی شخص واحد نے اپنی مخصوص املاک کا تئیدار کے ذریعہ انھیں قائم نہیں کیا ہے۔ قدیم و جدید درسگاہوں میں یہ ایک ایسا بنیادی امتیاز ہے جسے مدارس کے موضوع پر بحث و گفتگو میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ادھر چند سالوں سے بعض حلقوں کی جانب سے بڑی شدت کے ساتھ یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ یہ مدارس وقف ہیں اس شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حضرت مدارس کے نام کے ساتھ "وقف" کا لفظ ضرور لگاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان وقف وقف کی رٹ لگانے والوں کا مقصد اسلامی مدارس اور ان کی جائیدادوں کی فقیہی حیثیت واضح کرنی نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اس کے پردے میں بحق تولیت ان مدارس میں اپنی وراثت قائم کرنا چاہتے ہیں اور ملت کے سرمایہ کو اپنی ذاتی جاگیر کے طور پر استعمال کرنے کی فکر میں لگے ہیں۔ اپنے متوتیوں کے ہاتھوں آج مسلم اوقات کا جو حشر ہو رہا ہے۔ وہ بزبان حال اس بات کا شاہد ہے بایں ہمہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر اب تک پوری توجہ نہیں کی گئی ہے لیکن اب ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو پورے طور پر منقح کیا جائے۔ زیر نظر مقالہ اس سلسلے کی ایک کوشش ہے جو علماء کی توجہ کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔

حبیب الرحمن قاسمی

حضرات فقہاء کرام ہر جائیداد کو وقف نہیں کہتے بلکہ وقف جائیداد کی ایک خاص نوع اور شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کی ایک مستقل تعریف، شرائط، الفاظ اور مقاصد ہیں اور فقہاء کرام نے ان تمام چیزوں کی انسانی امکان کی حد تک تفصیل اور وضاحت کر دی ہے کہ ہر چیز یہ منقح ہو گیا ہے، اگر کسی جائیداد پر وقف کی تعریف صادق نہ آئے یا اس کے شرائط نہ پائے جائیں تو اس کو وقف کہنا، لفظ وقف کا مجازی استعمال ہے۔

وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا، باندھنا، اور اصطلاحی تعریف امام اعظم ابوحنیفہ کے یہاں ہے۔ جلس العین علی ملک الواقف والتصدق بمنفعتھا او صرفا منفعتھا الی من احب، یعنی امام صاحب کے یہاں کسی مخصوص چیز کی ملکیت کو، مالک کی ملک میں روک کر، اسکے منافع کو واقف کی منشاء کے مطابق نیک کاموں کے لئے مخصوص کر دینا وقف کہلاتا ہے۔ امام صاحب کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے تصرفات کی حد بندی کر دی جائے کیونکہ ملکیت تو اصل مالک ہی کی قائم رہتی ہے لیکن حقوق تصرف میں حد بندی کر دی جاتی ہے کہ فلاں کام کر سکتے ہو اور فلاں کام نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے امام صاحب کے یہاں تسبیل یعنی رجسٹریشن اور حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔

جبکہ قاضی ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک وقف کی تعریف جلس العین لا علی ملک احد غیر اللہ ہے۔ یعنی شے موقوفہ سے مالک کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ لغوی طور پر خدا کی ملکیت میں اس طرح آجاتی ہے کہ اس کے منافع سے مخلوق جائز طور پر مستفید ہوتی رہے۔ امام صاحب اور صاحبین کے نقطہ نظر سے وقف کی یہ تعریف "ہدایہ" سے لی گئی ہے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکنوی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے۔

کسی مال کا نفع بغرض خوشنودی نفس یا رضائے الہی دائمی طور پر کسی شخص یا کسی کام کیلئے مخصوص کر دینا، (تظہیر الاموال ص ۱۷۷)

”مجموعہ قوانین اسلام“ میں وقف کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

”کسی قیمتی شے کی ذات (Corpus of Property) کو خدا کی ملکیت میں مقید کر دینا اور اس کی منفعت کو دوسروں پر بغرض مذہبی و خیراتی نیک نیتی کے ساتھ دائماً صدقہ کر دینے کا صاف اور صریح اظہار وقف کہلاتا ہے“ (مجموعہ قوانین اسلام ص ۱۷۷)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر جائیداد محض نیت کر لینے سے وقف نہیں ہو جاتی۔ بلکہ جائیداد کو مخصوص تصرف کے ذریعہ وقف کیا جاتا ہے اور اس کے شرائط بھی ہیں، ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب نے مجموعہ قوانین اسلام میں ان شرائط کی تفصیل کی ہے جن کا جواز وقف کیلئے ہونا ضروری ہے۔

(۱) واقف عاقل، بالغ اور آزاد ہو (۲) وقف کے وقت غیر مجبور ہو (۳) وقف کے وقت شے موقوفہ کا مالک ہو۔ (۴) وقف کا اعلان نیک نیتی اور حقیقی ارادے کے ساتھ ہو۔ (۵) وقف ماسوائے وصیت فوری ہو اور کسی شرط پر موقوف نہ ہو الا یہ کہ وہ شرط یقیناً موجود ہو یا موجود ہونے والی ہو۔ (۶) شے موقوفہ معروف اور مشخص ہو (۷) بیع یا ہبہ کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو۔ (۸) وقف دائمی ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلام ص ۱۷۷)

وقف کے جواز کی یہ شرطیں، شے موقوفہ، واقف اور موقوف علیہم تینوں ہی سے متعلق

ہیں، ہم یہاں چونکہ صرف مدارس عربیہ کی املاک سے بحث کر رہے جو ہندوستان میں عام طور پر چندہ سے خریدی جاتی ہیں اس لئے یہاں وقف کی جملہ اقسام اور احکام کی تفصیل بیان نہیں کی جائے گی بلکہ یہ بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ مدارس عربیہ کی جائیداد اور املاک کی کیا نوعیت ہے، اور کیا ان سب املاک پر وقف کا اطلاق حقیقی ہے یا مجازی، یا بعض جائیدادوں پر اطلاق حقیقت اور بعض پر مجاز ہے تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے

کہ فقہاء کرام کا مندرجہ ذیل باتوں پر اتفاق ہے کہ
(الف) جائیداد موقوفہ کا وقف کے وقت، وقف کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے
(ب) وقف کرنے کیلئے، معنی وقفی پر دلالت کرنے والے الفاظ، یا ایسی تعبیر کا اختیار
کرنا ضروری ہے جو ان کے ہم معنی ہو۔

(ج) جو چیز یا جائیداد وقف کی جاتے وہ خود باقی رہنے والی ہو، تاکہ اصل کی بقا
کے ساتھ منافع، وقف کی تصریح کے مطابق مستحقین پر خرچ کئے جائیں۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی مملوکہ جائیداد، کسی مدرسہ کیلئے تمام شرائط وقف کو پورا
کرتے ہوئے صریح الفاظ یا ان کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ وقف کی ہو تو وہ یقیناً وقف
ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ جائیداد کسی کی ذاتی ملک نہیں تھی بلکہ چندہ کی رقم سے خریدی
گئی یا کسی شخص نے اپنی جائیداد وقف کے طور پر نہیں بلکہ سبب اور تصدق کے طور پر
کوئی تو یہ دونوں جائیدادیں مدرسہ کی ملک ضرور بن جائیں گی مگر وقف کا لفظ ان پر حقیقت
نہ ہو گا۔

پہلی صورت یعنی چندہ کے ذریعہ خرید کردہ جائیداد کے وقف حقیقی نہ ہونے کیلئے
اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ چندہ کسی ایک کی ذاتی ملک نہیں تھا بلکہ مالکین کی تعداد اتنی
زیادہ تھی کہ ان سب کو ایک نقطہ نظر پر متفق کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا گیا، دوسرے
یہ کہ چندہ خود وقف نہیں ہوتا۔ کیونکہ وقف میں یہ ضروری ہے کہ اس کی اصل باقی رہے۔

اور منافع مستحقین میں صرف کئے جاتیں، اور اس بنیاد پر قطب العالم حضرت گنگوہی،
فقہ الاسلام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری اور صمیم الامت مولانا اشرف علی
تھانوی نے چندہ کے وقف ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو علی الترتیب تذکرۃ الرشید
ج ۱ ص ۱۶۴، فتاویٰ خلیلیہ ج ۱ ص ۳۱۹، اور امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۷۲۔

اس لئے جب چندہ خود وقف نہیں تو اس کے ذریعہ خرید کردہ جائیداد پر بھی وقف کا

اطلاق مجاز ہی قرار دیا جائے گا۔

رہی دوسری صورت، یعنی ذاتی جائیداد کو وقف کے کلمات کے بجائے، ہبہ یا تصدق کے کلمات کے ذریعہ مدارس وغیرہ میں دینا، تو اس میں معنی وقف پر دلالت کرنے والے کلمات نہ ہونے کی بنیاد پر وقف کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی لکھتے ہیں۔

«مبطل وقف وہ کلمہ ہے جو معنی خلاف پر دلالت کریں، مثلاً کہیے کہ یہ گاؤں درویشوں کو دیا، یہ مکان مدرسہ کیلئے ہے۔ یہ وقف نہیں، ہبہ و تصدق ہے»

(عطر ہدایہ ص ۱۳۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں۔

«وہ تمام معانیاں اور جائیدادیں جن کے وقف ناموں میں اس قسم کی عبارتیں ہوں ہبہ میں وقف نہیں»

(عطر ہدایہ ص ۱۴۳)

حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمہ اللہ نے مسئلہ بالکل صراحت کے ساتھ لکھ دیا کہ اگر فرد واحد نے اپنی ملکیت کا مکان مدرسہ کو دیا۔ لیکن وقف کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ یہ مکان مدرسہ کے لئے ہے تو وہ مکان مدرسہ کی ملکیت میں تو آجائے گا۔ لیکن اس کو وقف قرار نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ ایسی تمام جائیدادیں جن کے وقف ناموں میں اس طرح کی عبارتیں ہوں وہ ہبہ قرار دی جائیں گی، وقف نہیں کہلائیں گی۔

حضرت مولانا کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہبہ کے کلمات کے ذریعہ مدارس کو دی جانے والی جائیدادوں پر اگر وقف کا اطلاق کیا بھی گیا ہو تو یہ مجازی اطلاق ہوگا کیونکہ اس جزئیہ کو موصوف نے مثال دے کر واضح کیا ہے کہ اگر اس قسم کی عبارتیں ہوں کہ یہ گاؤں درویشوں کو دیا، یا یہ مکان مدرسہ کے لئے ہے، تو یہ ہبہ ہے وقف نہیں۔

مدیر اشرف العلوم کانپور کی جائیداد کے سلسلے میں علماء کے فتاویٰ

فرد واحد اگر اپنی ذاتی ملکیت کو کسی مدرسے میں وقف کی تصریح کے بغیر دیدے تو وہ مدرسے کی ملک تو ہو جاتی ہے لیکن وقف نہیں ہوتی اور وقف کا یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ اشرف العلوم کانپور کے بارے میں پیش آنے والے واقعہ کی مختصر روداد پیش کر دی جائے۔

مدیر اشرف العلوم ایک مسجد میں قائم تھا کہ وہاں کے مہتمم کو یہ پیش کش کی گئی کہ تم مدرسے کیلئے کوئی جگہ تلاش کرو، ایک صاحب خیر اس کو خرید کر اس پر مدرسے کے لئے عمارت بنوا دیں چنانچہ وہاں کے مہتمم نے جگہ تلاش کی، وہ جگہ مدرسے کے لئے خرید لی گئی، پھر اس پر تعمیر کی گئی اور مدرسہ شروع ہو گیا لیکن دو چار دن کے اندر ہی مہتمم مدرسہ اور ان صاحب خیر کے درمیان اختلاف ہو گیا تو ان صاحب خیر نے مدرسے کی عمارت خالی کر لی اور اس کو ایک یتیم خانے کے نام وقف کر دیا۔

اس صورت میں مہتمم مدرسے کا دعویٰ تو یہ تھا کہ جائیداد مدرسے کیلئے خریدی گئی ہے اور مدرسہ ہی کیلئے تعمیر کی گئی ہے اس لئے وہ مدرسہ ہی کی ہے، اور یتیم خانے کے متولی کا استدلال یہ تھا کہ صاحب خیر نے اگرچہ اس نیت سے جائیداد خریدی اور تعمیر کی تھی کہ مدرسے کیلئے وقف کیا جائے مگر ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی تھی اس لئے صاحب خیر کا مدرسہ اشرف العلوم کے چائے یتیم خانے کے لئے وقف کرنا صحیح ہونا چاہئے۔

چنانچہ دونوں فریق نے اپنے اپنے بیانات قلمبند کر کے، علماء کرام سے فتاویٰ حاصل کئے، مہتمم مدرسے نے تفصیلی واقعات لکھ کر جو استفتا مرتب کیا اس میں درج تھا کہ

۱۔ یہ جائیداد مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہوگئی یا نہیں؟

۲۔ یہ وقف نامہ جو یتیم خانہ کے حق میں لکھا گیا ہے وہ شرعاً صحیح ہے یا باطل۔

چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب نے تھانہ بھون سے جواب دیا۔

۱۔ یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی ہے اور مدرسہ مذکور کیلئے وقف ہو چکی ہے (۲) جب

یہ زمین و عمارت مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے تو اب یتیم خانہ کیلئے اس کا وقف

بالکل باطل ہے۔ (ابرار المکتوم ضمیمہ عطر ہدایہ ص ۲۷)

جبکہ مولانا عبد الحفیظ صاحب بلخ آبادی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا، مولانا صدر الدین صاحب

صدر مدرس جامع العلوم کابنور، مولانا غلام نبی اور دہلی کے بیشتر علماء نے اس کی تصدیق کی، اس کا

خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ کہ محض نیت سے وقف نہیں ہوتا، اب جبکہ یہ جائیداد صاحب خیر کی ملکیت میں

اور اشرف العلوم کیلئے نہ انھوں نے وقف کیا اور نہ وقف ثابت ہوا تو یہ جائیداد

ابھی تک انہی کی ملکیت میں رہی، لہذا اس کا یتیم خانہ کیلئے وقف کرنا بالکل صحیح

ہے۔ (ایضاً ص ۲۷)

ان متضاد فتاویٰ کے بعد، پھر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے، شیخ الاسلام حضرت

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب کابنوری سے

رجوع کیا گیا، خانقاہ امدادیہ سے اصل جواب تو مولانا عبدالکریم صاحب نے لکھا۔ لیکن حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس پر ایک خلاصہ تحریر فرمایا، حضرت

کی عبارت یہ ہے

”خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو تب بھی اور اگر مدرسہ

کیلئے وقف نہ ہو مگر مدرسہ کی ملک ہو تب بھی، یہ حکم مشترک ہے کہ زمین کسی حال

میں شیخ عبداللطیف کی ملک نہیں، اس لئے ان کو دوسری جگہ اس کے دینے کا

کوئی حق نہیں، ہر حال میں مدرسہ کا حق ہے خواہ ملک مدرسہ، خواہ دفعتاً مدرسہ

کتبہ اشرف علی

حضرت حکیم الامتؒ نے، اشرف العلوم کے لئے وقف ہونے کی صراحت کے ساتھ توثیق یا تردید نہیں فرمائی، بلکہ انھوں نے اس جائیداد کے یقینی طور پر وقف ہونے سے انکار فرما دیا اور لکھا کہ یہ زمین اور تعمیر مدرسہ اشرف العلوم ہی کی ہوگی خواہ اس کو مدرسہ کی ملک قرار دیا جائے یا اس کو مدرسہ کے حق میں وقف قرار دیا جائے۔

اس کے ساتھ یہ ہوا کہ دونوں فریق کے کاغذات شیخ الاسلام حضرت مولانا سعیدین احمد صاحب مدنی کے پاس روانہ کئے گئے تو آپ نے تحریر فرمایا۔

”میں نے نزدیک یہ زمین خالص ملک مدرسہ اشرف العلوم کی ہے اور عمارت بھی اسی کی، نہ صاحب خیر کو اس میں کوئی حق تصرف ہے نہ یتیم خانہ کو ان میں سے کسی کو بھی اس میں حق مداخلت نہیں اور وقف نامہ (برائے یتیم خانہ) باطل ہے الخ (ایضاً ص ۲۸۷)

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ملک کے لئے وقف ہونے کی صراحت سے تردید نہیں فرمائی، لیکن ملک قرار دینا وقف ہونے کی تردید ہی ہے اس لئے کہا جانے لگا کہ صاحب خیر نے جو زمین مدرسہ کو خرید کر دی تھی پھر اس پر ملا ہی کے لئے تعمیر کرائی تھی وہ سب مدرسہ کی ملکیت بن گئی۔ لیکن چونکہ وقف کو ثابت کرنے والا کوئی کلمہ نہیں تھا اس لئے اس کو مدرسہ کے لئے وقف قرار نہیں دیا گیا۔

اس کے بعد فریقین کے بیانات، ان تمام فتاویٰ کے ساتھ، حضرت مولانا فتح محمد صاحب کے صاحبزادے اور شیخ الہند کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مولانا نے تحریر فرمایا۔

”چونکہ مصلیٰ کا ایک لفظ بھی تحریر آیا تو ہر ایک مذکور نہیں جو چھبیس نفلوں مخصوصہ وقف میں سے ہو یا جس کی دلالت معنی وقفی پر ہوتی ہو۔ اس لئے صورت مسئلہ میں احقر کے نزدیک زمین و عمارت کا مدرسہ اشرف العلوم پر وقف ہونا ہمارے ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کے

مذہب پر ثابت نہیں ہوتا ہے پس مولانا ظفر احمد صاحب مولانا عبدالکریم صاحب کے فتوؤں میں جو حکم وقف لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۸۲)

پھر مفصل بحث کے بعد لکھا۔

”یہ زمین مدرسہ ہی کی ملک میں آئے گی اور مدرسہ ہی اس کا مالک ہو گا نہ کہ عبد اللطیف (صاحب خیر) صاحب خیر نے جو اس میں تعمیر کی ہے وہ بھی مدرسہ ہی کیلئے ہو گی نہ کہ عبد اللطیف کیلئے (پھر خرید صفحات کے بعد) چونکہ حسب تصریح فقہار صحت وقف کیلئے، موقوف کا بوقت وقف مملوک واقف ہونا ضروری ہے اس لئے اس کا یتیم خانہ کیلئے وقف بالکل باطل ہے اور اس عمارت کو مدرسہ اشرف العلوم کے قبضہ میں دینا واجب ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۸۹)

ابراز المکتوم فی اثبات التصدیق علی اشرف العلوم، کے نام سے مدرسہ اشرف العلوم کا پورک زمین عمارت کے سلسلے میں کی گئی یہ فقہی بحث عطر ہدایہ کے ضمیمہ کے طور پر تقریباً تیس صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مدرسہ اشرف العلوم کا پور کیلئے، ایک صاحب خیر نے زمین خرید کی، پھر اس پر اپنے ذاتی مصارف سے تعمیر کرائی اور ابا برکات نے اس پر یہ فتویٰ دیا کہ یہ جائیداد مدرسہ اشرف العلوم کی ملک ہے مگر وقف نہیں ہے، وجہ یہی ہے کہ وقف شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور وہ شریعت کی مقررہ شرائط کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، یہ صاحب خیر جنھوں نے مدرسہ اشرف العلوم کیلئے زمین خرید کر عمارت تعمیر کرائی وہ اپنی رقم کے تنہا مالک تھے لیکن اس کے باوجود علماء کرام نے ان کی زر خرید زمین اور ان کی تعمیر کردہ عمارت کو مدرسہ کیلئے وقف نہیں قرار دیا اور اگر یہ صورت ہو کہ جو شخص خریدتا ہے وہ اس رقم کا مالک ہی نہیں جیسے مثلاً چندہ میں ہوتا ہے یا جو جائیداد وہ دے رہا ہے وہ خود اس جائیداد کا مالک نہیں۔ جیسے سلاطین کی جانب سے بیت المال کی

جائیدادیں، افراد یا اداروں کے لئے نامزد کی جاتی ہیں تو مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس طرح ان املاک سے استفادہ کی راہ تو قائم ہو جائے گی۔ لیکن انھیں حقیقی وقف قرار نہیں دیا جاسکے گا۔

سلاطین کی جانب سے دی جانے والی جائیدادیں وقف نہیں ہیں؛

در مختار میں تصریح ہے کہ سلاطین کی جانب سے علماء یا تعلیم گاہوں کے لئے جو جائیدادیں مقرر کر دی جاتی ہیں وہ اوقاف نہیں ہیں بلکہ ان کا نام ارساد، یعنی مصارفِ تعلیم کے انتظام میں مقرر کردہ جائیداد ہے۔ در مختار میں ہے۔

والارصاد من السلطان لیست باوقاف سلطان کی جانب سے دی گئی جاگیریں
البتة۔ (در مختار صفحہ ۲۸۹) ارساد کہلاتی ہیں وہ وقف یقیناً نہیں ہیں
اس پر علامہ شامی قدس سرہ نے تحریر فرمایا۔

الرصد الطریق و رصدتہ من
باب قتل قعدت لہ علی الطریق
وقعد فلان بالرصد ای بطریق
الارتقاب والانتظار ومنہ سمی
ارصاد السلطان بعض القرئ و
المزارع من بیت المال علی المسجد
و المدارس و نحوھا لمن یتحق
من بیت المال كالقراء والائمة
والمزینین ونحوھم كأن ما أرسدأ
قائم علی طریق حاجتھم یراقبھا

رصد کے معنی راستہ کے ہیں اور رصدتہ
باب قتل (نصر) سے آتا ہے، کسی کاراستہ پر
انتظار کرنا، قعد فلان بالرصد کے معنی
ہیں کہ راستہ میں بیٹھ کر کسی کا انتظار یا نگہبانی
کرنا، اسی لغت سے ارساد السلطان کی
اصطلاح ماخوذ ہے کہ سلطان بیت المال
کی جائیداد میں سے کچھ کاشت کی زمین یا
گاؤں وغیرہ کو مسجدوں، مدرسوں یا بیت
المال کی آمدنی کا استحقاق رکھنے والے
علماء، ائمہ اور مؤذنین کو دیدیے تو یہ وہ

وَالْمَالُ لَمْ يَكُنْ وَفَقًا حَقِيقَةً لَعَدَمِ
 مَلِكٍ اِسْطِطَانٍ لَهٗ، بَلْ هُوَ تَعْيِينُ
 شَيْئٍ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ عَلَى بَعْضِ
 مَسْتَحْقِيهِ فَلَا يَجُوزُ لِمَنْ بَعْدَهُ
 اِنْ يَغْيِرُهُ وَيَبْدَلُهُ كَمَا قَدْ مَنَّا
 ذَالِكَ مَبْسُوطًا -

(در مختار صفحہ ۲۹ ج ۷)

✦ ✦ ✦ ✦ ✦
 ✦ ✦ ✦ ✦ ✦
 ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

امداد ہے جو ضروریات زندگی کے راستہ میں
 ان حضرات کا انتظار کر رہی ہے، سلطان
 کی جانب سے بیت المال سے دی جانوالی
 یہ املاک حقیقہً وقف اس لئے نہیں ہیں
 کہ وہ سلطان کی ملکیت میں نہیں تھیں بلکہ
 سلطان کا یہ عمل بیت المال کی کسی چیز کو
 بعض مستحقین کیلئے خاص کرنے کا عمل ہے
 اور اس لئے بعد میں آنے والے کسی حاکم کیلئے
 اس میں تغیر و تبدیل جائز نہیں جیسا کہ یہ بحث
 مفصل گزر چکی ہے -

اس عبارت میں فرمایا گیا ہے کہ سلاطین کی جانب سے اگر مساجد یا مدارس وغیرہ کو
 کچھ جائیداد، بیت المال کی املاک میں سے دیدی جاتیں یا ان لوگوں کو دیدی جاتیں
 جو بیت المال سے امداد کے مستحق تھے تو تحقیقی طور پر ان کو وقف قرار نہیں دیا جاسکتا،
 کیونکہ وقف کیلئے یہ ضروری ہے کہ وقف کرنے والا اس جائیداد کا مالک ہو اور وہ اپنی
 شخصی ملکیت ختم کر کے اس کو وقف کرے، یہاں سلطان چونکہ بیت المال کے اموال
 و املاک پر ملکیت نہیں رکھتے اس لئے ان کا بیت المال کی جائیداد کو کسی کام کیلئے یا کسی
 فرد کے لئے دینا وقف قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ کہا جائے گا کہ انھوں نے مستحقین کو
 ان کا حق پہنچا دیا، سلاطین کے اس عمل کے لئے فقہاء، اصناف نے وقف کے علاوہ ایک
 اور مستقل اصطلاح ارصاد استعمال کی کہ سلاطین کا یہ عمل ارصاد کے نام سے موسوم
 کیا جاسکتا ہے۔ علامہ رشامی نے لغوی معنی سے، اصطلاحی معنی کی مناسبت بیان کرتے
 ہوئے فرمایا کہ رصد کے معنی راستے کے ہیں اور رصد کے معنی راستہ پر بٹھکر

انتظار کرنے کے ہیں، اس لئے ارصاد کے معنی ہوتے وہ اموال جو زندگی کی راہوں میں ضرورت مندوں کے منتظر رہتے ہیں، گو یا ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے طور پر، مستحقین کو بیت المال سے کچھ املاک، سلطان کی جانب سے دیدی جاتیں تو وہ "ارصاد" ہیں وقف نہیں ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ بحث ہم تفصیل سے کر چکے ہیں، یہ بحث جس کا انھوں نے حوالہ دیا ہے بڑے قیمتی افادات پر مشتمل ہے۔ بیت المال کی جائیداد اور سلاطین و امراء کے اوقاف پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔

اس سے یہ بات صراحت سے معلوم ہوئی کہ سلاطین نے بیت المال کے اموال سے جو وقف کئے ہیں وہ ارصادات ہیں، حقیقتاً اوقاف نہیں ہیں اور یہ کہ جو ارصادات ان لوگوں کے لئے ہوں جو بیت المال کا مصرف تھے ان کو ختم کرنا جائز نہیں۔
بخلاف ان املاک کے جن کو سلطان نے اپنی اولاد یا اپنے حوالی کیلئے وقف کیا ہو کہ ان کا ختم کرنا جائز ہے، اور جب کہ یہ ارصاد کی صورت ہے تو وقف کی شرائط کا ملحوظ رکھنا لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ وقف صحیح نہیں ہے، کیونکہ وقف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقف کی ملکیت ہو اور سلطان، ان املاک کو بیت المال سے

ففي هذا التصريح بان اوقاف
السلاطين من بيت المال ارصاداً
لا اوقاف حقيقة وان ما كان منها
على مصارف لا ينقض بخلاف ما
وقفه السلطان على اولاده او
عقائه مثلاً وان حيث كانت
ارصاداً لا يلزم مراعاة شرطها
لعدم كونها وقفاً صحيحاً فان شرط
صحته ملك الواقف، والسلطان
بدون الشرع من بيت المال لا يملكه
وقد علمت موافقة الاكمل على
ذاللف وهو موافق لما مر عن البسوط
وعن المولى ابى السعود ولما سئد كوكا
المشارح في الوقف عن النهر من ان

خریدے بغیر ان کا مالک نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علامہ اکل الدین کی اس سلسلے میں پہلے رائے ہے اور جو مبسوط سے، اور مولیٰ ابوالسود کے نقل کیا گیا تھا وہ بھی اسی کے موافق ہے اور شارح جو کتاب النہر سے وقف کے باب میں نقل کریں گے وہ بھی یہی ہے کہ بیت المال سے نامزد کردہ جاگیروں کو وقف قرار دینا صحیح نہیں ہے الا یہ کہ وہ زمین غیر آباد اور بخر رہی ہو یا امام کی اپنی ملکیت ہو پھر اس نے کسی شخص کے نام اسکو الاٹ کر دیا ہو البتہ یہ مضمون اسکے خلاف ہے جو تحفہ مرضیہ میں علامہ قاسم کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ سلطان کا بیت المال کی زمین کو وقف کرنا صحیح ہے۔

میں عرض کروں گا کہ شاید وقف سے مراد حقیقت وقف نہیں بلکہ یہ ہے کہ عوامی مصلحت کیلئے ایسا کیا گیا ہے تو اب یہ نامزدگی لازم ہو گئی ہے اور تغیر جائز نہیں ہے جیسا کہ طرسوسی نے قاضی خاں سے نقل کیا ہے کہ سلطان اگر مسلمانوں کی عام مصلحت کیلئے بیت المال کی زمین وقف کر دے تو جائز ہے ابن وہبان نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اگر سلطان نے ابدی طور پر اس کا مصرف شرعی معین کر دیا تو اس نے ظالم امراء کو دوسرے غیر شرعی

وقف الاقطاعات لایجوز الا اذا كانت ارضاً مواتاً او ملکاً للامام فاقطعها رجلاً وهذا خلاف ما فی النحفة المرضیة عن العلامة قاسم من ان وقف السلطان لارض بیت المال صحیح — قلت: ولعل المراد انه لازم لایغیر اذا كان علی مصلحة عامة کما نقل الطرسوسی عن قاضی خاں من ان السلطان لو وقف ارضاً من بیت مال المسلمین علی مصلحة عامة للمسلمین جاز۔ قال ابن وهب: لانه اذا ابدت علی مصرفه الشرعی فقد منع من یصرفه من امراء الجور فی غیر مصرفه اهـ۔ فقد اخذ ان المراد من هذا الوقف تاہید مصرفه علی هذه الجهة المعینة التي عندها السلطان فما هو مصلحة عامة وهو معنی الامراء والسابق فلان فی ما نقلنا۔

مصرف میں صرف کرنے سے ردک دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہاں لفظ وقف کے اطلاق سے مراد وقف کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ یہاں وقف کے معنی سلطان کی جانب سے عوامی مصلحتوں کے لئے مصرف شرعی کا ابدی طور پر تعین ہے اور بالکل ہی معنی اس لفظ ارصاد کے ہیں جو زیر بحث ہے اس لئے معنی امرادی کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے

علامہ شامی کی اس عبارت میں پہلے تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیت المال کے جو اموال سلاطین کی جانب سے وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف نہیں ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ وقف تو اسی وقت صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس پر واقفیت کی ملکیت و وقف سے پہلے قائم ہو۔ پھر اس شخص نے اپنی ذاتی ملکیت کو ختم کر کے اس کو ملکیت خداداد کی میں دیدیا ہو۔ لیکن جہاں واقف خود مالک ہی نہیں ہے تو دوسروں کی ملکیت کو یہ وقف کیسے کر سکتا ہے۔ اس مضمون کو علامہ شامی نے چار اکابر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

- ۱۔ علامہ اکل الدین شارح ہدایہ کی یہی رائے ہے۔
- ۲۔ مبسوط میں امام شریعی نے بیت المال کی زمینوں کے سلسلے میں یہی فرمایا ہے
- ۳۔ مولیٰ ابوالسعود جو اوقاف سلطانیہ کے سلسلے میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں ان کی یہی رائے ہے۔

۴۔ اور خود صاحب درمختار آئندہ نہر سے نقل کر میں گے کہ سلطان کی جانب سے جائیدادوں کو صرف اسی صورت میں وقف کیا جاسکتا ہے جب وہ زمین غیر آباد اور افتادہ ہوں۔ یا امام نے اپنی ملکیت کو وقف کیا ہو، لیکن اگر وہ سلطان کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ بیت المال کی..... ملکیت تھی اور وہ بھی غیر آباد نہیں بلکہ آباد زمین تھی تو اسی جائیداد کی نامزدگی وقف نہیں ارصاد ہے جس کی تشریح گذر چکی ہے۔

اس مضمون کو چار حوالوں سے نقل کرنے کے بعد علامہ شامی نے ان حضرات کے قول کی تبادیل کی ہے جنہوں نے اس طرح کی جائیداد پر وقف کا اطلاق کیا ہے، انہوں نے بتلایا کہ تحفہ مرصیہ میں علامہ قاسم حنفی کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ انہوں نے سلطان کی جانب سے بیت المال کی زمینوں پر اس طرح کے تصرف کو صحیح قرار دیا ہے، مگر علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایسی زمینوں پر وقف کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ یہاں وقف کا اطلاق شخصی ملکیت ختم کر کے ملکیت خداوندی کو قائم کرنے کے معنی میں نہیں اس لئے کہ شخصی ملکیت تو قائم ہی نہیں تھی بلکہ یہاں اگر وقف کے الفاظ استعمال بھی ہوئے ہیں تو یہ اطلاق مجازی ہے کہ سلطان نے بیت المال کے بعض اموال کا مصرف شرعی، ابدی طور پر معین کر دیا ہے، پھر انہوں نے بتلایا کہ وقف کے یہ معنی مجازی وہاں ہیں جو ارسطو کے مراد ہیں علامہ شامی رحمہ اللہ کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیت المال میں، سلطان کے اس طرح کے تصرفات کو وقف حقیقی قرار نہیں دیا جائے گا، اور جن علماء نے بیت المال کی الاک میں سلاطین کے اس طرح کے تصرفات کو وقف کہا ہے انہوں نے وقف کے اصطلاحی معنی مراد نہیں لئے بلکہ مجازی معنی مراد لئے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ سلطان جیسی ولایت عاقلہ رکھنے والی ذات کی جانب سے اگر اپنی ذاتی ملکیت کے علاوہ بیت المال کی عوامی یا قومی ملکیت میں تصرف کو جب حقیقی وقف قرار نہیں دیا جاسکتا تو چندہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی عوامی ملکیت کو، دار اس عربیہ کے محدود دائرے میں ولایت کا حق رکھنے والے اولوالامر کے تصرفات کو کس طرح وقف حقیقی قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عوامی چندے کے ذریعہ جو جائیدادیں مدارس کیلئے خریدی جاتی ہیں ان پر وقف کی حقیقت منطبق ہی نہیں ہوتی۔

اولاً تو اس لئے منطبق نہیں کہ یہاں شخصی ملکیت ہی نہیں تھی جس کو اٹھا کر وقف کیا گیا ہو، جب کہ وقف میں یہ شرط ہے کہ شے موقوف، وقف کے وقت واقف کی ملکیت میں

ثانیاً اس لئے کہ چنڈہ کے ذریعہ خرید کردہ ان املاک کو، چنڈہ دمنڈگان یا مجلس اولوالامر یا ارباب انتظام میں سے کسی نے وقف قرار نہیں دیا۔ نہ خریدتے وقت الفاظ وقف میں سے کوئی نفاذ یا اس کا کوئی مرادف استعمال کیا گیا، بعد کے علماء میں سے کسی نے اس پر وقف کا اطلاق کیا بھی ہے تو علامہ رشامی کی تاویل کے مطابق یہ اطلاق مجاز ہے، حقیقت وقف سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔

پھر اگر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ مدارس عربیہ میں آنے والا چنڈہ وقف نہیں ہے تو حقیقت اور زیادہ نکھر جاتی ہے، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا اتفاق ہے کہ چنڈہ وقف نہیں ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ چنڈہ کے ذریعہ مدارس بطریقہ کے انتظام کا طریقہ، دارالعلوم سے پہلے عالم اسلام میں کہیں رائج نہیں تھا۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے ختم ہوجانے کے بعد علماء ہندوستان نے اس کی ابتداء کی ہے۔ اس لئے اس سے پہلے اس نوعیت کا عوامی چنڈہ نہ کہیں زیر بحث آیا اور نہ اس کی شرعی حیثیت واضح ہوئی، جب قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے معلوم کیا گیا کہ مدد میں جو چنڈہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک اگر وقف ہے تو بقا رعین واجب ہے اور صرف بالاستہلاک ناجائز، اگر مملوک ہے اور ہتم صرف وکیل تو معطلی چنڈہ اگر مر جاوے تو غرابر دونوں کا حق ہے وغیرہ، تو حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا۔

یا مدرسہ کا ہتم قیم و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسا کہ، امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شخص کسی نے ہتم کو دی، ہتم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اسکے قبض سے ملک معطلی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگر حیرہ مجہول الکیت الذمات ہوں مگر نائب معین ہے، پس بعد موت معطلی کے ملک وراثتہ معطلی کی اس میں

نہیں ہو سکتی اور مستہم بعض وجوہ میں دکیل معطلی کا بھی ہو سکتا ہے بہر حال نہ
یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورفقہ معطلی کی رہے گی اور نہ خود ملک معطلی
کی رہے گی ۱۱ (تذکرۃ الرشید ص ۱۶۴ جلد اول)

بالکل یہی جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے، اس طرح کے سوال کے جواب میں دیا
۲ عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت
المال معطین و آخذین کی طرف سے دکلا نہیں، لہذا نہ اس میں زکوٰۃ واجبہ
ہوگی اور نہ معطین واپس کے سکتے ہیں۔

(فتاویٰ مظاہر العلوم جلد اول ص ۳۱۹)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا کہ چندہ کے احکام
وقف کے ہوں گے یا اور، تو جواب میں تحریر فرمایا۔ "یہ وقف نہیں"

(امداد الفتاویٰ ص ۵۵ جلد دوم)

گو یا چندہ کے سلسلے میں اکابر دیوبند کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ وقف نہیں، پھر اسی کے ساتھ
یہ حقیقت بھی ان حضرات کے نزدیک ثابت شدہ ہے کہ مدارس کے ارباب انتظام مستحق
طلبہ کے قائم مقام ہو کر ان اموال پر قبضہ کرتے ہیں اور ان کا قبضہ نیابتاً اہل استحقاق کا
قبضہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ اموال معطلی کی ملک سے نکل جاتے ہیں اور یہ محدود اختیارات
رکھنے والے ارباب انتظام کی تحویل میں، محدود تصرفات کی اجازت کے ساتھ آجاتے ہیں۔
اس چندہ سے اگر کوئی جائیداد خریدنی جاتی ہے تو اس پر وقف کی تعریف صادق نہیں آتی
اس تخصیص کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے عربی مدارس اپنے مقصد یا مجلس
اور مقاصد عظمیٰ کے لحاظ سے اسلام کے تحفظ کے قلعے اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کے
مراکز ہیں، طریق کار کے اعتبار سے یہ دینی اور مذہبی تعلیم گاہ ہیں اور اقتصادی نظم کے اعتبار
سے یہ محدود قسم کا بیت المال ہیں یعنی یہاں مجلس اولوالامر کی اجازت سے محدود ذرائع آمدنی

اور اس کے معین مصارف ہیں۔ اسلامی بیت المال کی طرح ان کے ذرائع آمدنی اہل عام نہیں ہیں مثلاً فنی، خراج، عشر اور محصول وغیرہ کی آمدنی یہاں نہیں ہے۔ مصارف میں عام غریبار و مساکین کی امداد اور تنظاراتِ نافذ (پن، ڈبلو، ڈی) کا تصور تک نہیں ہے نیز آمدنی کی وصولیابی کیلئے جبر کا بھی کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس محدود بیت المال میں کچھ صدقات واجبہ اور کچھ صدقاتِ نافذہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اور علم دین کیلئے اپنی زندگی کو وقف کرنے والے طلبہ و علماء، خاص طریق کار کے ساتھ اس کے مصارف میں پچھلے صفحات میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ سلطانِ جلیسی ولایتِ عاترہ رکھنے والے صاحب اختیار کا، بیت المال کی املاک کو طلبہ و علماء کیلئے وقف کرنا، حقیقی اور صحیح وقف نہیں، تو محدود بیت المال میں اربابِ انتظام جلیسی کمرہ ولایت رکھنے والے حضرات کا ان املاک کو وقف کرنا بدرجہ اولیٰ حقیقی اور صحیح وقف نہیں ہے۔

اسی طرح ہمیشہ کردہ تفصیلات سے یہ فیصلہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی نفعیہ یا عالم نے مدارسِ عربیہ یا ان کی جائیداد کے بارے میں وقف کا لفظ استعمال بھی کیا ہو تو علامہ شامی کی توجیہ کے مطابق یہ کہا جائے گا کہ یہ اطلاق مجازی ہے کیونکہ وقف کی اصطلاحی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ ہاں اگر واقعہً کسی مدرسہ پر وقف کی اصطلاحی تعریف صادق آئے تو اسے وقف قرار دیا جائے گا۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مدارسِ عربیہ کی نوعیتیں الگ الگ ہیں اور ان کے احکام مختلف ہیں، مثلاً ہم ان مدارس کو تین طرح کے الگ الگ احکام رکھنے والے مدارس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ صورت ہے کہ کسی شخص نے اپنی ذاتی جائیداد کو اصطلاحی طور پر وقف کر کے مدرسہ قائم کیا ہے تو وہ یقیناً حقیقی وقف ہے۔

۲۔ اگر مدرسہ کرایہ کی عمارت میں چل رہا ہے اور اس کی اپنی کوئی ملکیت ہی نہیں۔

جو چندہ آتا ہے وہ طلبہ اور علمائے کرام کی ضروریات میں خرچ ہوتا رہتا ہے تو ایسا مدرسہ کسی بھی طرح کا حقیقی یا مجازی وقف نہیں ہے۔ کیونکہ وقف الملک ہوتی ہیں اور اس کی کوئی جائیداد ہی نہیں ہے۔

۳۔ اگر مدرسہ کے تحت مختلف الملک نہیں تو دیکھا جائے گا کہ ان کی کیا نوعیت ہے۔ جو جائیدادیں ارباب خیر نے وقف کی شرائط پورا کرتے ہوئے مدرسہ کے نام وقف کی ہیں وہ وقف رہیں گی۔ اور جو جائیدادیں چندہ کی رقم سے خریدی گئی ہیں ان میں عمومی اور خصوصی چندے پر تفصیلی گفتگو آئندہ کسی شمارے میں پڑھے۔

مدارس اسلامیہ اور اسکی مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت

تالیف: ۱۔ حضرت مولانا ریاست علی صاحبہ چمنوری مدظلہ

استاذ دارالعلوم دیوبند

جس میں مؤلف موصوف نے ٹھوس دلائل سے مدارس اسلامیہ ان کی مجلس شوریٰ

کی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع پر نہایت اہم ہے جس کا پورا اندازہ

اس کے مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے

یہ گراں قدر اور ذمہ دار کتاب شیخ الہند اکاڈمی سے مناسب قیمت پر فراہم کی

جاسکتی ہے۔

طابع و ناشر: شیخ الہند اکاڈمی دارالعلوم دیوبند

تحقیق والد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

از۔ مولوی نسیم احمد مظفر پوری فاضل دارالعلوم دیوبند

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے آپ کو خداوند قدوس نے مختلف طریقے سے آزمایا، طرح طرح سے آپ کا امتحان کیا، ظالم و جابر نمرود کے ہاتھوں آپ کو آگ میں ڈلا کر زرخاں بنایا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا اپنے وطن اور ملک سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا پھر سال ہا سال کی تہنات اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہونے والے بیٹے اسماعیل کو فراہم کرنے کا حکم دیا اس حکم خداوندی کے بھی آگے اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم نے تسلیم خم کر دیا۔ بلا کسی تردد و تاہل کے اپنے تخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کیلئے ان کے حلقوم پر چھری پھیری مگر قدرت کو تو صرف اپنے خلیل کا امتحان مقصود تھا

ندآتی قد صدقت الرویا انما کذا الذ نجزی المحسنین، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سارے امتحانات میں اعلیٰ پوزیشن سے کامیاب ہو گئے تو قدرت نے اتی جاعلک للناس اماماً کازریں تمہہ عنایت کیا اور آپ کو دنیا کی تمام قوموں کا پیشوا اور مقتدا بنایا، چنانچہ دنیا کی تین مشہور آسمانی مذہب رکھنے والی قومیں مسلمان ہو رہی ہیں۔ نصاریٰ سیدنا ابراہیم کو اپنا جد امجد اور پیشوا مانتی ہیں۔

صاحب قصص القرآن علامہ ابو الفضل ابراہیم کی تحقیق کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سیدنا آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف آوری کے تقریباً ۳۳۳ سال کے بعد ظالم و جابر نمرود بن کنعان بن کوش بن سام کے دور حکومت میں ہوئی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام کی تعیین میں مفسرین، مؤرخین

اور بن میں کاشد یا اختلاف ہے بعض نے آپ کے والد کا نام آذر بتایا ہے اور بعض نے نارخ، اور بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نارخ تھا اور آذر لقب تھا بعض نے کہا نام تو نارخ ہی تھا مگر بت تراش ہونے کی وجہ سے آذر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ کیونکہ آذر بڑے پجاری کو کہتے ہیں، میں اپنے اس زیر نظر مضمون میں قرآن پاک کی آیت اذ قال ابراہیم لابیه اتخذ اصناما کی روشنی میں احوال مفسرین و مؤرخین کو سامنے رکھ کر یہ واضح کر دوں گا کہ آذر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کا نام تھا۔ اور آذر کو اگر آپ کا والد تسلیم کیا جائے تو اس میں نہ تو سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے اور نہ حضور اکرمؐ کی شان مبارک میں، جیسا کہ تفسیر جلالین کے محشی شیخ احمد الصادقی کا رجحان اس کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر کو قرار دیا جائے تو اس میں ان کی گستاخی ہے۔ ” سب سے پہلے آذر کے سلسلے میں مفسرین و مؤرخین کے احوال ملاحظہ کیجئے پھر آخر میں صاحب قصص القرآن کی فیصلہ کن بات سنئے !

صاحب البدایہ والنہایہ رقم طراز ہیں - اذ قال ابراہیم لابیه آذر هذا یدل علی ان اسم ابی ابراہیم آذر وقال جمہور اهل النسب منهم ابن عباس ان اسم ابیه لآذر، وقال ابن جریر والصبواب ان اسمه آذر ولعل له اسمان علماں ادا حدھا لقب والآخر علم مکلا ج اقل، قصہ ابراہیم کے اللہ کا قول اذ قال ابراہیم لابیه آذر، دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر تھا۔ اور جمہور اہل نسب کے نزدیک جن میں سے ابن عباس بھی ہیں ان کے والد کا نام نارخ تھا، اور ابن جریر طبری مشہور مفسر قرآن یہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر ہی تھا اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دو نام آذر ہوں، یا ایک نام ہو اور ایک لقب حضرت ابن عباس کے قول سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی نام آذر نہیں بلکہ تاریخ تھاب رہی یہ بات کہ ان کا لقب آذر تھا یا نہیں تو اس کی کوئی تصریح حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں نہیں ملتی، مگر ابن جریر والصواب کہہ کر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر ہی بتلاتے ہیں یا ان کے نزدیک اگر آذر علم نہیں تو تاریخ کا وصفی نام تو ضرور تھا، تفسیر کبیر میں امام رازی القدر تبارک و تعالیٰ کے قول واذ قال ابراہیم لابنہ آذر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں قیل اسمہ بالسریانیہ تاریخ و آذر لقبہ المشہور وقیل اسم صنم لقب هو للزومہ عبادتہ فهو عطف بیان لابنہ او بدل منہ وقال الضحاک ومعناہ الشیخ الهرم وقال الزجاج المخطی وقال القراء وسلیمان التیمی المعوج فهو نعت لہ

ترجمہ، کہا جاتا ہے کہ سریانی زبان میں آذر کا نام تاریخ ہے، اور آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا مشہور لقب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آذر بت کا نام ہے مگر اس بت کی عبادت کرنے کی وجہ سے تاریخ کا لقب آذر پڑ گیا اس قول کے اعتبار سے آذر ایہ کیلئے عطف بیان بدل ہوگا۔ اور ضحاک نے کہا کہ آذر کے معنی پیر فرشتہ کے ہیں۔ زجاج نے اس کے معنی مخطی اور فرار اور سلیمان تیح کی روکے بتائے ہیں۔ اس اعتبار سے آذر ایہ کی صفت قرار پائے گا۔

امام رازی کی اس پوری عبارت کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ عبرانی زبان میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تاریخ ہے اور آذر انہی کا لقب ہے، خواہ یہ لقب ان کا جس وجہ سے بھی پڑا ہو۔

قاضی بیضاوی آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں هو عطف بیان لابنہ و فی کتب التواریخ ان اسمہ تاریخ فقیل ہما علما نزلہ کاسرا شیل ریعقوب وقیل العلم تاریخ و آذر وصف لہ معناہ الشیخ او المعوج وقیل

اسم صنم یعبداً ولقب بہ للزوم عبادتہ تفسیر بیضادی ص ۲۵۹ مطبوعہ کتب
یعنی آذراہیم کا عطف بیان ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ اہم سے مراد آذر ہے
یعنی حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر تھا، تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے
والد کا نام تاریخ تھا تو اس اعتبار سے گویا کہ ان کے دو نام ہوئے جس طرح اسرائیل
اور یعقوب دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے اور دونوں کے مصداق ایک تھے اسی
طرح کتب تواریخ کا تاریخ اور قرآن کا آذر دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں
اور بعض نے کہا کہ تاریخ حضرت ابراہیم کے باپ کا علمی نام تھا اور آذر وصف جس کے
معنی بڑھے یا کج رو کے ہیں، اور بعض نے کہا کہ آذر اس بت کا نام تھا جس کی عبادت
تاریخ کرتا تھا اور اسی بت کی عبادت لازم پیکر نے کی وجہ سے تاریخ کا لقب آذر پڑ گیا،
قاضی بیضادی کی مذکورہ تفصیل سے بھی یہ ثابت ہوا کہ یا تو تاریخ و آذر دونوں حضرت
ابراہیم کے والد کا نام تھا یا تاریخ نام تھا۔ اور آذر لقب، اس قول سے بھی تاریخ کے
تاریخ اور قرآن کے آذر کی مصداق ایک ہی ذات ہے۔ ارواح ثلاثہ کے اندر اذقال
ابراہیم لابیہ آذر کی تفسیر میں لکھا ہے، ہولقبہ واسمہ تاخ ۱۲۵۶
کہ آذر حضرت ابراہیم کے والد کا لقب تھا اور ان کا نام تاریخ تھا جیسا کہ آذر
شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مشہور مترجم قرآن آیت مذکورہ کا ترجمہ کرتے
ہوئے لکھتے ہیں، جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آذر کو، امام راغب صفحہ ۱۰۳
اپنی مشہور معروف قرآنی لغت المفردات فی غریب القرآن طبع پاکستان کے مکاپر لکھے
ہیں۔ قبیل کان اسم اہیمہ تاریخ فعر ب فجعل آذرو قبیل آذرمعنا لا الضال
فی کلامہم «کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ تھا پھر اُسے عربیاً
آذر کر دیا گیا، اور بعض نے کہا کہ آذر کا معنی ان کے کلام میں گمراہ اور راہ گم گشتہ کے آتے
ہیں۔ امام راغب کی مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آذر اصل میں تاریخ ہی تھا جیسا کہ

جیسا کہ امام رازی اور دوسرے مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے والدین نے آذرت کے نام پر ان کا نام آذر رکھ دیا ہو جیسا کہ بت پرستوں کے یہاں اس کا عام رواج ہے کہ وہ بتوں کے ناموں پر اپنی اولاد کا نام رکھتے ہیں۔

تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۲۲ میں امام الغازی محمد بن اسحاق اور ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کے والد تارخ کا نام ہے، پھر لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کے دو نام ہوں یعنی آذر اور تارخ، جس طرح یعقوب اسمیل ایک ہی شخص کے نام تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ ہوا اور آذر ان کا لقب، یا اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے کہ آذر ان کا اصل نام ہوا اور تارخ لقب، اس تفصیل کے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کر رہے ہیں۔ والصحیح هو الاول ان آذر اسم ابی ابراہیم لان اللہ تعالیٰ سَمَّاكَ بِهِ، صحیح پہلا ہی قول ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا۔ کیونکہ خود قرآن پاک میں انشربارک تعالیٰ نے انہیں اسی آذر کے نام سے موسوم کیا ہے جو اس بات کی سب سے قوی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آذر ہی تھا خواہ مخواہ قرآن میں تاویل اور حقیقت چھوڑ کر مجاز مراد لینے کی کیا ضرورت، کسی شرعی قباحت اور خرابی کی وجہ سے حقیقت ترک کر کے معنی مجاز مراد لیا جاتا ہے اور اس جگہ لفظ حقیقت ترک کرنے کا کوئی قرینہ اور دلیل شرعی نہیں ہے، اسی وجہ سے مؤرخین و مفسرین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ آذر حضرت ابراہیم ہی کے والد کا نام ہے علامہ علاء الدین بغدادی اس قول کی تائید اور استشہاد میں امام الحدیث محمد بن اسماعیل کی الجامع البصیح المعروف بالبغاری کی ایک روایت ذکر کی ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یلقی ابراہیم ابابا آذریوم

القیامة وعلى وجه آذرترة وغبرة فيقول له ابراهيم المراقب لك لا
تعصني فيقول ابوة فاليوم لا اعصيك فيقول ابراهيم يارب انك
وعدتني ان تخزني يوم يبعثون فأي خزي اخزي من ابى الا بعد
فيقول الله انى حرمت الجنة على الكافرين ثم يقال يا ابراهيم ماتحت
رجليك فينظر فاذا هو بذبح متلطخ فيوخذ بقوائمه فيلقى في النار
بخارى شريف ج ۱، كتاب الانبياء ص ۳۷۳، مطبوعه اصح المطابع دہلی،

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے

ہیں کہ قیامت کے دن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آذر کو اس حال میں
پائیں گے کہ ان کا چہرہ سیاہ اور خاک آلود ہوگا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام
اپنے باپ آذر سے فرمائیں گے کہ کیوں میں نے تم سے دنیا ہی میں نہیں کہا تھا کہ میری
نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرو تو باپ جواب دے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا
تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند قدوس سے عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار
تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تو مجھ کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا تو اس
دورافتادہ رحمت باپ سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی۔ اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد
فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، پھر کہا جائے گا اے ابراہیم
دیکھو تمہارے پیروں تلے کیا ہے آپ جب اپنے پاؤں کی طرف نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے
کہ ایک نجاست آلود، گھنے بالوں والا خون میں لت پت بچھوڑا ہوا ہوگا۔ پھر اس کی
ٹانگیں پکڑ کر اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور اس طرح خدا اپنے خلیل حضرت
ابراہیمؑ کو رسوائی سے بچائے گا۔ گویا کہ آذر کو جب نور کی شکل میں سخی کر کے آگ
میں ڈال دیا جائے گا۔

بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا

نام آذری تھا کیونکہ اس حدیث میں صراحتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یلقیٰ ابراہیم اباہ آذر، اگر آذر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر ضرور تصریح فرمادیتے تاکہ قرآنی آیت اذ قال ابراہیم لابنہ آذر کی تفسیر بھی ہو جاتی، پھر کلام شارح میں اصل یہ ہے کہ اُسے اپنے حقیقی اور اصلی معنی و مفہوم پر معمول کیا جائے، بلا وجہ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی امر دلینا مناسب نہیں، اور سب کے نزدیک کلام غیب میں لفظ رب کا حقیقی معنی باپ ہے مجازاً اس کا اس کا اطلاق عم (چچا) پر کر دیا جاتا ہے۔ اور قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور مذکورہ حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے جس کی وجہ سے حقیقی معنی کو ترک کر دیا جائے اور مجازی معنی چچا کو مراد لیا جائے۔

اسی بنا پر جمہور مفسرین و مؤرخین اس سے باپ ہی مراد لیتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب الاتقان فی علوم القرآن کے ص ۱۳۱ پر محمد بن اسحاق امام المغازی کے حوالے سے حضرت لوط کا نسب نامہ اس طرح درج کیا ہے لوط بن معاذ بن ابن آذر اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے برادر زاد تھے جیسا کہ حاکم نے اپنی مستدرک میں تصریح کی ہے لہذا اس اعتبار سے بھی حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر مقعین ہوتا ہے۔ سیرت نبویؐ کی محرکۃ الاراء کتاب المبتداء والبعث والمغازی کے صفحہ پر سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ کا نسب نامہ درج ہے اس میں ہے ابراہیم خلیل الرحمن بن ماریخ و ہوا آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام تاریخ کے بیٹے ہیں جو آذریں، ابن ہشام کی سیرت جو قدیم ترین سیرت کی کتابوں میں ہے اس میں بھی حضرت ابراہیم ابن تاریخ و ہوا آذر مذکور ہے۔

ان سارے تفسیری اقوال اور آپ کے نسب نامہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ اصقار دونوں ایک ہی شخص کا نام ہے لہذا صاوی علی الجلالین کے مصنف کا یہ کہنا کہ تاریخ ابوعامات فی الفترة وہم یثبت سجودہ لہم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تاریخ تھے اسی کا وصال زمانہ فترت میں ہوا۔ جمہور مفسرین و مؤرخین کے اقوال کے بالکل مخالف ہے۔ و لائق اہتیار نہیں ہے۔

سوسالہ جھگڑے کا آسان فیصلہ

حافظ محمد اقبال رنگونی مہاراجہ، انگلینڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ! اما بعد - مندرجہ بالا عنوان سے مرزائیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر کا ایک بیان ٹریکیٹ کی صورت میں آٹھ صفحات کا لندن سے شائع کیا گیا ہے جس میں موصوف نے وفات مسیح کے مسئلہ پر دل کھول کر وضاحت کی جو موصوف گستاخی کی کس حد کو پار کر گئے وہ ملاحظہ فرمائیے! موصوف کے بیان کی آخری تان اس گستاخانہ جملے پر ٹوٹی ہے۔

"خدا کی قسم عیسیٰ مرچکا ہے اور اسلام زندہ ہے آج اسلام کی زندگی تم سے ایک ذریعہ چاہتی ہے وہ کیا ہے؟ عیسیٰ کی موت! اس لئے عیسیٰ کو مرنے دو اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ یہ وہی انداز ہے جو موصوف کے باپ دادا اختیار کر چکے ہیں۔ یقین نہ آئے تو مرزا غلام احمد کی اس عبارت کو پڑھیے!

عیسیٰ کی موت میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسیٰ کی زندگی میں اسلام کی موت ہے
(ضمیمہ براہین ۵ ص ۱۱۷)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ یہودیوں، عیسائیوں اور قادیانیوں کا ہے۔ اسلام اور مسلمان اس عقیدے سے بری ہیں۔ قادیانیوں نے اس موضوع پر جو جو دلائل مہیا کئے تھے ان کی حقیقت بھی کھل گئی ہے۔ اور ان کی دھجیاں فضا نے آسانی میں بکھر چکی ہیں۔ یہ اس وقت کا موضوع نہیں، کہنا یہ ہے کہ قادیانی اس موضوع

پر ہمیشہ اپنے خبت باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ان کی موت ہے۔ ہم بھی عرض کریں گے کہ!

خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں (اے مسلمانو!) آج اسلام کی زندگی تم سے ایک عقیدہ چاہتی ہے۔ وہ کیا ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام۔ اس لئے حیات عیسیٰ کا عقیدہ رکھو اسی میں قادیانیوں کی موت ہے۔

۲۔ مرزا طاہر احمد نے سوسال جھگڑے کو ختم کرنے کا آسان حل یوں تجویز کیا کہ!

میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چیلنج دیتا ہوں اور اسی بات پر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے آسمانوں سے زندہ نازل دیا تو خدا کی قسم میں اور میری ساری جماعت سب سے پہلے بیعت کر لگی (صلا)

مرزا طاہر نے اختلاف ختم کرنے کا جو احمقانہ حل تجویز کیا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں مرزا طاہر اس بات سے واقف ہیں کہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم خدا کے بندے اور اس کے غلام ہیں۔ خدایا خدائی طاقتوں کے مالک نہیں، ہاں قادیانیوں کا یہ عقیدہ مفرد ہے کہ مرزا صاحب، خدائی طاقتوں کے مالک و مختار تھے۔ ایک فرعون تھا جس نے اَنَادُ بَکْرُ الْاَعْلٰی کا نعرہ بلند کیا تھا مگر دریائے نیل کی موجوں نے ہمیشہ کیلئے اسے ٹوڑے بخت بنا کر باہر ڈال دیا تو دوسرا مرزا غلام احمد تھا جس نے اپنے آپ کو خدا کی مانند (حاشیہ علیہ السلام) اور زندہ کرنے اور مارنے کی صفت کے موجود ہونے کا اعلان کیا (خطبہ الہامیہ مسئلہ) مگر دینا نے یہ ہوش رہا نہ نظر بھی دیکھا کہ مرزا صاحب کی متعفن لاش دجال کے گڑھے (مرزا صاحب) کا کہنا تھا کہ ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے، پرلا دکر لائی گئی اور قادیان کے ایک گڑھے میں ہمیشہ کیلئے دبا دی گئی۔ سو قادیانیوں کا مرزا صاحب کے بارے میں عقیدہ مفرد ہے۔

(۲۱) مرزا طاہر کے اس چیلنج کو پڑھ کر نگاہوں میں تھوڑی دیر کیلئے وہ منظر بھی دور

گیا کہ جب انبیاء کرام قیامت کے آنے کی خبریں دیتے اور قیامت کے برحق ہونیکا اعلان فرماتے تو کفار و منکرین کا بھی یہی دطریرہ و طریقہ تھا جو مرزا طاہر کا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت برحق ہے تو پھر لا کر دکھاؤ۔ آخر کب یہ واقعہ ہوگا؟ قرآن کریم میں ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اور یہ منکر کہتے ہیں کہ یہ قیامت کا وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو سامنے لا کر دکھاؤ

مرزا طاہر اور کفار و منکرین کے اندازِ مخاطب کا موازنہ فرمائیے! مرزا طاہر کا بھی یہی سوال ہے کہ اگر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات میں اور انھیں اس دنیا میں آنا ہے تو تم لا کر دکھاؤ! آخر کب لاؤ گے؟ کفار و منکرین کے اس باطل اور مردود قول کا رد کرتے ہوئے قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان فیضِ ترجمان سے ہمیشہ کھیلنے اعلان کر دیا کہ۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اُنَا نَذِيْرٌ مُّبِينٌ ۝

آپ فرمادیجئے کہ اسکی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

چنانچہ ہمارا جواب بھی قرآن کریم کی اس تسلیم کی روشنی میں یہی ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کب ہوگی؟ اس کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔ جس طرح قیامت کا علم اسی کے پاس ہے؟ قیامت کے بارے میں جب ہمارا ایمان و ایقان ہے کہ اُسے آنا ہے اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر بھی ایمان ہے کہ آپ قرب قیامت تشریف لائیں گے اور احادیثِ کرمہ اس پر شاہد ہیں۔

مرزا طاہر نے اختلاف کے ختم ہونے کا جو احمقانہ حل تجویز کیا ہے ہمارے نزدیک اس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ آئیے ہماری ایک تجویز بھی سن لیجئے! جو آسان بھی اور قادیانوی بھی! اس کا ثابت کرنا ضروری بھی! ہم امید کریں گے کہ مرزا

ظاہر اپنے دئے ہوئے عنوان کی لاج رکھ کر اپنے پیغمبر کو کذاب ہونے سے بچائیں گے! مرزا ظاہر اپنی ایک مجلس میں کہتے ہیں۔

آپ کا (یعنی مرزا غلام کا) دعویٰ یہ تھا کہ میں وہ امام مہدی ہوں جس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور میں وہ مسیح ہوں جس کے آنے کی آپ نے پیش گوئی فرمائی۔ (ٹیپ سے ماخوذ)

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد سے لیکر۔ مرزا ظاہر تک سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام قادیانی مسیح موعود ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے چند احادیث پیش کیں اور مخالفین کو بزعم خود خاموش کر دیا تھا! ہم مرزا ظاہر سے صرف اور صرف یہ پوچھنا چاہیں گے کہ وہ احادیث صحیحہ اور نصوحن قرآنیہ حدیث کی کون کون سی کتابوں میں اور قرآن کریم کی کن کن آیتوں میں موجود ہے۔ اگر ہے تو آئیے چشم ما روشن دل ماشاد! جھگڑا ہی ختم۔ لیجئے مرزا صاحب فرماتے ہیں!

انبیاء گزشتہ کے کشف نے اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ وہ مسیح موعود چودہویں صدی کے سر پر آئے گا اور نیزیہ کہ پنجاب میں ہوگا۔ (اربعین ص ۲۷)

غالباً مرزا ظاہر اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد کم در بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ مرزا ظاہر کتب احادیث میں سے کسی نبی کے حوالہ سے یہ دکھادیں کہ انہوں نے کہا ہو مسیح موعود چودہویں صدی کے سر پر آئے گا نیزیہ کہ وہ پنجابی ہوگا پھر جھگڑا ہی ختم!

(۲) مرزا ظاہر کے صادق پیغمبر مرزا غلام احمد لکھتے ہیں:

ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا

اور چودہویں صدی کا مجدد ہوگا! (براہین احمدیہ ص ۳۵۹)

مرزا ظاہر "احادیث صحیحہ" کا حوالہ پیش کر کے اپنے صادق مرزا صاحب کو کذاب

کذاب ہونے سے بچائیں! تو بہت خوب ہو!

۳ - مرزا غلام احمد قادیانی ہی رقمطراز ہے ۔

صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت فرمادی گئی ہے خاص کردہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ "هَذَا خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمُهْدِي" سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے ۔

(شہادۃ القرآن ص ۱۴)

بخاری شریف کا نام تو مرزا ظاہر نے سنا ہی ہو گا! کم یاب دنیا یاب نہیں۔ ہر جگہ مل جاتی ہے۔ عربی میں نہ پڑھ سکتے ہوں تو اردو، انگریزی میں بھی مل جاتی ہے۔ کیا بخاری شریف میں مرزا صاحب کا دیا ہوا حوالہ موجود ہے! اگر ہے تو دکھا دیجئے۔ اگر نہیں تو مرزا صاحب کے کذاب ہونے کی سند ہم سے لیجئے!

(۴) مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے!

علاوہ نصوص صریحہ قرآن شریف اور احادیث کے تمام اکابر اہل کثوف کا اس پر اتفاق ہے کہ چودہویں صدی وہ آخری زمانہ ہے جس میں مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ (تحفہ گوٹڈیہ ص ۱۵۸)

حدیث شریف سے معاملہ اوپر کو اٹھا اور نصوص قرآن تک پہنچا، اب مرزا ظاہر ہی بتلائیں گے کہ قرآن کریم کے کس پارے میں کس سورۃ میں اور کس رکوع و آیت میں مندرجہ بالا حوالہ صریحہ موجود ہے۔ اگر ہے تو بہت خوب! اگر نہیں تو وہ کذاب ہے یا نہیں؟ آپ خود ہی فیصلہ کر لیں! ہم اگر عرض کر رہے تو شکایت ہوگی!

۵ - مرزا غلام احمد قادیانی رقم طراز ہے ۔

نہ صرف حدیثوں میں بلکہ قرآن شریف سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کیونکہ سورہ تحریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف رُوح پھونکی گئی اور رُوح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اور اسی بنا پر خدائے تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ ۵ ص ۳۶)

قرآن کریم کسی غار میں یا کسی تہ خانہ میں ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ الحمد للہ ہر جگہ عام دستیاب ہے، مرزا ظاہر بھی شاید اس کی تلاوت کا شرف نہیں تو کم از کم الماری کی زینت بنا کر رکھتے ہوں گے تو ذرا زحمت فرما کر "سورہ تحریم" کی دھرتی آیت تو دکھادیں جس میں مرزا صاحب کا نام خدائے عیسیٰ رکھا ہوا اور جھگڑا ختم فرمادیں۔

مرد مت یہ پانچ حوالے پیش کئے ہیں ورنہ ص

قیاس کن ز گلستان من ز بہار مرا

آیے ثابت کیجئے۔ اگر ثابت نہیں کر سکتے تو قیامت کو ترک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیے۔

وما علینا الا البلاغ

نوٹ: ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۸۶ء دونوں ماہ کے شمارے مشترک نومبر میں شائع ہوں گے۔ لہذا قارئین دارالعلوم اکتوبر کے شمارہ ۱۵۱۰ شمارہ ذکر میں۔ (شکر ہے، والسلام۔ مینجور رسالہ)

پارچہ پاف علماء علامہ سمعانی کی نظر میں

از مولانا عبد القیوم صاحب۔ دارالعلوم حقانیہ، کولہ خٹک

آج کی گفتگو کا موضوع لفظ نَسَاج کی تحقیق، اور نَسَاجی کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم و فضل کا تذکرہ و تبصرہ اور علوم نبوت کی میراث پانے والے نَسَاجیوں کے علمی و روحانی مراتب اور ان کے دینی و خدمات کا جائزہ لینا ہے۔

نَسَاج عربی کا لفظ ہے، اُسے نون کی زبر، سین ہملہ کی تشدید اور آخر پر جیم کے سکون کے ساتھ "نَسَاج" پڑھا جاتا ہے۔ نَسَاج سے ماخوذ ہے جس کے معنی کپڑا بننے کے آتے ہیں۔ عربی میں کپڑا بننے اور آراستہ کرنے والے کو نَسَاج کہتے ہیں۔

علامہ سمعانی نے ارشاد فرمایا۔

اِسْتَقَمَّ بَهْدِهِ ۙ النَّسَبَةُ جَمَاعَةٌ
يَنْتَسِبُونَ اِلَى نَسِجِ الثِّيَابِ
(الانساب ۵۵۸)

علماء کی ایک جماعت اسی لقب (نَسَاج) سے مشہور ہوئی اور وہ کپڑا بننے والوں کی طرف منسوب ہونے لگی۔

وجہ یہ تھی کہ انھوں نے تحصیل و اشاعتِ علم اور تدریس و تبلیغ کے ساتھ ساتھ رزق حلال اور قوتِ لایموت کیلئے کپڑا بننے اور اُس کی آراستہ کرنے کا کاروبار شروع کر دیا تھا۔

ائمہ وقت، محدثِ زماں، مفسرِ قرآن، شیخِ وقت اور مخدومِ خلائق ہونے کے باوجود انھوں نے عقیدت مندوں کے ہدایا، محبتیں کے تحائف اور نذرانوں پر اپنے

ہاتھوں کی کمائی کو ترجیح دی، دولت مندی، جاہ و منصب کی طلب اور مزاجِ خلعت بننے کے بجائے۔ فقر و رویشی اور خدمت و عبادت کی راہ اختیار کی اور راجع الی اللہ ہوئے۔ علم و عمل اور بلند روحانی مقامات پر فائز ہونے کے باوجود، ان کی زندگی کے کسی ایک زاویہ، کسی ایک گوشہ اور کسی ایک ادا میں بھی مشینت و مخدومیت کی بو نہیں پائی جاتی تھی۔

جہاں علم اور خدمتِ دین کے اصلی اور بلند ترین مقامات اور عظیم درجات حاصل کئے وہاں کپڑا بننے کے کاروبار میں بھی اسوۂ نبویؐ کے مطابق اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کمایا اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بے انتہا خیر و برکت اور وسعت ڈالی مگر اس کے باوجود ان کی تواضع، سادگی، جذبہ خدمتِ دین و اشاعتِ علم میں کوئی فرق نہ آنے پایا۔

اپنے تلامذہ تو کجا، عام خادموں کو بھی تعظیم سے خطاب کرتے، سینکڑوں خدام، عشاق، تلامذہ اور میدانِ باصفا موجود رہتے مگر اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، جھاڑو دیتے، پانی بھرتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، گاڑتے، میٹیریل تیار کرتے، اور کپڑے کاٹنا مینتے، کھانا پکانے میں بھی خادموں کے ساتھ اور اگر گھر میں ہوتے تو اہل خانہ کے ساتھ برابر کے شریک رہتے اور کوشش کرتے کہ سب کام ان کے اپنے ہاتھوں سے انجام پائیں

علامہ سمعی نے کپڑا بننے والے ائمہ اور علماء کبار کے تذکرہ میں سرفہرست علامہ ابو حمزہ محب بن سمعان النساج کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و تقویٰ کی دولت سے مالا مال کیا تھا وہاں ان کا دل، استغناء، قناعت، صبر و توکل اور اخلاص و شہیت کے نور سے بھی معمور تھا۔

تلنے بانے کی زندگی میں رہ کر، زندگی بھر علم دین کی چادریں بٹنتے رہے۔ محنت و مشقت اور ریاضتِ شاقہ سے جسیدِ اسلام کے حلقے اور پیرا ہن تیار کرتے رہے۔ اپنے زمانہ کے نیکو کار، پرہیزگار اور عباد و زہاد لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اپنے کربمانہ اخلاق، محاسن و اوصاف بزرگی، علم و علم، سخاوت اور جذبہ تبلیغ و ارشادت اور دوسرے فضائل میں بے نظیر تھے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں محدث ابوصالح کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کی علمی قدر و منزلت اور ثقاہت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ علامہ سفیان بن عیینہ جیسے عظیم محدث کو آپ سے شرفِ تلقین پر ناز و افتخار ہے۔ ان کی زندگی کا اصل جوہر جس نے انہیں اقران میں ممتاز مقام بخشا اور آج انہیں امت کیلئے نجم ہدایت ہونے کی عظمتیں حاصل ہیں وہ یہ تھا کہ تحصیل تدریس علم خدمت و اطاعت اور ذوق عبادت کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی اور عبادات میں بھی اتباع سنت، تقویٰ اور ہمیشہ عزیمت پر ان کا عمل تھا۔

ابو محمد جرثومہ بن عبدالشرف ساج، اپنے وقت کے علماء راسخین اور اولیاء کاملین سے تھے۔ دنیا طلبی سے دل برداشتہ تھے۔ خدا طلبی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ دن اُن کے اشاعت و خدمت دین کے جذبہ سے معمور اور رات ان کی یاد خدا سے پُر نور تھی۔ زندگی بھر مخلوق کے سامنے جمیں ساتی نہیں کی، صرف اللہ کے سامنے جمیں نیاز بھکاتے رہے۔ اپنے رزقِ حلال کی کمائی پر خوش ہوتے۔ اسی غرض سے نساہی یعنی کپڑا بننے کا کام اختیار کئے ہوتے تھے۔ بصرہ کے رہنے والے ہیں تابعین سے ہیں انہیں اپنے زمانے کے علماء اور ائمہ میں بھی ممتاز مقام حاصل تھا۔ صحابہؓ میں حضرت انسؓ کی ملاقات سے مشرف ہوئے ہیں۔ بہت بڑے محدث تھے۔ علم حدیث ان کا خاص محبوب مشغلہ رہا۔ علماء کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔

حضرت جرنوم بہت بڑے متقی، کامل العلم، بزرگ ہیں ان کا ظاہر و باطن اتباع سنت سے آراستہ اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سخن و مستجابات سے معمور ہیں۔ کپڑے کا تانا بننا، گذراوقات کیلئے اختیار کیا تھا ہمیشہ فقر وفاقہ پر قانع رہے دنیا کی بوجی اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔

ان کے علمی کارنامے، علم حدیث کی خدمت و اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج میں ان کی ریاضت و استقامت، تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے قابل رشک ہے۔

آپ کے اساتذہ میں امام حسن بصری، علامہ ثابت بکری، اور علامہ عبداللہ منزلی، زیادہ مشہور ہیں جن سے آپ نے علم حدیث کی تحصیل اور تکمیل کی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں موسیٰ بن اسماعیل، یوزکی، حماد بن زید، علی بن عثمان واقفی جیسے جلیل القدر محدثین ائمہ فن کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو آپ کی محدثانہ عظمت اور علمی جلالیت قدر کی کافی شہادت ہے۔ دراصل علامہ سمعانی نے نسا جیوں یعنی کپڑا بننے والوں کی اس فہرست میں جن اکابر علماء اور اسلاف امت کے نام گنوائے۔ سب ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ سب مقبولانِ ازلی تھے جن کو فیاض ازل کی طرف سے ایسی استعداد و قابلیت اور صلاحیت نصیب ہوئی کہ ان کا ہر فال، ہر حال اور زندگی کا ہر لمحہ علم و اشاعتِ دین کی عظمت کا آئینہ دار تھا۔ اپنے دوستوں، رفیقوں اور ہر قسم کے ماحول اور سوسائٹی میں جہاں جاتے علم دین کی عظمت اجاگر کرتے، اُن کے وجود علوم نبوت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے جو بھی اُن سے مس ہوتا یا انھیں دیکھ لیتا۔ اس کی زندگی میں ایک نیا علمی دلولہ اور اسلامی و روحانی انقلاب آجاتا۔

آج کی مجلس میں علامہ سمعانی صوح میں تھے۔ اور طبیعت پورے نشاط پر تھی۔ نسا جیوں یعنی کپڑا بننے والے اکابر علماء اور ائمہ سلف کا تذکرہ کر رہے تھے سامعین و

ناظرین بہت تنگوش تھے۔ اسلاف کی تاریخِ مرتبہ کے لئے دعوتِ عمل تھی اور ان کا کردار زبانِ حال بن کر سب کو پکار رہا تھا۔

آغشتہ ایم مہر سہر خاں نے بہ خونِ دل

قانونِ باغبانی صحیحاً نوشتہ ایم

تیسرے نمبر پر علامہ سمعانی نے امام ابوالقاسم بکر بن یحییٰ نساج کا تذکرہ کیا۔

علامہ ابوالقاسم نساج شہرِ واسط کے رہنے والے تھے وہیں حدیث کی رفاقت کرتے رہے۔ آپ کا علمی شہسہ اور محدثانہ جلالتِ قدر اپنے زمانہ میں مسلم تھی علمی تبصر، اصابتِ فکر، محققانہ اور شگفتہ اندازِ فکر محققانہ تدریس کی وجہ سے طالبانِ علومِ نبوت کے مرجع قرار پائے، ان کی تقریر میں غیر معمولی تاثیر اور علمی گہرائی پائی جاتی تھی۔ ان کا مطالعہ وسیع، نگاہ عمیق اور ذہن کھلا ہوا تھا، تحصیلِ علم، تدریس و اشاعتِ دین کے خازر میں سفر کی صعوبتوں کو خندہ جبینی اور سنتے ہوئے برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ نساجی یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کر کے اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کمانے کے عادی ہو گئے تھے۔ علمِ حدیث کی تدریس ان کا خاص موضوع اور زندگی کا محبوب ترین شغل رہا۔

ان کے تلامذہ حدیث میں حافظ البوعین، احمد بن عبداللہ اور قاضی ابوالحارث جیسے اکابر اور جلالِ علم کا نام سرفہرست ہے۔ جس سے علامہ ابوالقاسم کی محدثانہ شان اور علمی قدر و منزلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

نساجیوں کی اس فہرست میں علامہ سمعانی نے علامہ ابوالحسن خیر بن عبداللہ کا چوتھے نمبر پر تذکرہ فرمایا، موصوف عابد، زاہد اور اولیاءِ کاملین سے تھے۔ مناقب عرفانی اور مدارجِ روحانی پر فائز تھے۔ علم و فضل اور تفقہ و سلوک میں بلند پایہ رکھتے

تھے۔ زناہی یعنی کسپڑا بننا رزقِ حلال کا ذریعہ تھا۔ تدریس و اشاعتِ علم اور خدمتِ دین زندگی بھر کا شعار رہا، فقیروں میں شاہی شان رکھتے تھے۔ اخلاق کے معلم اور روحانیت کے پیکر تھے۔ "الصوفی" کے لقب سے مشہور تھے ان کا محبوب مشغلہ علم دین کی خدمت و اشاعت، ذکر و فکر اور تزکیہ و تصوف تھا۔ ستر سترائے کے رہنے والے تھے۔ بغداد شریف لائے تو پھر یہیں کے ہو کر رہے آپ مدتوں اکابر علماء و مشائخ اور اپنے زمانہ کے مشہور ولی اور شیخ کامل شیخ ابو حمزہ محمد بن ابراہیم صوفی کی مجلسِ دعوت اور صحبت میں رہے اور ان کی خدمت و قربت کو وسیلہ فیض سمجھا یہ آپ ہی کی طلبِ صادق اور شیخِ کامل کے فیضِ صحبت کی برکت تھی کہ آپ پر دنیا کا پوش و فرزاگی کے بجائے فکرِ آخرت، تزکیہ و تصوف اور اشاعتِ علم و تبلیغِ دین کی مستی اور دیوانگی غالب رہی۔

آپ کی مجلسِ صحبت اکسیر بن گئی تھی وہ دل جو معصیت کی خواست، گناہوں کی بنیاد، سوسائٹی کی بے مہری، قانون کی سنگدلی اور زندگی کی محرومیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے آپ کی نگاہِ شفقت کی دلیوازیوں سے گھٹنے لگتے آپ کی مولیٰ سی توجہ اور ایک نگاہِ الفت، شورش اور باغی رحوں کو خرید لیا کرتی تھی۔

مشہور صوفی اور صاحبِ حال بزرگ ابراہیم خواص اور ابو بکر شبلی نے بھی آپ کی صحبتیں اٹھائیں اور بہت کچھ حاصل کیا علامہ عبد الکریم سمعانی نے ارشاد فرمایا۔

دللصوفیہ عنہ حکایات غریبہ حضرات صوفیاء کے ہاں آپ کے متعلق
واہور مستظرفۃ عجیبۃ خوارق و کرامات کے عجیب و غریب
واقعات مشہور ہیں۔

موصوف کی علمی فصیلت، روحانی قدر و منزلت، بلند رتبہ اور عظمت مقام کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے حلقہ سے ابراہیم خواص اور شبلی جیسے نادر درویش

شخصیتیں نکلی ہیں وہی خوش نصیب رہا جسے آپ کی صحبت میں چند ساعتیں حاصل ہو گئیں۔

یہ بزم ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی !
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے۔

اس کے بعد علامہ سمعانی نے ابو منصور مقرب بن حسن نساج کا اجمالی تذکرہ سنایا۔ موصوف بغداد کے رہنے والے تھے۔ اکابر علماء اور ائمہ حدیث سے تحصیل علم کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں ابو یعلیٰ محمد بن حسین فرار ابو الحسن محمد بن علی اور ابو جعفر محمد بن احمد زیادہ مشہور ہیں۔

نساجی یعنی کپڑا بننے کے کاروبار کی وجہ سے نساج کے لقب سے مشہور ہوئے مقبول اور ثقہ محدث تھے طالبانِ علوم نبوت کے مرجع قرار پاتے۔ خود علامہ سمعانی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وَحَدَّثَنَا عَنْهُ یعنی دیگر علماء کے واسطے سے علامہ کی روایات ان تک پہنچی ہیں۔

نیز اکابر علماء، اربابِ علم و فضل، اساتذہ حدیث اور مشائخ نے ان کی ثقاہت، خدمت و اشاعتِ علم اور ان کی دینی خدمات و مساعی کی بڑی تعریف اور توصیف کی ہے۔ بڑے پارسا، متقی پرہیزگار اور خدارسیدہ انسان تھے۔

آپ کے صاحبزادے احمد بن مقرب نساج بھی اپنے والد نامدار کی طرح نادور روزگار علمی اور روحانی شخصیت تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔ كَانْ شَيْخًا مَّالِحًا قَاصِدًا وَدُهَيْشًا، مَلِغًا وَدُقِيهًا تھے، ناساجیوں یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کرنے والے اربابِ علم و فضل کے تذکرہ کا فہرست کے آخر میں علامہ سمعانی نے ابو الخطاب نصیر بن احمد قاری ماذکر کیا ہے جو قرآن کے قاری علوم نبوت کے حافظ، اپنے وقت کے جلیل القدر محدث، معاشی اور کاروباری لحاظ سے حاکم اور نساج یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کرنے والے تھے ان کی علمی عظمت اور ممتاز حالت قدر کیلئے اتنا کافی ہے کہ خود علامہ سمعانی نے ان سے شرف تلمذ کو ناز و افتخار کے ساتھ بیان کرے ہوئے فرمایا۔

وَسَمِعْتُ مِنْهُ أَحَادِيثَ - مجھے بھی ان سے سماعِ حدیث کا شرف حاصل رہا۔

فخر الاسلام حضرت مولانا سید فخر الدین محمد حبیبی رحمۃ اللہ علیہ کے

افادات سے ایضاح البخاری

- - بخاری شریف کا مکمل متن باعزاب، سلیس اور با محاورہ ترجمہ کے ساتھ دیا گیا ہے
- - تراجم بخاری، امام بخاری کی دقت نظر کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہیں۔ تراجم پر بحث کے سلسلے میں حضرت مولانا نے جو داد و تحقیر دی ہے وہ مطالعہ کے قابل ہے۔
- - اکابر دیوبند کے جو علوم اب تک سینوں کی امانت تھے۔ ایضاح البخاری کی صورت میں اب سینوں میں منتقل ہو رہے ہیں اسی لئے ہندوپاک کے مقتدر علماء اس کی ہر تازہ اشاعت کا انتظار کرتے ہیں
- - شارحین بخاری نے عربی و فارسی زبان میں صدیوں کی مدت دراز میں جو تحقیقات پیش کی ہیں ایضاح البخاری میں ان سب کا پختہ و حسین انداز میں آگیا ہے۔ اصناف کے مسلک کی وجوہ ترمیم، عصر حاضر کے مسائل کی تشریح اور تمام مسائل پر سیر حاصل بنیں۔

پروگرام

اب تک ۱۳ حصے طبع ہو گئے ہیں، جو دو ہویں حصہ سے پروگرام پھر شروع کیا جا رہا ہے۔ اس پتہ سے رابطہ قائم فرمائیں

مکتبہ قاسم المعارف دیوبند (دیوبند)

DARUL ULOOM MONTHLY

DEOBAND [U. P.]

فہرست مطبوعات مکتبہ دارالعلوم دیوبند

۲۲۶	۴۰	۳۱۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۲۷	۴۰	۳۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۲۸	۴۰	۳۱۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۲۹	۴۰	۳۱۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۰	۴۰	۳۱۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۱	۴۰	۳۱۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۲	۴۰	۳۱۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۳	۴۰	۳۱۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۴	۴۰	۳۱۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۵	۴۰	۳۲۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۶	۴۰	۳۲۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۷	۴۰	۳۲۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۸	۴۰	۳۲۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۳۹	۴۰	۳۲۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۰	۴۰	۳۲۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۱	۴۰	۳۲۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۲	۴۰	۳۲۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۳	۴۰	۳۲۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۴	۴۰	۳۲۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۵	۴۰	۳۳۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۶	۴۰	۳۳۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۷	۴۰	۳۳۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۸	۴۰	۳۳۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۴۹	۴۰	۳۳۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۰	۴۰	۳۳۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۱	۴۰	۳۳۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۲	۴۰	۳۳۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۳	۴۰	۳۳۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۴	۴۰	۳۳۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۵	۴۰	۳۴۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۶	۴۰	۳۴۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۷	۴۰	۳۴۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۸	۴۰	۳۴۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۵۹	۴۰	۳۴۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۰	۴۰	۳۴۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۱	۴۰	۳۴۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۲	۴۰	۳۴۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۳	۴۰	۳۴۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۴	۴۰	۳۴۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۵	۴۰	۳۵۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۶	۴۰	۳۵۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۷	۴۰	۳۵۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۸	۴۰	۳۵۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۶۹	۴۰	۳۵۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۰	۴۰	۳۵۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۱	۴۰	۳۵۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۲	۴۰	۳۵۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۳	۴۰	۳۵۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۴	۴۰	۳۵۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۵	۴۰	۳۶۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۶	۴۰	۳۶۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۷	۴۰	۳۶۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۸	۴۰	۳۶۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۷۹	۴۰	۳۶۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۰	۴۰	۳۶۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۱	۴۰	۳۶۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۲	۴۰	۳۶۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۳	۴۰	۳۶۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۴	۴۰	۳۶۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۵	۴۰	۳۷۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۶	۴۰	۳۷۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۷	۴۰	۳۷۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۸	۴۰	۳۷۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۸۹	۴۰	۳۷۴	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۰	۴۰	۳۷۵	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۱	۴۰	۳۷۶	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۲	۴۰	۳۷۷	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۳	۴۰	۳۷۸	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۴	۴۰	۳۷۹	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۵	۴۰	۳۸۰	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۶	۴۰	۳۸۱	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۷	۴۰	۳۸۲	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۸	۴۰	۳۸۳	۱۲	۱۲	۱۲
۲۹۹	۴۰	۳۸۴	۱۲	۱۲	۱۲
۳۰۰	۴۰	۳۸۵	۱۲	۱۲	۱۲



